READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM







READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM

انجم انصار و رفعت سراج کے ناولوں کی نئی اقساط

ٹی وی اینکر حنا نقوی سے دلچسپ گفتگو

مایہ ناز مصنفات کی خوب صورت تحریریں

Monthly PAKEEZA

ماہنامہ

# پاکیزہ

کراچی

نگرانِ اعلیٰ: معراج رسول

مدیرۂ اعلیٰ: عذرا رسول

مدیرہ: انجم انصار

معاون: آمنہ حماد




رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی



ماڈل: حمیرا
میک اپ: روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی: موسیٰ رضا

## شعبہ اشتہارات

منیجر اشتہارات محمد شہزاد خان 0333-2256789
نمائندہ کراچی محمد رمضان خان 0333-2168391
رانا اے حمید 0323-2895528
نمائندہ لاہور سید افراز علی نازش 0332-4214400

قیمت فی پرچا (پاکستان) 60 روپے
قیمت فی پرچا (سعودی عرب) 12 ریال یا مساوی متحدہ عرب امارات
زرسالانہ (اندرونِ ملک) 800 روپے...... جلد: 44 شمارہ: 09 دسمبر 2016ء

## اداریہ



## سلسلے وار ناول



## مکمل ناول



## ناولٹ



## منی ناول



## افسانے



## خصوصی مضامین



پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول مقام اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن ، مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی



مستقل عنوانات




Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O., Karachi-74200
Phone: (021)35895313, Fax: 35802551, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com




ہم روزانہ طرح، طرح کے لوگوں سے ملتے ہیں۔ خوش اخلاق لوگوں کی پیٹھ پیچھے بھی تعریف کی جاتی ہے اور لڑاکو لوگوں سے کم سے کم گفتگو کرنے کی کوشش کی جاتی ہے مگر جب لوگ گفتگو میں بھی انتہا پسند نظر آئیں تو دکھ بھی ہوتا ہے اور ایسے لوگوں پر رحم بھی آتا ہے۔

ان میں سے ایک تو وہ ہیں جن کا نقطۂ نظر کی وضاحت کا انداز بھی سب سے جدا ہوتا ہے۔ جس میں کسی حد تک تکبر و نخوت کو بھی دخل ہوتا ہے۔ موسم خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو ایسے لوگ پھر بھی اس سے شاکی ہوں گے، کسی کے گھر چلے جائیں تو وہاں کے لوگوں کا مذاق اڑائیں گے، رغبت سے کھا پی کر بھی انہیں سواد نہیں آئے گا۔ دوسرے کی تعریف کرنے میں ہمیشہ بخل سے کام لیں گے کہ ان کے دل کا چور انہیں ڈراتا رہتا ہے کہ کہیں کوئی اپنی تعریف سن کر اترا نہ جائے۔

ایسے لوگ کسی کی معذرت بھی قبول نہیں کیا کرتے......اور اپنی ہر بات کو ہمیشہ صحیح سمجھا کرتے ہیں۔ انتہا پسندوں کی دوسری قسم ان تنگ نظر مردوں اور عورتوں پر مشتمل ہے جو احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر نہایت انکسارانہ اور احساس کمتری لیے ہوتا ہے، ان کا انداز گفتگو ہمیشہ ہی عاجزانہ اور معذرت خواہانہ ہوتا ہے۔ وہ خود اپنی غلطیوں کی نشان دہی کرتے ہیں اور اپنے بارے میں حقارت آمیز ریمارکس پاس کرتے ہیں، ہم پر تو کوئی کپڑا اچھا نہیں لگتا، اپنا خیال رکھ کر کیا کریں کچھ فرق ہی نہیں پڑتا۔

ہمارا تحفہ تو آپ کو پسند آ ہی نہیں سکتا......وغیرہ، وغیرہ ایسے لوگ اگر کبھی غلطی سے کوئی اچھی بات کر دیں......تو لوگ اس کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ مخول کر رہا/ کر رہی ہوگی اس لیے آج آپ سے یہی کہنا ہے آپ کی شخصیت کی کتاب میں آپ کی زبان ہی وہ دیباچہ ہے......جس کو چند منٹ پڑھنے اور سننے کے بعد اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب کیسی ہوگی۔

اس لیے بات کرنے کے قرینے ان لوگوں سے سیکھیں......جن کی باتیں سن کر آپ کو ایسا لگتا ہے کہ لفظوں سے بھی پھولوں جیسی مہک آیا کرتی ہے اور ایسے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں۔

مدیرہ
انجم انصار

اور بے شک تم ہمارے پاس تنہا آئے جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو (مال، اولاد) ہم نے تمہیں دیا تھا اسے تم اپنے پس پشت چھوڑ آئے اور اس وقت ہم تمہارے ساتھ ان کی سفارش کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جنہیں تم خیال کرتے تھے کہ بے شک وہ (ہمارے) شریک ہیں بے شک (اب) تمہارے درمیان میں قطع (تعلق) ہو گیا اور جو کچھ تم خیال کرتے تھے وہ تم سے جاتا رہا (۹۴) بے شک اللہ دانے اور گٹھلی کا پھاڑنے والا (اس سے درخت نکالنے والا) ہے اور زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کا زندہ سے نکالنے والا ہے یہی تمہارا رب (اللہ) ہے پس تم کہاں لوٹے چلے جا رہے ہو (۹۵) وہ صبح کا نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو آرام گاہ بنایا ہے اور آفتاب اور ماہتاب کو حساب۔ یہ (اللہ) غالب (و) دانا کا اندازہ ہے (۹۶) اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم ان سے جنگل اور دریا کی تاریکیوں میں راہ پاؤ بے شک ہم نے ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں نشانیاں مفصل بیان کر دی ہیں (۹۷) اور وہی ہے جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا پھر ایک جگہ (دنیا میں) رہنے کی (مقرر کی) اور ایک جگہ (تمہارے) دفن ہونے کی بے شک ہم نے ان لوگوں کے لیے جو سمجھتے ہیں (اپنی) نشانیاں مفصل بیان کر دیں۔ (۹۸) اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس (پانی) سے ہر چیز کی روئیدگی پیدا کی پھر ہم نے اس سے سبزہ نکالا جس سے ہم باہم ملے ہوئے (غلوں کے) دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے درخت سے اس کی شاخ سے لٹکتے ہوئے گچھے اور انگور اور زیتون اور انار کے باغات ایک دوسرے کے مشابہ اور (مزے میں) ایک دوسرے کے غیر مشابہ اس کے پھل کی طرف دیکھو جب وہ پھلے اور اس کے پکنے کی طرف (نظر کرو) بے شک اس میں (ہماری) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں (۹۹) اور ان لوگوں نے جنات کو اللہ کا شریک مقرر کیا ہے حالانکہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں اور ان لوگوں نے اللہ کے لیے لڑکے اور لڑکیاں بے سمجھے تراشی ہیں اس کی پاکی ہے اور وہ برتر ہے اس سے جو یہ بیان کرتے ہیں (۱۰۰) آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس کے کوئی لڑکا کس طرح ہو سکتا ہے حالانکہ اس کے کوئی بی بی نہیں ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے واقف ہے (۱۰۱) یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے سوا اس کے کوئی معبود نہیں ہے وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے پس اس کی پرستش کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے (۱۰۲) (دنیا میں) اسے آنکھیں نہیں پا سکتیں اور وہ آنکھوں کو پا لیتا ہے اور وہ باریک بین اور باخبر ہے (۱۰۳) بے شک تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس دلیلیں آ چکیں پس جو کوئی بصیرت حاصل کرے تو اسی کا فائدہ ہے اور جو (ان کو) نہ دیکھے تو اسی کا نقصان ہے اور (کہہ دو کہ) میں تم پر نگہبان نہیں ہوں (۱۰۴)

سورۂ انعام آیت نمبر ۹۴ تا ۱۰۴

# آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الرَّاشِدِیْنَ ○

افضل الانبیا ختمی مرتبت، سید المرسلین، سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفاتی اسمائے مبارک میں سے ایک نام رشید بھی ہے جس کا مفہوم نیک، سب سے بڑا رہنما، سیدھا راستہ دکھانے والے کے ہیں۔

وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۵۲) الشوریٰ

ترجمہ: اور بے شک (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو۔

وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا ط وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (۵۴) النور

ترجمہ: اور اگر تم ان (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فرمان پر چلو گے تو سیدھا راستہ پالو گے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمے تو صاف، صاف احکام پہنچا دینا ہے۔

**الحدیث الرشید** (نیک) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، ہدایت کا، پرہیز گاری کا، پاکدامنی اور استغنا کا۔ (مسلم)

**سیدھا راستہ دکھانے والے۔** آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کے سامنے ایک خط کھینچا پھر اس کے دائیں بائیں اور بہت سے خطوط کھینچے اور فرمایا، دیکھو یہ سیدھا خط صراط مستقیم ہے اور اس کے دائیں بائیں جو خطوط ہیں وہ سبل ہیں اور ناپسندیدہ راہیں ہیں جن کی طرف شیاطین دعوت دیتے ہیں۔

**الوانیے:** مذہب اسلام کا وہ حصہ جس میں بہت کم تغیر و تبدیلی ہوئی ہے اور جس سے اس کے بانی کی نیک طبیعت نہایت صاف، صاف معلوم ہوتی ہے، اس مذہب کا نہایت کامل اور روشن حصہ ہے، اس سے مراد قرآن کریم کے علم اخلاق سے ہے، ناانصافی، کذب، غرور، انتقام، غیبت، استہزاء، طمع، اسراف، عیاشی، بے اعتباری، بدگمانی، ان سب کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت مذمت کی ہے۔ (چیمبرز انسائیکلو پیڈیا)

قرآن کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے نازک وقت میں دنیا کے سامنے پیش کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام گمراہیوں کو مٹایا جن کو دنیا پر چھائے ہوئے مسلسل چھ صدیاں گزر چکی تھیں قرآن نے دنیا کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی۔ علوم حقائق سکھائے ظالموں کو رحم دل اور وحشیوں کو پرہیز گار بنا دیا۔ اگر یہ کتاب نازل نہ ہوتی تو انسانی اخلاق تباہ ہو جاتے اور دنیا کے باشندے برائے نام انسان رہ جاتے۔

**الفضائل:** جو کوئی خواہش مند ہو کہ پروردگار اسے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے تو ہر نماز کے بعد 50 مرتبہ یہ اسم پاک رشید پڑھنے سے اسے برے کاموں سے شدید نفرت ہو جائے گی اور وہ نیکی کے کاموں کی طرف مائل ہوگا۔

قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اقتباس





# ہم گم شدہ محبت کے

قسط 11

انجم انصار

انسان نہ کچھ کر سیکھتا ہے، نہ رو کر سیکھتا ہے، جب بھی سیکھتا ہے، یا کسی کا ہو کر سیکھتا ہے، یا پھر کسی کو کھو کر سیکھتا ہے... چونکہ لوگ دل کے امیر کم، کم ہوتے ہیں، اس لیے زندگی کی کتاب میں اتنی غلطیاں نہ کرو کہ پنسل سے پہلے ربڑ ختم ہو جائے اور توبہ سے پہلے زندگی...

جو آنکھوں اوٹ ہے چہرہ اسی کو دیکھ کر جینا
یہ سوچا تھا کہ آساں ہے مگر آساں نہیں ہوتا
نہ بہلا وا نہ سمجھوتا، جدائی سی جدائی ہے
ادا سوچو تو خوشبو کا سفر آساں نہیں ہوتا

محبت کے انوکھے روپ سنوارتی ایک حسین



قدم قدم پہ ذرا کوئی جان ہارے تو
ہماری طرح کوئی زندگی گزارے تو
بہت قریب سے دیکھا میں نے آج ان کو
مری نگاہ کا صدقہ کوئی اتارے تو

شہلا کس طرح گھر پہنچی تھی، وہ خود بھی نہیں جانتی تھی...... ٹیکسی ڈرائیور کو بہ مشکل وہ گائیڈ کر رہی تھی...... کبھی غلط تو کبھی صحیح...... راستے میں اپنے لرزتے ہاتھوں سے ایس ایم ایس بھی بہت مختصر ہی کر سکی تھی...... فوراً گھر پہنچیں......
اور یہی وجہ تھی کہ حارث اس کے آنے سے قبل ہی فلیٹ میں موجود تھا۔ اور جب وہ لڑکھڑاتی ہوئی اندر داخل ہوئی تو اس نے اسے اپنے بازوؤں میں سنبھال لیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بے ہوش ہو رہی ہو۔
''آج میں مرتے، مرتے بچی ہوں۔'' خشک گلے سے اس نے کہا۔
''کہیں اس خبیث نے کوئی ایسی ویسی حرکت تو نہیں کر ڈالی۔'' حارث نے اس کے لبوں سے پانی کا گلاس لگاتے ہوئے بہ مشکل پوچھا۔
''نہیں۔'' اس نے آہستگی سے کہا...... اور پورا گلاس چڑھا گئی۔
''پھر اتنی پریشان کیوں ہو، تمہارا چہرہ اتنا زرد کیوں ہو رہا ہے اور تم کانپ بھی رہی ہو۔'' وہ بستر پر بیٹھی تھی اور حارث اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے فرش پر دوزانو بیٹھا پوچھ رہا تھا۔
''آج ساجد نے میرا بیگ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔''
''کوئی دوسری بات کرو...... میں اس شخص کا نام بھی نہیں سننا چاہتا۔''
''آج اگر ساجد کو پتا چل جاتا کہ آپ سے میرا کوئی رابطہ ہے تو پتا نہیں وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرتا۔'' وہ اب بھی بہت ڈری ہوئی تھی۔
''کچھ نہیں کر سکتا وہ...... مگر اسے تمہارے پرس میں ایسی کیا خاص بات نظر آئی؟''
''پتا نہیں، میں گزشتہ دس دنوں سے اپنا وہی کالا بیگ لے کر جا رہی ہوں جو کہ آپ نے گفٹ کیا تھا۔''
''تو کیوں لے لیا اس نے...... کوئی وجہ تو ہوگی ناں......'' حارث نے سوچتے ہوئے کہا۔
''پتا نہیں...... اور پھر اس نے اسے میرے سامنے ڈھٹائی سے کھول بھی لیا۔''
''پاگل تو نہیں ہو گیا وہ......''
''نہیں ایسا تو نہیں لگتا۔''
''تو کیا اس میں اتنی بھی شائستگی نہیں ہے کہ کسی بھی لڑکی یا خاتون کے پرس کو...... اس کی اجازت کے بغیر ہاتھ نہیں لگایا کرتے۔''
''مگر وہ تو مجھے بھی اپنا سمجھ رہا ہے ناں...... ایسی لڑکی...... جس سے وہ شادی کرے گا اور بہت جلدی کرے گا۔''
''میں کہہ رہا ہوں...... تم اس کی یہ غلط فہمی جتنی جلدی دور کر دو اچھا ہے۔''
''حارث میں نہیں کر سکتی۔ اور ان حالات میں تو بالکل بھی نہیں کر سکتی۔''
''شہلا ایک بات بالکل سچ بتاؤ گی؟''
''ہاں پوچھیں۔'' اب وہ اسے ہی دیکھے جا رہی تھی۔
''کہیں ایسا تو نہیں کہ اب وہ تمہیں کچھ، کچھ اچھا لگنے لگا ہو۔'' حارث نے جل کر کہا۔

''سنیں بات اس وقت میرے پرس کی ہو رہی ہے، میری اس سے شادی کی نہیں ہو رہی...... جو آپ کو جلال چڑھنے لگا ہے۔''

''ہاں، پھر کیا ہوا...... جب اس نے تمہارا پرس کھولا تو؟''

''صرف کھولا ہی نہیں بلکہ اسے ٹیبل پر الٹ بھی دیا۔''

''ارے تو...... پھر کیا ہوا...... تمہارا میک اپ کا سامان اِدھر اُدھر پھیل گیا ہوگا۔'' حارث اب گہری سانس لے کر اسے تمسخر سے دیکھنے لگا۔

''ہاں وہ سب تو پھیل ہی گیا تھا مگر اس میں جو آپ کی تصویریں تھیں، وہ لفافے میں ہی رہیں...... پتا نہیں کب میں نے وہ لفافے میں رکھ دی تھیں ورنہ میں تو اپنے پرس میں اپنی چیزیں یوں ہی ڈالنے کی عادی ہوں۔''

''اُف خدایا۔'' اب حارث سر پکڑے اسے گھور رہا تھا مگر محبت سے...... ''حارث اگر وہ لفافہ کھول کر دیکھ لیتا تو اسے پتا چل جاتا کہ آپ میرے کیا لگتے ہیں۔''

''پگلی لڑکی...... میری تصویریں لے کر سارے جہان میں گھومنے کا مشورہ تمہیں کس نے دیا تھا۔'' حارث اس کی پیشانی پر آئے بال سنوارتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''یہ تو میں اس وقت سے رکھتی ہوں جب سے آپ مجھے اچھے لگنے لگے تھے۔''

''اب تصویر کی بات چھوڑو اور پرس کی بات بتاؤ۔ اس نے کیوں اور کیسے لے لیا؟ تمہیں پوچھنا تو چاہیے تھا ناں......؟'' وہ اپنی برہمی چھپا کر بولا۔

''بس ایسے ہی......''

''ایسے ہی تو...... کوئی بھی شخص کسی کا پرس اپنے ہاتھ میں نہیں لیا کرتا۔''

''ہو سکتا ہے، اس کے دل میں کوئی بات ہو۔''

''یقیناً ہوگی...... ورنہ اسے کیا ضرورت پڑی تھی کہ کسی خاتون کا پرس لے کر بیچ ٹیبل پر الٹ دیتا۔''

''ہاں...... وہ کہہ رہا تھا کہ میں بھی تو دیکھوں...... اتنے خوب صورت پرس میں کیا خزانہ رکھا ہوا ہے......''

''تو تمہارے خیال میں...... وہ کوئی خزانہ تلاش کر رہا تھا؟'' حارث نے پوچھا۔

''میرا تو خیال ہے کہ ازراہِ مذاق اس نے ایسا کیا ہوگا۔''

''ویسے تمہاری قلعی کھلنے سے بچ گئی۔'' وہ اپنی تصویروں کے حساب سے بات کر رہا تھا۔ ''ویسے ایک بات بتاؤ تم نے میری یہ تصویریں کہاں سے لیں، مجھے نہیں معلوم کہ میں نے یہ تصاویر کبھی دی تھیں۔'' اب وہ لفافے میں سے اپنی تصاویر نکال کر دیکھ رہا تھا۔

''ایک مرتبہ آپ کے روم میں بیٹھی تھی، آپ کسی کام سے اٹھ کر باہر گئے تو آپ کی تصاویر کے لفافے میں سے تین تصویریں میں نے لے لی تھیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ''مجھے تو ایسا لگا تھا کہ آپ مجھے دینے کی وجہ سے اپنی ٹیبل پر رکھ کر اٹھ گئے تھے۔''

''اور مجھے بتایا بھی نہیں......'' وہ مصنوعی غصہ دکھاتے ہوئے بولا۔

''اگر آپ کو بتا دیتی تو کیا آپ لینے دیتے......؟'' وہ ہنسی۔

''چلو اس مرتبہ تو اللہ نے بچا لیا...... مگر اب مجھ سے وابستہ کوئی چیز بھی تمہارے پرس میں نہیں ہونی چاہیے...... سمجھیں۔''

''میرے تو لاکٹ میں بھی آپ کی تصویر ہے......'' شہلا نے لاکٹ کا لاک کھول کر دکھایا۔

''باز آجاؤ شہلا...... تم۔'' وہ مسکرایا۔ ''ورنہ...... اس جیسا سائیکی شخص تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گا...... تم نہیں جان سکتیں۔''

''حارث، کبھی تو میرا دل یہ چاہتا ہے کہ ہم کہیں باہر چلے جائیں جہاں ساجد اور اس جیسے لوگ ہمیں نظر تک نہیں آئیں۔''

''تم آفس کو خیر باد کہہ دو...... شادی کے بعد ہم یہ پلاننگ بھی کر سکتے ہیں۔''

''حارث! پہلے شادی کی جلدی مجھے تھی اور اب آپ کو ہے..... کیوں ؟''

''میں ہر روز خوف کا دن گزارتا ہوں، جب تک تم ساجد کے آفس سے واپس نہیں آجاتیں، مجھے سکون نہیں آتا۔''

''بھئی اب وہ مجھ سے زبردستی تو شادی نہیں کر سکتا ناں؟''

''مگر نقصان ضرور پہنچا سکتا ہے۔''

''ایسی اندھیر نہیں مچی ہے جناب......'' وہ ہنسی۔

''اور یوں بھی میں اب اس کی گفتگو ٹیپ کر کے سر ریحان کو دے رہی ہوں۔''

''اگر اسے تم پر ذرا بھی شک ہو گیا ناں؟''

''تو بھلا پھر کیا ہو گا؟'' وہ ناز سے ہنسی۔

''وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا......'' وہ کرب سے بولا۔

''نہ چھوڑے...... میرا کون رونے والا بیٹھا ہے، آپ اپنی امی کی پسند کی کسی شائستہ، سمجھدار سی لڑکی سے شادی کر لیجیے گا...... اور......'' اس سے قبل کہ وہ مزید کچھ کہتی...... حارث نے نہ صرف اس کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا...... بلکہ اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے...... اس کی آنکھیں شدید غصے اور برہمی سے سرخ ہو گئی تھیں۔

''اب اگر ایک لفظ بھی کہا ناں تو اسی لمحے تمہیں اٹھا کر لے جاؤں گا...... اور کورٹ میں شادی کر لوں گا۔ نہ میں تمہارے ابا کا انتظار کروں گا اور نہ تمہاری اماں کا...... بے شک تمہارے خاندان والے تم پر الزام لگا دیں کہ تم نے بھاگ کر میرے ساتھ شادی کر لی ہے۔ مگر مجھے ان باتوں کی رتی بھر بھی پروا نہیں ہو گی۔ آیا سمجھ میں......''

اور وہ اس کے سینے سے لگ کر یوں رو پڑی تھی...... جیسے سارے آنسو وہ آج ہی بہا دینا چاہتی ہو۔

☆☆☆

''دو دن ہو گئے...... ڈھنگ سے بات ہی نہیں ہوئی تم سے۔ آج کہیں ملتے ہیں۔'' ندیم نے فجر کی نماز پڑھتے ہی مجھے میسج کیا۔

''آپ ہمارے گھر آجائیں...... ساتھ لنچ کرتے ہیں...... میں چائنیز اچھا بنا لیتی ہوں...... پورا یقین ہے آپ کو اچھا لگے گا۔''

''نہیں، تمہارے گھر آکر باتیں کرنا...... اچھا نہیں لگے گا۔'' ان کا جواب بھی فوراً آ گیا۔

''تو پھر کیا کریں...... میں اب چھٹی کے دن تو آفس نہیں آسکتی ناں۔''

''تم آجاؤ...... ہمارے گھر...... میں کھانا باہر سے آرڈر کر دوں گا۔''

''چھٹی کا دن ہے، بین آپا بھی آسکتی ہیں...... اور شادی سے پہلے اگر لڑکیاں، اپنی سسرال میں زیادہ جانے

لگیں تو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔''

''تو پھر باہر ہی مل لیتے ہیں، تمہارے پسندیدہ ہوٹل میں۔''

''ٹھیک ہے، میں آجاؤں گی...... مگر کب تک پہنچوں......؟''

''میں پک کرلوں گا...... ٹھیک ڈیڑھ بجے، باہر آجانا......''

''آجاؤں گی، اب تو ٹھیک ہے ناں......''

''ہاں، تم سے باتیں کیے بغیر خود کو ادھورا سا سمجھنے لگا ہوں۔''

اور جب ہوٹل میں، میں ان کے مدِمقابل بیٹھی تھی...... تو وہ کچھ بولنے کے بجائے مجھے یوں دیکھ رہے تھے جیسے مجھے اپنی آنکھوں میں جذب کررہے ہوں۔

''صبا ایک بات سچ، سچ بتاؤ گی؟'' بڑے گمبھیر لہجے میں کچھ سوچتے ہوئے پوچھا گیا۔

''ایسی کیا بات ہے جو آپ اتنے سنجیدہ سے بیٹھے ہیں۔''

''میں یہ مانتا ہوں کہ میں تمہاری سیکنڈ چوائس ہوں...... مگر تم نے مجھے اپنے دل میں جگہ اسی محبت سے دی ہے ناں...... جس کا میں اپنے آپ کو اہل سمجھتا ہوں۔''

''آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میں اپنے اوپر زبردستی کرنے والی لڑکی نہیں ہوئی...... جب آپ نے آکر میرے دل سے عامر کے وجود کو نکال پھینکا تو مجھے اب واقعی آپ کے سوا کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔''

''اس کی یادیں...... تمہیں کبھی دکھی تو نہیں کریں گی ناں......؟''

''آپ کیسی باتیں کررہے ہیں۔'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''آپ کی ہمراہی میں نہ تو مجھے کسی کی یاد آئے گی اور نہ ہی میں دکھی ہوں گی۔''

''اس کا مطلب یہی ہوا ناں کہ تم نے عامر کا طویل عرصے انتظار کر کے اپنے اوپر ظلم ہی کیا۔''

''وہ انتظار، شاید...... میری سزا بھی تھی کہ میں اس کے لفظوں کو شاید چابی سمجھ بیٹھی تھی...... اور چابی بھی وہ جس نے میرے دل کا تالا کھول دیا تھا۔ میں یہ بھول بیٹھی تھی کہ لفظوں کی چابی اگر کسی کا دل کھول سکتی ہے تو بند بھی کرسکتی ہے۔ وہ تو کوئی بادل تھا...... جو اُڑ کر کہیں چلا گیا۔ شاید آسمان میں کہیں کھو گیا۔''

''اب دفع کرو...... عامر کو...... تمہارا یقین ہی میرا سب کچھ ہے۔''

''ہاں، اب ہمیں اس کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہیے۔'' میں قدرے چڑ کر بولی۔

''میں تو اب بالکل نہیں کروں گا...... یوں بھی رقیبِ روسیاہ کس کو اچھے لگا کرتے ہیں۔''

''اب جلدی سے کھانا منگوائیں...... بھوک کے مارے برا حال ہے۔''

''وہ تو میں آرڈر کرچکا ہوں۔'' وہ ہنسے۔

اور جب وہ دونوں کھانا کھارہے تھے تو عین ان کی ٹیبل کے قریب سے عامر اور فرزانہ بھی گزرے...... مگر اس وقت صبا نظریں جھکائے کھانا کھارہی تھی اور ندیم خان اس کی پلیٹ میں فرائی فش رکھ رہا تھا۔

عامر خان کھانا کھاتے ہوئے اس کی ہنسی سن کر قدرے چونکا۔ اس انداز میں تو صبا ہنسا کرتی تھی...... اسے خیال آیا۔

مگر فرزانہ نے اپنے ہاتھ سے اس کے منہ میں نوالہ دیا...... تو وہ بے اختیار فرزانہ کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر نوالہ کھانے میں مصروف ہوگیا۔

رات کو گھر میں بستر پر لیٹے، لیٹے وہ ہنسی اس کے دل میں لہر سی بن کر اٹھی۔

''اللہ! اس دنیا میں کیسی، کیسی مماثلت ہے، ویسی ہی کھنک تھی...... جیسے کوئی چھن سے ہنس رہا ہو۔'' وہ سوچ رہا تھا اور اس بے کلی نے اسے ساری رات سونے نہیں دیا تھا۔ صبح وہ اٹھا تو آنکھیں سرخ انگارہ سی تھیں۔

''کیا رات کو سوئے نہیں؟'' ناشتے کی ٹیبل پر رئیسہ بیگم نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں، کسی نے سونے ہی نہیں دیا۔'' وہ بڑبڑایا تھا۔ اس کی آواز...... بس اتنی ہی تھی کہ جیسے اس نے صرف اپنے آپ کو ہی سنایا ہو۔ مگر وہ ماں تھیں...... اس کی بڑبڑاہٹ کا مطلب بھی سمجھتی تھیں۔

''میں جانتی ہوں سب......'' وہ ہنس کر بولی تھیں۔

''آپ کیا جانتی ہیں؟'' اس نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔

''یہی کہ فرزانہ رات بھر موبائل پر تمہیں پریشان کررہی ہوگی۔''

''اس کا مطلب ہے، آپ کچھ بھی نہیں جانتیں۔'' اس نے اپنے آپ سے کہا اور اٹھ گیا۔

''اس فرزانہ سے زیادہ شرمیلا تو میرا عامر ہے، مجال ہے کہ بتائے کہ وہ کیا کہہ رہی تھی۔ بیٹا ایک آدھ بات، ماں کو بتانے میں کوئی حرج تو نہیں ہوتا۔'' اب رئیسہ بیگم بھی اپنے آپ سے باتیں کررہی تھیں۔ ایسی باتیں...... جو اکثر مائیں خود اپنے سے ہی کیا کرتی ہیں۔

☆☆☆

کراچی کا موسم اچانک ہی بے حد خوشگوار ہوگیا تھا۔ بادل چھا گئے تھے اور ہلکی، ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔

''بے حد پیاری لگ رہی ہو...... ہمیشہ سے زیادہ خوب صورت......'' شہلا آفس پہنچی تو ساجد اسے مسکرا کر دیکھتے ہوئے بولا۔

''شکریہ......'' وہ زبردستی کی مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجا کر بولی۔

''آج تو موسم بہت عاشقانہ ہو رہا ہے، کہیں باہر چلیں؟''

''مثلاً کہاں......؟'' اپنے دل کے ڈر کو چھپاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''لانگ ڈرائیو پر......''

''نہیں...... زیادہ ٹریولنگ سے میرے سر میں درد ہو جاتا ہے۔''

''تو پھر کہاں چلیں؟'' اس نے لاڈ سے پوچھا۔

''سی سائڈ......'' اس کے خیال میں وہ باحفاظت جگہ تھی۔

''وہاں تو بچے جاتے ہیں...... پانی میں اچھلنے کودنے کے لیے۔''

''میرا دل بھی یہی چاہتا ہے۔''

''اچھا چلو......'' سرشار سا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

ڈرائیور اور گارڈ کو اس نے منع کردیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر خود بیٹھا...... اور جب وہ اس کے برابر بیٹھی تو اس کا ایک ہاتھ اس کی کمر کے گرد گھوم گیا۔

شہلا کو یوں لگا جیسے کسی سانپ نے اسے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا ہو۔ مگر جلد ہی اس نے ہاتھ واپس اسٹیئرنگ پر رکھ لیا تھا تو شہلا نے بھی سکون کی سانس لی۔ اب وہ دھیمی رفتار سے ڈرائیو کرتے ہوئے گنگنا رہا تھا...... آواز بھی بری نہیں تھی۔

وفا کی جنگ مت کرنا بہت بیکار جاتی ہے
زمانہ جیت جاتا ہے، محبت ہار جاتی ہے
ہمارا تذکرہ چھوڑو، ہم ایسے لوگ ہیں جن کو
نفرت کچھ نہیں کہتی، محبت مار جاتی ہے

شہلا کھڑکی سے باہر بھاگتے دوڑتے مناظر دیکھنے میں محو تھی۔

''شہلا تم نے بتایا نہیں اپنے عاشقِ صادق کے بارے میں؟'' وہ اس کا چہرہ اپنی طرف کرتے ہوئے بولا۔

''میرا عاشقِ صادق کہاں سے آ گیا؟'' وہ پریشان سے لہجے میں بولی۔

''اب تم مجھ سے تو جھوٹ مت بولو۔'' وہ ہنسا۔

''یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟'' وہ اس کی جانب گھومی ہوئی تھی۔

''ارے، تم نے ہی تو بتایا تھا ناں کریم کے بارے میں...... جو تمہارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا تھا۔''

''اب وہ میرا بہنوئی ہے...... میرا اس سے کیا تعلق......؟''

''اب یہ تو نہ کہو...... کہ تمہارا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ آخر وہ بیچارہ تم سے محبت کرتا ہے۔''

''مگر مجھے تو اس سے محبت نہیں ہے۔''

''میں نے تو سنا ہے کہ نفرت بھی محبت کی شکل ہوا کرتی ہے۔''

''ہوتی ہو گی...... مگر میری نفرت...... صرف نفرت ہی ہے۔''

''اور تمہاری بہن کو اپنے شوہر سے محبت ہے یا بعد میں اس کی بھی ختم ہو گئی۔''

''میری بہن کا تو وہ شوہر ہے اور ہر بیوی اپنے شوہر سے محبت کیا کرتی ہے۔''

''ہر بیوی تو نہیں کرتی۔'' وہ عجب انداز سے کہہ رہا تھا۔

''اب مجھے ہر قسم کی بیویوں کے بارے میں تو کچھ نہیں معلوم......'' وہ چڑ کر بولی۔

''ارے......رے تم تو ناراض ہو گئیں۔'' وہ ہنسا۔

''آپ باتیں ہی ایسی کر رہے ہیں۔''

''اچھا، کچھ اپنی بہن کے بارے میں بتاؤ......وہ خوش ہے کریم کے ساتھ؟''

''ہاں، خوش ہے اور انشاء اللہ اور خوشی کے دن جلد آ جائیں گے......وہ ماں بننے والی ہے۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے، تمہاری بہن کو اپنی زندگی سے سمجھوتا کرنے کے لیے ایک کھلونا ملنے والا ہے۔''

''ایسی بات نہیں ہے......کریم اب اس کا بہت خیال رکھتا ہے۔''

''یہ تمہاری بھول ہے، وہ اس سے ہرگز محبت نہیں کرتا۔''

''آپ کو کیا پتا......؟ آپ کون سا کریم کو جانتے ہیں؟''

''مجھے تو بس یہ معلوم ہے کہ مرد جس سے محبت کرتا ہے......اسے بھول نہیں پاتا۔ اس لیے کریم......تم کو کبھی بھول نہیں پائے گا۔ وہ کسی نہ کسی بہانے سے تمہارے پاس آتا رہے گا۔''

''جب میں اس کو منہ ہی نہیں لگاؤں گی تب بھی آئے گا کیا؟'' وہ جل کر بولی۔

''ہاں کبھی وہ تمہاری بہن کے بہانے سے آئے گا......اور کبھی تمہارے ہونے والے بھانجے کے حوالے سے۔''

''اول تو ایسا ہو گا نہیں اور بالفرض ایسا ہوا بھی......تو میں ان سب سے لاتعلق ہو جاؤں گی۔ کسی سے بھی نہیں ملوں گی......پھر کوئی زبردستی تو میرے سر پر سوار ہونے سے رہا......؟''

''مائی سوئٹ ڈول تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو تمہیں پسند نہ ہو......اسے مار ڈالو۔'' وہ زہر آلود لہجے میں بولا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ......؟'' وہ خوفزدہ سی ہو گئی۔ ''میں کیوں کسی کو ناحق ماروں گی......محبت کرنا نہ کرنا ہر شخص کا اپنا فعل ہوا کرتا ہے۔ میں اسے مار کر کیوں گناہ گار بنوں گی۔ اللہ کی نظر میں بھی بری بنوں گی اور دنیا والوں کی نظر میں بھی......میں کوئی پھانسی تھوڑی ناں چڑھنا چاہتی ہوں۔''

''چلو یہ تو تم نے اعتراف کر ہی لیا ناں کہ محبت کرنا نہ کرنا......ہر شخص کا ذاتی فعل ہوا کرتا ہے۔''

''ہاں، ہاں......بالکل!''

''تو اب میں تم سے محبت کرتا ہوں تو کیا کروں میں......تم ہی کچھ بتاؤ......تمہیں پانے کے لیے اب مجھے کیا کرنا ہو گا۔'' اب وہ اسے تمسخرانہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔

''امی، ابو آئیں گے تو اس بات کا فیصلہ وہی کریں گے......ہو سکتا ہے کہ وہ جھٹ پٹ قبول کر لیں آپ کا رشتہ۔'' اس سے فوری جان چھڑانے کے لیے اس نے ایسا کہہ دیا تھا۔

''گڈ......یہ ہوئی ناں بات!''

اور شہلا اپنے لبوں پر زبردستی کی مسکراہٹ لے آئی۔ حالانکہ اس کا حلق تک کڑوا ہو رہا تھا اور اس کے پاس بیٹھنا اسے شدید دوبھر لگ رہا تھا۔

''میری مونا......آئندہ ویک اینڈ ہم لاہور چلیں گے۔ وہاں کیٹ واک انجوائے کریں گے......اور ایک دو میری

ضروری میٹنگز ہیں اور نیکسٹ منتھ دبئی چلنا میرے ساتھ اور پھر امریکا......''

''اس وقت تو میں گھر جاؤں گی؟'' وہ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

''اور اگر میں کہوں نہیں تو؟''

''مگر مجھے جانا تو ہوگا۔''

''تمہارے گھر پر کون سا کوئی تمہارا انتظار کررہا ہے۔''

''ہاں انتظار تو ہو رہا ہوگا میرا۔'' کچھ سوچ کر اس نے اعتماد بھرے لہجے میں کہا۔

''اچھا کس کو بلایا ہے تم نے فلیٹ پر؟'' اس کے ماتھے کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ اور لہجہ ایسا دھاری دار ہوگیا جیسے وہ اسے کاٹ کھائے گا۔

''خاموش کیوں ہوگئیں؟ میری بات کا جواب دو ناں......؟ کس کو بلایا ہے، تم نے فلیٹ پر۔''

اسے یوں سراسیمہ سا ہوتا دیکھ کر......وہ پھر دہاڑا۔

''پہلے میری بات تو سن لیجیے آپ......''

''تو بکو ناں جلدی سے!''

''مسز ناصر کے جانے کے بعد میں ان کا بیوٹی پارلر تھوڑا بہت تو دیکھ رہی ہوں ناں......''

''تو پھر......؟''

''شام میں، رات میں فلیٹوں سے ہی کلائنٹس آجاتی ہیں۔ اور آج تو مجھے یہاں سے جا کر دو لڑکیوں کا پارٹی میک اپ کرنا ہے، وہاں وہ میرا انتظار کررہی ہوں گی۔''

''تم سے اپنا میک اپ تو کیا جاتا نہیں......دوسروں کا کیا خاک کرتی ہوگی۔''

''میں اپنا میک اپ تو اس وجہ سے بھی اب نہیں کرتی کہ آپ نے ہی تو مجھ سے کہا ہے کہ مجھے میک اپ کی ضرورت نہیں۔'' اس کا موڈ بہتر بنانے کے لیے اس نے چاپلوسی سے کام لیا۔

''ہاں ایسا تو ہے، تمہاری اسکن اتنی اچھی اور چمکدار سی ہے کہ اس پر کسی قسم کی تہ جمانے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''تو میں جاؤں؟''

''میں چھوڑ دوں تمہیں؟''

''چھوڑے تو کبوتر جاتے ہیں اگر آپ مجھے گھر پہنچانا چاہتے ہیں تو ضرور چلیں......''

''پھر کبھی......وہاں تمہارے ہاتھ کی چائے پئیں گے۔''

''تو کل پی لیں ناں...... بلکہ میں آفس نہیں آتی، گھر میں آپ کے لیے ایک دو مزیدار سی ڈشز بناتی ہوں۔''

''تم آفس نہیں آؤ گی تو میں کیا کروں گا......'' وہ محبت سے بولا۔

''تو پھر کل آؤں؟'' اس نے پوچھا۔

''بالکل......اور وقت پر......کل ہمیں ساتھ جانا ہے۔''

''کہاں......جانا ہے؟''

''جہاں میرا دل چاہا، وہاں جاؤں گا۔''

''تو آپ کا دل کیا چاہ رہا ہے؟''

''میرا دل......'' وہ ہنسا اور اسے محبت سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''شہلا......تم میری جان ہو اور میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں اپنے دل میں قید کر کے رکھ لوں۔ اور اس کے لیے ...مجھے تمہارے کچھ پر تو کترنے ہی ہوں گے۔''

''کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' اب وہ خوف اور حیرت سے اسے دیکھے چلی جا رہی تھی......اور مارے خوف کے رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔

''تم کیا محبت کی بات بھی نہیں سمجھ سکتیں۔'' اب وہ لاڈ بھرے لہجے میں بول رہا تھا۔

''آپ کی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔''

''واقعی پاگل ہو، تمہارے اتنے لمبے، لمبے بالوں سے مجھے وحشت سی ہوتی ہے۔ اگر تم انہیں کٹوا لو تو مزید خوب صورت لگو گی۔''

''میں نے اتنی محنت کر کے تو انہیں بڑھایا ہے، میں بھلا انہیں کیوں کاٹ لوں۔''

''کیا تمہیں میری خوشی عزیز نہیں؟''

''وہ تو ہے......مگر......''

''یہ اگر اور مگر محبت میں نہیں ہوا کرتی۔''

''اچھا......اس بارے میں بھی سوچا جا سکتا ہے۔''

''یہ ہوئی ناں بات!'' ساجد نے اسے تیزی سے اپنی جانب کھینچا۔

اس نے اپنے آپ کو فوری سنبھالا۔ مگر اس اثنا میں وہ اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر چوم چکا تھا۔ اور اسے یوں لگا تھا جیسے کسی نے کوئی دہکتے ہوئے کوئلے اس کے ہاتھوں پر رکھ دیے ہوں۔

☆☆☆

''یہ ہیں ساجد کی میڈیکل رپورٹس...... جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ نفسیاتی مریض ہے......'' حارث نے ایک فائل اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''مگر یہ فائل آپ نے کہاں سے حاصل کی......؟'' شہلا نے حیرت سے پوچھا۔

''جہاں وہ علاج کی غرض سے جاتا ہے۔ وہاں کے ریکارڈ سے ریحان نے یہ فائل حاصل کر لی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ وہ کسی کو بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔''

''نہیں اس کو جو دماغی بیماری لاحق ہے، اس کے تحت وہ اپنی ہر بات کو صحیح سمجھتا ہے۔''

''یہ تو کوئی بیماری نہیں ہوئی، آج کل ہر شخص ہی اپنی بات درست اور دوسرے کی غلط سمجھتا ہے۔''

''ہاں ساجد کے ساتھ مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر اس کی بات نہ مانی جائے تو وہ مرنے مارنے پر بھی آجاتا ہے۔''

''وہ پاگل تو نہیں لگتے؟''

''ہر پاگل پتھر مارنے والا تو نہیں ہوا کرتا؟'' حارث نے مسکرا کر کہا۔

''جو لوگ اپنی محبت میں پاگل ہو جاتے ہیں، وہ بھی تو خاصے جنونی سے ہوتے ہیں۔'' شہلا.... نظریں جھکائے مگر مسکراتے لبوں سے کہہ رہی تھی۔

''میانہ روی زندگی میں ہر مقام پر ضروری ہوتی ہے چاہے وہ محبت ہو یا نفرت......'' حارث نے لاڈ بھرے لہجے میں سمجھایا۔

''مجھے کبھی کبھی تو ساجد سے بہت ڈر لگتا ہے اور کبھی وہ ایسا بے ضرر سا لگا کرتا ہے کہ مجھے اس پر ترس آجاتا

ہے۔'' شہلا...... رنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

''سنیے محترمہ...... آپ کو کسی پر ترس کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ بھی خیال رکھنا ہے کہ اس کے ساتھ اکیلے میں کہیں باہر نہیں جانا۔''

''اس کے لیے...... تو سر ریحان نے میری سینڈل میں ایسی ڈیوائس لگادی ہے کہ میں جہاں جاؤں گی...... انہیں علم رہے گا۔''

''اور جب سینڈل چینج کرتی ہو تو وہ ڈیوائس یاد سے اپنے دوسرے جوتے کے تلے میں لگالیتی ہوناں......''

''بالکل...... آپ کو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

☆☆☆

عامر کئی روز سے بور ہو رہا تھا۔ نہ خود کہیں آنا جانا اچھا لگ رہا تھا اور نہ کسی کا آنا...... ایسے میں فرزانہ آگئی۔

''پلیز مجھے باہر لے جانے کے لیے مت کہنا...... آج میں کہیں نہیں جاؤں گا۔'' اس کو دیکھتے ہی وہ بولا۔

''میں تو آپ کو شادی کے کارڈز دکھانے کے لیے لائی ہوں۔'' اس نے کارڈز کا پلندا اس کے سامنے رکھ دیا۔

''اوہ...... کارڈ پر میری اور تمہاری تصویر لگانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''یہ تو میری خواہش تھی...... شادی کے کارڈ پر ہم دونوں کی تصویر لگے۔''

''مگر وجہ کیا تھی؟''

''جو بھی دیکھے...... جل کر رہ جائے۔ ہمارا کپل کس قدر شاندار ہے۔''

''مگر لوگ کیوں جلیں گے...... ان کا اس تصویر سے کیا لینا دینا...... بلکہ بعض تو شاید کارڈ اندر سے کھول کر بھی نہ دیکھیں۔''

''ایسا مت کہیں...... آپ کی اور میری خوب صورتی سے تو خاندان کے لوگ بھی بہت کلستے ہیں اور وہ اس بات سے بھی جل رہے ہیں کہ ہم دونوں کی شادی کیوں ہو رہی ہے۔''

''تو کیا ہمیں لوگوں کی پسند اور خواہش پر اپنی شادی کرنی چاہیے تھی۔''

''یہ سب تو مجھے نہیں پتا...... بس...... آج کل لوگوں کی خوشی دوسروں کا غم بن گئی ہے۔ خوشی کی تعریف ہی بدل گئی ہے۔''

''تو تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ اگر کسی وجہ سے ہماری شادی نہ ہو تو سب سے زیادہ خوش ہمارے عزیز و اقارب ہوں گے؟''

''بالکل، آج کل یہی ہو رہا ہے۔''

''فرزانہ اپنی خوشی کے لیے تو تم بہت سے کام کرتی ہی ہو کیا ہے...... اگر دوسروں کی خوشی کے لیے یہ شادی موخر کردو...... تو کیا چلا جائے گا۔'' وہ شرارت سے بولا تو وہ منہ بنا کر اٹھلاتی ہوئی اپنی پھپھو کے پاس چلی گئی جنہیں اس کی ہر بات اور ہر ادا پر صدقے واری ہی جانا تھا۔ اور وہ چپ چاپ بیٹھا یہ سب بڑی بے دلی سے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

الماری میں سے میں نے تیزی سے کپڑے نکالے تو پیچھے رکھا ہوا لفافہ بھی کپڑوں کے ساتھ باہر آگیا۔

میں نے اسے کھولا...... تو اس میں رنگ برنگی انگوٹھیاں، پراندے اور مختلف سجاوٹ کی چیزیں تھیں...... جو عامر نے مجھے مختلف مواقع پر گفٹ کی تھیں۔

''لاحول ولاقوۃ! یہ سب کچھ اس نے ابھی تک میں نے سنبھال کر رکھی ہوئی ہے۔'' میرے دل میں پہلا خیال یہی

آیا۔ ’’بچپن میں، میں کتنی بے وقوف سی لڑکی تھی کیسی، کیسی بے تکی چیزوں کو دیکھ کر خوش ہو جایا کرتی تھی۔‘‘

’’نہیں، یہ بات نہیں ہے۔‘‘ میرے دل میں ایک خیال سا آیا۔ یہ سب ندیم خان کی وجہ سے ہو رہا ہے......وہ میری زندگی میں صرف شامل ہی نہیں ہوئے بلکہ وہ میری ہستی پر چھا سے گئے تھے......ان کی پسند ناپسند۔۔۔ان کا اٹھنا، بیٹھنا، ہنسنا، مسکرانا......سب مجھے بہت اچھا لگا کرتا تھا......بلکہ ان کے مقابلے میں کسی بھی شخصیت کو کھڑا نہیں کر سکتی تھی۔

’’واقعی پگلوتھی میں......آج سے دو سال پہلے آنے والے ان کے پرپوزل کو خواہ مخواہ لوٹا دیا تھا۔ بے وقوف لڑکیاں، شاید ایسے ہی سطحی فیصلے کر لیا کرتی ہوں......اور یقیناً نقصان بھی اٹھاتی ہیں۔‘‘

وہ لفافہ میں نے ڈسٹ بن میں ڈالا اور گہری سانس لیتے ہوئے سوچا۔

’’اللہ کا شکر ہے......ندیم خان زندگی کے جھمیلوں میں کہیں کھویا نہیں......امی کہتی ہیں کہ زیادہ تر شادیاں برداشت اور صبر کے ساتھ چلا کرتی ہیں۔ مگر میری تو شادی محبت کے ساتھ چلے گی۔ کتنا چاہتے ہیں وہ مجھے......میرے چہرے کو دیکھ کر جان لیتے ہیں، میں رنجیدہ ہوں یا سنجیدہ......اچھا ہوا عامر......تم کہیں چلے گئے......ورنہ تمہاری ہمراہی میں......میں اتنی خوش تو شاید کبھی نہیں ہو سکتی تھی......کبھی نہیں......‘‘ میرا یہ یقین......ہر روز......پختہ ہو رہا تھا اور امی اور خالہ مجھے خوش دیکھ کر بے حد سرشار تھیں۔

☆☆☆

عامر کے سر میں شدید درد تھا۔ پین کلر لینے کے باوجود افاقہ نہیں ہوا تھا۔

اپنے دل کی پریشانی کو وہ اپنا وہم سمجھ کر......بھولنے کی سعی کر رہا تھا۔ اور جب رئیسہ بیگم نے اس سے کہا۔

’’تمہارے ماموں جان فرزانہ کے جہیز میں جو بنگلا دے رہے ہیں اسے دیکھنے چلتے ہیں۔‘‘ تو وہ چپ چاپ ان کے ساتھ چلا گیا......مبادا ماں برا مان جائیں۔

بنگلا بہت بڑا تو نہیں تھا......مگر بہت خوب صورت تھا اور اس میں ضرورت کی ہر چیز بڑی نفاست سے سیٹ کی گئی تھی۔

’’اب ہم اپنا گھر کرائے پر دے دیں گے۔‘‘ رئیسہ بیگم نے خوش ہو کر کہا۔

’’کوئی ضرورت نہیں ہے کرائے پر دینے کی......اگر یہاں ہمارا دل نہیں لگا تو......؟‘‘

’’اتنی اچھی جگہ پر کیا کوئی بور ہو سکتا ہے۔‘‘ ماں نے حیرت سے کہا۔

’’آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مگر اپنا گھر تو اپنا ہوتا ہے اور اس کے تو کاٹھ کباڑ سے بھی محبت ہوتی ہے۔‘‘

’’مجھے تو اب اس پرانے گھر میں وحشت سی ہونے لگی ہے۔‘‘

’’مگر اماں......مجھے تو آنگن میں لگا امرود کا درخت بھی بولتا ہوا نظر آتا ہے جب بہت دنوں بعد اس کے پاس جاتا ہوں تو مجھے لگتا ہے وہ پوچھ رہا ہو......کہ کتنے دنوں بعد آئے ہو......ورنہ پہلے تو تم میری چھاؤں میں گھنٹوں کرسی ڈالے بیٹھا کرتے تھے۔‘‘

’’بھئی ہم سے یہ درخت پودے سوال جواب نہیں کیا کرتے......ہم تو انسانوں کی بکواس سمجھ نہیں پاتے۔‘‘ رئیسہ بیگم نے الجھ کر بات ختم کر دی تھی۔

اور وہ کھسیا کر خاموش ہو گیا تھا۔

☆☆☆

# یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

## پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف

ایڈ فری لنکس

ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ

ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر

کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ

ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

**Click on http://paksociety.com to Visit Us**

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بُک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بُک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

Dont miss a singal one of your Favourite Paksociety's Update !

i. Open Paksociety Page.
ii.Click Liked.
iii.Select Get Notifications.
iv.Select See First.

All Done

Liked | Message | ...
Get Notifications
Add to Interest Lists...
Unlike
IN YOUR NEWS FEED
See First
See new posts at the top of News Feed
Default
See posts as usual
Unfollow

مجھے معلوم تھا...... ندیم خان نہ اپنی سالگرہ مناتے ہیں اور نہ ہی انہیں یاد رہتی ہے۔ سین آپا کو بھی یہ سب باتیں پسند نہیں تھیں۔ اس لیے ان کے گھر جا کر بھی وش نہیں کیا جا سکتا تھا۔

آفس میں جب ندیم خان نے اس کی سالگرہ کا اہتمام کیا تھا...... تو نامعہ نے ندیم خان سے پوچھا تھا۔

''سر آپ کی سالگرہ کب ہوتی ہے اور آپ اسے کیسے مناتے ہیں؟''

''یہ ایونٹس تو آپ لوگوں کے ہیں، مجھے اپنے لیے یہ سب بہت عجیب لگے گا اس لیے کبھی نہیں منائی۔''

''اور اگر کوئی منانا چاہے تو؟'' کسی نے پوچھا۔

''تو میں منع کر دوں گا۔'' ندیم خان نے جیسے بات ہی ختم کر دی تھی۔

اور اب میرا دل چاہ رہا تھا ان کی سالگرہ پر ان کو سرپرائز دوں۔

رات کو فون آیا، آفس کے احوال سننے کے بعد میں نے پوچھا۔ ''کیا کل کا ڈنر آپ میرے ساتھ باہر کر سکتے ہیں؟''

''تمہارے گھر پر آ جاتا ہوں۔''

''نہیں، باہر جانے کو دل چاہ رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے، میں آ جاؤں گا۔ اس اتوار امی اور آپا تمہارے گھر آ رہی ہیں اور خاص طور پر آ رہی ہیں۔''

''خاص طور پر کیوں...... ان کا جب دل چاہے، وہ آ جائیں۔''

''دراصل آپا کی ساس کی عدت ختم ہو گئی ہے اور وہ شادی کی تاریخ لینے آ رہی ہیں۔''

''اتنی جلدی......'' میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''تمہیں یہ جلدی لگ رہی ہے؟''

''ہاں اور کیا......؟'' میں شرمائی۔

''مگر مجھے تو یہ بھی دیر لگ رہی ہے...... اس لیے بس قریب ترین ڈیٹ دینا...... مزید سولی پر مت لٹکانا۔'' ان کا لہجہ اب شوخ ہو رہا تھا۔

اور میں نے فون ہی کاٹ دیا...... اب میں سوچ رہی تھی کہ مجھے ان کی سالگرہ منانی چاہیے بھی یا نہیں...... شادی میں اب دن زیادہ نہیں رہے تھے۔

''پتا نہیں، ندیم کو یہ سب...... اچھا بھی لگے گا یا نہیں۔ نہ اچھا لگے انہیں...... جب میرا دل چاہ رہا ہے تو میں ضرور مناؤں گی......'' اب میں اپنے دل کے کہے پر چل رہی تھی۔

گھر میں اپنی الماری میں سے سارے کپڑے نکال کر باہر رکھ دیے تھے۔ مگر یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کل کون سا سوٹ پہن کر جاؤں۔

''جب کچھ سمجھ میں نہیں آئے تو آنکھیں بند کر کے انتخاب کر لیا کرتے ہیں۔'' خالہ جو شاید کافی دیر سے مجھے سوچ بچار میں دیکھ رہی تھیں، پاس آ کر بولیں۔

اور میں نے واقعی ان کے کہنے پر عمل کیا...... اور شاکنگ پنک سوٹ اٹھا لیا۔

''بالکل صحیح کیا ہے انتخاب......'' خالہ ہنستے ہوئے چلی گئیں۔

''یہ تو بہت اوور ہو جائے گا......'' اب میں پھر سوچ رہی تھی۔ ''کوئی بات نہیں...... اپنے منگیتر کی سالگرہ میں جا رہی ہوں۔ کسی دوسرے کی تقریب میں تو نہیں جا رہی۔''

''ندیم کے ساتھ کہیں جا رہی ہو؟'' جب میں تیار ہو رہی تھی تو خالہ نے پُریقین لہجہ میں پوچھا۔

''جی خالہ......'' میں اب اپنے بالوں میں پراندہ ڈال رہی تھی۔

''ہاتھوں میں میچنگ چوڑیاں بھی ڈال لو...... ہر وقت ڈنڈا سے ہاتھ لیے پھرتی ہو۔''

اور میں نے چوڑیاں پہن لیں۔

''ارے، تمہارے پاس تو اس رنگ میں بڑے خوب صورت جھمکے بھی ہیں ناں...... جو تمہاری سالگرہ پر آفس سے ملے تھے۔''

''ہاں ہیں تو۔'' میں نے کہا۔

''تو پہن لو ناں...... اچھے لگیں گے۔''

اور میں نے جھمکے بھی پہن لیے تھے۔ ابھی میں گھر سے نہیں نکلی تھی کہ ندیم کا فون آ گیا۔

''صبا تمہیں بندیا پسند ہے ناں......؟''

''ہاں...... ہے...... تو۔''

''آج پہن کر آ جاؤ ناں......''

''سنیے جھومر اور ٹیکا رہ جائے گا وہ بھی لگا کر آ جاتی ہوں۔ خالہ نے جھمکے تو پہنوا ہی دیے ہیں۔''

''ارے رے...... میں تو ایسے ہی کہہ رہا تھا۔ تمہارا دل نہیں چاہ رہا تو مت پہنو...... مگر میں تمہیں لینے کے لیے نکل چکا ہوں...... ہارن پر فوراً باہر آ جانا۔''

اور جب میں بندیا لگائے شرمائی سی باہر نکلی تو ندیم خان کتنی ہی دیر مبہوت سے کھڑے مجھے دیکھتے ہی رہے۔ جیسے پہلی، پہلی مرتبہ مجھے دیکھ رہے ہوں۔

''چلیے ناں......؟'' میں نے کھسیا کر کہا۔

''بہت پیاری ہو تم...... بے حد سوئٹ اور کیوٹ۔''

''اتنے لوازمات کے ساتھ ہر لڑکی اچھی ہی لگا کرتی ہے۔'' دوران سفر میں نے کہا۔

''جی نہیں...... آپ کی وجہ سے ان جھمکوں اور بندیا کی قیمت بڑھ گئی ہے۔'' اب وہ مجھے بڑی چاہت بھری نظروں سے دیکھ بھی رہے تھے۔

''سنیے، ہوٹل میں ہر دیکھنے والا ہمیں نیا شادی شدہ جوڑا سمجھے گا۔''

''سمجھنے دو، ہمیں کسی سے کوئی غرض نہیں۔''

''مگر مجھے شرم تو آئے گی۔''

''تو تھوڑا سا شرما لینا...... پرابلم ختم......''

مگر ہوٹل پہنچ کر...... نہ مجھے کسی کی نظروں کی پروا تھی اور نہ ہی کسی کی مسکراہٹ کی...... وہاں پہنچتے ہی میں نے اپنے بڑے سے بیگ سے کیک نکالا، شمعیں روشن کیں اور بیرے کو اپنا آرڈر نوٹ کرا کے ایک خوب صورت واچ ندیم خان کی کلائی پر باندھتے ہوئے کہا۔

''آپ کا وقت سارا کا سارا میرا ہے۔''

''اس گھڑی کے بغیر بھی تمہارا ہی ہے۔''

''مگر اب ایک، ایک لمحہ میرا ہے۔''

''تو اس میں کیا شک ہے......؟''

اور جب میں نے اپنے ہاتھ سے ان کے منہ میں کیک کا ٹکڑا رکھنا چاہا۔ تو انہوں نے اسے اپنے منہ میں رکھنے کے بجائے...... پہلے میرے منہ میں رکھا اور بعد میں خود لیا۔

''ندیم...... یہ تو بے ایمانی ہے آپ کی...... آپ کی سالگرہ ہے، پہلے آپ کو لینا چاہیے تھا۔''

''میری سالگرہ ہے...... جب ہی تو تمہیں پہلے دیا ہے...... تم شاید بھول گئیں...... تمہاری سالگرہ پر میں نے پہلے کیک کھالیا تھا...... اور تم نے بعد میں......''

''مجھے واقعی یاد نہیں......''

''مگر مجھے تو ایک، ایک پل یاد ہے۔ کن باتوں پر تم ہنسا کرتی تھیں...... اور کن باتوں پر تمہاری تیوری چڑھ جاتی تھی۔''

''اور آپ کا انداز ایسا تھا جیسے کچھ جانتے نہیں......'' میں ہنسی تو ہنستی چلی گئی۔

''ظاہر ہے...... آفس میں عاشقِ صادق کا روپ دھار کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔''

''مگر آفس کی کئی لڑکیوں کو ابھی تک شاید یہی گمان ہے کہ میں نے ہی آپ کو پانے کی شاید کوئی جدوجہد کی تھی۔''

''ہاں...... ایسا تو ہوا ہے۔'' اب ندیم مسکرا رہے تھے۔

''پھر کی غلط بات...... ایسا کب کیا میں نے؟'' میرا لہجہ شاید برہم سا ہو گیا تھا۔

''کتابوں کی نمائش میں کون جان بوجھ کر مجھ سے ٹکرایا تھا۔ نمائش میں بے شمار لوگ تھے...... تم ان سے بھی تو ٹکرا سکتی تھیں۔ خاص طور پر تاک کر نشانہ لگایا...... اور مجھ سے ٹکرا گئیں۔''

''میں آپ سے جان کر ٹکرائی تھی؟'' میں نے مصنوعی غصے سے آنکھیں دکھائیں۔

''ہاں بالکل فلمی سین تو ہوا تھا، ہیروئن کے ہاتھ سے کتابیں گر گئی تھیں...... موبائل گر گیا تھا۔ جنہیں تم نے جلدی، جلدی سمیٹا اور اپنا موبائل قصداً میرے پیروں کے پاس چھوڑ کر یہ جا وہ جا...... اور میرے پکارنے پر بھی نہیں رکیں۔''

اب وہ ہنس رہے تھے اور مجھے ان کی باتوں پر اور شرارتی لہجے پر ہنسی بھی آ رہی تھی اور شرم بھی......

چھوٹی، چھوٹی باتوں میں مزاح پیدا کرنے کا رنگ انہیں کس قدر آتا تھا۔ اب ہم دونوں ایک دوسرے کے منہ میں نوالے دیتے ہوئے آئندہ کا پروگرام سیٹ کر رہے تھے۔

''معاف فرمایئے گا، کیا آپ لوگ میری ایک بات سنیں گے؟'' پشت پر کھنکھار کے ساتھ کسی نے کہا۔

ندیم کے ساتھ میں نے بھی سر اٹھا کر اس اجنبی کو دیکھا۔

''آپ صبا ہیں ناں؟'' اس نے میری جانب انگلی اٹھائی۔

''جی ہاں...... مگر آپ کون ہیں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''پگلی بھول گئیں اپنے عامر کو...... میں تمہارا عامر ہوں۔'' اب وہ میری جانب دیکھ کر انتہائی محبت سے اور...... بے تکلفی سے کہہ رہا تھا...... اور میرے قریب آ کر مجھے انتہائی محبت سے دیکھ رہا تھا۔

اس کا یہ جملہ سن کر میں کھڑی ہو گئی تھی۔

ندیم خان مجھ سے قبل ہی کھڑے ہو کر اسے دیکھ رہے تھے۔

''مسٹر عامر آپ غلط کہہ رہے ہیں...... اب آپ کا صبا سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ میری منگیتر ہیں اور ہماری عنقریب شادی ہونے والی ہے۔'' ندیم خان کا لہجہ سنجیدہ سا تھا۔

''غلط تو آپ کہہ رہے ہیں۔ صبا میری آپ سے پہلے کی منگیتر ہے، جس کو ڈھونڈ، ڈھونڈ کر میں پاگل ہو گیا تھا۔''

''برسوں پرانی باتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوا کرتی ہے، آپ کس دنیا میں رہ رہے ہیں۔'' ندیم خان نے اس کو مجھ سے قدرے دور کرنے کی سعی کرتے ہوئے کہا۔

''مسٹر، آپ ہمارے راستے سے ہٹ جائیں، صبا میری تھی، میری ہے اور میری ہی رہے گی۔''

اور میں ہونق سی بنی کبھی عامر کو دیکھ رہی تھی اور کبھی ندیم کو......

''صبا، تم کچھ تو بولو ناں......؟'' ندیم خان نے مجھے جھنجوڑا۔

''ہاں، آں...... ندیم...... آپ عامر سے کہہ دیں کہ وہ چلا جائے۔'' یہ کہہ کر میں ندیم کے سینے سے لگ کر پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔

☆☆☆

''وہ کہیں پاگل تو نہیں تھا...... جو ہوٹل میں صبا کو دیکھ کر پاگل پنے کی باتیں کرنے لگا؟'' سبین اپنے بھائی کی بات سن کر خوب سیخ پا ہو رہی تھیں۔

''میں تو فوراً ہی وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا۔ مگر وہ نہ خود ہٹ رہا تھا...... اور نہ ہی ہمیں جانے دے رہا تھا۔''

''اس کا مطلب ہے، آئندہ بھی ایسے تماشے ہو سکتے ہیں۔'' سبین نے گہری سانس لے کر کہا۔

''اب اگر اس نے ایسا ویسا کچھ کیا...... تو میں پولیس میں رپورٹ کر دوں گا۔'' ندیم خان کا غصہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

''میری مانو تو تم شادی کے بعد کچھ عرصے کے لیے باہر چلے جاؤ......''

امی جان، یہ سب سن کر خاصی پریشان ہو گئی تھیں۔

''کیا میں کسی سے ڈر کر رہوں گا؟''

''نہیں، اب لوگوں سے لڑا کرنا۔'' سبین نے کہا۔

''تو پھر کیا کریں ہم......؟''

''تم صبا سے کہو کہ وہ عامر سے صاف، صاف بات کرے اور کہہ دے کہ اس کا اب پرانے قصے کہانیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یوں بھی منگنی کی کوئی شرعی اہمیت نہیں ہوتی۔''

''ہاں وہ تو اس سے بھی زیادہ کہہ دے گی مجھ سے زیادہ تو وہ پریشان ہو رہی ہے۔''

''تو پھر ختم کرے ناں وہ اپنی اس پریشانی کو......''

''اس بیچاری کو کیا پتا تھا، ایسا سب ہو جائے گا...... وہ تو میری سالگرہ منا رہی تھی۔''

''یہ سالگرہ کیا گھر میں نہیں منائی جا سکتی تھی؟ ہمیں بھی وہ انوائٹ کر لیتی...... تو کیا ہم خوش ہونے والوں میں سے نہیں تھے......'' سبین کو ان کا یوں جانا ہی اچھا نہیں لگا تھا۔

''وہ تو مجھے بھی نہیں معلوم تھا...... اس نے تو اپنی طرف سے مجھے سرپرائز دیا تھا۔''

''صحیح کہتے ہیں ناں عقل مند...... جن خوشیوں میں گھر کے لوگوں کو شامل نہ کیا جائے...... ان میں خوشیاں ادھوری سی ملا کرتی ہیں۔'' سبین نے کہا۔

ساجدہ بیگم بھی اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

# جنگ آزما

ایک ایسے نوجوان کی داستان جس
کی زندگی خالی قبر کی طرح تھی

ہر قدم پر موت اس کے ہمرکاب تھی

خیر و شر کے ٹکراؤ سے جنم لینے والی انتہائی تیز رفتار کہانی

ایک ایسی طویل داستان جس کی ہر قسط آپ کو چونکا دے گی

**بہت جلد**

ماہنامہ **سرگزشت** کے صفحات پر ملاحظہ کریں

''اگر اس ہوٹل میں، میرا کوئی سسرالی عزیز...... صبا کو یوں جھمکے اور ٹیکے میں دیکھ لیتا تو یہی کہتا ناں...... شادی پہلے ہی ہو چکی ہے، دنیا دکھاوے کی تقریب بعد میں کی جا رہی ہے۔''

''آپا، آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں، کسی کو کیا یہ الہام ہو جاتا کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ ہوٹل میں ہوں۔'' ندیم نے زچ ہو کر کہا۔

''بھئی تم کو میری سسرال میں سب جانتے ہی ہیں ناں......''

''ہاں، جانتے ہیں۔''

''میری سسرال میں صبا کئی مرتبہ اپنی ماں کے ساتھ میرے گھر آ چکی ہے اور وہاں کا بچہ، بچہ تو وہ لینے والا ہے، کون کیا، کیوں اور کیسا کر رہا ہے وہ سب کی فکر رکھتے ہیں جبکہ میری ساس تو اس کو بہت پسند کرتی ہیں اور نندیں بھی...... اب میری پانچ نندوں میں سے کوئی بھی یا ان کی فیملی کے کسی بھی فرد کی نظر تم لوگوں پر پڑ تو سکتی تھی۔''

''اب یہ اتنی بڑی بات بھی نہیں ہے، جس کا آپ نے ہوا بنا دیا۔ غلطی میری ہی ہے، مجھے اس بارے میں کچھ بتانا ہی نہیں چاہیے تھا۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہو تم...... اور ہو سکتا ہے ہم بہت سی باتوں سے اب بھی لاعلم ہوں۔''

''افوہ...... آپ تو ناحق پریشان ہو رہی ہیں، میں کہہ رہا ہوں ناں ایسی کوئی بات ہی نہیں ہے۔'' ندیم نے زچ ہو کر کہا۔

''تم جس بات کو معمولی سمجھ کر ٹال رہے ہو ناں...... وہ معمولی نہیں ہے۔''

''تو پھر...... عامر کیا کر لے گا ہمارا......؟'' ندیم کو اب غصے پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔

''یہ تو مجھے نہیں پتا...... کہ وہ کیا کر سکتا ہے؟ اور کیا نہیں کر سکتا۔ مگر اتنا اندازہ ضرور ہو رہا ہے کہ تمہاری پریشانیاں بڑھ سکتی ہیں۔''

☆☆☆

''امی میں سچ کہہ رہا ہوں، وہ صبا ہی تھی، سو فی صد صبا...... جیتی جاگتی صبا...... اور اب تو وہ پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت ہو گئی ہے۔''

''مگر بیٹا۔ چلو مان لیا، تمہیں صبا مل گئی...... تو اب تمہیں اس سے کیا سروکار......'' چند دنوں بعد ہی تمہاری شادی ہونے والی ہے اور تم ایسی باتیں کر رہے ہو؟''

''امی میں شادی تو اس لیے کر رہا تھا کہ مجھے میری صبا ملی نہیں تھی...... اور اب وہ مجھے مل گئی ہے تو میں کیوں کروں گا کہیں اور شادی......''

''اس سارے معاملے میں فرزانہ کی کیا غلطی ہے، جو تم اس کو اتنی بڑی سزا دے دو گے۔''

''فرزانہ کی شادی کہیں بھی ہو جائے گی، میں نے کوئی اس کا ٹھیکا لے رکھا ہے۔''

''ہاں جب شادی کے کارڈز عزیز و اقارب میں بانٹنے جا چکے ہیں تو تم نے اس کا ٹھیکا تو لے رکھا ہے۔''

''اب میں کسی فرزانہ کو نہیں جانتا...... آپ جا کر بے شک کہہ دیں۔''

''اوہ یہ بات ہے۔'' رئیسہ بیگم پریشان سی ہو گئیں۔

''ہاں، مجھے میری صبا مل گئی اور مجھے کچھ چاہیے ہی نہیں۔''

''مگر تم کہہ رہے تھے کہ وہ دلہن سی بنی کسی لڑکے کے ساتھ تھی؟''

''ہاں کسی کے ساتھ تھی...... مگر ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی اور اگر ہو بھی جاتی تو وہ اس کو چھوڑ کر چلی آتی۔'' وہ بے فکرے لہجے میں بولا۔

''بیٹا تمہارا خیال غلط بھی تو ہو سکتا ہے۔''

''نہیں ہو سکتا غلط...... میں نے اسے دل سے چاہا تھا۔''

''پھر بھی پوچھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

''آپ کا خیال ہے کہ وہ مجھے منع کر دے گی؟''

''ہاں اگر وہ اس لڑکے سے شادی کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے تو پھر کیوں وہ برسوں پرانے شناسائی کے رشتوں کو اہمیت دے گی۔''

''مگر امی...... جب میں اسے نہیں بھولا تو وہ مجھے کیسے اور کیونکر بھول سکتی ہے۔''

''بیٹا تم تو پاگل ہو تم جیسے لوگ تو شاید خال ہی خال دکھائی دیتے ہوں گے۔ مگر وہ تم جیسی نہیں ہو سکتی۔''

''اچھا...... پھر یہ بھی دیکھ لیں گے...... اس کا گھر تو میں نے دیکھ ہی لیا ہے...... ان کی گاڑی کے پیچھے، پیچھے رہا تھا...... ان موصوف نے پہلے صبا کو ڈراپ کیا...... اور پھر اپنے گھر گئے...... مگر میں نے دونوں کے گھر دیکھ لیے اور معلومات بھی کر لیں...... کہ ایک ہی اخبار کے دفتر میں کام کرنے کے سبب دونوں میں دوستی ہوئی جو اب شادی کی شکل لینے والی ہے بلکہ تھی سمجھیں......''

''بیٹا یہ تو اچھی بات ہے، صبا کی شادی ہونے والی ہے۔''

''مگر اس کی شادی مجھ سے ہی ہو گی، اس کے والدین نے نکاح کا وعدہ میرے ساتھ کیا تھا نا کہ کسی دوسرے کے ساتھ......''

''اب اگر صبا ہی تم سے شادی نہ کرنا چاہے تو...... تم کیا کر سکتے ہو۔''

''امی آپ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں؟ جو نا ممکنات میں سے ہوں۔''

''اسی لیے تو کہہ رہی ہوں...... کہ تم ان سے جا کر مل لو۔''

''ہاں میں تو ضرور جاؤں گا مگر آپ کو میرے ساتھ جانا ہو گا۔''

''میں جا کر کیا کروں گی...... تم خود چلے جاؤ۔''

''نہیں امی، آپ کو میرے ساتھ چلنا ہو گا...... بس آپ تھوڑی دیر میں چلیں میرے ساتھ۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہو...... آدھی رات کو بھی کیا کوئی کسی کے گھر جایا کرتا ہے۔''

''اچھا...... کل چلیے گا آپ میرے ساتھ۔''

''ٹھیک ہے، تم مجھے بھی سونے دو اور خود بھی سو جاؤ۔'' رئیسہ بیگم نے الجھ کر کہا۔

اور عامر گنگناتا ہوا اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔

آج وہ خوش تھا، بے حد خوش...... اور نیند تو کہیں دور بھاگ گئی تھی...... اور وہ اپنے کمرے میں بیٹھا اپنی یادوں کو کسی برات کی طرح ترتیب دے رہا تھا۔ اور سرشاری اس کے روئیں، روئیں سے عیاں تھی۔ وہ بھول گیا تھا چار دن پہلے اسے شدید بخار تھا۔ وہ بھول گیا تھا ڈاکٹر نے اسے اینٹی بائیوٹک اور ادویات کا کورس مکمل کرنے کو کہا تھا۔ اسے تو بس صبا یاد تھی اور صبا اسے ہر طرف دکھائی دے رہی تھی۔

کبھی سامنے کھڑی ہنستی ہوئی اور کبھی پیچھے کھڑی...... مسکراتی ہوئی۔

☆☆☆

''طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری......؟'' خالہ نے اس کی متورم آنکھیں دیکھ کر کہا۔

''ہاں، ٹھیک ہوں۔'' میں گلوگیر سے لہجے میں بولی۔

''کیا بات ہے صبو...... کہیں ندیم سے لڑائی تو نہیں ہوگئی تمہاری...... جو یوں منہ اترا ہوا ہے تمہارا۔''

''خالہ، کل عامر آگیا...... وہ جو کھو گیا تھا، وہ مل گیا۔''

''تو پھر......؟''

''وہ مجھے ڈھونڈ رہا تھا...... اور کل مجھے دیکھ کر مارے خوشی کے پاگل سا ہوگیا۔''

''اور تم......؟'' خالہ نے اس کا چہرہ اونچا کر کے پوچھا۔

''کاش، وہ مجھے پہلے مل جاتا...... تو سب ٹھیک ہوتا۔ مگر اب مجھے ندیم خان سے واقعی محبت ہوگئی ہے، اب میں ندیم خان کو نہیں چھوڑ سکتی۔''

''تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟''

''اب میں اسے منع کردوں گی تو اس کا دل تو دکھے گا ہی ناں......''

''دکھنے دو، جس راہ جانا نہیں اس کے بارے میں سوچنا کیسا؟''

''مگر مجھے افسوس تو ہو رہا ہے ناں...... کہ وہ کیوں ملا......''

''بیٹا...... ایسے افسوس کو اپنے دل میں جگہ مت دو...... جو بعد میں تمہارے لیے کسی پریشانی کا سبب بن جائے۔''

''ہاں خالہ...... اب مجھے ندیم اتنے اچھے لگتے ہیں کہ میں بتا نہیں سکتی......''

''جب وہ تمہیں عامر کے مقابلے میں زیادہ اچھا لگ رہا ہے تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ بہت ہی اچھا لڑکا ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے...... جتنے دن گزر رہے ہیں ندیم مجھے ہر دن سے زیادہ اچھے لگتے ہیں۔''

''تم نے بتایا تھا ان کی امی اور بہن آکر تاریخ لیں گی۔''

''ہاں، یہی کہہ رہے تھے وہ۔''

''اس کا مطلب ہے، اب ہمیں اپنی تیاریاں تیز کردینی چاہیں۔''

''مگر ندیم جہیز کے خلاف ہیں۔''

''ہونے دو، تھوڑا بہت تو لے کر جاؤ گی...... خالی ہاتھ تو ہم تمہیں رخصت کرنے سے رہے۔''

''ہاں، مجھے اپنے لیے ڈریسز لینے ہیں...... ندیم کو شوخ رنگ پسند ہیں، ان کی پسند کے حساب سے۔''

''تو کیا تم بعد میں اپنی پسند کے کلرز پہننا بالکل چھوڑ دو گی؟'' خالہ نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہاں خالہ...... میں بالکل ویسے ہی رہوں گی...... جیسے ندیم چاہیں گے۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔''

''عامر کو دیکھ کر مجھے اچنبھا ضرور ہوا تھا۔ ایک عجیب طرح کی خوشی بھی ہوئی تھی۔ ویسی ہی خوشی جو اپنی کسی کھوئی ہوئی چیز کو دوبارہ پا کر ہوا کرتی ہے۔ مگر مجھے وہ خوشی نہیں ہوئی تھی جیسی عامر کو مجھے دیکھ کر ہو رہی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر پاگل سا ہوا جا رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ مجھے اٹھا کر اپنے ساتھ لے جاتا۔ اور جب میں عامر کا انتظار کر رہی تھی تو ہمیشہ ایسا ہی کچھ تو سوچتی رہتی تھی کہ عامر اچانک میرے سامنے آجائیں گے اور میں ہکا بکا سی ان کے

ہاتھ تھام کر پوچھوں گی......''

''آپ سچی میں آئے ہیں ناں...... کہیں یہ کوئی خوابوں کا سلسلہ تو نہیں ہے۔''

''اور وہ میرے ہاتھوں کو تھام کر کہیں گے ہاں صبو میں آگیا ہوں، تمہارا انتظار ختم ہوا۔''

اور جب وہ اچانک ہی ایک دم سامنے آگیا...... تو خوشی کے ساتھ دل میں کہیں ایک دکھ کا تیر کیوں پیوست سا ہوگیا۔ جس کا شاید مطلب یہی تھا کہ عامر کو اس وقت میرے سامنے نہیں آنا چاہیے تھا۔ کیا میری محبت سطحی سی تھی یا جھوٹی...... یہ سب تو میں نہیں جانتی مگر مجھے ندیم کا تفکر اور پریشان سا چہرہ...... نہیں بھول پا رہا۔ وہ کبھی مجھے دیکھ رہے تھے اور کبھی عامر کو...... انہیں میرا خاموش ہونا عجیب لگ رہا تھا۔ میں ابھی پریشان خیالوں میں گرفتار ہی تھی کہ ان کا فون بھی آگیا۔

''صبا کیا کر رہی ہو؟''

''آپ کو یاد کرنے کے سوا اور کر بھی کیا سکتی ہوں؟'' میں نے اپنے لہجے کو حتی الامکان خوشنما بنانے کی کوشش کی۔

''مت جھوٹ بولو مجھ سے۔''

''جی......'' میں شاکڈ سی رہ گئی...... کہ انہیں کیسے پتا چلا کہ میں جھوٹ بول رہی تھی۔

''پریشان ہو ناں؟''

''ہاں، وہ تو ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ عامر بے حد جنونی مزاج کے ہیں۔''

''دیکھو، میں تمہیں مزید پریشان نہیں کروں گا...... تمہارا دل جو کہتا ہے وہی فیصلہ کرلو......''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، ہماری شادی ہونے والی ہے۔''

''ہاں، اس لیے کہہ رہا ہوں کہ کہیں مجھ سے شادی کے بعد تمہیں یہ ملال نہ ہو کہ تم نے میری خاطر عامر خان کی محبت کو رد کردیا تھا۔''

''ندیم...... میں اب آپ کے سوا کسی کے بارے میں بھی کچھ سوچنا تک نہیں چاہتی ہوں۔''

''مت بھولو...... یہ عامر ہی تھا، جس کی وجہ سے تم نے میرا رشتہ لوٹا دیا تھا۔ بلکہ بے شمار پروپوزل سے انکار کردیا تھا۔''

''ہاں، جب تک وہ میرے دل میں آباد تھا...... میں نے کسی کی جانب نظر اٹھا کر نہیں دیکھا اور اب ایسا نہیں ہے، آپ میری محبت ہیں اور رہیں گے۔''

''اگر ایسی بات ہے تو تمہیں خود ہی عامر کو جواب دینا ہوگا۔''

''میں منع کردوں گی کہ اب میں پچھلی صبا رہی ہی نہیں ہوں۔''

''ٹھیک ہے، پہلے تم یہ معرکہ طے کرلو...... کہ وہ آج کل میں تمہارے گھر ضرور آئے گا۔''

''میں گھر سے باہر نکلوں گی ہی نہیں، اسے کیا پتا میں کہاں رہتی ہوں۔''

''وہ کل ہمارا پیچھا کرتا رہا تھا...... اور نہ صرف تمہارا فلیٹ دیکھ کر گیا ہے بلکہ فلیٹس کے چند لوگوں سے وہ لازمی کچھ نہ کچھ معلومات کرکے بھی ضرور گیا ہوگا...... کیونکہ جب میں تمہیں اوپر چھوڑ کر نیچے آیا تھا تو وہ اس وقت کسی سے بات کر رہا تھا۔''

''آپ بے فکر رہیں...... میں انہیں بتادوں گی...... کہ صبا، اب ندیم خان کی ہے اور ہماری بہت جلد شادی ہونے والی ہے۔''

''اور اگر وہ نہ مانا تب......؟'' ندیم خان کے دل میں طرح، طرح کے وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔
''کیوں نہیں مانیں گے وہ؟ شادی بھی کبھی دھونس اور زبردستی سے ہوئی ہے کسی کی۔''
''ہاں فلموں میں تو ہوتی ہے۔'' ندیم نے اس کے لہجے کی سنجیدگی کم کرنی چاہی۔
''یا پھر ایسی شادیاں پاگلوں کی ہوا کرتی ہوں گی......'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔
''محبت میں بھی تو لوگ پاگل ہو جاتے ہیں اور وہ بھی ایسا ہی پاگل نظر آ رہا ہے۔'' اب ندیم یاد بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے۔
''تب انہیں پتا ہی نہیں چلتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اور کیا کر رہے ہیں۔''
''آپ کو پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ یہ میرا معاملہ ہے، میں خود ہینڈل کرلوں گی۔'' تب میں قصداً ہنسی تھی مگر میری ہنسی بالکل کھوکھلی سی تھی۔

☆☆☆

سبین آپا اور ندیم سے فون پر بات ہوئے بہ مشکل ایک گھنٹا ہی گزرا تھا۔
میں نے انہیں امی کا میسج دیا تھا کہ ''آپ لوگ اتوار کو رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھائیں۔''
''مگر اتوار آنے میں تو ابھی دو دن باقی ہیں۔'' ندیم نے میری بات سن کر ہی کہا تھا۔
''دو ہی دن ہیں کوئی دو سال تو نہیں ہیں ناں......''
''ہم لوگ چاہ رہے ہیں بلکہ ہماری سبین آپا کی یہ دلی خواہش ہے کہ وہ آج ہی تمہارے گھر آ جائیں......لو تم آپا سے بات کرو۔''
اور سبین آپا بھی وقت کی نزاکت پر لیکچر دے رہی تھیں۔ ان کا یہ خیال تھا نکاح اور رخصتی انتہائی سادگی سے ہو جانی چاہیے......ہاں بعد میں ولیمے پر ہلا گلا ہو جائے گا۔
''اچھا آپ امی سے بات کرلیں۔'' میں ان کو سمجھا ہی نہیں پا رہی تھی۔
خالہ نے بھی ان کی امی سے خاصی دیر بات کی تھی......اور کافی حد تک ان کی سمجھ میں بات آ گئی تھی۔
مگر ندیم خان اپنی ہی بات پر اڑے ہوئے تھے......پتا نہیں، انہیں ایسی کیا جلدی مچی ہوئی تھی۔
خالہ نے جب آواز لگائی......''صبو......جلدی سے عشا کی نماز پڑھ لو......پھر میں کھانا لگاتی ہوں۔'' میں ابھی ان کی بات کا جواب دے بھی نہیں پائی تھی کہ کوئی کال بیل پر ہاتھ رکھ کر بھول گیا۔ اور جب خالہ نے دروازہ کھولا تو مٹھائی اور پھلوں کے ٹوکرے اندر آنے لگے۔
''بہت جلدی ہے ندیم کو۔'' مجھے ہنسی آ رہی تھی......چار مٹھائی کے اور پانچ پھلوں کے ٹوکرے دیکھ کر میں خالہ سے بولی۔
''ارے بھئی اتنا سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا کیا......؟'' امی بھی یہ سب اتنا اہتمام دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔
''اتنا سب کچھ اس لیے کیا ہے کہ ان کے پہلے بیٹے کی شادی ہے، ارمان تو ہوں گے ناں۔'' خالہ نے کہا۔
''جی آپ نے بالکل درست کہا......پہلے اور اکلوتے بیٹے کی شادی کے ارمان واقعی بہت زیادہ ہوا کرتے ہیں۔'' اب عامر اندر داخل ہو گئے تھے اور ان کے پیچھے خاموش اور قدرے پریشان سی رئیسہ آنٹی تھیں۔
''ارے آپ لوگ، یہاں......؟'' امی ان کو دیکھ کر حیران ہوئیں۔
''آپ کا کیا خیال تھا، ہم کہیں مر کھپ گئے تھے۔'' رئیسہ آنٹی کا لہجہ قدرے طنزیہ تھا۔

''اللہ نہ کرے، کیسی باتیں کررہی ہیں آپ......''

''آنٹی...... میں برسوں اپنی صبو کو اور آپ لوگوں کو ڈھونڈتا رہا امریکا تک چلا گیا تھا، ڈھونڈنے کے لیے......اور بالآخر اللہ نے آپ لوگوں سے ملوادیا۔''

''کاش آپ لوگ سال بھر پہلے مل جاتے، تو کتنا اچھا ہوتا۔'' خالہ نے کہا۔

''اللہ نے جو وقت ملوانے کا مقرر کیا تھا...... اسی پر ملنا تھا اور آج یہ مٹھائی اور پھل اسی خوشی کے ہیں اور اپنی امانت کی یاددہانی کے...... اسی ہفتے میں، میں صبا سے نکاح کرلوں گا۔''

''مگر یہ کیسے ممکن ہے، صبا کی تو عنقریب شادی ہونے والی ہے۔'' امی نے عامر کی بات سن کر کہا۔

''میرے ہوتے ہوئے تو کسی کے ساتھ نہیں ہوسکتی۔''

''بیٹا یہ شادی کوئی زور زبردستی کے سودے تو نہیں ہیں۔''

''مگر میرے شوہر نے واقعی سودا ہی تو کیا تھا، تمہاری بیٹی کی قیمت سے زیادہ زیور اس کو منگنی پر دے دیا تھا۔'' رئیسہ آنٹی نے طنز سے کہا۔

''ایک منٹ رکیے آپ......'' امی نے کہا۔ وہ سرعت سے کمرے میں گئیں۔ ایک پرانی صندوقچی لے کر آئیں جس میں سونے کے زیورات بھرے ہوئے تھے۔

''یہ رہی آپ کی امانت...... آپ اسے اٹھائیں اور یہاں سے چلتے بنیں......'' امی کا لہجہ رنج اور دکھ سے بھرا ہوا تھا۔

رئیسہ آنٹی آنکھیں پھاڑ کر ان زیورت کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ''آپ لے لیں یہ زیورات...... بلکہ چیک کرلیں...... ان میں سے کوئی چیز کم نہیں ہے۔''

''رکیے امی...... یہ سب زیورات اباجان نے اپنی ہونے والی بہو کو دیے تھے۔'' اس سے قبل کہ رئیسہ بیگم وہ صندوقچی اٹھا کر اپنے بیگ میں رکھتیں...... عامر نے ماں سے کہا۔

''تو پھر...... یہ لوگ تو واپس کررہے ہیں ناں......''

''مگر مجھے واپس نہیں لینے...... یہ صبا کے تھے اور صبا کے ہیں اور صبا کے ہی رہیں گے۔''

''کیا مطلب...... میں سمجھی نہیں۔'' رئیسہ بیگم نے کہا۔

''میرا مطلب ہے، اسے میری دلہن ہی استعمال کرے گی۔''

''ارے بیٹا، یہ زیورات اس وقت ایک کروڑ کی مالیت سے کم نہیں ہوں گے اور صبا کی شادی بھی وہ تم سے کرنے کو تیار نہیں ہیں تو میں اسے تمہاری دلہن کے لیے ہی تو لے جارہی ہوں۔''

''ماشاء اللہ اسے میری فرزانہ ہی پہنے گی۔'' انہوں نے صندوقچی اٹھا ہی لی۔

''نہیں امی، اسے آپ یہیں چھوڑ دیجیے۔'' عامر نے ماں کے ہاتھ سے صندوقچی لے کر وہیں ٹیبل پر رکھ دی۔ اور محبت بھرے لہجے میں صبا سے کہا۔

''وقت نے کیا تمہارے اور میرے درمیان اتنی اونچی دیوار کھڑی کردی ہے کہ تم سب کچھ بھول گئی ہو؟''

''عامر، اس وقت میں ایک ناسمجھ لڑکی تھی...... پسندیدگی اور محبت کے فرق کو نہیں سمجھ سکتی تھی۔''

''مگر میں تو تم سے اس وقت بھی محبت کرتا تھا اور آج بھی ویسی ہی......''

''شاید میں آپ جیسی محبت نہیں کرپائی تھی۔''

''اب کر لینا، میں تمہیں کسی صورت نہیں کھونا چاہتا۔''

''نہیں عامر...... اب ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ اب میں ندیم کے بغیر نہیں رہ سکتی۔''

''لگتا ہے تم ندیم سے ڈر رہی ہو...... یہ معاملہ تم مجھ پر چھوڑ دو میں اسے خوب اچھی طرح سمجھا سکتا ہوں۔'' وہ قدرے غصیلے لہجے میں بولا۔

''آپ لوگ ہماری بات سمجھ کیوں نہیں رہے ہیں...... اپنی صندوقچی کے ساتھ اپنا یہ سارا تام جھام اٹھائیں اور چلتے بنیں...... ہماری بچی کی شادی ہونے والی ہے اور آپ یہ ڈراما رچانے کے لیے آ گئے......'' خالہ نے قدرے غصے سے کہا۔

''خالہ...... کیا آپ پرانی باتیں بھول گئی ہیں کہ میں کس، کس طرح صبو کا خیال رکھا کرتا تھا۔''

''سب یاد ہے بیٹا......''

''آپ لوگ تو چاہتے ہوئے بھی میرا وہ خیال نہیں رکھ سکتے تھے جو میں اور میرے ابو آپ سب کا رکھا کرتے تھے۔ اور آج مجھے لگ رہا ہے آپ سب بھول بیٹھے ہیں۔''

''ہاں بیٹا، یہ احسان فراموش لوگ ہیں، ایسے لوگوں سے ہمیں کوئی ناتا رکھنا ہی نہیں چاہیے۔'' رئیسہ بیگم نے بیٹے کی بات سن کر سرشاری سے کہا۔

''ہم احسان جتانے والے لوگوں میں سے نہیں ہیں۔'' امی نے قدرے دھیمے لہجے میں کہا۔

''تم لوگوں کے پاس اس وقت تھا کیا...... جو کسی کو کچھ دیتے۔'' اب رئیسہ بیگم نے پھر طنز کیا۔

''شاید آپ بھول گئیں، جب عامر کے والد کے دونوں گردے خراب ہو گئے تھے اور انہیں کہیں سے بھی ان کا میچنگ گردہ دستیاب نہیں ہو رہا تھا تو اس وقت وہ صبا کے پاپا ہی تھے جنہوں نے اپنے دوست کو اپنا گردہ دیا تھا۔ اور کبھی پلٹ کر بھی یاد نہیں کرایا تھا اور آج آپ ہمیں احسان فراموش کہہ رہی ہیں۔'' امی نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''پلیز آپ جائیں یہاں سے......'' خالہ نے انہیں قدرے کھسیایا ہوا دیکھا تو کہا۔

''آپ دو محبت کرنے والوں پر ظلم نہ کریں...... اگر میں صبو کے بغیر نہیں رہ سکتا تو مجھے پورا یقین ہے کہ وہ بھی میرے خلاف کبھی نہیں جائے گی۔''

''یہ آپ کی بھول ہے عامر کہ میں آپ کے حق میں کوئی فیصلہ دوں گی۔ گو کہ یہ سچ ہے کہ برسا برس میں نے آپ کا انتظار فضول کیا تھا۔ مگر بہت سی باتوں کی آگاہی شاید کچھ لوگوں کو بہت دیر سے ہوا کرتی ہے۔ جیسے مجھے کہ ندیم خان میرے لیے واقعی ایک آئیڈیل شخص ہیں اور میں ان کے ساتھ ہی اپنی زندگی گزارنا چاہوں گی۔''

''اور اگر ندیم خان کو کچھ ہو جائے تو......؟'' وہ ہنسا اور رک کر مجھے دیکھا۔

''کیا مطلب......؟''

''مطلب صاف ہے، اگر ندیم خان کسی حادثے کا شکار ہو جاتے ہیں تو...... تم کیا کرو گی؟'' وہ آنکھوں میں سفاکیت لیے پوچھ رہا تھا۔

اور میرے ساتھ امی اور خالہ اسے یوں آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھیں جیسے اس سے بڑا کوئی دہشت گرد ہم نے کبھی دیکھا ہی نہ ہو۔

(جاری ہے)





# میری جیسی

ہالہ احمد

اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی تھی۔ کچھ دیر پہلے خوب چیخ چلا کر دل کا غبار نکالنے والی اب چپ سادھے بیٹھی تھی۔ کیا سوچا تھا؟ کیا پایا تھا؟ ''کیا کچھ'' پانے کے لیے ''سب کچھ'' چھوڑا تھا۔ اور جو ہاتھ آیا تھا وہ ''کچھ بھی نہیں'' تھا ''کچھ بھی نہیں۔''

☆☆☆

''فاریہ! لو بیٹا میں چلی، تم اٹھ کر دروازہ اچھی طرح بند کرلو......اور پوچھے بِنا ہرگز دروازہ

نہیں کھولنا...... سمجھ گئی ناں بیٹا۔'' وہی مخصوص وقت، وہی مخصوص الفاظ، وہی تاکید اور اس تاکید میں ڈھکی چھپی ایک فکر بھی...... فاریہ نے کسی معمول کی طرح بستر میں لیٹے، لیٹے امی کے یہ الفاظ سنے تھے۔ وہ جانتی تھی جب تک امی اپنے سامنے اسے اٹھتا نہیں دیکھ لیں گی، دروازے کی طرف ایک قدم بھی مزید نہیں بڑھائیں گی۔ سو نہایت کسلمندی سے اپنی آنکھوں کو پوری طرح کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے بستر چھوڑا۔ اسے کمرے سے باہر آتا دیکھ کر امی نے اپنی چادر اٹھائی اور اسے اپنے گرد اوڑھتے ہوئے بھی وہ فاریہ کو ناشتا کر لینے اور اپنا خیال رکھنے کی ہدایت کرنا نہیں بھولی تھیں۔ ماں تھیں ناں آخر......

''اچھا امی!'' فاریہ نے بھی یقین دہانی کے سے انداز میں انہیں جواب دیا تھا۔ اللہ حافظ کہہ کر وہ باہر نکل گئیں تو فاریہ نے دروازہ بند کر دیا اور واپس اندر آ کر سوچنے لگی کہ مزید سویا جائے یا شرافت سے اٹھ کر ناشتا کر کے گھر کے کاموں کی طرف توجہ دی جائے۔

''ابھی کون سا زیادہ ٹائم ہو گیا ہے کچھ دیر سو جاؤں پھر فریش ہو کر سب کام کر لوں گی۔'' خود کو دلیل دیتے ہوئے وہ دوبارہ سے بستر میں گھس گئی۔ ابھی اسے آنکھیں بند کیے دو منٹ بھی نہ گزرے ہوں گے کہ دروازہ دھڑ، دھڑ کی آواز کے ساتھ بج اٹھا۔ اس کا سخت موڈ خراب ہوا تھا۔ ''لو بھلا یہ کوئی وقت ہے صبح، صبح کسی کے گھر آنے کا...... اور ہے بھی پتا نہیں کون...... ارے کہیں امی تو نہیں۔'' خود ہی سوال جواب کرتی وہ چپل پیروں میں اڑستے دروازے کی جانب چلی۔

''کون؟''

''جی، میں کوثر خالہ کے گھر سے آیا ہوں۔ تھوڑی چینی منگوائی ہے انہوں نے۔'' دروازے کے اس پار آواز ابھری تھی۔

''اچھا رکیں، میں ابھی لا کر دیتی ہوں۔'' فاریہ نے آواز لگائی اور کچن کی طرف بڑھی۔ کوثر خالہ بالکل برابر کے مکان میں رہتی تھیں۔ خاوند بیمار، ہلنے جلنے سے بھی معذور، دو بچے تھے، دونوں لڑکے...... عمریں چودہ، پندرہ برس کے قریب تھیں۔ اکثر گھر سے باہر ہی پائے جاتے تھے سو کبھی کسی چھوٹی موٹی چیز کی ضرورت پڑتی تو دونوں گھرانے ایک دوسرے سے بلا جھجک مانگ لیا کرتے تھے کہ حالات تو فاریہ لوگوں کے بھی خستہ ہی تھے بیوہ ماں اور اکلوتی بیٹی...... جو چار سال پہلے میٹرک کر کے جو گھر بیٹھی تو ابھی تک گھر ہی میں بیٹھی تھی۔ کیا کرتی؟ ماں تو خود ایک گھر میں کھانا پکانے کی نوکری پر لگی تھی۔ واپس آ کر جو وقت ملتا وہ لوگوں کے کپڑے سینے میں صرف کرتی کہ جوان بیٹی کو نوکری کے لیے باہر ذلیل و خوار ہوتے دیکھنا اس مصیبت کی ماری کو گوارا نہیں تھا۔ جیسے تیسے بھی سہی مگر بہر حال زندگی کی گاڑی گھسٹ گھسٹ کر چل ہی رہی تھی۔

اپنی لاڈلی بیٹی کے لیے کسی بہن، بھائی یا رشتے دار کے آگے ہاتھ پھیلانا امی نے تمام عمر ہی گناہ برابر تصور کیا تھا۔ ویسے اندر کھاتے کی بات کہ کوئی رشتے دار ایسا ہمدرد اور غمگسار تھا بھی کہاں۔ جس کے آگے وہ اپنے دُکھڑے روتیں۔ سو انہوں نے صبر کی سل سینے پر رکھتے ہوئے خود کو ایک مشین کا روپ دے دیا تھا۔ اللہ جانے ہمت تو اتنی تھی یا نہیں مگر فاریہ کو ایسا کوئی احساس انہوں نے نہیں ہونے دیا تھا۔ جب ہی تو فاریہ بھی بے فکری کی زندگی گزار رہی تھی۔ نہ امی نے زندگی کے مشکل ہونے کا احساس ہونے دیا اور نہ ہی فاریہ نے خود سے بھی کچھ محسوس کرنے کی کوشش ہی کی مگر...... زندگی خود اپنے مشکل ہونے کا احساس کس انداز میں دلانے والی تھی۔ فاریہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

''یہ لیں چینی۔'' فاریہ نے دروازہ ذرا سا کھول کر چینی کی پیالی باہر کی مگر باہر سے کوئی ہاتھ اسے پکڑنے کو آگے نہیں بڑھا تھا۔ فاریہ نے کچھ حیران ہو کر چہرہ دروازے سے باہر نکالا تو سامنے ہی ایک لڑکا اسی کی طرف رخ کیے کھڑا تھا۔ ایک مسکراہٹ اس کے چہرے پر ابھری جسے فوراً ہی اس نے دبا لیا اور آگے

بڑھ کر پیالی فاریہ کے ہاتھ سے تھام لی۔

''شکریہ جی بہت، بہت۔'' اپنے سر کو خم دیتے ہوئے اس نے بڑے عجیب انداز میں کہا تھا۔ فاریہ نے اندر ہو کر جلدی سے کنڈی لگالی۔ کمرے میں آ کر وہ دوبارہ سونا یا لیٹنا تو گویا بھول ہی گئی تھی۔ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ جب اس نے پیالی باہر بڑھائی تو اس لڑکے نے اسے تھام کیوں نہ لیا؟ جبکہ اس نے چہرہ باہر نکالا تو وہ اسی طرف رخ کیے کھڑا تھا۔ پشت دروازے کی طرف ہوتی تو وہ مان لیتی کہ شاید اسے پتا نہیں چلا مگر اب......؟

''کیا وہ بھی چاہتا تھا کہ میں اپنا چہرہ باہر نکالوں؟ ہاں یہی مقصد تھا اس کا تب ہی تو مسکرایا تھا وہ مقصد جو حل ہو گیا تھا اس کا......چالاک کہیں کا۔'' بجائے غصہ کرنے کے فاریہ نے اس حرکت کا مزہ لیا تھا۔ نہ جانے کیوں؟ وہ سوچ سوچ کر مسکرائے گئی۔ اس لڑکے کی وہ حرکت اور دلربا انداز فاریہ کے دل کو دھڑکا گیا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس لڑکے سے اس کا آمنا سامنا دوبارہ ہو اور اب کی بار وہ اسے ذرا غور سے دیکھے تھوڑا زیادہ وقت۔

اب دماغ نے مختلف ترکیبیں لڑانا شروع کیں کہ کیونکر دیدار کا بہانہ ڈھونڈا جائے، کوثر خالہ کے ہاں آنا جانا تو یوں تھا کہ گویا ایک ہی گھر ہو۔ وہاں کسی بھی وقت جا دھمکنا کچھ مشکل نہ تھا۔ کچھ بھی لینے یا دینے کے بہانے بہ آسانی وہاں جایا جا سکتا تھا۔ یہ سوچ کر دل کو ڈھیروں ڈھیر تسلی ہوئی تھی۔ اب تو کہاں کی نیند اور کہاں کی سستی فٹ سے جھاڑو اٹھایا اور اندر باہر شڑاپ، شڑاپ آدھے ہی گھنٹے میں گھر چمکا دیا۔ گھر تھا ہی کیا دو کمرے جن میں سے ایک کو بیڈ روم کا درجہ دیا گیا تھا تو دوسرے کمرے میں ایک طرف چولھا رکھ کر اس کونے کو باورچی خانے کی شکل دے دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ صحن تھا جس کے ایک کونے میں چھوٹا سا غسل خانہ بنا تھا۔ بس یہ تھی کل کائنات......صفائی ستھرائی سے فارغ ہو کر اس نے سبزی کی ٹوکری کھنگالی۔

گوشت تو خیر عید کے عید ہی نصیب ہوتا تھا۔ مرغی بھی شاذ و نادر ہی کھانے کو ملتی۔ بس دال سبزی پر ہی زیادہ گزارہ ہوتا تھا۔ ڈھونڈ ڈھانڈ کر اس نے ٹوکری میں سے چند آلو اور دو عدد چھوٹے، چھوٹے بینگن برآمد کیے۔ آلو، بینگن کی بھجیا بن سکتی تھی۔ ٹوکری اٹھائے وہ صحن میں بچھی چارپائی پر آ بیٹھی۔ اور سبزی بناتے ہوئے بھی اس کے ذہن کی اسکرین پر صبح والا منظر... ری وائنڈ ہو، ہو کر چلتا رہا۔ سبزی تو منٹوں میں کٹ گئی تھی۔ اسے اٹھا کر وہ چولھے کے قریب آ گئی۔ اور جلدی، جلدی بھجیا بنانے لگی۔ دیر ہی کتنی لگنی تھی۔ بھجیا دم پر رکھ کر اس نے آٹا گوندھا۔ لو جی کام ختم......اب روٹی تو دوپہر کو عین وقت پر ہی ڈالنا تھی۔ وہ بھی صرف اپنے لیے کہ امی تو دوپہر کی روٹی وہیں کھا لیتی تھیں جہاں وہ کھانا پکاتی تھیں۔ ہاں شام کو ماں، بیٹی اکٹھے کھانا کھاتی تھیں۔

کام ختم ہوا، فاریہ نے سکون کی سانس لی۔ غسل خانے میں جا کر خوب مَل مَل کر منہ دھویا۔ واپس آئی خوب ڈھونڈ کر ایک سوکھی، سوکھی سی اسنو کی ڈبیا نکالی کھرچ، کھرچ کر انگلیوں سے کچھ اسنو نکال ہی لی جسے ہتھیلی پر مل کر اس نے اپنے چہرے پر دل لگا کر ملا۔ کچھ اثر دیکھنے میں آ ہی گیا تھا۔ مطمئن ہو کر اس نے ایک ایک سلائی کاجل کی بھی آنکھوں میں پھیر لی۔ صورت تو پیاری تھی ہی ذرا سی محنت سے شکل جگر، جگر کرنے لگی۔ اب تھوڑی لالی ہونٹوں پر بکھیرنے کو من مچلا۔ مگر چاہ کر بھی فاریہ نے ایسا نہ کیا کہ اوور......ہونے سے کسی کو بھی شک ہو سکتا تھا۔ اور ابھی وہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔ سو مچلتے من کو وہیں تھپک کر سلا دیا۔ سیاہ و سرخ امتزاج کے لان کے جوڑے نے تو اس کی چھب ہی نرالی کر دی۔ اوپر سے ماتھے پر ایک بالوں کی لٹ بھی نکال لی تھی۔ مانو جیسے کالی بدلیوں میں سے چاند نکل آیا ہو۔ اب وہ پوری طرح مطمئن تھی اپنی تیاری سے۔ دوپٹا سلیقے سے سر پر پھیلاتے ہوئے اس نے قدم باہر کو بڑھائے۔ دروازے میں تالا ڈال کر چابی پسیجی ہتھیلی میں دبائے

وہ اب برابر کے دروازے پر کھڑی تھی۔ ہلکی سی لرزش لیے ہاتھوں سے اس نے دروازے پر دستک دی تھی۔ چند لمحوں بعد ہی دروازہ کھل گیا تھا۔

اُف...... دروازے میں وہی اِستادہ تھا۔ فاریہ کے دل میں لڈو تو خیر پھوٹے سو پھوٹے مگر گھبراہٹ بھی سوار ہوگئی تھی۔ اسی کے دیدار کے لیے تو وہ یہاں تک آئی تھی اب وہ سامنے تھا تو منہ سے ایک لفظ پھوٹ کر نہیں دے پا رہی تھی۔ کیسے محسوسات تھے یہ؟ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا اس کے ساتھ۔

''آئیں، آئیں، زہے نصیب، زہے نصیب......! گھبرا کیوں رہی ہیں آجائیں ناں......''

اس نے جو اسے گھبراتے، لجاتے دیکھا تو خود حیران ہونے کے باوجود شیر بن گیا۔ فاریہ کچھ بھی کہے بنا اندر داخل ہوگئی۔ کوثر خالہ کہیں نظر نہیں آرہی تھیں سو اب ذرا سی ہمت کرنا پڑی۔

''وہ...... وہ خالہ......'' بس اتنا ہی بول سکی تھی۔

''اچھا تو خالہ سے ملنے آئی ہیں آپ...... ہم...ہم م...... ہاں بھئی ہم جیسوں کے ایسے نصیب کہاں کہ کوئی ہم سے ملنے بھی آئے۔'' خالص گلی کے نکڑوں پر کھڑے ہونے والے لفنگوں کا سا انداز...... مگر فاریہ کو تو فلمی ڈائیلاگ جیسا ہی لگا۔ جواب میں کچھ تو کہنا تھا۔

''نہیں، وہ...... میرا مطلب ہے...... خالہ نظر نہیں آرہی ہیں ناں تو بس اسی لیے......''

''ہاہاہا...... تسلی رکھیے جی......! خالہ تو گئی ہیں سبزی لینے...... آجاتی ہیں ابھی...... فکر کا ہے کی؟ دو گھڑی ہم غریبوں سے بھی کچھ بات کرلیجیے۔ بھلا ہوجائے گا غریبوں کا۔'' وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر سر خم کر کے بولا۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ فاریہ تو آئی ہی اسی کے واسطے تھی، خالہ کی غیر موجودگی کا سن کر واپس پلٹ جاتی...... ایسی بے وقوف تو نہیں تھی۔ خاموشی نیم رضامندی کے مصداق وہ لڑکا بھی اس کا عندیہ بن کہے جان گیا۔ اور کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خوشی سے بولا۔

''تشریف رکھیے...... آج تو قسمت کھل گئی جناب...... آئیں ناں بیٹھ جائیں اِدھر۔'' فاریہ بیٹھی تو وہ بھی عین اس کے سامنے چارپائی پر بیٹھ گیا۔

''حسن کہتے ہیں ناچیز کو...... اور آپ؟''

''ف...... فف...... فاریہ۔'' وہ تھوک نگلتے ہوئے بولی تھی۔

''فاریہ! ارے واہ، کیسا خوب صورت نام ہے...... بالکل آپ کی طرح...... بڑا سوچ کر رکھا ہے جی کسی نے آپ کا نام...... ہیں جی......'' جانے کیوں اس کی باچھیں کھلی جارہی تھیں۔ اب کے فاریہ بھی تھوڑا سنبھلی...... جانتی تھی خالہ آگئیں تو پھر کھل کر بات نہ ہوسکے گی۔

''آپ خالہ کے......؟''

''جی، جی ہم خالہ کوثر کے بھانجے ہوتے ہیں، گاؤں میں رہتے ہیں مگر نوکری ووکری کی تلاش میں زیادہ تر گاؤں سے آؤٹ ہی رہتے ہیں...... یہاں لاہور میں ایک نوکری کا بتایا تھا کسی دوست نے...... ہم نے بھی سوچا قسمت آزمانے میں کیا حرج......؟ سو آگئے یہاں...... ویسے ایک بات تو ہے، قسمت ہی یہاں تک لے آئی ورنہ آپ سے ملاقات کیسے ہوتی ہماری۔''

''جی...... جی ہاں...... کیا تعلیم ہے آپ کی؟'' فاریہ نے باقاعدہ انٹرویو کا آغاز کیا۔

''بی اے کیا ہے خادم نے۔'' وہ فخریہ انداز میں بولا۔ فاریہ خود میٹرک پاس تھی پھر حالات انسان میں اعتماد کو بالکل ختم کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اسے تو بی اے بہت اعلیٰ تعلیم لگی تھی۔ ''بس نوکری مل جائے پھر تو وارے نیارے جناب...... عیش ہی عیش......'' فخریہ انداز جاری رہا۔ گویا سادہ بی اے پاس کو لاکھوں کی نوکری پلیٹ میں رکھ کر ملنے والی تھی۔ فاریہ تو اور بھی متاثر ہوئی۔ نظریں جھکی ہوئی تھیں...... کبھی کبھار پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھ لیتی تھی۔

''اچھا اب آپ بتائیں ناں کچھ...... اپنے

بارے میں۔" اور اپنے بارے میں بتانے کو فاریہ کے پاس کچھ لمبا چوڑا نہ تھا۔ جو تھا وہ نہایت شرمندگی کے عالم میں بتایا گویا بادشاہ سلامت کے سامنے غریب رعایا محوِ گفتگو تھی۔ غرض اس ملاقات اور گفت وشنید کا اختتام ایک دوسرے کے لیے محبت سے بھرے' پیار سے اٹے دعوؤں پر ہوا۔ وہی زندگی ساتھ گزارنے' ایک دوسرے کے لیے کچھ بھی کر جانے اور ستارے توڑ لانے کی باتیں...... صدیاں گزریں یہ ڈائیلاگ، دعوے سب گھس گھسا گئے پر آدم کی بیٹیوں کی عقل بھی شاید وقت کے ساتھ گھستی رہی' ہر طرح کا فیشن اپنا لیا...... دنیا دار ہو گئے...... دوسروں کی ریس میں چلیے تک بدل ڈالے بس نہیں بدلی تو دل کی حالت نہیں بدلی ان بیٹیوں کی۔

فاریہ گھر واپس آئی تو قدم ہواؤں میں تھے۔ دماغ ساتویں آسمان پر اور دل...... دل تو اب خود کے پاس رہا ہی نہیں تھا۔ سب کچھ نکھرا ہوا لگ رہا تھا...... بدلا، بدلا سا...... حالانکہ وہی تو تھا سب کچھ...... وہی دو کمرے، وہی آنگن، وہی چولھا چوکی، گنتی کی چند چیزیں، وہی سب کچھ...... پھر بدلا کیا تھا۔ فاریہ سوچ رہی تھی۔" اب زندگی بدل جائے گی۔ پیار محبت ،خواب، پھول ،ستارے ،زندگی مہکی ہوئی...... ہر سو خوشیاں ہی خوشیاں...... اب زندگی میں چاروں اور سر اٹھائے کھڑی محرومیاں کچھ ہی عرصے کی مہمان ہیں......"

اس کے خیال میں اس کی زندگی کا سنہرا ترین باب کھلنے جا رہا تھا۔ مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ اصل میں اس کی زندگی کا سیاہ ترین باب کبھی نہ ختم ہونے کے لیے کھلنے جا رہا تھا۔

رات گزری...... صبح چڑھی...... چند دن یونہی گزرے۔ میل ملاقات کا سلسلہ جاری و ساری رہا...... فاریہ کی امی اپنے کام پر...... اُدھر خالہ کو سبزی گوشت لینے جانا ہوتا کہ کسی کا لایا سودا انہیں کسی قیمت پسند نہیں آتا جب تک وہ مختلف دکانوں پر رکتی رکاتی، سبزی، پھل کی قیمتیں پوچھتی یا لا آخر سستا ترین سودا نہ حاصل کر لیتیں، انہیں چین کہاں آتا تھا۔ جو بھی تھا فاریہ اور حسن کا کام خوب آسان ہو گیا تھا۔ گھر پر صرف خالہ کوثر کے بیمار شوہر ہوتے، اپنی بیماری سے.... بے حال، خود کی خبر نہ تھی کہ تو بھلا کسی اور کی کیا خبر گیری کرتے۔ خالہ کے لڑکے تو صبح کے وقت اسکول اور اسکول سے آ کر کھیلنے کو دونے، غڑاپ سے باہر...... سو چل سو چل...... سلسلہ چلتا رہا۔

پھر ایک دن نئی زندگی شروع کرنے کی باتیں ہوئیں۔ فاریہ کا گلنار ہوتا چہرہ اور مسکراتی آنکھیں بہت کچھ بول گئیں۔ مگر حسن کی اگلی بات سن کر وہ تھوڑا اٹکی۔ وہ اسے سیدھا، سیدھا اپنے ساتھ گھر سے نکل بھاگنے کو کہہ رہا تھا۔

"مگر کیوں حسن......؟ ایسے کیوں؟ تم اپنے گھر میں بات کرو...... کوثر خالہ سے بات کرو...... وہ میری امی سے۔"

"ارے بھول جاؤ سب کو...... کوئی کسی کا نہیں یہاں...... جو کرنا ہے خود ہی خود کرنا ہے...... بیٹھے رہو ورنہ...... گھر والے تو یوں بھی نہ مانیں گے۔ وہ میری شادی اپنے ہی خاندان میں کرنا چاہتے ہیں۔ اماں اپنی بہن کی بیٹی سے تو ابا اپنے بھائی کی بیٹی سے یہ تماشا الگ...... ایسے میں تیرا ذکر کون سنے گا؟ اور کوثر خالہ! بس رہنے دے' اماں کی دوسری کاپی ہیں...... اماں ہی کا ساتھ دیں گی میرا تھوڑی ناں......؟" وہ ہر عذر کا جواب دے گیا اور فاریہ چپ چاپ یقین کرتی چلی گئی۔ شاید محبت کا اندھا پن اسی چڑیا کا نام ہے۔ آخر میں اس نے اپنے محبوب کو یقین دلایا کہ وہ ایک بار اپنی امی سے بات کرے گی اگر وہ نہ مانیں تب وہ بخوشی اس کے ساتھ نکل چلے گی۔ لو جی...... بات ہی ختم کوئی فکر نہیں کوئی مسئلہ نہیں۔ حسن بھی مطمئن نظر آنے لگا۔

ایک شام فاریہ نے ہمت کر کے امی سے بات کر ہی ڈالی۔ وہ کچھ ہی دیر پہلے تھکی ہاری کام سے آئی تھیں۔ دو منٹ کو کمر سیدھی کرنے چارپائی پر لیٹی تھیں کیونکہ پھر اٹھ کر انہیں سلائی کا کام شروع کرنا تھا۔

فاریہ کے منہ سے ایسے الفاظ سن کر وہ دنگ رہ گئیں۔ فوراً...اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ چند لمحے تو بیٹی کا منہ تکنے لگیں کیسا بیانگِ دہل اندازِ تھا اس کا۔ لہجے میں سرکشی کی بُو......آنکھوں میں کچی عمر کے خوابوں کی دُھن......وعدے......وعدے......

"یہ کون وہ......؟" بدقت انہوں نے پوچھا تھا۔ فاریہ نے دھڑلے سے تعارف کرایا۔ یہ بھی بتادیا کہ شادی کرنے کا یہی ایک راستہ ہے۔ ورنہ ہم کبھی نہ مل سکیں گے۔ دل کو ایک موہوم سی امید ہوئی کہ بیٹی نے اعتماد میں لے کر ساری بات بتادی ہے تو سمجھانے پر ممکن ہے.... مان ہی جائے۔

"اچھا......میں کل کوثر سے کچھ اتا پتا تو معلوم کروں اپنے طور پر......پھر دیکھ لیتے ہیں۔"

"دیکھنا کیا ہے امی......آپ بس تسلی کرلیں جو کرنا چاہتی ہیں بس۔" ایک تنبیہہ تھی ان الفاظ میں جسے ماں کے دل نے پل کے ہزارویں حصے میں محسوس کیا تھا۔

اگلی صبح بڑی دیر کے بعد آئی۔ جب اولاد کی سرکشی اور تباہی کا خوف ستارہا ہو تو بارہ گھنٹے کی رات لامحدود گھنٹوں میں بدلتی چلی جاتی ہے۔ ایک، ایک پل گھنٹوں برابر معلوم ہونے لگتا ہے۔ پھر صبح بہت دور نظر آتی ہے......ایک لمبے انتظار کے بعد......ناشتے، پانی کا ہوش کسے ہوتا کام پر نکلنے سے پہلے وہ کوثر خالہ کے گھر گئیں۔ دروازہ حسن نے ہی کھولا۔ فاریہ سے سن گن تو مل ہی چکی تھی لہٰذا آج بال گیلے کر کے پیچھے کو کھینچ کر بنائے گئے تھے۔ پرانی جینز کے اوپر قدرے بہتر حالت کی قمیص پہن رکھی تھی۔ حتی المقدور مہذبانہ سلام بھی خدمت میں پیش کیا گیا مگر امی نظر انداز کرتی آگے بڑھ گئیں۔ کوثر خالہ ناشتے کے کام سے فارغ ہورہی تھیں۔ انھی کے پاس وہ بیٹھ گئیں۔ باتوں، باتوں میں لونڈے کے بارے میں پوچھا۔ آواز دانستہ دھیمی ہی رکھی تھی۔

"یہ حسن؟ اسے میری پھوپی زاد کا بیٹا ہے......کچھ دن ہوئے نوکری کا بہانہ کر کے یہاں آدھمکا تب سے آج تک میرے سر پر سوار ہے۔ جانے کا نام ہی نہیں لیتا۔" کوثر خالہ پہلے ہی خار کھائے بیٹھی تھیں یا پھر یہ مہمان وبالِ جان بن چکا تھا، تین دن سے اوپر کی مہمانی جو ہوگئی تھی۔ خیر......امی کے دل کی کھد بد ابھی ختم کہاں ہوئی تھی سو مزید کریدا۔

"ہے کیسا؟ میرا مطلب ہے تم تو بڑی بیزار نظر آرہی ہو؟" وہ تھوڑا گڑبڑا گئیں کہ کہیں کوثر کو شک نہ ہوجائے۔

"ہاں تو اور کیا نوکری شوکری پتا نہیں ڈھونڈ بھی رہا ہے یا نہیں، البتہ میرے گھر تک کر مفت کی روٹیاں ضرور توڑ رہا ہے۔ میں بھی آخر کب تک کروں۔" کوثر خالہ کے ذاتی دکھڑے ہی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ تھوڑی ہمت اور کرنا پڑی۔

"اچھا تو، گھر والے؟ وہ واپسی کا نہیں کہتے اپنے لڑکے کو؟"

"آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے بہن، کوئی حال نہیں گھر کا۔"

"ہے کون گھر میں؟" امی کی جانب سے اگلا سوال آیا۔

"سبھی ہیں خیر سے ماں، باپ، دو بھائی، تین بہنیں، ایک سے ایک نکھے......ست الوجود......یہ بڑا ہے شادی بھی ہوگئی اور بیوی آئی، وہ ان سب سے بھی دو ہاتھ آگے۔" آخر وہ بات کوثر خالہ کے منہ سے نکل ہی گئی جو امی کے خیال میں فاریہ کو باز رکھنے کے لیے کافی تھی۔ ایک لمبی سی سانس ان کے سینے سے خارج ہوئی۔ جانے کب کی رکی تھی۔

"اچھا کوثر! چلوں اب، کام پر بھی نکلنا ہے دیر ہورہی ہے، سوچا کافی دن ہوگئے تمہاری خیر خبر نہیں تھی۔ ایک بات کہوں......اپنے اس بھانجے کو جتنی جلدی ہوسکے چلتا کرو یہاں سے، یہ تو واقعی میں تمہارے لیے مصیبت بن رہا ہے۔" "مصیبت میں کس کی جان گھری تھی، راتوں کی نیند کس کی حرام ہوئی تھی

اور دن کا چین کس کا برباد ہوا تھا، یہ ان سے بہتر کون جانتا تھا۔

"ہاں، ہاں بس اب جلدی بول ڈالوں گی اور نہیں رکھنے کی میں اب۔" امی کو خاصی تسلی ہوئی۔ تھوڑی ہلکی ہو کر گھر واپس آئیں، فاریہ بے چینی سے صحن میں اِدھر سے اُدھر جلے پیر کی بلی کی طرح گھوم رہی تھی۔ ماں کو آتے دیکھا تو بے صبرے پن سے بولی۔

"کیا پتا چلا امی......؟" امی چارپائی پر بیٹھیں اور چادر کے پلو سے پسینہ پونچھتے ہوئے بولیں۔

"فاریہ! بیٹا وہ مخلص نہیں ہے تمہارے ساتھ، اس نے تو تجھے یہ تک نہیں بتایا کہ شادی شدہ ہے وہ پہلے سے۔" امی نے اپنے تئیں دھما کا کیا تھا مگر فاریہ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ الٹا سکون سے بولی۔

"چھوڑیں امی، محبت تو اس نے مجھ سے کی ہے ناں...... یہ بتائیں لگا کیسا آپ کو؟" دیدوں کا پانی مر ہی گیا تھا شاید۔

"فاریہ!" بے یقینی تھی کہ بڑھتی ہی چلی جاتی تھی۔ "میں کیا بتا رہی ہوں تمہیں؟ بھول جاؤ بیٹا اسے، تم کبھی اس کے سنگ خوش نہ رہ پاؤ گی۔ بیٹا..... تمہاری عمر جہاں کھڑی ہے ناں میرا تجربہ وہاں سے شروع ہو رہا ہے۔ مان جاؤ میری بات بیٹا وہ تمہارے قابل نہیں بس ختم کرو بات کو، دل گھبرا رہا ہے میرا۔" فاریہ خاموش بالکل خاموش، چہرے پر کوئی تاثر نہیں۔ امی سمجھ گئیں کہ بات نشانے پر جا لگی ہے وقتی دکھ ہے جاتے، جاتے چلا ہی جائے گا۔ مطمئن ہو کر دروازہ بند کر لینے کا کہہ کر وہ باہر نکل گئیں۔ پہلے ہی خاصی دیر ہو گئی تھی۔

شام کو گھر لوٹیں تو فاریہ معمول کی طرح شام کی ہانڈی روٹی کی فکر میں تھی...... گھر بھی صاف ستھرا، چیزیں اپنے ٹھکانے پر...... سب کچھ ٹھیک تھا، فاریہ چھوٹی، چھوٹی باتیں بھی کر رہی تھی ماں سے روزانہ کی طرح۔ ماں اندر سے سرشار کہ بیٹی نے ماں کی رضا پر سر جھکا دیا۔ رات کو کھانے سے فارغ ہو کر فاریہ نے

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



برتن سمیٹے، دونوں ماں، بیٹی اپنی، اپنی چار پائی پر آلیٹیں۔ امی کو تو جلد سونے کی عادت تھی۔ کام کی زیادتی، عمر کا تقاضا اور آج تو صبح کی فکر بھی ختم ہو چکی تھی۔ وہ جلد ہی نیند کی آغوش میں جا پہنچیں۔ فاریہ کی نگاہیں چھت پر لگے پنکھے پر جمی تھیں۔ ایک ٹک، چت لیٹی ہوئی، ہاں مگر دماغ کی سوچیں ساکن نہ تھیں۔ خدا کے بعد وہ خود ہی جانتی تھی کہ اس وقت اس کے دماغ میں کیا چل رہا تھا۔ پانچ، دس، پندرہ، بیس، پچیس اور پھر تیس منٹ......ٹھیک تیس منٹ کے بعد وہ آہستگی سے چار پائی سے اٹھی مبادا کہیں ذرا سا بھی شور اٹھ جائے۔ اپنے ہی گھر میں چوروں کی طرح ٹٹولتی، چلتی وہ صحن تک آئی۔ غسل خانے کی دیوار والے کونے سے ایک بیگ اٹھایا۔ اسے کندھے پر ڈال کر بیچ دروازے تک آئی۔ ذرا کی ذرا رک کر دوپٹا کھول کر اچھی طرح اپنے گرد لپیٹا، بنا آواز پیدا کیے کنڈی کھولی، دروازے کے پٹ پر ہاتھ رکھ کر آخری بار مڑ کر کمروں کی طرف دیکھا اور پھر تیزی سے دہلیز پار کر گئی۔

ساتھ نبھانے اور زندگی اِک دوجے کے سنگ بتانے کا وعدہ تو ہو ہی چکا تھا۔ فاریہ نے تو محض خانہ پری سے ہے۔ ماں کے کانوں میں یہ بات ڈال دی تھی کہ اگر ماں خوشی سے راضی ہو کر شامل ہوتی ہے تو سو بسم اللہ ورنہ محبت پانے کے رستے ہزار......صبح ماں کے صفا چٹ انکار کے بعد اس نے منہ سے بھاپ تک نہ نکالی تھی کہ سب کچھ تو طے تھا پھر ماں سے بحث اور مغز ماری کس کام کی؟ سو اس لمحے تو چپ سادھ لی۔ ماں جی پُرسکون ہو کر اکلوتی لاڈلی بیٹی کی خاطر اس عمر میں محنت کرنے گھر سے نکل کر کھڑی ہوئی۔ کاش کسی طرح جان لیتی کہ اس کے گھر سے نکلتے ہی بیٹی اپنے محبوب سے ملاقات کرنے نکل کھڑی ہوگی۔ اور اسی ملاقات میں سب پروگرام طے پا گیا تھا۔ کتنے بجے اور کس طرح نکلنا ہے سب ہی کچھ تو طے پایا گیا تھا۔

بھولی ماں واپس آ کر معمول پر سب کچھ دیکھ کر جلد ہی سو گئی تھی اور یہ......اس ملاقات کے منصوبے پر عمل کرنے کو تیار تھی۔

رات ہی رات میں وہ اس شہر سے نکل چکے تھے۔ قصہ مختصر یہ کہ حسن کے ایک دوست شکیل اور اس کی بیوی طاہرہ نے نئے شہر میں اتنا ساتھ دیا کہ گواہان کا بندوبست کر کے نکاح کے بندھن میں باندھ کر اپنے گھر میں ایک کمرا فراہم کر دیا۔ وہ رخصت ہو کر جس حجلۂ عروسی میں آئی تھی تو وہ ان کے گھر کی اوپری منزل پر تھا کمرے کے باہر چھت پر چھوٹی سی چار دیواری کھڑی تھی۔ سورج نکلتا تو چاروں طرف سے شعائیں اسی کمرے پر اپنا غصہ نکالا کرتیں جو دہکتا تندور بن جاتا۔ مگر اب تو بھلے تندور بنتا یا بھٹی......رہنا تو اسی میں تھا ناں...... کمرے میں داخل ہوتے ہی فاریہ کو اپنا دو کمروں کا گھر یاد آیا۔ کیسی پُرسکون جنت تھی وہ بھی......مگر اس وقت اس جنت کو رونے کا ٹائم نہیں تھا۔ آگے بہت کچھ تھا دیکھنے کے لیے بہت سی سوچیں، بے شمار فکریں، ہزاروں اندیشے اور لاکھوں وسوسے، زندگی کس انداز میں موڑ کاٹ رہی تھی فاریہ نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

رفتہ رفتہ زندگی اپنے اصل رنگ ظاہر کرنے لگی تھی۔ عشق، خمار اور چاہت کے رنگ دھیرے دھیرے مدھم پڑ رہے تھے۔ یوں بھی زندگی بے شمار پریشانیوں میں گھری ہو تو عشق، محبت کس کم بخت کو سوجھتا ہے۔ حسن تو اسے ایک کمرے میں چھوڑ چھاڑ صبح ناشتے کے بعد جو گھر سے نکلتا تو رات گئے سے پہلے اس کی واپسی نہ ہوتی۔ بہانہ وہی نوکری ڈھونڈنے کا جو نہ جانے کب ملتی۔ ملتی بھی یا نہیں کچھ پتا نہ تھا۔ وہ سارا دن دیواروں اور چھت کو دیکھتے، دیکھتے گزار دیتی۔ شروع کے چند دن تو طاہرہ نے جو اپنے لیے پکایا ایک پلیٹ یا کٹوری اس کو بھی عنایت کر دیا مگر جلد ہی ہاتھ کھینچ لیا۔ حسن بہت تھوڑی سی رقم اسے دیتا تھا پھر اس کے ہاتھ پر پیسے رکھنا بند کر دیا۔ خود ہی تھوڑی بہت سبزی دال لا دیتا، جسے وہ طاہرہ کے باورچی خانے میں اس کے کھانا پکانے کے بعد پکا کر اوپر لے آتی۔

دن گزرتے رہے پھر ایسا ہونے لگا کہ حسن کئی، کئی دن کئی کئی راتیں گھر سے باہر گزارنے لگا۔ جاتا تو پلٹ کر آنے کی امید ہی نظر نہ آتی۔ اس کی بلا سے فاریہ تنہا دن کاٹے، تنہا راتیں بتائے جو مرضی کرے، ہاں بس اس کے معاملات میں دخل اندازی اور پوچھ گچھ نہ کرے۔ وہ کہاں تھا؟ کہاں رہا؟ اتنے دن خبر کیوں نہ لی؟ وغیرہ وغیرہ...... یہ سب پوچھنے کا حق اس کے پاس نہیں تھا۔ کچھ دن وہ بھی لب سے رہی مگر امی کے الفاظ دماغ میں جھنجھنے کے مانند بجتے۔

"فاریہ بیٹا! وہ مخلص نہیں ہے تمہارے ساتھ اس نے تو تجھے یہ تک نہیں بتایا کہ شادی شدہ ہے وہ پہلے سے۔" وہ بے چین ہو ہو جاتی۔ پر کچھ کر نہ پاتی تھی۔ گھٹ گھٹ کر جی رہی تھی۔ اندر لاوا پکتا رہا، پکتا رہا، بالآخر حد ختم ہوگئی۔ بھاڑ میں گیا عشق، ہوا ہو گیا خمار اور کہیں جا سویا پیار...... آج وہ لاوا آتش فشاں کی صورت پھٹ نکلا تھا۔ وہی ہوا تھا جو آتش فشاں کے پھٹنے پر ہوتا ہے۔

حسن آج بہت دنوں بعد گھر آیا تو فاریہ نے کھانے کو پوچھا نہ پانی آگے رکھا۔ سیدھے سبھاؤ بات شروع کی...... وہ کہاں رہتا ہے اتنے، اتنے دن؟ کس کے پاس؟ آج یہ حق بھی استعمال کر ڈالا فاریہ نے...... حسن کے تو گویا پتنگے لگ گئے...... آخر ہمت کیونکر ہوئی عورت ذات کی یہ سب پوچھنے کی؟ بات تو تو میں، میں سے آگے نکلی۔ جھگڑا بڑھا، کچھ تیر اُدھر سے برسے تو کچھ اِدھر سے۔ بڑی دیر تک بک، بک، جھک، جھک ہوئی آخر میں حسن نے کھلے بندوں اعتراف کیا کہ وہ اپنی پہلی بیوی کو نہیں چھوڑ سکتا اور یہ کہ وہ چونکہ اس کی خاندانی بیوی ہے لہٰذا اس کا حق بھی زیادہ ہے اور زور بھی کہ پورا خاندان اس کے سر پر ہے۔ فاریہ سے شادی کرنا اس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ اور یہ بھی کہ وہ اسی طور سے زندگی گزار سکتی ہے تو ٹھیک ورنہ بتا دے۔ آزادی کا پروانہ ملنے میں دیر نہیں لگے گی پھر وہ جہاں چاہے جا سکتی ہے۔ یہ کہنے کے

## مجھ سے ملیے

میں ممرین ضیا بنگش میٹرک کلاس کی طالبہ ہوں، یکم اکتوبر کو کراچی میں پیدا ہوئی۔ بہن، بھائیوں میں سب سے بڑی ہوں۔ پاکیزہ کو بچپن سے گھر میں دیکھتی آرہی ہوں اور مجھے بھی اپنی امی کی طرح پاکیزہ سے محبت ہوگئی ہے۔ مجھے کھانے پکانے کا بہت شوق ہے اور ساتھ میں کھانے کا بھی تبھی تو روز بروز موٹی ہوتی جارہی ہوں۔ پلیز، پلیز اسمارٹ ہونے کی کچھ ٹپس بتادیں۔ کھانے میں بریانی اور چٹپٹے کھانے شوق سے کھاتی ہوں مگر جب کہیں جاتی ہوں تو کچھ بھی نہیں کھا سکتی بس دل میں سوچتی ہوں کاش میں یہ سب اپنے گھر لے جا سکتی تو آرام سے کھا لیتی ہا...... ہا...... سلائی کا بھی شوق ہے اور تھوڑا بہت سیکھ چکی ہوں اور انشاء اللہ اور بھی سیکھوں گی، مجھے فیشن اور میک اپ کا بالکل شوق نہیں ہے۔ میں جہاں بھی جاتی ہوں ہمیشہ سادہ جاتی ہوں۔ میری سب سے بڑی خامی ہے کہ میں بہت جلد چھوٹی، چھوٹی باتوں پہ خفا ہو جاتی ہوں اور پھر دیر تک روتی رہتی ہوں اور سب سے اچھی خوبی ہے کہ بہت جلد لوگوں سے گھل مل جاتی ہوں اس لیے میری سہیلیوں کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ میری بیسٹ فرینڈ میں میری امی، میری چھوٹی بہن صباحت ضیا، نایاب حفصہ، خدیجہ نوید، فاطمہ اکبر، عاصمہ اکبر، اقرا اکبر، نمرا محمود، جویریہ فضل واحد، مائرہ اسلام اور بھی بہت سی جگہ کی کمی کی وجہ سے نام نہیں لکھ سکتی... سوری میری سکھیوں...... میری پسندیدہ شخصیت میری پرنسپل شاہینہ شیخ ہیں، میری پسندیدہ ٹیچر تو بہت ہیں مگر ثمینہ خان عرف شمع باجی سرفہرست ہیں۔ مجھے اپنا شہر پشاور بہت یاد آتا ہے اور ساتھ میں اپنے سب رشتے دار بھی کیونکہ کراچی میں ہمارے چند رشتے دار رہتے ہیں باقی سب پشاور میں ہیں۔ میری شدید خواہش ہے کہ پاکیزہ میں پھر سے ایوارڈ کا سلسلہ شروع ہوجائے اور میں بھی اپنی امی کی طرح بہت سارے ایوارڈ حاصل کرلوں، پلیز میری یہ خواہش ضرور پوری کردیں۔ پاکیزہ کے لیے دعا ہے کہ پاکیزہ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے اور جتنے بھی لوگ پاکیزہ سے جڑے ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ صحت کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے اور ان سب کو بھی دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، آمین۔

ساتھ ہی وہ الٹے قدموں کھٹ کھٹ سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ فاریہ سکتے میں بیٹھی رہی۔ یہاں تک کہ طاہرہ اوپر آئی، اس کے پاس بیٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو فاریہ جیسے جاگ گئی۔ کوئی ہمدرد اپنے نزدیک پا کر فاریہ کے ضبط کے تمام بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ اس کے گلے لگ کر خوب روئی۔ اپنی بے وقعتی پر اپنی ... بے قدری پر...... نظروں میں آیا تو صرف ماں کا چہرہ...... دل میں پایا تو صرف ماں کو چھوڑنے کا درد...... کانوں میں ماں کی آواز گونجتی تھی۔ زبان پر لفظ آیا تو صرف ماں...... طاہرہ بھی ایک عورت تھی غمگسار بھی تھی۔ اس کی کیفیت جان گئی۔ اسی نے مشورہ دیا کہ ایک بار پلٹ کر اپنی ماں کے پاس جائے۔ مائیں بڑی وسیع القلب ہوتی ہیں۔ یقیناً معاف کر دے گی، سینے میں چھپا لے گی۔ زمانے کے سرد و گرم سے بچالے گی۔

وہ ایک بار اس کے سامنے جانے کی ہمت تو کرے...... ماں کا تصور ہی اتنا طاقتور تھا کہ فاریہ، طاہرہ کے پاؤں پڑ گئی کہ وہ اس پر ایک احسان کر دے کہ اس کے ساتھ چلی چلے۔ طاہرہ راضی ہو گئی۔ اپنے میاں سے بات کی، اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو ان دونوں کے ساتھ کر دیا۔ بڑی آس لے کر فاریہ گھر سے روانہ ہوئی۔ تمام راستہ یہی سوچتے کٹ گیا کہ ماں اسے دیکھ کر کیسی حیران ہو گی۔ خوش بھی مگر ناراض بھی...... وہ اپنی ماں سے معافی مانگے گی، پیر چھو لے گی، ماں کتنی دیر ناراض رہے گی آخر مان ہی جائے گی۔ سوچتے، سوچتے فاریہ آپ ہی آپ مسکرائے جاتی۔

اپنی گلی میں اپنے گھر کے دروازے پر پہنچی تو اس پر لگے تالے کو دیکھ کر فاریہ کو اچنبھا ہوا۔ یہ وقت تو ماں کے گھر میں ہونے کا تھا۔ کہاں جا سکتی تھی وہ؟ پریشان ہو کر کوثر خالہ کا دروازہ کھٹکھٹا ڈالا۔ کوثر خالہ ہانپتی کانپتی دروازے تک آئیں۔ فاریہ کو دیکھ کر پلکیں تک نہ جھپک پائیں۔ جیسے یقین نہ آ رہا ہو کہ سامنے وہ کھڑی ہے۔

''امی......؟'' فاریہ کے منہ سے بس اتنا ہی مشکل سے نکلا۔ کوثر خالہ نے منہ پھیر لیا۔ فاریہ ان کے بولنے کی منتظر...... طاہرہ تذبذب کی حالت میں...... پھر جو کچھ اُن کے منہ سے نکلا۔ فاریہ کا دل چاہا کاش وہ یہ سب سننے سے پہلے اپنی زندگی کی بازی ہار گئی ہوتی۔ الفاظ تھے کہ برچھیاں جو سینے کے اندر تک اتر رہی تھیں۔

اس کی ماں، اس کے لیے رات دن محنت کرنے والی ماں اس کے یوں منہ موڑ لینے کے غم کو سہہ نہ پائی تھی اور خود اس دنیا سے منہ موڑ گئی تھی۔ رہ بھی کیا گیا تھا اب اس بیچاری ماں کی زندگی میں۔ کس کے لیے جیتی، کس کے لیے مشقتیں اٹھاتی، کسے دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتی؟ وہ بیٹی جو ایک غیر، انجان لڑکے کے عشق میں گرفتار ہو کر ماں کی عمر بھر کی ریاضتیں پل بھر میں بھلا بیٹھی تھی...... اس کے لیے؟ فاریہ کی دنیا اندھیر ہو گئی تھی۔ دل ڈوب گیا تھا یہ سب سن کر۔ ہاتھ پیر سن، کسی بے جان زندگی سے عاری لاش کے مانند کھڑی تھی وہ۔

کوثر خالہ نے اس کے گھر کی چابیاں اس کے حوالے کیں۔ کیسے کھولے وہ اپنے دو کمروں کے گھر کے دروازے کو؟ کیسے دیکھے وہ اس گھر کو جہاں گئے دنوں کی یادیں، کونوں کھدروں سے نکل نکل کر بین کر رہی تھیں۔ اس گھر کو جسے چھوڑتے ہوئے اس نے ایک لمحہ کو بھی نہ سوچا تھا کہ اگر کبھی وہ واپس یہاں آئی تو اس کے استقبال کرنے کو کون موجود ہو گا؟ اس نے تو واقعی نہیں سوچا تھا کہ اس کے لوٹ آنے پر من کو کاٹ ڈالنے والی یادیں یوں اس کا استقبال کریں گی۔ وہ ٹوٹ، ٹوٹ کر روئی اور رو، رو کر ٹوٹی۔ مگر اسے سمیٹنے والا اسے جوڑنے والا وجود اب کہیں نہیں تھا۔ اپنی آنکھ سے ایک، ایک آنسو گرا دینے کے بعد وہ ساکت ہو گئی...... بالکل خاموش...... کسی بت کی طرح۔

طاہرہ نے بڑے پتے کی بات کی۔ اس نے فاریہ کو اسی گھر میں رہنے کا مشورہ دیا۔ حسن سے بات کرنے پر اکسایا۔ فاریہ کی آمادگی دیکھی تو جھٹ نمبر ملا کر موبائل اس کے ہاتھوں میں دیا۔ چوتھی بیل پر حسن

نے فون اٹھایا تھا۔ فاریہ کا نمبر دیکھ کر آواز ہی سے بیزاری جھلک رہی تھی۔ فاریہ نے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں تمام بات بتائی۔ بے ربط سے جملے، کھوکھلے الفاظ، بس یہ استدعا کی کہ رہنا تو اسے وہاں بھی اسی حال میں ہے تو کیوں نہ وہ یہاں اپنی ماں کے گھر پر رہ لے؟ یہاں کم از کم ماں سے جڑی یادیں ہیں اور خیر خبر لینے کو کوثر خالہ اور دوسرے لوگ بھی، کچھ آسرا تو ہوگا۔

اندھا کیا چاہے‘ دو آنکھیں، حسن کے تو گویا سر سے پہاڑ سرکا تھا۔ خوشی میں جھومتے اس نے یہ پیشکش بھی کی کہ اگر وہ اس رشتے کو ختم کرنا چاہے تو بخوشی کرسکتی ہے۔ فاریہ نے سوچنے کے لیے وقت لے لیا تھا۔ کچھ تو سکون ملا تھا یہاں آکر...... طاہرہ زیادہ نہیں رک سکتی تھی۔ اسے اپنا خیال رکھنے اور رابطے میں رہنے کا کہہ کر وہ جلد ہی دیور کے ساتھ رخصت ہوگئی تھی۔

اب وہ تھی اور اکیلا گھر...... کوثر خالہ کبھی کبھی چکر لگالیتیں۔ ہنوز ناراض مگر بہر حال کچھ خیال تو رکھتی تھیں۔ اب فاریہ نے سوچنا شروع کیا کہ اسے حسن کو چھوڑ دینا چاہیے یا نہیں...... کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کرے کیا نہ کرے...... اسی ادھیڑ بن میں کچھ دن اور گزرے...... اور اسے خود میں پلتے وجود کی خوشخبری ملی۔ پتا نہیں خوشخبری تھی یا...... مگر ایک حوصلہ سا ضرور ہوا اسے۔ اور اسی کے کارن اس نے وہ فیصلہ بھی کر ڈالا جو وہ اتنے دن میں نہیں کر پائی تھی۔ اس کی ماں نے تمام زندگی اس کے نام کی تھی اس کے لیے محنت کی تھی ہر دکھ‘ درد اس کے لیے برداشت کیا تھا۔ اب وہ ماں بننے جارہی تھی، وہ اولاد جو ابھی اس دنیا میں نہیں آئی تھی۔ اس کے لیے...... اس کی خاطر فاریہ نے حسن نام کا طوق ہمیشہ کے لیے اپنے گلے میں ڈالے رکھنے کا فیصلہ کرلیا جو بھی تھا جیسا بھی تھا وہ اس کا نہیں بن سکا تو کیا؟ مگر وہ اس کے بچے کا باپ تو تھا۔ وہ اپنے ہونے والے بچے سے اس کے باپ کو نہیں چھیننا چاہتی تھی۔ وہ اس آنے والے کے لیے اپنی زندگی ایک بے حس شخص سے جوڑے رکھنے پر تیار ہوگئی تھی۔ اب فاریہ کے لیے یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں تھا کہ اس کی ماں نے اس سے کتنی محبت کی تھی۔ اور اس سے محبت کو اپنی نام نہاد محبت کے پیروں تلے روند ڈالنے کا انجام فاریہ نے بھگت لیا تھا۔ جس کی خاطر اس نے یہ سب ٹھکرایا۔ آج وہی اس کا نہ تھا۔

وہ آج تنہا کھڑی تھی اور اس تنہائی سے گھبرا کر شاید وہ اپنی زندگی ہی ختم کرلیتی اگر ایک نئی زندگی اس کے وجود میں نہ جاگ اٹھتی۔ اور اسی کے لیے فاریہ نے اپنے وجود کو یکسر فراموش کر کے جیسے تیسے حالات کے ساتھ جینے کا فیصلہ کیا تھا۔ چار دن، پانچ دن، ایک ہفتہ، دس دن آخر کبھی تو حسن گھر کی طرف پلٹ کر دیکھتا۔ زمانے میں چار آنکھیں رکھنے والے کم از کم یہ تو دیکھتے کہ کوئی ہے جو فاریہ کی خیر خبر لینے والا ہے۔ کوئی تو ہے جس کا نام فاریہ کے نام سے جڑا ہے۔ وہ نام اسے کبھی نہ کبھی انسانی درندوں سے بچا سکتا تھا۔ بھلے وہ اس کا کبھی نہیں تھا مگر اصلیت کون جانتا۔

وہ اب بھی خاموشی سے لیٹی تھی۔ بظاہر خاموش مگر اس کے دل میں ایک طوفان برپا تھا۔ اس طوفان کے تھپیڑوں اور شور سے یہ الفاظ چیخ چیخ کر سر اٹھا رہے تھے۔

میری جیسی ماں نے جنی تھی<br>
ہیر کہ جس نے زہر پیا<br>
میری جیسی ماں نے جنی تھی<br>
نوری، سسی اور سوہنی<br>
اپنا آپ مٹا کے جنہوں نے<br>
شہرِ وفا آباد کیا<br>
میری جیسی ماں نے جنی تھی<br>
مجھ جیسی بھی کوکھ جلی<br>
قطرہ، قطرہ زندہ رہ کر<br>
جس نے موت کو مار دیا

گرم، گرم سیال اس کی آنکھوں سے بہہ نکلا...... اور تکیے کی نرماہٹوں میں کہیں جذب ہوگیا۔



ناولٹ

# من جانبازم

سحر ساجد



تیسرا حصہ



عائلہ، موی کی بگڑتی ہوئی حالت دیکھ کر بے حد گھبرائی اور اس کے اس طرح پکارنے پر جبیب بھاگتے ہوئے آئے تھے۔ انہوں نے فوراً اس کا بی پی چیک کیا تھا اور اسے اسی صوفے پر بٹھا کر میڈیسن اس کی زبان کے نیچے رکھی تھی۔ بی پی ہائی تھا۔

''اسے اسپتال لے چلتے ہیں۔'' عائلہ نے بھرائی آواز میں کہا۔

''ابھی میڈیسن دی ہے، دیکھ لینے دو اگر فرق نہ

پڑا تو لے چلیں گے۔'' حبیب پریشان تھے مگر خود کو کمپوز کیے ہوئے تھے۔ گل سو رہی تھیں اور لاؤنج میں ہونے والی کارروائی سے یکسر بے خبر تھیں...... حبیب نے چند لمحے بعد پھر سے اس کا بی پی چیک کیا تھا اب کہ وہ پہلے سے نسبتاً کم تھا۔

''اسے کمرے میں لے جاؤ عائلہ...... کپڑے چینج کروادو۔'' حبیب کے کہنے پر عائلہ نے سر ہلایا اور وہ دونوں موی کو کمرے میں لے آئے تھے اور پھر ساری رات حبیب اور عائلہ اسی کے پاس رہے تھے۔ حبیب وقفے وقفے سے اس کا بی پی چیک کرتے رہے اور عائلہ اس کے چہرے، پیشانی اور گردن پر ابھرنے والے پسینے کو صاف کرتی رہی۔ صبح کے قریب اس کا بی پی نارمل ہو گیا تھا اور وہ سکون سے سو گئی تھی۔ اس کے سوتے ہی حبیب اپنے کمرے میں چلے گئے تھے اور عائلہ وہیں اس کے پاس ٹھہری رہی۔ ان دونوں کا کوئی ارادہ نہیں تھا گل کو اس سب کے بارے میں بتانے کا۔ شکر تھا کہ اسے اسپتال لے جانے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

☆☆☆

اس کے دروازے پر ہلکی سی ناک ہوئی۔ رات کا وقت تھا اور وہ لیپ ٹاپ کھولے کچھ پڑھ رہا تھا۔ artillary کے متعلق کوئی فیچر تھا۔ وہ دستک کی آواز پر چونکا اور سر اٹھا کر دروازے کی سمت دیکھا۔

''یس کم آن......'' اور پھر دوبارہ سر جھکا کر اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ دروازے کا ناب گھوما، چرچراہٹ کی آواز بلند ہوئی۔ وہ متوجہ نہ تھا اور پھر دروازہ پورے کا پورا کھل گیا تھا۔ وہ کرنل صاحب تھے۔

''پاپا؟'' وہ حیران ہوا دوسری نظر گھڑی تک گئی کسی وجود کے اندر آجانے کے احساس کے بعد اس نے اوپر دیکھا اور چہرے کے تاثرات حیرت میں بدلے تھے۔ کرنل صاحب اسے دیکھ کر مسکرائے تھے۔

''تمہاری ممی، تمہاری کامیابی کو سیلیبریٹ کرنے کے لیے ایک پارٹی ارینج کرنا چاہتی ہیں۔'' روم چیئر کھینچ کر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے وہ بولے تھے۔ مسکراتے ہوئے اس نے لیپ ٹاپ کا lid نیچے کیا تھا۔

''تو آپ کیا مجھ سے پارٹی کی تھیم ڈسکس کرنے آئے ہیں؟'' وہ اسی طرح سے مسکرا رہا تھا مگر اب کہ مسکراہٹ میں شرارت کا رنگ بے حد تیزی سے گھلا تھا۔ کرنل صاحب کی مسکراہٹ بھی گہری ہوئی۔

''نہیں، میں تو تمہیں کچھ دینے آیا ہوں۔'' وہ اسی طرح مسکراتے ہوئے ان کے حرکت کرتے ہوئے ہاتھ کو دیکھتا رہا...... جو کہ پاکٹ تک گیا تھا۔

''یہ، یہ تمہاری کامیابی کے لیے......'' اور پھر ایک چیک نکال کر انہوں نے اسے پکڑایا تھا۔

مسکراہٹ غائب ہوئی، حیرانی کا عنصر نمایاں ہوا...... اور اسی حیرانی کے ساتھ اس نے ہاتھ بڑھا کر کرنل صاحب کے ہاتھ سے چیک پکڑا تھا۔

''فور ہنڈرڈ تھاؤزنڈ...... چار لاکھ؟'' اس نے چیک پڑھتے ہی شاکڈ ہو کر کہا۔

''یہ یقیناً کسی بھی ہائی فائی پارٹی سے بہتر ہے۔ اپنا دیرینہ شوق پورا کرنا۔'' کرنل صاحب اسی طرح سے مسکرا رہے تھے۔

''آپ کا مطلب ہے کہ...... کہ......'' وہ کچھ سمجھتے ہوئے خوش ہو کر بولا تھا۔

''یس......'' کرنل صاحب نے سر ہلایا۔

اس نے مسکراتے لبوں اور چمکتی ہوئی آنکھوں سے اس اماؤنٹ کو دوبارہ پڑھا۔

"400000it,s the best gift ever"

اور چیک کو ہوا میں لہرا کر مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

''تم نے بھی تو اب تک کی سب سے بہترین خوشی دی ہے۔'' وہ اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولے تھے۔

''مگر اچھا ہوتا اگر آپ 4 کے بجائے 6 لکھتے۔'' کرنل صاحب اس کے انداز پر قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔

''باقی کی رقم خود ارینج کرنا۔'' پھر اچانک

مصنوعی سختی سے بولے تھے۔ ''ہر چیز پلیٹ میں رکھ کر نہیں ملتی ڈیئر سن اور تمہیں تو بالکل بھی نہیں ملے گی۔''

بے اختیار وہ ہنسا تھا۔

''جانتا ہوں......لیکن پلیٹ آدھی سے زیادہ بھر دی آپ نے۔'' اس نے انہیں آنکھ ماری تھی۔ اور وہ ایک بار پھر سے ہنس دیے تھے۔

"anyhow Mr colonel! I,m obliged for this act of love."

وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔

کرنل صاحب نے ایک دفعہ پھر سے اس کا کندھا تھپتھپایا تھا۔

"my brave son"

☆☆☆

اگر ssg کا تعارف ایک جملے سے کیا جانا ممکن ہو تو وہ جملہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

"they are deadly even with no weapons other than their hands and feet"

تو وہ سب بھی deadly تھے، مہلک تھے۔ وہ اس بیس کے ایک کمرے کی کھڑکی میں کھڑا تھا۔ دونوں ہاتھ چوکھٹ پر رکھے منہ میں کچھ چبا رہا تھا۔ اس کی تیز، پُرسوچ، گہری نظریں دن کے اجالے میں بھی کسی چیز کو کھوج رہی تھیں اور اس کی پشت پر بے چینی تھی جو باقی افراد کی آواز میں جھلکتی تھی اور اس تک پہنچتی تھی۔

''ابھی تک اسپیئر پارٹس نہیں پہنچے...... واٹ دا ہیل از دس؟'' اس کے ساتھی نے بے حد غصے سے صوفے کو اک لات رسید کی تھی۔

''تمہارا غصہ جی ایچ کیو کی ٹیم کو روکنے والا نہیں......وہ کل صبح یونٹ کی انسپکشن کے لیے آرہے ہیں۔'' اک تیسرے فرد نے بے حد تحمل سے کہا تھا۔

''اور ہماری بہت سی جیپیں unserviceable ہیں۔'' کھڑکی میں کھڑے فرد نے ٹکڑا لگایا تھا اور وہاں اس کمرے میں اک خموشی سی پھیل گئی تھی۔

''اسپیشل سروسز کی یونٹ اور وہ ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر heaven,s help کے انتظار میں ہے۔ how disgusting it is'' وہ اسی طرح سے تیز نظروں سے کچھ کھوجتے ہوئے منہ میں کچھ چباتے ہوئے تیز لہجے میں بولا تھا۔

''اور ہم کر بھی کیا سکتے ہیں......ما سوائے heaven,s help کے انتظار کے......'' اس بات پر وہ سرعت سے پلٹا اور یہ بات کہنے والے چوتھے فرد کو غصے سے گھورا تھا۔

''تم یہ الفاظ واپس لو یا پھر اپنی یونیفارم کو آگ لگا دو۔ you are a commando'' اور سب اس کو دیکھنے لگے کہ یوں جیسے کیا کیا جا سکتا تھا اس مسئلے کا اور وہ یوں سب کے دیکھنے پر کندھے اچکا کر بولا۔

''واٹ......؟''

''مائنڈ اٹ......ہم اسپیئر پارٹس اپنی جیب سے خرید نہیں سکتے۔'' اور اس نے بے ساختہ اِک گہری سانس بھری......دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈالے اور تھو کر کے منہ میں موجود چیز کو دور پھینکا تھا۔ اس نے حاضرین پر اک تیز نظر ڈالی۔

"let,s do it in ssg,s style"

وہ لفظوں کو چبا، چبا کر مگر سختی سے بولا۔

اور اگلے دن جب جی ایچ کیو کی ٹیم انسپکشن کے لیے آئی تو ان کی تمام ان سروس ایبل جیپیں اس حالت میں تھیں کہ وہ کئی میل کا سفر بنا کسی رکاوٹ اور مسئلے کے طے کر سکتی تھیں۔ اور جب ٹیم انسپکشن کر رہی تھی اور وہ سب لائن بنا کر تنی گردن اور اٹھے ہوئے سپاٹ چہروں کے ساتھ سامنے دیکھتے ہوئے کھڑے تھے تو اس نے موقع پا کر یونہی سپاٹ سے چہرے کے ساتھ سیدھا دیکھتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا۔

''ہنی بال کہتا ہے To find a way or make one'' اور جب وہ بولا تو اس کے ہونٹ ذرا سی حرکت کرتے ہوئے محسوس ہوتے تھے اس کے ساتھی کمانڈو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مچلی

اس نے سرعت سے اس مسکراہٹ کو قابو کیا اور یونہی ہاتھ پشت پر باندھے تنی گردن اور اٹھے ہوئے چہرے کے ساتھ سامنے دیکھتا رہا۔

مگر ہوا کیا تھا آخر...... کچھ زیادہ نہیں، ان کی بیس سے قریب 20 میل کے فاصلے پر اک آرٹلری یونٹ موجود تھی اور وہ کمانڈو تھے۔ اسپیکشن سے ایک رات پہلے چند کمانڈوز اس آرٹلری کی موٹر پارکنگ میں اس خاموشی سے داخل ہوئے کہ گویا بھوت تھے بھوت......اور ان کا کام ہو گیا تھا۔ گویا یہ بھی اِک گھوسٹ ایکٹویٹی تھی اور جس طرح وہ آئے وہ اسی طرح سے واپس لوٹ گئے تھے اور اگلی صبح ان کی تمام ناکارہ جیپیں اس حالت میں تھیں کہ کئی میلوں کا سفر بنا کسی مسئلے، کسی رکاوٹ کے طے کر سکتی تھیں۔

☆☆☆

دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہونے کے بعد جس پہلی چیز نے اس کا استقبال کیا تھا وہ وہاں کا سکون تھا۔

''اتنی اچھی لائبریری۔'' اس کا منہ کھل گیا۔

''آرمی کی جو ہوئی...... اچھی کیسے نہ ہوتی بھلا؟'' اور اسی سوچ کے ساتھ وہ آگے بڑھ کر ادھر ادھر کا جائزہ لینے لگی تھی جبکہ ثنا ریسپشن پر موجود لائبریرین تک آ گئی۔

''بات سنیں......؟'' وہ تیزی سے متوجہ ہوئی۔

''مجھے یہاں کا لائبریری کارڈ بنوانا ہے۔''

''جی بن جائے گا، کیا کرتی ہیں آپ؟''

''پڑھتی ہوں جی۔''

''آرمی سے تعلق ہے آپ کا؟''

''نہیں تو......''

''کوئی گورنمنٹ ملازم جو کہ سترہ گریڈ کا ہو فادر یا کوئی اور......''

''نہیں......''

''تو پھر آپ کا کارڈ نہیں بن سکتا۔'' وہ کیسا دن تھا۔ پہلے فوجی ہاتھ سے گیا اور اب لائبریری بھی......

''کیا......؟'' کیا ہی ''صدماتی'' سا ''کیا'' تھا۔

''آج تو بھئی بہت ہی برا دن ہے۔''

''کیوں، کیوں نہیں بن سکتا۔'' وہ تو لڑنے پر اتر آئی تھی۔ لائبریرین ذرا سا گھبرایا...... اس کے جارحانہ انداز پہ۔

''میڈم کارڈ آرمی والوں کا بن سکتا ہے یا پھر سترہ گریڈ کے کسی بھی ملازم کا...... باقی افراد کے لیے اجازت نہیں ہے۔''

''یہ کیا بات ہوئی؟ کیوں، کیوں نہیں اجازت...... پبلک لکھا ہے ناں اس میں...... تو پھر وائے ناٹ پبلک......'' اس نے کارڈ کے اوپر لکھے گئے پبلک لفظ پر انگلی رکھتے ہوئے کہا تھا۔ اور انداز ایسا تھا کہ ''بچو! نہ بنا کر دکھاؤ کارڈ...... تمہاری شہادت تو میرے ہی ہاتھوں لکھی گئی ہے۔''

''دیکھیں...... پبلک میں سے صرف سترہ گریڈ کے آفیسر ہی کارڈ بنوا سکتے ہیں۔ سیکورٹی ایشوز کی وجہ سے۔''

''کیا سیکورٹی ایشوز...... ہیں؟ بیک گیٹ پر فوجی...... مین پہ فوجی...... چھت پر بھی فوجی...... ہر طرف فوجی ہی فوجی...... اور پھر بھی سیکورٹی ایشوز ہیں؟'' وہ ذرا جو خاطر میں لائی ہو لائبریرین کی کسی بات کو۔

''ہئے ہئی...... یہ لائبریری ہے، چپ کرو۔'' ثنا نے انتہائی ناکام سی کوشش کی تھی اس کے غصے پر ٹھنڈا پانی ڈالنے کی مگر...... وہ ضیا ذوالفقار تھی۔ کوئی آئے مائی کا لال اور روک کر دکھائے ذرا......

''میڈم یہ لائبریری ہے اور یہاں اونچی آواز میں......''

''کیا اونچی آواز میں......؟ یہ discrimination ہے۔ آرمی والا جو کوئی بھی ہو استعمال کرے۔ پبلک پہ ہی لاگو ہوتی ہیں ساری شقیں...... لیکن نہ جی...... جہاں پبلک کا لفظ آئے وہاں آجاتے ہیں سیکورٹی ایشوز......'' وہ جان بوجھ کر پہلے سے بھی اونچی آواز میں بولی تھی۔ تب ہی اتنی چڑھی تھی اسے۔ ایک وہ تھی جو کہ آرمی کے پیچھے خوار ہو رہی تھی اور ایک یہ تھے......'' آرمی

والے'' ایک کارڈ تک بنا کر دینے کے روادار نہیں تھے...... غصہ تو آنا تھا ناں پھر......

''میڈم...... پلیز...... اخلاقیات کا خیال کریں۔ یہ شارع عام نہیں ہے۔'' اب کہ لائبریرین سیٹ چھوڑ کر کھڑا ہوا مگر نرم لہجے میں بولا تھا۔

''ہنیا...... بے وقوف نہ بنو......'' ثنا نے بھی اس صورت حال پہ سختی سے کہتے ہوئے اس کا بازو کھینچ کر باہر جانا چاہا کہ وہاں اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو جاتا تھا۔

ایسے میں لائبریری کے ہال سے دو تین لوگ اٹھ کر باہر آ گئے تھے اور اب اس سارے تماشے کو ملاحظہ کر رہے تھے۔

''discriminate کیا جائے اور میں بولوں بھی ناں......'' طیش سے اس نے ثنا سے اپنا بازو چھڑوا کر کہا تھا۔

''کون سی اور کیسی discrimination میڈم؟'' اس کے عین پیچھے ایک پُرسکون تاثر سے بھرپور مگر یخ ٹھنڈی آواز ابھری تھی۔ وہ جھٹکا کھا کر مڑی اور غصے سے ایک بات اس کے منہ پر دے مارنی چاہی لیکن...... لیکن ہوا کیا؟ پہلے منہ کھلا...... پھر چپ لگی، غصہ یکایک بھاگا اور پھر وہ ٹھنڈی پڑتی گئی۔ آ گیا تھا ناں وہ مائی کا لال......

وہ اب ڈیسک پہ کچھ بکس رکھ رہا تھا اور لائبریرین کو کارڈ پکڑا کر ایشو کرانے کا اشارہ کیا تھا۔ ہنیا نے تھوک نگل کر اچانک...... بے ساختہ خشک پڑنے والے گلے کو تر کیا تھا۔ ہر ایک کو غصے سے بات منہ پر نہیں ماری جا سکتی...... اسے ٹھیک وقت پر ٹھیک اندازہ ہوا تھا...... چپ ہونے میں ہی عافیت تھی۔

وہ ایسی ہی شخصیت کا مالک تھا جو کہ یوں ہی ہر کسی کو چپ ہو جانے پر مجبور کر دیا کرتی ہے...... یہ اس کی شخصیت کا یک دم چھا جانے والا تاثر تھا...... اس کے سوال کرنے کی دیر تھی اور لائبریری کا ارتعاش زدہ ماحول گویا یک دم پُرسکون ہو گیا تھا۔ اب وہ لائبریرین کو کام کرتے دیکھ رہا تھا۔ مگر اس کے جواب کا منتظر نظر آتا تھا۔

''آپ نے بتایا نہیں کون سی اور کیسی discrimination؟'' جواب نہ آنے پر اس نے چہرے کا رخ بدل کر اب کی بار براہِ راست ہنیا کو دیکھا۔

''یہ ہی...... یہ ہی آرمی والوں کو......'' ہنیا نے تھوک نگلا بکھرتے اعتماد کو اکٹھا کیا اور بولنے کی کوشش کی مگر......

''کیا آرمی والوں کو میڈم؟ سویلینز آتے ہیں یہاں۔'' اس نے اس کی بات کاٹ دی تھی اور ہاتھ کے اشارے سے اسے اڑا دیا تھا۔

''وہ جو کہ سترہ گریڈ کے آفیسرز ہوتے ہیں، میرے جیسے لوگ بھی پبلک ہی ہوتے ہیں تو پھر میں کیوں نہیں۔'' اب اس کا اعتماد لوٹ رہا تھا۔

''کیونکہ آپ اس کی اہل نہیں......''

''وائے......؟'' ہنیا کے چہرے پر حیرانی کا عنصر نمایاں ہوا۔

''کیسی بکس پڑھتی ہیں آپ؟'' اور بس ساری ہوا اسی سوال پر نکل گئی تھی۔ (bs(hon,s کی کتابوں سے فرصت ملتی تو کسی اور طرف دیکھتی ناں وہ...... اس نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔ کیا کہتی اب وہ یہ تو ''نکلے فوجی کی تلاش میں'' والا معاملہ تھا اب کیا بتاتی اسے۔

''میڈم کچھ چیزوں کے لیے پہلے اپنی اہلیت ثابت کرنا پڑتی ہے۔ پھر ان تک رسائی ممکن ہوتی ہے جیسے کہ اٹھارہ سال سے پہلے آپ ID کارڈ بنوانے کے اہل نہیں ہو سکتے۔ اور وہ جو سترہ گریڈ کے آفیسرز ہوتے ہیں ناں وہ اپنی اہلیت ثابت کر کے آتے ہیں یہاں اور پھر اس لائبریری کو اسی طرح سے استعمال کرتے ہیں جس طرح کہ کوئی بھی آرمی آفیسر...... کیونکہ یہ عام لائبریری نہیں ہے...... آپ بھی اپنی اہلیت ثابت کیجیے اور پھر میں دیکھوں گا کہ کون ہے وہ...... جو آپ کو روکتا ہے اور

discrimination تب ہوتی .... جو یہ محض آرمی کے لیے مخصوص ہوتی۔" آج بے عزتی ڈے تھا...... یہ تو طے تھا۔ ہنیا نے اس چلو بھر پانی کو تلاش کرنا چاہا کہ جس میں وہ ڈوب سکے۔ اور اب نظریں جھکائے تھوڑی، تھوڑی سی شرمندہ نظر آتی......اور بہت سی شرمندگی کو چھپانے کی کوشش کرتے وہ کھڑی تھی۔

اس شخص نے بات ختم کر کے اس طرح سر نفی میں ہلایا جیسے اس "عوام" کا کچھ نہیں کیا جا سکتا......

لائبریرین کتابیں ہاتھ میں پکڑے اس کی بات ختم کرنے کے انتظار میں تھا۔

"سوری......" اس نے اس درجہ منمناتی آواز پہ یک دم مڑ کر دیکھا تھا اور پھر بے ساختہ اپنی مسکراہٹ کو چھپایا تھا۔

"مجھ سے نہیں ان سے کہیے......" اس نے لائبریرین سے کتابیں لیتے ہوئے اسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اور ہنیا نے انتہا درجے کی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے لائبریرین کو سوری کہہ ہی ڈالا تھا۔

لائبریرین نے اثبات میں سر ہلایا اور کارڈ ڈیسک پر سلائڈ کرتے ہوئے اس بندے کے آگے کیا تھا۔

"اور اگر آپ واقعی اس لائبریری سے استفادہ کرنا چاہتی ہیں تو میرا کارڈ حاضر ہے۔" اس نے ڈیسک کے اوپر ہی کارڈ سلائڈ کرتے ہوئے اب ہنیا کے آگے کیا تھا۔

اور ہنیا......اس نے بھلا کیا، کیا؟ چوری، چوری ذرا سا اونچی ہو کر ترچھی نظروں سے کارڈ پہ نام پڑھا۔ حیدر......وہ اتنا ہی پڑھ پائی تھی۔ اور یہ حرکت اس لیے کی کہ کیا پتا وہ کوئی میجر شیجر ہو......اور پھر نام پڑھتے ہی مایوسی سے پیچھے ہو گئی تھی۔

"تھینکس......" اس نے کارڈ واپس اسی کی طرف سلائڈ کر دیا۔ اور پھر مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا......اس نے سر ہلایا۔ کوئی تاثر بے حد تیزی سے اس کی آنکھوں میں ابھرا اور اتنی ہی تیزی سے معدوم بھی ہو گیا......ہنیا کی حرکت گرفت میں آ چکی تھی۔

"آئندہ کبھی یہ مت کہیے گا کہ آرمی discriminate کرتی ہے۔" اپنی کتابیں اٹھاتے ہوئے حیدر نے پھر سے اسے تنبیہہ کی تھی۔

"کہیں یہ آرمی والا تو نہیں جو اسے اتنا درد ہو رہا ہے۔" حیدر کی آخری کہی جانے والی بات نے ہنیا کو کچھ سوچنے پر مجبور کیا۔ اور پھر اس کے پیچھے بھاگنے پہ بھی حیدر ابھی لائبریری کے خارجی دروازے تک ہی پہنچا تھا کہ اس نے سنا۔

"ایکسکیوزمی......"

اس نے مڑ کر دیکھا۔

"آپ آرمی میں ہیں؟" اس سوال پر وہ ہلکا سا مسکرایا۔ یوں جیسے مسکراہٹ کو اجازت دی گئی بس ذرا کی ذرا دیر......

"نہیں، میں ڈی سی او آفس راولپنڈی میں ہوتا ہوں۔ سول سرونٹ......"

"اچھا......" وہ مایوس ہوئی بلکہ ایک دفعہ پھر صدمے کا شکار ہوئی تھی۔

"جبھی تو نام کے ساتھ میجر شیجر نہیں لکھا ہوا تھا۔" مایوسی سے سوچا گیا۔ حیدر ابھی تک رخ موڑے قدموں کو روکے اس کے تاثرات ملاحظہ کر رہا تھا۔

"اور کچھ......؟" ایک ابرو اچکا کر پوچھا گیا۔

"اوہ......نہیں......نہیں کچھ بھی نہیں......" وہ جو مراقبے میں قریب، قریب غرق ہو گئی تھی ایک دم چونکی۔

"جا سکتا ہوں؟" اب کی بار دونوں ابرو اچکا کر اجازت لی گئی تھی۔

"شیور......شیور......" ایک ہاتھ کمر کے پیچھے کیے دوسرے ہاتھ سے آگے بڑھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"گڈ ڈے......" اس نے کہا۔

"گڈ ڈے......" ہنیا نے بھی جواباً کہا۔ اب وہ باہر جا چکا تھا۔

ایک گہری سانس بھر کر وہ پلٹی تھی۔ ثنا تب تک

لائبریری کے اندرونی ہال میں جا چکی تھی کہ حالات اب قابو میں تھے۔

دروازے سے باہر نکلتے ہی حیدر نے ہلکی سی ہنسی فضاؤں کے حوالے کی تھی۔ وہ لڑکی جان بوجھ کر لائبریرین پر اونچا، اونچا بول کر اسے پریشرائز کر کے اپنی بات منوانا چاہتی تھی...... یہ تو اسے سمجھ آ گئی تھی...... مگر کیوں منوانا چاہتی تھی؟ یہ اب سمجھ میں آ رہا تھا۔ آرمی آفیسرز پر مرنے والی لڑکیوں کی ہرگز، ہرگز کمی نہ تھی پاکستان میں......اور پھر وہ سر جھٹک کر باہر جانے والے راستے پر چلنے لگا تھا۔

''اچھی تھی...... زندگی جیسی...... زندگی سے...... بھرپور لڑکی...... شور مچاتی...... اودھم اٹھاتی، اچھی تھی۔'' پھر اس کی سوچ کا تسلسل سیل فون کی رنگ نے توڑا تھا۔

☆☆☆

وہ اور ثنا لائبریری سے تقریباً پندرہ منٹ کے وقفے کے بعد باہر نکلے تھے۔

''اللہ قسم...... توبہ میری جو آئندہ تمہارے ساتھ میں کہیں بھی گئی...... اور خاص طور پر ایسی جگہ پر جہاں پہ کسی بھی ملٹری مین کے موجود ہونے کا خدشہ ہو۔'' ثنا کو بے اندازہ غصہ آ رہا تھا۔

''ہوگئی تھی ناں پھر بے عزتی...... ٹھنڈ پڑی تمہیں۔'' کسی بھی طرح اس کا غصہ ٹھنڈا ہو کے نہیں دے رہا تھا۔

''اچھا...... اب زیادہ بکواس مت کرو۔'' وہ مین گیٹ سے باہر پارکنگ تک آ ئی تھیں۔ ثنا نے اسی طرح غصے سے کھولتے ہوئے اور بولتے ہوئے گاڑی کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر کتابیں پھینکی تھیں۔ ہنیا گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔

بے حد لاشعوری طور پر بولتے بولتے اس کی نظر یک دم سامنے جا پڑی۔ وہ اپنی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا فون پر بات کر رہا تھا۔ آنکھوں پر بلیک رے بین گاگلز...... ڈارک براؤن جینز اور ہاف بازوؤں کی اسکن اور آف وہائٹ لائننگ والی شرٹ پہنے بے حد جاذب نظر دکھ رہا تھا۔ کسی بات پر مسکراہٹ ہونٹوں پر پھیلی تھی اور اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

کیا تھا اس میں ایسا جو یوں انسان کو باندھ کر رکھنے اور پھر رک کر اسے دیکھنے پر مجبور کرتا تھا۔ ایسا کیا تھا آخر......؟ حیدر نے فوراً اس کا دیکھنا نوٹس کیا تھا اور بلیک گاگلز کے پیچھے سے اسے دیکھا۔

''ہنیا......'' ثنا نے اسے یوں اس کو دیکھتے ہوئے دیکھا اور پھر زور سے بولی۔

ہنیا چونکی اور پھر کھسیا کر گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

''سول سرونٹ ہے۔'' ہنیا کے بیٹھتے ہی ثنا طنز سے بولی تھی۔

''تو......؟'' ہنیا نے بھی کرارا سا تو کہا تھا جواب میں۔

''تمہارا فوجی سے شادی کرنے کا شوق ناں تمہیں منہ کے بل گرائے گا لکھوا لو مجھ سے۔'' ثنا دھواں دار شروع ہو چکی تھی۔

''اللہ نہ کرے...... تمہارے منہ میں خاک بلکہ ساری گندی، گندی چیزیں......'' جواباً اس نے بھی کمر کس لی تھی۔

''اتنا ہی شوق تھا تو جوائن کرتی ناں آرمی...... بھاگی کیوں تھیں؟''

''پاؤں فلیٹ ہیں میرے...... میڈیکل میں باہر نکال دیتے ہیں اس لیے بھاگ گئی تھی۔'' اور اس کے ساتھ ہی اس نے کوشش کی کہ وہ اپنی ٹانگ اٹھا کر جوتے والا ہی سہی مگر پاؤں ثنا کو دکھا سکے لیکن یہ کہ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر تھی۔

''DFM'' ثنا نے اس کی اٹھتی ٹانگ پر ہاتھ مارا۔ ''بہانے فضول کے۔''

''جسٹ شٹ اپ ثنا تم......'' اب کہ وہ صحیح معنوں میں لال بھبوکا ہوئی تھی اور کوئی سخت سی بات کہنا چاہتی ہی تھی کہ...... اور وہ فون سنتا حیدر فون بند کر کے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے...... گاڑی سے ٹیک لگائے، چہرے پر انتہا کے محظوظ سے تاثرات لیے ان دونوں کو بغور تک رہا تھا۔ گویا ان کی نوک جھوک کا وہ

اندازہ لگا چکا تھا۔ اِدھر ہنیا ذوالفقار اس کے محظوظ ہونے کو محسوس کر کے ہنہ کر کے اس کے پاس سے تیزی سے گاڑی نکال لے گئی تھی۔

☆☆☆

محبت بڑا ہی عجیب سا بے تکا سا جذبہ ہے۔ ہونے پر آئے تو اِک پل کافی ...... نہ ہونے پر آئے تو صدیاں بھی مات ...... یہ جذبات کی سب سے undefined قسم ہے۔ جو کسی طرح سے کسی پہلو سے سمجھ میں نہیں آتی ...... غصہ آتا ہے، کیوں آتا ہے، وجہ موجود ...... خوشی ہوتی ہے، کس لیے ہوتی ہے، وجہ موجود ...... دکھ ملے یا رونا آئے ...... سب جذبوں کی وجہ موجود مگر یہ محبت ...... وجہ ڈھونڈنے نکلو اور بے شک چراغ لے کر ہی نکلو وجہ نہیں ملے گی ...... بڑی ہی ظالم شے ہے ...... خون بن کر جسم میں دوڑنے لگتی ہے اور سانس بن کر چلنے لگتی ہے۔ دق (نہایت مشکل) چیز نہیں ہے ...... بڑی آسان سی، سادہ سی ہے جو گھٹنے ٹیکے یہ اس کی اور جو کوئی اڑ جائے، مان کے کہ نہ دے تو بس ...... سمجھو اس کی ناک کی لکیریں نکلوا کر بھی اس ظالم کو سکون نہیں ملتا۔

اِک نمبر کی ...... بے تکی چیز ہے یہ محبت بھی ......

اب دیکھیں ناں یہ بھی کوئی تک ہے۔ کوئی بات ہے ...... کوئی لاجک ہے کہ ایک طوفان اٹھاتی ...... لڑتی جھگڑتی، بدتمیزی کا عظیم الشان مظاہرہ کرتی لڑکی اچھی لگے اور اتنی لگے کہ وہ بار ہا اپنی گاڑی کا رخ اسی لائبریری کی طرف موڑنے پر مجبور ہو جائے۔ ہفتے کا یہ تیسرا چکر تھا موصوف کا اور ہر چکر میں کہتا۔

"آئندہ یہ بے غیرتی نہیں کروں گا' اپنا مقام دیکھو، عہدہ دیکھو اور حرکتیں دیکھو حیدر میاں ......!" حق ہا ...... مگر یہ دل ...... اس کو قابو کر سکا ہے کوئی ...... یا ہوا ہے ایسا کوئی سورما جس نے ڈھا ڈالا ہو دل کو ...... ہوا ہے کوئی؟ ہے کوئی؟ سترہ کیا سترہ ہزار حملے بھی اس دل کے مندر پر ہوں تو تب بھی نہ ڈھے پاتا کوئی قلب اور خرد (عقل) دونوں کی لڑائی ازل سے ہے مگر تاریخ گواہ ہے ثبوت موجود ہیں، داستانیں رقم ہیں ...... کہ دل

غالب ہی رہا ...... تو اگر وہ ایک لاشعوری حرکت ایسی ہی کسی مجبوری کے تحت کرتا تھا تو ایسا کچھ "غلط" تو نہیں کرتا تھا۔ اور ابھی تو وہ اس بات سے بھی لاعلم تھا کہ کیسی مجبوری آن پڑی تھی کس انجانی زنجیر میں وہ جکڑا گیا تھا۔ کیسے وہ پابند ہوا تھا۔ وہ اچھی لگی تھی ...... کیوں لگی تھی، وجہ سے غرض کس کو تھی۔ دوبارہ دیکھنے کو دل کرتا تھا۔ کیوں کرتا تھا پروا کسے تھی۔ وہ نظر میں آئے ...... جیسے بھی آئے ...... بس اب آ ہی جائے ...... یہ نہ ہو کہ آنکھیں تپنے لگیں ...... اور دل سلگنے لگے ...... شوقِ دیدار پہ یوں ہی تو دیوان کے دیوان لکھے گئے۔ شاعری ایسے ہی تو وجود میں نہیں آ گئی تھی ناں ...... کچھ تو تھا اور کچھ تو ضرور ہے ...... جو انسان کے پیروں کو گردش میں رکھتا ہے، حالتِ سکون میں آنے نہیں دیتا۔ شاعر لوگ اور ادیب اسی بے قراری کو محبت کا نام دے کر صفحات کالے کیا کرتے ہیں اور وہ ...... وہ کیا کرتا ہے؟ وہ شاعر تھا نہ ادیب ...... وہ تو ایک انسان تھا ...... جو اس کے دل میں آتا کر گزرتا ...... اور وہ خود تو نہ کرتا تھا ...... بے قراری کرواتی تھی۔ اور وہ سمجھا بس ایک بار ہی کی تو بات ہے ...... مگر نہیں جانتا تھا کہ معاملہ کچھ اور تھا۔

"ایک بار دیکھا ہے، بار، بار دیکھنے کی تمنا ہے۔" اس کے ساتھ تو یہ ہونے والا تھا یعنی کے برا ہونے والا تھا۔

☆☆☆

"ہائے!" ثنا چونکی، مڑی اور پھر ......

"اوہ ہائے ......" اس نے دیکھا، پہچانا اور پہچان کر بے حد خوشی سے جواب دیا۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"بالکل ٹھیک اور آپ؟"

اور وہ دونوں ساتھ، ساتھ چلنے لگے تھے ذرا سا فاصلہ رکھ کر۔

"فٹ ......" وہ چلتے، چلتے بولا۔ "آج پھر کوئی طوفان اٹھانے کا ارادہ ہے کیا؟" سنجیدگی سے پوچھا گیا۔

"آں ......" وہ رکی اور ہنس پڑی۔

"نہیں، وہ پاگل آج میرے ساتھ نہیں آئی۔"

وہ دونوں ہی لائبریری کی طرف جانے والے راستے پر چل رہے تھے۔

”اچھا...... تو کس مینٹل اسپتال میں ہوتی ہیں وہ؟“ اسی سنجیدگی سے ہی پھر سے سوال کیا گیا تھا۔ ثنا پھر سے ہنسی۔

”مینٹل اسپتال میں تو نہیں ہوتی، ہوتی تو اپنے گھر میں ہے مگر ہے وہ سرٹیفائڈ پاگل۔“

”جی، اس دن کی حرکت بتا رہی تھی، بہر حال ہوا کیا تھا محترمہ کو...... بچپن میں سر کے بل گریں یا کوئی اور حادثہ؟“ اور یہ کیسی سنجیدگی تھی جو بار، بار ہنسا تی تھی۔

”نہیں، ایسا تو کچھ نہیں ہوا بس اِدھر......“ ثنا نے کنپٹی پر انگلی رکھ کر اشارہ کیا۔

”آرمی، نامی وائرس گھس گیا ہے۔ بس جب کبھی وہ ایکٹو ہوتا ہے ناں تو......“ اور تو کے بعد اس نے کندھے اچکائے۔ اب کہ وہ مسکرایا۔

ثنا نے چلتے، چلتے بیگ کا اسٹریپ کاندھے پر سیدھا کیا اور بازو کو جھٹکا دے کر کتابوں کے توازن کو درست کیا تھا، وہ آج کتابیں واپس کرنے آئی تھی۔

”اتنی آپ کی صحت نہیں جتنی آپ نے بکس اٹھائی ہوئی ہیں۔“ وہ مسکراہٹ روکتے ہوئے بولا۔

”CSS نے پھنسایا ہوا ہے۔“ ثنا کی بیچارگی دیکھنے لائق تھی۔

”آپ نے بھی سول سروسز CSS کے تھرو جوائن کی؟“

”نہیں“

”اوہ...... اچھا۔“

”ویسے کس قسم کا لٹریچر پڑھتے ہیں آپ؟“ وہ دونوں اب اسٹیپ چڑھ رہے تھے۔

”میں......؟ میں ذرا خطرناک قسم کا لٹریچر پڑھتا ہوں۔“

"گڈنیس......" وہ یک دم رکی اور مشکوک نظروں سے اسے گھورا۔
"آرمی پبلک لائبریری......" جواباً اس نے دروازے کے عین اوپر لکھے گئے الفاظ کی طرف اشارہ کیا۔
"ہر ایرے غیرے کو کارڈ ایشو نہیں کرتے؟" اور پھر خود کو تسلی دلائی۔
"اور آپ کو میں نتھو خیرا لگتا ہوں کیا؟" اب کہ وہ برامان کر بولا تھا۔
ثنا لاجواب ہوئی اور پھر سے ہنس دی تھی۔
"اچھی رہی آپ سے ملاقات۔" وہ دونوں عین دروازے کے باہر کھڑے تھے جب حیدر نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔
ثنا نے کتابوں کا سارا وزن ایک بازو پر ڈالا اور اپنا سیدھا ہاتھ بڑھایا۔
"ثنا عباسی......نائس ٹو میٹ یو اگین مسٹر حیدر......" اور پھر مسکرا کر اس کا بڑھا ہوا تھام لیا۔
"لیڈیز فرسٹ......" وہ ذرا سا پیچھے ہٹا اور ہاتھ سے اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا تھا۔
"تھینکس......" اور وہ کھلے دروازے سے اندر داخل ہوگئی۔
"ایکسکیوزمی......!" ابھی وہ چند قدم ہی آگے گئی تھی کہ اچانک آواز آئی تھی......قدم رکے اور بے اختیار وہ پلٹی......وہ اس کے پیچھے ہی آرہا تھا۔
"فیس بک پر تو آپ ہوں گی...... رائٹ......؟" وہ بال پوائنٹ اور اپنا کارڈ بڑھاتے ہوئے بولا۔
"رائٹ...... اٹس......" اور پھر اس کے ہاتھ سے بال پوائنٹ اور کارڈ لے کر ثنا نے اس کارڈ کے پچھلے حصے پر لکھ کر دے دیا تھا۔ ثنا نے دونوں چیزیں واپس کیں۔ حیدر نے کارڈ جیب میں ڈالا وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے اور پھر ریسپشن کی طرف مڑ گئے تھے۔
جیسے بعض اوقات گھی سیدھی انگلی سے نہیں نکلتا ویسے ہی کبھی کبھی سیدھا جانے کے لیے دائیں بائیں سے بھی مڑ کر آنا پڑتا ہے۔

☆☆☆

"ہائے اللہ......" ایک پُرجوش سی چیخ......گھبرانے کی کوئی بات نہیں تھی اور وہ یوں نہ تھی کہ ہنیا کے لگائے گئے پودے اُگ آئے تھے، اُگ کیا آئے تھے بیج پھوٹ پڑا تھا چیخ اسی خوشی کا اظہار تھی۔
وہ بھاگ کر سپروائزر کو بلانے چلی گئی تھی۔ سر آئے، بیجوں کا معائنہ کیا، اگلا سارا پروسیجر سمجھایا اور چلے گئے۔
اُف......ایک تھکا دینے والا مرحلہ انجام کو پہنچا۔ گو کہ آگے کے مراحل بھی کم تھکا دینے والے نہیں تھے۔ مگر ان بیجوں نے اگنے کے معاملے میں ہنیا کو ناکوں چنے چبوائے تھے۔ ناک کی لکیریں تک نکلوادی تھیں اور اس کے بعد وہ خوشی سے بھنگڑا بھی ڈال لیتی تو کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ چلو اس نے چیخ پہ ہی اکتفا کرلیا۔
ہاتھی گزر چکا......بس دم باقی تھی۔ کرتے کراتے وہ تھیس کو ٹائپ کرنے کے مرحلے میں آن پہنچی تھی۔
اب بھی وہ لیپ ٹاپ گود میں رکھے، کھٹا کھٹ انگلیاں چلاتے ہوئے ایم ایس ورڈ پہ ٹائپنگ کررہی تھی اور ٹائپ کرنے میں اتنی مگن تھی کہ اردگرد سے بالکل ہی بے پروا تھی۔ ناک کے نتھنوں سے بار، بار کھانوں کی دل فریب، ذائقے دار خوشبو ٹکرا رہی تھی اور وہ سوچ رہی تھی۔
"نا معلوم کیوں......امی آج اتنا اہتمام کررہی ہیں؟ شاید ابو کے دوستوں کو آنا ہو۔"
بھلکو نہیں تھی مگر اس تھیس نے اسے دنیا تک بھلا دی تھی۔
جیسے کہ وہ ابھی اپنا برتھ ڈے تک بھولی ہوئی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو ایسا سکون ہوتا بھلا! وہ بھی ہنیا کی برتھ ڈے والے دن......سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔
جس وقت وہ ٹائپنگ میں غرق ہو کر لیپ ٹاپ پہ انگلیاں چلا رہی تھی اور اردگرد سے بالکل بے نیاز نظر آتی تھی عین اسی وقت کوئی بے حد آہستگی سے اس کے

کمرے میں داخل ہوا۔

ہاتھ میں پکڑا ایک نہایت آرام سے ٹیبل پر رکھا اس طرح کے کوئی آواز تک پیدا نہ ہوا اور پھر وہ بلی کی سی چال چلتی ہوئی اس کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔

نرمی سے دونوں بازو اس کے گلے میں ڈالے اور پھر جھک کر اس کے گال پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

"ہیپی برتھ ڈے ڈیئر فرینڈ......"

ہنیا چونکی...... انگلیاں ساکت ہوئیں اور پھر وہ اندر تک خوشگوار حیرت سے بھر گئی...... یوں جیسے کسی کلی کو خزاں میں کھلنے کا حکم ہوا ہو اور وہ اس حکم پہ حیران ہو کہ بھلا خزاں رُت میں بھی کلیاں کھلا کرتی ہیں۔ وہ مسرت سے چیخی۔ ثنا نے اس کی گود سے لیپ ٹاپ اٹھا کر سائڈ پر رکھا اور کیک لا کر عین اس کے سامنے رکھ دیا۔

"چلو اب اسے کاٹو۔"

اور ہنیا نے کیک کاٹا تھا۔ ثنا نے ایک بڑا سا ٹکڑا اٹھا کر اس کے منہ میں ٹھونسا تھا اور پھر پورا کمرہ ان دونوں کی آوازوں سے گونج اٹھا تھا۔ ذرا سے وقفے کے بعد عنبرین نے لوازمات اندر بھیجنے شروع کر دیے تھے۔

ہنیا کو تھیسس بھول گیا...... مسکرانے والی بات پہ ہنسا اور ہنسنے والی پر بات قہقہہ اور قہقہے والی بات پر تو پوچھیں ہی مت...... کمرے کی چھت گر سلامت تھی تو اس کی واحد وجہ یہ کہ وہ کنکریٹ کی بنی ہوئی تھی ورنہ تو فلک شگاف قہقہوں سے زمین بوس ہو چکی ہوتی۔ کوئی ہلچل سی ہلچل تھی جو اس وقت وہاں برپا تھی۔

"پاگل نہ ہو تو......" ہنیا نے ثنا کی کسی بات پر کہا تھا۔

"پاگل میں نہیں...... تم ہو اور ہر کسی کو لگتی ہو۔"

"کیا مطلب......" ہنیا، پزا کے ٹکڑے کو کیچپ میں ڈپ کرتے ہوئے بولی۔

"حیدر ملا تھا مجھے کل لائبریری میں۔"

"اچھا...... وہ، لوفر...... کیسے گھور رہا تھا ناں اس دن......"

"آہا...... وہ گھورے تو لوفر اور جب تم گھور رہی تھیں تب......؟" ثنا نے آنکھیں دکھائیں۔ اور ہنیا کھسیا کر ہنس پڑی۔

"ویسے معقول بندہ تھا۔"

"ہاں، ہاں معقول تھا اسی لیے تو تمہیں پاگل کہہ رہا تھا اور پوچھ رہا تھا کہ کس حادثے کی وجہ سے دماغی توازن بگڑا؟"

"کیا......؟" وہ شاکڈ ہوئی۔

ثنا نے مزے سے اس کے ہاتھ میں موجود پزا کا ٹکڑا اپنے منہ میں منتقل کیا تھا۔

"اور تم نے اس...... کو کچھ نہیں کہا......؟ تمہاری دوست کو تمہارے منہ پر پاگل بولا اس نے......"

"میں نے کہا تھا ناں اسے۔" ثنا منہ میں موجود نوالہ نگلتے ہوئے بولی۔

"کیا کہا......؟" اس کے پوچھنے پر ثنا نے شرارت سے ہونٹ دبا کر اسے چکا۔

"یہی کہ میری دوست سرٹیفائڈ پاگل ہے۔" وہ پھر اتنے ہی مزے سے بولی تھی۔

"تم......" ہنیا نے ارد گرد کوئی چیز ڈھونڈنی چاہی۔ ثنا حفظ ماتقدم کے طور پر اٹھ کر ذرا دور ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کو بھی کشن مل چکا تھا۔

"اور میں اسے اپنی fb آئی ڈی بھی دے آئی ہوں کہ دیکھنا ذرا...... میری دوست کے پاگل پن کے مظاہرے......" وہ اسی طرح دور کھڑی اسے چھیڑنے کے واسطے کچھ زیادہ ہی بڑھا کر بولی۔

اور بس...... ہنیا نے پوری قوت سے کشن اسے کھینچ کر دے مارا تھا۔

"یو ایڈیٹ......" ثنا نے جواباً تکیہ اٹھایا اور وہ گیا تکیہ...... اڑتا ہوا اور پیچھے جا کر ہنیا کے سر پر لگا۔ ہاہا...... ایک اور لڑائی...... ایک اور دنگل...... ہمیشہ کی طرح کچھ نہیں ہو سکتا تھا ان دونوں کا کچھ بھی تو نہیں۔

☆☆☆

وہ جیسے جیسے دیکھتا جا رہا تھا سرٹیفائڈ پاگل کی ٹرم ویسے، ویسے ہی اس کے دماغ میں واضح ہوتی جا رہی تھی۔

"یا اللہ...... پاگل پن کی کون سی انتہا تھی؟ یہ کیا

تھا؟'' وہ پہلے حیران ہوا، پھر شاکڈ ہوا اور اب وہ خود کو مسکرانے پر مجبور پاتا تھا۔

کیسی معصوم سی خواہشات کا بے ساختہ اظہار تھا۔

وال کور D.P سب پر پاکستانی فوج کا قبضہ تھا۔ وہ اسے بالکل ہی بچی لگی تھی۔ بچگانہ سی حرکات کے ساتھ...... لیکن ایک چیز تھی جس نے اسے چونکایا تھا۔ وہ مارخور کا نشان تھا اور مارخور کا نشان لاسٹ ڈیفنس لائن کا ہوتا ہے جو کہ ہنیا نے بطور D.P لگا رکھا تھا۔ پہلی چیز جو کہ معقول تھی اس کی جتنی معلومات شو ہو رہی تھیں اس کا اس نے اچھی طرح سے جائزہ لیا تھا۔ ثنا سے بات چیت ہوتی تھی مگر ویسی بات چیت نہیں تھی۔ آمنا سامنا ہو گیا اگر (لائبریری میں) تو ہیلو ہائے۔ رسمی سی مسکراہٹوں کا تبادلہ یا پھر...... fb پر کوئی کمنٹ...... مسئلہ ثنا نہیں تھی...... مسئلہ تو ہنیا ثابت ہو رہی تھی۔ وہ ثنا سے کیسے اس کی دوست کے بارے میں بات کرے......؟ کیسے پوچھے؟ کیا کرے؟ کیا وہ اس کو بھی فرینڈز ریکوئسٹ بھیجے...... یا کہ نہیں...... یا پھر...... آخر کیا کرے؟ وہ اس تک پہنچنا چاہتا تھا ایک بار، ایک بار بس ملنا چاہتا تھا، جاننا چاہتا تھا کہ دل کو اگر کسی نے کھینچا تو کیسے کھینچا......

کیا اس کی زندگی میں بھی یہ واقعہ ہونا تھا...... اس کی زندگی میں بھی؟ وہ تو یہ ہی طے کیے بیٹھا تھا کہ ماں، باپ جسے پسند کریں گے...... اسی سے ملے گا پھر دیکھا جائے گا اچھی ایجوکیٹڈ لڑکی ہوئی تو شادی کرے گا، کوئی خاص معیار...... کوئی خاص آئیڈیل نہیں تھا اس کا عموماً جو چیزیں شادی کرنے کے لیے دیکھی جاتی ہیں اسے بھی وہ ہی دیکھنی تھیں مگر ہوا کیا تھا؟ حیرت تھی...... اور بہت تھی...... زندگی میں رنگ بھی تو ہوتے ہیں اور وہ سارے رنگ کبھی، کبھی ایک لڑکی بن کر بھی آ ملتے ہیں۔

اچھا...... تو یوں بھی ہوتا ہے۔ بھلا کیسے ہوتا ہے جیسے اس کے ساتھ ہوا، کیا ویسے...... نہیں یہ وہم بھی ہو سکتا ہے، وقتی بات، وقتی جذبہ بھی تو ہو سکتا ہے، چار دن کا ابال...... ہاں...... یہ وہم ہو سکتا تھا، وقتی بات ہو سکتی تھی، چار دن کا ابال بھی ثابت ہو سکتا تھا۔ یہ سب ہی ہو سکتا تھا اور پوری طرح سے ہو سکتا تھا لیکن یہ اس کے کیس میں نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بچہ نہیں تھا۔ ٹین ایجر بھی نہیں تھا۔ لاابالی انسان بھی نہیں تھا۔ اور جب ایسے کسی انسان کو کوئی لڑکی اچھی لگتی ہے تو وہ خواہ مخواہ میں تو اچھی نہیں لگ سکتی ناں...... کچھ تو ہو گا...... کچھ تو ضرور...... اور وہ چیز کیا تھی...... اسے کھوج تھی...... وہ چیز کیا تھی...... آخر کیا......؟ وہ اس کی پہلی محبت، پہلا رومینس، پہلی چاہت...... دل کا قرار...... دل کی ٹھنڈک تھی...... وہ نہ ہوتی تو کیا ہوتا...... وہ گر تھی...... تو کیا نہیں تھا۔ وہ راحت کا دوسرا مطلب تھی اور چین کا پہلا معنی...... وہ لازم وملزوم تھی...... وہ اس کی ایکسٹینشن تھی۔

''سول میٹ......'' سکون جیسی کوئی میٹھی چیز تھی، اسے رنگ، پھولوں، بہاروں میں نظر نہ آتے تھے۔ وہ تو بس اسی سے جڑے ہوئے تھے۔ اسی میں پنہاں تھے۔ وہ کون تھی، کیا تھی؟ کیسی تھی؟

کیا وہ اک لڑکی......؟ ارے کہاں؟ وہ تو بس ایک 9mm تھی۔

اس کی گن، اس کی محبوبہ اس کا دیرینہ شوق وہ کوئی بزنس ٹائیکون نہیں تھا۔ کسی وزیر شزیر کا بیٹا بھی نہیں تھا۔ کوئی امیر کبیر شخص یا پھر لینڈ لارڈ بھی نہیں تھا۔ وہ اک کیپٹن تھا اور بس......

تو اس کیپٹن نے گر اسلام آباد کے گن اینڈ کنٹری کلب کی مستقل ممبر شپ حاصل کر رکھی تھی تو وجہ باپ کا کرنل ہونا تھا، وہ ہی چیک تھا۔ پورے چھ لاکھ دے کر اس نے وہ ممبر شپ حاصل کی تھی۔ وہ وہاں (skeet shooting) اسکیٹ شوٹنگ (مخصوص نشانہ بازی) کے لیے آیا کرتا تھا۔ جب بھی موقع ملتا، وقت ہاتھ آتا...... اس کا پہلا مشغلہ بھی یہی تھا اور آخری بھی...... آج تک کسی نے اس کا ایک نشانہ بھی چوکتے نہیں دیکھا تھا۔ کسی skeet کو مس ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس سکون اور مزے سے اسکیٹ کو اڑاتا کہ دیکھنے والے کو وہ انداز دنگ کرتا تھا۔ اس بات میں شک کی گنجائش ہی نہیں تھی وہ اپنے کام کا ماہر تھا۔ اور بھلا بتاؤ

اس سے ماہر نہیں ہونا تھا تو اور کس نے ہونا تھا۔ گن تو وہ یوں استعمال کرتا تھا کہ گویا اس کے جسم کی ہی ایک ایکسٹینشن تھی۔ ایک کمانڈو ایک گن کے ساتھ ہی مکمل لگتا ہے اس کے بنا تو وہ یوں ہے کہ جیسے کوئی بیوہ......

وہ 9x19mm کا پسٹل اس کی ذاتی licensed gun تھی۔ جو کہ اس کے بیڈ کے ساتھ موجود سائڈ ٹیبل کی دراز میں رکھی ہوتی تھی۔ گو کہ ماڈل ذرا پرانا تھا لیکن تھا اس کا ذاتی ہی، وہ پاسبان شوٹنگ رینج میں بھی پابندی سے جانے کا عادی تھا۔ بنا گن فائر کیے اسے اپنے ہاتھ بے مقصد محسوس ہوا کرتے تھے۔ ایک بے چینی سی ان میں بھری رہتی تھی۔ گر زندگی میں کبھی ایسا ہوا کہ...... یوں ہوا کہ وہ گن فائر کر نہ سکے تو شاید وہ مر جائے...... لیکن مرنا اتنا آسان کب ٹھہرا......

ہمیں جینا پڑتا ہے، ہر طرح کے حالات میں، ہر طرح کی صورتِ حال میں ہمیں جینا پڑتا ہے...... چلو، اپنے لیے نہ سہی...... اپنے سے جڑے رشتوں کے واسطے ہی سہی...... بہر حال ہمیں جینا پڑتا ہے، یہ تو طے ہے۔

حیدر کب جانتا تھا کہ زندگی جینے کی زبردست امنگ جب اس کے اندر اٹھے گی تو اس امنگ کا اِک نام بھی ہوگا...... وہ اِک وجود بھی رکھتی ہوگی...... مجسم ہو کر سامنے آن ٹھہرے گی۔ ہنستی، بولتی بھی ہوگی، زندگی گزارنا اور بات...... زندگی جینا بالکل اور چیز...... تو یہ زبردست امنگ جب اس کے اندر اٹھی تو اس امنگ نے اسے سمجھایا کہ زندگی جینے کا نام ہے، گزارنے کا ہرگز نہیں۔

”ہنیا ذوالفقار کیا تم زندگی میں پہلے نہیں آسکتی تھیں۔ ہاں...... اس سے پہلے نہیں......؟ تاکہ جان لیا جاتا کہ زندگی 'جی' کیسے اٹھتی ہے اور یہ احساس کتنا دل فریب، کتنا خوشگوار ہے یہ اب ہی تو پتا چلا...... اب ہی تو سمجھ میں آیا تھا۔ اب ہی تو معلوم ہوا تھا۔ تو ہنیا... ذوالفقار، تمہیں پہلے آنا چاہیے تھا تاکہ زندگی کے گزشتہ کئی سال بھی خوشگوار مہکتے ہوئے بنائے جاسکتے...... بھرپور طریقے سے جیئے جاسکتے۔ تمہیں پہلے آنا چاہیے تھا۔“

شاید تب سے ہی کہ جب اس نے عقل کی آنکھوں سے دنیا کو دیکھنا شروع کیا تھا۔ شاید تب ہی سے۔

☆☆☆

عجب بوریت بھرے...... بیزار کُن دن تھے۔ پہلے یہ رونا کہ آخر یہ تھیس کب جان چھوڑے گا اور جب اس موئے تھیس نے جان چھوڑی تو اب کرنے کو کچھ رہا ہی نہیں تھا۔ تھیس گر جان کو آیا تھا تو اس فراغت نے اسے ناک تک بھر دیا تھا۔ نری بیزاری ہی بیزاری...... اور اوپر سے امی اسے ”شیف راحت“ بنا کر چھوڑنا چاہتی تھیں۔ اس سے نہیں بنتے تھے کھانے، نہیں ہوتی تھی کوکنگ وہ صاف کہتی۔ ”مجھے جہیز میں کچھ نہ دینا۔ بس اِک کک دے دینا امی......“ امی کا پارہ کچھ درجے اور بلند ہوتا۔ وہ بے نقط سناتیں مگر وہاں سنتا کون تھا۔ سارا دن لیپ ٹاپ fb یا پھر موویز...... کرنے کو بس یہی کام تھے اور امی کو سخت خطرہ لاحق تھا کہ اس لڑکی کے ہاتھوں ان کی خاندانی نجابت کو زبردست نقصان پہنچے گا۔ جب بھی امی زیادہ ہی بگڑے موڈ میں ہوتیں تو آنسہ ہنیا فرماتیں۔

”کیا ہے امی، تین دن کھانا بناؤ چوتھا دن آجاتا ہے اور ویسے بھی مجھے تو ایک فوجی سے ہی شادی کرنی ہے۔ بیٹ مین ہوگا میرے گھر...... بیٹ مین، وہ اعلیٰ کھانے بنائے گا آ...... ہائے...... سی۔“

بات مکمل بھی نہ ہو پائی تھی کہ امی کا ہاتھ اس کے کندھے پر اپنا نشان چھوڑ جاتا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ایم ایس کرے یا پھر کوئی جاب ہی ڈھونڈے لیکن یہ سوچیں عمل کو کب پہنچیں گی۔ کون جانے؟ مائیں تو پھر بچوں پر سختی کر ہی لیتی ہیں چاہے اولاد اکلوتی ہی کیوں نہ ہو مگر یہ ابوؤں کی قوم...... نخرے اٹھانے، فرمائشیں پوری کرنے کے علاوہ دوسرا کوئی کام انہیں سوجھتا ہی نہیں اور اولاد گر ہنیا جیسی ہو تو اور باپ ذوالفقار صاحب جیسا تو سمجھو ہو گئی چھٹی تربیت کی...... وہ ہی کہ جس کا شور امی اٹھائے رکھتی تھیں۔ باپ اکثر لاڈ اٹھانے کے معاملے میں پابندیوں پر اپنا ہاتھ ڈھیلا

رکھتے ہیں۔ اسے بھی باپ کی طرف سے کھلی چھٹی ملی ہوئی تھی۔

"اکلوتی ہے، اب اس کے بھی نخرے نہ اٹھائیں تو کس کے اٹھائیں؟"

وہ امی کی صلواتیں سن لیتی مگر ٹس سے مس ہونا شان کے خلاف تھا۔

سارا دن لیپ ٹاپ پہ...... اور اگر اس کی جان بخشی تو ٹی وی چینلز...... مگر بوریت تھی کہ ختم ہی نہیں ہوتی تھی...... ثنا کے بھی ان دنوں بی ایس ایس کے ایگزامز ہو رہے تھے۔ ایک دن میں دو، دو پیپر...... وہ بیچاری خود بری پھنسی ہوئی تھی، ایسے میں بوریت اور بیزاریت کا احساس دو چند ہو چکا تھا۔ ان سے تو اچھے وہ دن تھے جب پودے اُگ نہیں رہے تھے۔

"اوئے تم کدھر......؟" وہ ثنا کو آن لائن دیکھ کر چہکی اور میسج کیا۔

"کام تھا۔" دو لفظ مصروفیت کو بری طرح سے ظاہر کر رہے تھے۔

"کیا؟"

"حیدر کو میسج کرنا تھا کہ اگر لائبریری جائے تو میری بھی بکس واپس کر دے...... میرے پاس ٹائم نہیں کتابیں اسے ڈرائیور کے ہاتھ بھیج دوں گی۔" ذرا وقفے سے جواب آیا۔

"حیدر......" اس نے ایسے لکھا کہ جیسے پہچان نہ پا رہی ہو۔ جواباً ثنا نے کچھ نہ کہا بس اس کی آئی ڈی کا لنک بھیج دیا تھا اور آف لائن وہ اپنا وقت اس غائب دماغ حیدر کا تعارف بتانے پہ ضائع کر سکتی تھی۔

"بدتمیز......" ہنیا منہ ہی منہ میں بڑبڑائی اور آئی ڈی پہ کلک کیا۔

"آ......" "یہ تو وہ ہی تھا...... فوٹو دیکھنے کے بعد وہ اس کے اباؤٹس میں گئی تھی اور وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ صرف Gender کے آگے male لکھا تھا اور مذہب پہ اسلام...... نہ کوئی page liks...... نہ کچھ اور...... خالی...... منہ چڑاتی آئی ڈی۔

"یہ تو کچھ مشکوک سی نہیں ہے؟" اور عین اس وقت وہ یہ سوچ رہی تھی کہ یہ تو کچھ مشکوک سی نہیں اسی مشکوک کا میسج آ گیا تھا۔

"ہیلو سرٹیفائڈ پاگل......"

ہنیا نے آنکھیں پھاڑ کر اس میسج کو دیکھا۔

"یہ جرأت......!"

"آپ کو لڑکیوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں۔"

"ایکسکیوز می...... تمیز کی بات نہ چھیڑیں ورنہ سوال میری جانب سے بھی اٹھ سکتا ہے۔"

"اچھا...... تو آپ کیا سوال اٹھائیں گے؟"

"بس یہی کہ آپ کو بھی لائبریری میں گفتگو کرنے کی تمیز نہیں؟ کہ ہے؟" اور بس...... اس نے شاکڈ ہو کر لیپ ٹاپ سے ہاتھ اٹھائے اسکرین کو گھورا...... چند لمحوں کے لیے ساکت ہوئی اور دوسرا احساس ہاں جی حسب معمول غصہ۔

"آپ کو یہ بات یاد ہے تو یہ بھی یاد ہونی چاہیے کہ میں نے سوری بولا تھا...... اب کیا ساری عمر طعنہ ماریں گے؟" اسی تیکھے پن کے ہاتھوں جھنجلا کر سوال کیا گیا۔

"ایکسکیوز می...... ساری عمر؟ مطلب......؟" اور وہ کہاں سے پکڑی گئی تھی جی بھر کر شرمندہ ہوئی...... نہیں بلکہ بلش ہو گئی تھی۔

اس نے دوبارہ اپنا سینڈ کیا ہوا میسج پڑھا۔ اب بھلا کیسے بدلتا میسج ......! وہ تو چلا گیا۔ اس نے ٹھک سے لیپ ٹاپ کا lid گرایا تھا وہ، وہی تھی بات کہہ کر سوچنے والی...... کتنا صحیح کہا تھا اس نے۔

"سرٹیفائڈ پاگل۔"

☆☆☆

اس دن ثنا کو ذرا سی فراغت نصیب ہوئی تھی اور وہ بھی یوں کہ دو دن کے وقفے سے تیسرے دن پیپر تھا۔ اور ایک ہی پیپر تھا تو اس نے تھوڑا سا خود کو فریش کرنے کے لیے فیس بک کھولی تھی۔ اس کے کزنز، یونیورسٹی فیلوز...... ہنیا اور حیدر کے بھی میسجز موجود تھے

## پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

| | | | |
|---|---|---|---|
| عُمیرہ احمد | صائمہ اکرام | عُشنا کوثر سردار | اشفاق احمد |
| نمرہ احمد | سعدیہ عابد | نبیلہ عزیز | نسیم حجازی |
| فرحت اشتیاق | عفت سحر طاہر | فائزہ افتخار | عنایت اللہ التمش |
| قُدسیہ بانو | تنزیلہ ریاض | نبیلہ ابر راجہ | ہاشم ندیم |
| نگہت سیما | فائزہ افتخار | آمنہ ریاض | مُمتاز مُفتی |
| نگہت عبدُاللہ | سباس گُل | عنیزہ سید | مُستنصر حُسین |
| رضیہ بٹ | رُخسانہ نگار عدنان | اقراء صغیر احمد | علیم الحق |
| رفعت سراج | اُمِ مریم | نایاب جیلانی | ایماے راحت |

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

مگر چونکا یا اسے حیدر کے میسج نے ہی تھا۔

''میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں، جب بھی آپ کے پاس وقت ہو انفارم کر دیجیے گا۔'' اور آگے فون نمبر موجود تھا۔

ثنا حیران ہوئی، الجھی اور پھر سوچ میں پڑ گئی ایسی کیا بات ہو گئی تھی کہ اسے ملنا تھا اور اس کے لیے اسے پیغام بھیجنا پڑا تھا۔ چند لمحے تانے بانے بننے کے بعد اس نے سیل اٹھایا میسج میں سے دیکھ کر حیدر کا نمبر ملایا۔

''مسٹر حیدر......؟''

''مس ثنا......''

''لیس اسپیکنگ!''

''اوہ ثنا...... کیسی ہیں آپ؟'' ثنا نے اِک لمحے میں اس کے لہجے میں خوشگواریت بھرتی محسوس کی ورنہ فون ریسیو ہونے پہ اس نے ایک اکھڑی بھاری آواز سنی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں، آپ کا میسج پڑھا ابھی...... خیریت......؟''

''میں ملنا چاہ رہا تھا آپ سے...... اگر آپ مناسب سمجھیں تو فون پر میں مناسب نہیں سمجھتا کہ بات ہو پائے گی۔''

''شیور! لیکن ابھی کچھ دنوں تک تو میں مصروف ہوں۔''

''ایگزامز ختم نہیں ہوئے؟''

''نہیں۔''

''چلیں جب ختم ہوں تو مجھے ایک ٹیکسٹ کر دیجیے گا پھر دیکھ لیں گے۔''

''او کے مسٹر حیدر، میں آپ کو کانٹیکٹ کر لوں گی۔''

''تھینک یو۔''

''my pleasure is mine'' ثنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اللہ حافظ......''

اس نے بھی اللہ حافظ کہہ کر فون رکھ دیا مگر تھوڑی الجھ گئی کہ آخر کیا بات ہو سکتی ہے؟

''لائبریری کے متعلق یا کچھ اور...... خیر جو بھی ہو۔'' وہ کندھے اچکا کر رہ گئی۔

☆☆☆

اور وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ ثنا سے ملنے صرف ''اس'' کے بارے میں بات کرنے جائے گا۔ اور جس کے بارے میں وہ بات کرنے جائے گا وہ ٹھیک اس وقت ثنا کے ساتھ ہی موجود ہو گی۔

دروازے میں سے اندر داخل ہوتے ہی اس نے ان دونوں کو دیکھ لیا تھا۔ وہ ایک معروف پزا شاپ تھی۔

"oopps" کہہ کر بے ساختہ اس نے بالوں پہ ہاتھ پھیرا...... اب کیا کرے؟ چند لمحے رک کر دور سے ہی ان دونوں کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ الٹے قدموں مڑا اور باہر روڈ پر کھڑا ہو کر اس نے ثنا کو میسج کیا۔

''خاموشی سے اپنے سامنے موجود اپنی دوست پر کچھ بھی ظاہر کیے بنا باہر آئیں ویٹنگ......''

اور جس وقت وہ یہ میسج ٹائپ کر رہا تھا عین اسی وقت ثنا، ہنیا کو کہہ رہی تھی۔

''میں نے حیدر کو بھی بلایا ہے۔''

''اسے کیوں؟'' ہنیا حیران ہوئی۔

''اسے مجھ سے کوئی بات کرنی تھی؟''

''اوہ......'' ہنیا نے اوہ کو لمبا کھینچا۔ شرارت بھرے انداز میں یعنی کہ اسے چھیڑا۔

''اسے تم سے بات کرنی تھی اور تم اتنی ڈفر...... بے وقوف ...... الو...... گدھی کہ مجھے اپنے ساتھ لے آئیں۔'' ثنا نے جواب دینے کے لیے منہ کھولا مگر ساتھ ہی میسج کی بیپ سنائی دی تھی۔

وہ چونک کر سیل کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ میسج پڑھا، چہرے پر حیرت نے اُمڈ کر ظاہر ہو جانا چاہا...... اس نے تیزی سے حیرت کو دبا لیا۔

''آپ اندر کیوں نہیں آئے؟'' جوابی میسج کیا گیا۔ وہ جو سیل کو ہتھیلی پر مارتے ہوئے ذرا سا بے چین نظر آتا تھا میسج ٹون بجتے پر فوراً متوجہ ہوا۔

"مجھے جس کے بارے میں بات کرنا تھی، وہ آپ کے ساتھ موجود ہے اس لیے۔" بے ساختہ ٹھنڈی سانس بھر کر جملے ٹائپ کیے گئے تھے۔

اور اب کی بار پھر ثنا کو اپنی حیرت کے ساتھ مسکراہٹ بھی دبانا پڑی تھی مگر وہ اتنی کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔

"آپ آجائیں......اب کیا ہو سکتا ہے، ہم کوڈورڈز میں بات کرلیں گے۔ از دیٹ اوکے......"

ثنا نے ریلیکس ہو کر میسج کیا۔ وہ بالکل نارمل انداز میں میسج ٹائپ کر رہی تھی۔ ایک میسج ٹائپ کرتی، ہنیا سے باتوں میں مشغول ہو جاتی۔ بیپ بجتی، بے پروائی سے سیل اٹھاتی انگلیاں تیزی سے حرکت کرتیں اور پھر سیل کو پرے رکھ دیتی اور بس......

"کون ہے......؟" ہنیا بھلا نہ پوچھتی...... یہ کیسے ہوتا بھئی۔

"بنٹی ہے۔" اس نے اپنے کزن کا نام لیا تھا۔

اور......

"گڈ ایوننگ لیڈیز......" ایک بھاری مگر خوشگوار مردانہ آواز......

ثنا نے سر جھکا کر تاثرات چھپائے۔ ہنیا نے منہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ فل بازوؤں کی چیک والی شرٹ اور بلیو جینز۔ اس کی شرٹ میں سیاہ رنگ نمایاں تھا اور جچ بھی رہا تھا۔

"گڈ ایوننگ مسٹر حیدر۔" ثنا نے چھیڑتی نظروں سے اسے دیکھ کر کہا تھا۔ "پلیز......" اور پھر سیٹ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

حیدر نے بیٹھتے ہوئے ایک اچٹتی سی نظر ہنیا پر ڈالی۔ جسم کے بائیں حصے کی طرف کیسا سکون سا اترا تھا۔ اتنے دنوں کی بے چینی بس اب نظر کی محتاج تھی اور بس کرسی پر بیٹھتے ہوئے وہ ایک حیرت کا شکار ہوا۔

"آپ کیسی ہیں؟" اس نے اب براہِ راست ہنیا کو دیکھا۔

"ٹھیک ہوں۔" ہنیا نے سادہ سے انداز میں جواب دیا۔

"تو آپ کو مجھ سے بات کرنی تھی، کسی سیریس ایشو پر......اور وہ سیریس ایشو کوئی لڑکی بھی ہو سکتی ہے، ہے ناں؟" ثنا نے نظروں کے بجائے اب لفظوں سے کام لیا۔ وہ اسے پھنسا رہی تھی اور بھول چکی تھی کہ انہیں کوڈورڈز میں بات کرنا تھی۔

حیدر نے نظریں جھکا کر ہونٹوں کو بھینچ کر مسکراہٹ کو روکا...... ہاتھ ایک دوسرے میں پھنسائے کہنیاں سامنے موجود ٹیبل پر رکھیں ثنا کو دیکھا۔

"میں نے تو صرف آپ کو دیکھنا تھا۔" بے حد سنجیدگی سے کہا گیا۔ ہنیا نے منہ کھول کر ثنا کو دیکھا اور ثنا......اس کی سانس جسم کے جس بھی حصے میں گردش کر رہی تھی وہیں اسی حصے میں رک کر جم گئی۔

"اور پھنسائے اسے۔"

"جی......؟" اسے دھچکا لگا۔

اور وہ سوال نما 'جی' اپنے اندر ڈھیر ساری حیرت سموئے ہوئے تھا۔ یوں جیسے دنیا کی ساری حیرتیں یکجا ہو کر اس کے ایک 'جی' میں آسمٹی ہوں۔

"تو پھر میں کیا ہوں...... کباب میں ہڈی......؟"

ان دونوں نے ایک از حد شرارت بھری آواز سنی، زاویہ بدل کر ہنیا کو دیکھا بیک وقت۔

"نہیں، آپ پورا کباب ہیں۔ ہڈی تو کوئی اور ہے۔" حیدر نے سنجیدگی سے مسکرا کر اسے دیکھ کر کہا تھا۔

اور اب آپ سوچتے ہوں گے کہ یہ سنجیدگی سے مسکرانا کیا ہوتا ہے...... یہ بھی ہوتا ہے۔ اور یہ تب ہوتا ہے جب حیدر مسکراتا ہے۔

"ہم بھی کن باتوں میں پڑ گئے، میں پزا آرڈر کرتی ہوں۔" وہ جب سنجیدگی سے مسکرا کر ہنیا سے کہہ رہا تھا اور ہنیا اس کی بات پر تبھی سے اسے دیکھ رہی تھی تب ہاں تب ثنا رک، رک کر بے ترتیب سے لہجے میں بولی تھی۔

"شیور......" حیدر نے ایک ازلی سکون سے جواب دیا۔ وہ وہاں ثنا سے ایک سیریس بات کرنے آیا

تھا مگر وہاں ہو کیا رہا تھا۔

وہ تینوں پزا کھا رہے تھے، کولڈ ڈرنک پی رہے تھا اور ماحول پہ یک دم بالکل ہی غیر متوقع سی صورتِ حال چھا گئی تھی اب وہ کافی کم ہو چکی تھی وہاں اب ثنا کے ایگزامز ڈسکس ہو رہے تھے ہاں بھئی ہوتا ہے یوں بھی ہوتا ہے۔ سیدھا جانے کے لیے کبھی کبھی دائیں بائیں مڑنا بھی پڑتا ہے۔

☆☆☆

”تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟“ وہ اسے قتل کر دینے کے درپے تھی اور بس اسی پر اکتفا نہیں کرنا چاہتی تھی...... وہ اسے مار کر اس کے ٹکڑے، ٹکڑے کر کے انہیں کچا چبا جانا چاہتی تھی...... اتنا ہی غصہ تھا اسے۔

”ہنیا...... بلیو می ایسی کوئی بات نہیں...... وہ مذاق سے کہا تھا اس نے اور بس......“ ثنا دے لے جتنی مرضی صفائیاں...... اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

”مذاق تھا...... مذاق؟ لائبریری میں تم اس سے ملیں...... فیس بک پہ چیٹ تم اس سے کرتی ہو، وہ تم سے ملنے، تمہیں دیکھنے کی بات کرتا ہے اور تم کہتی ہو مذاق تھا......“ سرخ چہرہ، غصہ شدید، قدرے اونچی آواز......

”شٹ اپ ہنیا...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ ثنا کے مزاج بھی برہم سے ہونے لگے۔

”تو پھر جیسی بھی بات ہے، ویسی ہی بات بتا دو۔“ اس کی بات پر ثنا نے سنگین نظروں سے اسے دیکھا۔

”بتا دوں؟“

”نہ بتا کر جانا بھی کہاں ہے تم نے؟“ اس نے دانت کچکچائے۔

”وہ تمہارے بارے میں بات کرنے آیا تھا۔“ اور جب ثنا نے بڑے آرام سے بے حد سکون سے ہینڈ گرنیڈ کی پن کھولی تھی۔ بات ہی ایسی تھی۔

”مجھے لگتا ہے وہ تمہیں پسند کرتا ہے۔“

”اور مجھے یہ بھی لگتا ہے کہ اس نے مجھ سے دوستی بھی اسی لیے کی تھی۔“

”میسج چیٹ دکھاؤں اس دن کی اب جو کہ تمہارے سامنے بیٹھ کر کی گئی تھی۔“

ثنا کو بات کرنے میں بڑی آسانی ہو گئی تھی کیونکہ اسے تو شدید قسم کا جھٹکا لگا تھا اور وہ اسی زبردست سے جھٹکے کے زیرِ اثر چپ کھڑی تھی، چپ کیا ساکت تھی۔

ثنا نے چیٹ کھول کر فون اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

ہنیا نے ایک جھپٹا مار کر سیل پکڑا تھا۔ اور پھر بے یقینی سے کچھ تیزی سے اس نے ایک کے بعد ایک میسج پڑھا۔

اور ایک دفعہ پھر سے جھٹکا کھایا۔ وہ دھپ کر کے بیڈ پر گری۔

ثنا نے آرام سے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اس کے سامنے کھڑی اس کی غیر حالت کو ملاحظہ کر رہی تھی۔

”فلرٹ کر رہا ہو گا؟“

”نہیں معقول بندہ ہے، فلرٹی ہوتا تو سب سے پہلے مجھ پہ ہاتھ صاف کرتا۔“

”تو پھر کیوں؟“

”اب یہ تو وہی بتا سکتا ہے ناں کہ کیوں؟“ وہ شاک کے زیرِ اثر بے اختیار ہو کر اور ثنا اس کی حالت سے حظ اٹھاتے ہوئے جواب دیتی گئی۔

”مجھے فوجی سے ہی محبت کرنی ہے، چاہے کوئی اور کتنا ہی معقول کیوں نہ ہو۔“ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے، آنکھیں سکیڑ کر ثنا کے عین سامنے کھڑے ہو کر دھڑلے سے کہا گیا تھا۔ وہ شاکڈ ہوئی، ابھی اور اب وہ ہی ہنیا تھی۔

”ایک فوجی...... جو کہ ابھی فی الوقت کہیں بھی موجود نہیں ہے اور جس کے موجود ہونے کے چانسز بھی نظر نہیں آ رہے۔ تم اس نہ دکھنے والی مخلوق کے پیچھے کتنوں کو ریجیکٹ کرو گی۔ آخر کتنوں کو؟ آرمی والے عموماً اپنی ہی کلاس میں شادی کرتے ہیں، تمہیں سمجھنا چاہیے۔ بچی نہیں ہو اب تم...... فار گاڈ سیک بڑی

ہو جاؤ۔'' انداز برہم اور تپا ہوا..... ثنا نے اس کی کلاس لینی چاہی تھی۔

''آئی ایم سوری...... میں دستبردار نہیں ہو سکتی۔ یہ اختیار سے باہر ہے۔'' ہاتھ اٹھا کر قطعی انداز میں کہا گیا تھا۔

''ہنیا، وہ تمہیں پسند کرتا ہے، یہ چھوٹی بات نہیں ہے۔'' ثنا شاکڈ تھی۔

''تو......؟ میں تو نہیں کرتی ناں......؟ اور یہ بات کیا کوئی اہمیت نہیں رکھتی؟''

''definitely یہ بات اہمیت رکھتی ہے لیکن تم ایک احمقانہ چیز کے پیچھے اس کو ریجیکٹ کر رہی ہو۔'' ثنا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ یہ بات اسے کیسے سمجھائے...... گھول کر اسے پلا دے یا پھر کسی طرح سے اس کے ذہن میں انجیکٹ کر دے۔

''یو نو ثنا...... ہر شخص لائف پارٹنر کے حوالے سے اپنی مرضی کرنے کا اختیار و حق محفوظ رکھتا ہے، میں تو شاید آرمی بھی اسی لیے جوائن کرنا چاہتی تھی اور یہ بات جیسے شوگر کوٹڈ تھی۔ اور جب کوٹ ہٹا تو کسی برہنہ حقیقت کی طرح سامنے آگئی۔ تم مجھے قائل نہیں کر سکتی اور میں اس سے کسی بھی طرح دستبردار نہیں ہو سکتی۔ سوری......'' ثنا نے اس کی ہٹ دھرمی پر اُف کے انداز میں اسے دیکھا تھا۔

''تو تمہارا معیار صرف ایک لفظ ہے...... ملٹری مین؟'' لہجے میں تاسف شدت سے گھلا ہوا تھا۔

''ہاں......'' اور وہاں جیسے سمجھنے پہ وہ تیار ہی نہیں تھی۔

''ویل...... میں تمہیں مجبور نہیں کرتی...... صرف اتنا کہتی ہوں کہ ایک دفعہ مل لو اس سے۔ میری کہی بات سے اس کی تسلی ہوگی نہ ہی وہ مانے گا...... تم خود کہو گی تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ان فیکٹ...... میں اسے یہ کہنا ہی نہیں چاہتی۔ یہ بہت مشکل کام ہے، خود ہی کرو۔'' وہ یک دم ہی بے مروت ہوئی تھی۔

''ثنا......'' وہ ٹھٹکی۔

''نہ بابا میں نہیں تم خود...... میں یہ بات ہرگز، ہرگز نہیں ماننے والی۔''

''پلیز!''

''نو نیور......'' اب ثنا کی ہٹ دھرمی عروج پر تھی۔

☆☆☆

کیا یہ محض اِک نظر کی بات تھی اور بس......

ہاں، یہ محض اِک نظر کی بات تھی اور بس وہی اِک نظر جو کہ چھید ڈالتی ہے۔ محبت ایک سمندر اور ذات ایک کشتی...... اور کشتی کی مرضی...... وہ کیا چاہتی ہے، وہ کیا کہتی ہے کہ اس کے بند کھول دیے جائیں؟ لنگر اٹھا دیا جائے؟ بادبانوں کو سمندر کی تمکین ہوا کے سپرد کر دیا جائے۔ پانی کے بہاؤ پہ آزاد کر دیا جائے...... نہ چپو چلے نہ کوئی سمت مقرر ہو کہ وہ صرف پانیوں پہ بہنے کے لیے ہے اور وہ دور تک پانی کے اوپر رواں رہنا چاہتی ہے۔ بے مقصد، آزاد، تازہ ہواؤں کی باس سے لطف اندوز ہونا چاہتی ہے۔ اور یہ ہوائیں جب اس کے بادبان کو دھکیلتی ہیں تو اس کے اندر ایک سرشاری سی بھر جاتی ہے۔ مگر ہوتا کیا ہے...... اِک عمر آزادی سے تیرنے کے بعد کوئی لمحہ، کوئی وقت، کوئی ساعت ایسی آتی ہے جو کہ کشتی کے پیندے میں چھید کر ڈالتی ہے۔ چاہے ایک نقطہ برابر ہی سہی چھید ہو جاتا ہے اور پانی آہستہ، آہستہ ایک مستقل مزاجی کے ساتھ پیندے کی لکڑی میں بھرنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھیلنے لگتا ہے، اس کی خشکی کو نمی میں بدلنے لگتا ہے...... کشتی بوجھل ہونے لگتی ہے مگر عین اس وقت جب وہ بھرنے کے عمل میں ہوتی ہے تو اسی وقت ڈوبنے کا عمل کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اسی مستقل مزاجی کے ساتھ کہ جس سے پانی اندر داخل ہو رہا ہوتا ہے پھر اور پھر کشتی ڈوب جاتی ہے، غرق ہو جاتی ہے اور جب وہ غرق ہو کر ڈوب کر سمندر کی تہ سے ٹکراتی ہے تو جانتی ہے کہ......

''محبت کے سمندر پر ''فن'' تیرنا نہیں بلکہ ڈوبنا

ہے۔'' اور یہ ڈوبنے کا عمل...... یہ اسی اِک نظر سے شروع ہوتا ہے، وہ ہی ایک نظر جو چھید ڈالتی ہے۔ تو وہ بھی تو اسی اِک نظر کا مارا ہوا تھا۔ چھوٹا سا سہی...... مگر اس کی ذات میں ایک چھید ہو چکا تھا۔ پانی بھر رہا تھا تو کیا وہ ڈوب جائے؟ ہاں ٹھیک ہے، ڈوب ہی جانا چاہیے۔ ہاتھ پاؤں مارنے کا کوئی فائدہ تو ہوتا نہیں...... ڈوب تو پھر بھی جانا ہی ہے۔ تو ہاتھ پاؤں مارے ہی کیوں جائیں؟ خود کو آزاد کیوں نہ چھوڑ دیا جائے۔ حیدر روز بروز اپنی ذات میں اس چھید کا حجم بڑھتے دیکھتا تھا اور اپنی قوت کو صفر پاتا تھا۔ وہ ہی قوت جس سے مزاحمت کی جاتی ہے، وہ ہی قوت جس سے ہاتھ پاؤں مارے جاتے ہیں۔ تو تب وہ خود سے سوال کرتا۔

''کیا میں ڈوب جاؤں؟ خود کو آزاد چھوڑ دوں...... مزاحمت کی کوشش ترک کر دوں؟ ہاں تو اب ڈوب ہی جانا چاہیے کہ یہاں...... اس سمندر میں...... فن تیراکی نہیں بلکہ ڈوبنا ہے۔''

☆☆☆

فوجی بیس کیمپ نزدیک تھا تو حادثے کی اطلاع فوراً وہاں تک پہنچ چکی تھی۔ اب ریسکیو آپریشن جاری تھا۔ یہ ایک پہاڑی علاقہ تھا۔ فوجی جیپ اور ٹرک بری طرح سے تباہ ہو چکے تھے۔ کسی کے بچنے کی امید نہیں تھی۔

ہیلی کاپٹر سے فضائی معائنہ کیا جا رہا تھا۔ جہاں پر کوئی باڈی دکھائی دیتی تھی...... ایک جوان رسے کی مدد سے نیچے اتارا جاتا۔ وہ باڈی کی سانس چیک کرتا، زندہ ہے یا...... اور انہیں ابھی تک ایک بھی جسم سانس لیتا ہوا نہیں ملا تھا۔ جلے ہوئے، بری طرح مسخ چہرے والے جسم...... اگر ایمبولینس سے باڈی ری کور کی جاسکتی ہوتی تو ایمبولینس کو اطلاع کی جاتی...... آلات کی مدد سے اسے ٹھیک، ٹھیک پوزیشن سمجھائی جاتی اور پھر سے...... کسی اور باڈی کی تلاش شروع کر دی جاتی۔ یہ جبل الدخان کا فوجی بیس کیمپ تھا۔ اور حملہ باغیوں کی جانب سے ہوا تھا۔

یہ اسی کارروائی کا جواب تھا جو کہ کل رات ان کے خلاف کی گئی تھی۔ ان باغیوں نے اس صحرائی علاقے میں اِک طوفان اٹھا رکھا تھا۔ پورا علاقہ ان کی کارروائیوں سے میدانِ جنگ بنا ہوا تھا۔ خون بہتا تھا یوں جیسے کہ پانی ہو تو پانی اور خون برابر ٹھہرے۔

ایک انسان کو مارنا یوں تھا جیسے پانی سے بھرا گلاس بے پروائی سے زمین پر پھینک کر خالی کر دیا جائے۔ اس کا کیا ہے یہ تو پھر مل جائے گا۔ پانی تو پھر مل جائے گا کہیں سے بھی...... وہ مل ہی جائے گا۔ تو خون اس طرح سے بہایا جاتا تھا۔ بے پروائی سے، بے حسی سے کسی بھرے گلاس کے پانی کی طرح......

☆☆☆

لاثانیہ کی سیڑھیاں چڑھ کر وہ ہال میں پہنچا اور اِک طائرانہ نگاہ پورے ہال میں دوڑائی۔ وہ اِک پُرسکون نشست کی تلاش میں تھا اور جب وہ ہال میں نظریں دوڑا رہا تھا تو یک دم اس کی نظریں ایک جگہ پر فوکس ہو کر ساکت ہوئیں۔ اس نے اس نشست کی طرف غور سے دیکھا...... حیران ہوا...... بازو پر بندھی گھڑی کا ڈائل آنکھوں کے سامنے کیا...... پھر وال کلاک کی طرف نظر کی...... جو کہ ریسپشن ڈیسک کے پیچھے والی دیوار پر آویزاں تھا۔

دونوں گھڑیوں نے اِک ہی ٹائم بتایا تھا۔ اس نے پھر سے حیرانی سے اس نشست کی طرف دیکھا۔ وہ جس سے ملنے آیا تھا...... وہ وہاں پہلے سے موجود تھی اور وہ لیٹ نہیں ہوا تھا۔ محترمہ جلدی آگئی تھیں۔ ''اتنی بے قراری......؟'' اور یہ بات اسے خوش نہیں حیران کر رہی تھی۔ کوئی لڑکی...... کسی لڑکے سے ملنے کے لیے اس سے پہلے آجائے تو اس کا مطلب......؟ وہ حیدر اس بات کا مطلب سمجھ سکتا تھا نہ اس جلدی کی وجہ جان سکتا تھا۔ وہ جلدی کیا جان چھڑانے کی تھی۔ خیر...... اس نے پاکٹ میں ہاتھ ڈال کر سر جھٹکا اور نشست کی طرف بڑھنے لگا۔

اور جیسے، جیسے وہ نشست کے قریب ہو رہا تھا۔ ویسے، ویسے اس کی چال میں سستی آ رہی تھی...... بالآخر وہ ایک پوائنٹ پر آ کر رک گیا۔ اب...... بھی کچھ فاصلہ برقرار تھا کہ وہ رک گیا تھا۔

وہ کیوں رکا......؟ وہ آج کا دوسرا جھٹکا کھا کر رکا۔

''ناٹ اگین......'' وہ بھنا ہی تو اٹھا تھا۔ جب ہال میں داخل ہو کر اس نے تمام نشستوں کی طرف نظر دوڑائی تو اسے صرف ہنیا ہی نظر آئی تھی۔ زاویۂ نگاہ ایسا تھا کہ ہنیا کے ساتھ جو کوئی بھی براجمان تھا...... وہ نظر نہیں آیا تھا۔

اسے دیکھتے ہی وہ یوں ہو گیا تھا جیسے پورے ہال میں اندھیرا ہو اور اسپاٹ لائٹ بس ہنیا پہ ہی فکس ہو...... روشنی صرف اُدھر ہی ہو، باقی سب اندھیرے میں چلا گیا تھا۔ اور جب وہ نشست کے قریب سے قریب تر ہوتا گیا تو سامنے براجمان دوسری ہستی بھی نظر میں آ گئی تھی، وہ ثنا تھی۔ بے حد خفگی سے وہ ان کی طرف بڑھا تھا۔

''آپ دونوں خواتین کانفیڈنٹ بھی ہیں اور بولڈ بھی...... آپ دونوں کو اس پورے شہر میں اکیلے آنے جانے سے بھی کوئی مسئلہ نہیں تو پھر کیا میں پوچھ سکتا ہوں مجھ پر یہ ظلم کیوں؟'' غصے کا تیکھا پن لیے ایک آواز آئی تھی۔

ان دونوں نے ایک ساتھ سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ لائٹ گرے پلین ہاف بازوؤں والی ڈریس شرٹ کے اوپر ڈارک گرے ویسٹ کوٹ...... بلیک ٹائی اور ڈارک گرے ہی پینٹ میں ملبوس وہ دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈالے کھڑا تھا۔ دونوں بھوؤں کے درمیان ایک بل تھا۔ چہرے اور آواز کے برعکس آنکھوں میں شدید خفگی...... ان دونوں نے اس سے نظریں ہٹا کر ایک دوسرے کو دیکھا مسکراہٹ ایک ساتھ دونوں کے قابو سے باہر ہوئی۔ ہنیا رخ بدل کر مسکرائی جبکہ ثنا اسے دیکھ کر ہنس دی۔

''میں نے آپ کا ایونٹ خراب کیا؟'' ثنا نے شرارت سے کہا۔

''جی......'' تیکھا پن ابھی تک برقرار تھا۔

ثنا نے مسکراتے ہوئے جگہ چھوڑ دی۔

''یہ جو ہے ناں یہ اتنی سی......'' ثنا نے شہادت کی انگلی کی پور پہ انگوٹھا رکھ کر مقدار واضح کی۔ (جو کہ بے حد کم تھی)

''اتنی سی، نروس تھی، اس لیے۔'' اور پھر اس لیے کہتے ہوئے اس نے کندھے اچکائے تھے۔ اس کے ماتھے کا بل کچھ کم ہوا۔

''میں جا رہی ہوں۔'' ثنا اپنا پرس سنبھالتے ہوئے بول اٹھی۔

''اب آپ کہاں جائیں گی؟''

''ڈرماٹالوجسٹ سے اپائنٹمنٹ ہے میری۔ یہاں قریب میں ہی اسپتال ہے۔ وہاں ہی جا رہی ہوں۔'' حیدر نے ایک گہری سانس بھری تھی اور ساری خفگی اڑن چھو...... اس نے پیچھے ہٹ کر ثنا کو راستہ دیا...... ثنا ٹیبل اور کرسیوں کے درمیان سے نکل کر باہر جانے والے راستے پر مڑ گئی تھی۔ وہ چند لمحے ثنا کو جاتا دیکھتا رہا اور پھر دونوں ہاتھ جیبوں میں سے نکالے...... سر کھجایا اور اس کے سامنے آ بیٹھا۔

''کیسی ہیں آپ؟''

''بالکل ٹھیک ہوں۔''

''کیا لیں گی؟''

''کوئی بھی سافٹ ڈرنک......'' وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھے بغیر بات کر رہے تھے۔

حیدر بالکل بھی نروس نہیں تھا اور وہ ''اتنی سی'' نروس تھی بھی تو محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

مشروب سرو ہونے تک وہ خاموش بیٹھے رہے۔

''پلیز......'' حیدر نے اسے گلاس اٹھانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ہنیا نے گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا۔ نزاکت سے ایک گھونٹ بھرا اور ٹیبل پر رکھ دیا۔

''تو آپ ایک فوجی سے ہی شادی کرنا چاہتی ہیں۔'' ہاتھ میں پکڑے بلوریں وائن گلاس کی چکنی سطح پر انگوٹھا پھیرتے ہوئے اس نے سوال کیا تھا۔

ہنیا نے یک دم سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ بلکہ وہ گلاس کے مشروب کو گھور رہا تھا۔

''ثنا......'' اس نے بے اختیار دانت پیسے۔ تو گھر کا بھیدی لنکا ڈھا گیا تھا۔

''جس نے آپ تک یہ انفارمیشن پہنچائی...... اس نے یقیناً سیاق وسباق سے بھی آگاہ کر دیا ہوگا کہ نہیں؟'' اب کہ ہنیا کی دونوں بھوؤں کے درمیان ایک بل تھا اور وہ سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔ حیدر نے مشروب کا ایک گھونٹ پیا اور گلاس ٹیبل پر رکھا اور مسکرا کر اسے دیکھا۔

''میں آپ کے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔'' اور اس نے بے اختیار رخ بدلا۔ وہ بولڈ تھی...... کانفیڈنٹ بھی تھی مگر وہ یہ سب اسے نہیں بتا سکتی تھی، سمجھا نہیں سکتی تھی۔

''آپ کو سمجھنا چاہیے کہ میں اپنی مرضی سے فیصلہ کرنے میں آزاد ہوں، آپ میرے اس حق پر مجھ سے آرگیو نہیں کر سکتے......'' انداز ٹھہرا ہوا تھا۔

''آپ آئیڈیلزم کا شکار ہیں۔'' حیدر نے طنز سے کہا وہ اپنے چہرے پر اس کی تیز نظریں محسوس کر سکتی تھی۔

''آپ کا اپنی لائف پارٹنر کے حوالے سے کچھ تو معیار ہوگا، کچھ تو مثلاً یہ کہ وہ پڑھی لکھی ہو یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خوب صورت ہو...... ٹھیک اسی...... طرح سے میرے بھی کچھ معیار ہیں اور اگر آپ انہیں آئیڈیلزم کا نام دے رہے ہیں تو میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' وہ اسی طرح ماتھے پر بل لیے گہری سنجیدگی سے بولی تھی۔

''ہنیا...... آپ کے سامنے ایک شخص بیٹھا ہے، ایک عہدہ، ایک ملازمت ہے اس کے پاس...... اچھی فیملی سے ہے اور سب سے بڑھ کر وہ آپ کو پسند کرتا ہے، محض ایک سرسری سی ملاقات کے بعد سے ہی وہ آپ کو پسند کرتا ہے، کیا اس جذبے کی کوئی قدر، کوئی اہمیت نہیں؟'' ہنیا نے.... بے اختیار نظریں جھکا لی تھیں۔

''میں نے آرمی کو جوائن کرنا چاہا، میں نہیں کر سکی اور اب میں...... میں...... مگر آپ نہیں سمجھ سکتے اس خواہش کو...... بالکل نہیں۔'' وہ زچ ہو رہی تھی۔

''میں سمجھ سکتا ہوں۔'' وہ ترنت اس کی بات کاٹ کر بولا تھا۔ ہنیا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''سمجھ سکتا ہوں کہ خواہشات شدید ہوتی ہیں، آپ سے ملنے کے بعد میں اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہوں ورنہ میں یہاں بیٹھ کر ایک لڑکی کو آرگیو نہ کر رہا ہوتا۔'' وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ کر...... خطرناک سنجیدگی سے بول رہا تھا۔

ہنیا نے بے اختیار ہونٹ بھینچ کر نظریں جھکائیں کوئی بھی جذبہ اپنی شدت کا پتا دیتا ہے، ضرور دیتا ہے اور وہ دے رہا تھا۔ کسی کی سچائی دل پر اثر کرتی ہے اور ضرور کرتی ہے اور اس نے اثر کیا بھی تھا مگر......

''آپ سمجھ لیجیے کہ جیسے آپ جس شدت کے ساتھ مجبور ہیں ویسے ہی میں بھی، اتنی ہی شدت کے ساتھ مجبور ہوں۔'' ایک وقفے کے بعد وہ مدھم لہجے میں بول پائی تھی۔ وہاں یک دم ایسی ناگوار خموشی...... سرعت سے پھیلی تھی کہ جسے وہ دونوں محسوس نہیں کرنا چاہتے تھے۔ حیدر نے اِک تیز نظر سے اسے دیکھا پھر وہ چند لمحے ہاتھ میں پکڑے گلاس کو گھورتا رہا...... اس کے جبڑے یک دم کھنچ سے گئے۔ اس نے یک دم اِک سانس میں گلاس خالی کیا اور تقریباً پٹخنے کے سے انداز میں اسے ٹیبل پر رکھا تھا۔ ہنیا اٹھ کر جانا چاہتی تھی بہت عجیب محسوس ہو رہا تھا مگر یہ کہ وہ اتنی کنفیوز تھی کہ اٹھ کر جا نہ سکی تھی۔ حیدر نے کرسی سے ٹیک لگائی اور اسے دیکھنے لگا۔ تیز، پُر اثر ناراض نظروں سے۔

''لک آئی ایم سوری......'' ہنیا نے کچھ....

بے آرام ہوتے ہوئے کہا۔ حیدر نے دھیان نہ دیا۔ وہ فوری اِک فیصلہ کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر چلا جائے اور اسے چھوڑ دے؟ بھول جائے اس طرح سے کہ ”وہ“ کھو جائے یا کہ...... یا کہ ”وہ“ اس نے اس تکلیف، اس نقصان کا حساب لگانا چاہا جو اس کے کھونے سے وجود میں آنے والی تھی، محبت کی دشمن، عقل اور انا...... اور وہ مرد تھا، عقل اور انا اسے مجبور کرتی تھی اور دل کہتا تھا کہ وہ دوسرا فیصلہ کرے...... ایسا فیصلہ جو انا کو قبول نہ ہوتا مگر دل راضی ہوتا...... اس نے ایک گہری سانس بھرتے ہوئے خود کو کمپوز کیا اور ویسٹ کوٹ کی چیسٹ پاکٹ سے کچھ نکالا، ٹیبل پر رکھا ہنیا کو دیکھا۔ ہنیا چونک کر متوجہ ہوئی اور پھر ذرا سی حیرت کے ساتھ اس کی حرکت ملاحظہ کی تھی اور ان آنکھوں کی حیرت سوال اٹھاتی تھی۔ حیدر نے جواباً انگلیوں تلے دبی چیز کو ٹیبل کی سطح پر سلائڈ کرتے ہوئے ہنیا کے آگے کیا تھا۔ مگر اس پر سے ہاتھ نہ اٹھایا تھا۔ ہنیا نے اس کے حرکت کرتے ہاتھ کو اپنے سامنے رکتا دیکھا تھا اور فلیش بیک...... اس نے لائبریری کی...استقبالیہ میز پر بھی اسی طرح سے کارڈ سلائڈ کرتے ہوئے ہنیا کے آگے کیا تھا آج بھی وہی انداز...... اور شاید وہ ہی کارڈ تھا...... ان دونوں نے پھر سے ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھا...... ہنیا کی نظریں کچھ پوچھتی تھیں اور حیدر کی نظریں کہتی تھیں کہ سارے کے سارے جواب اس کے ہاتھ تلے موجود ہیں۔ اس نے ہاتھ کی انگلیاں ہٹائیں مگر شہادت کی انگلی ابھی کارڈ کے کونے پہ موجود تھی۔ نام واضح ہوا۔

”حیدر علی!“ ہنیا نے الجھ کر اسے دیکھا۔ حیدر نے اپنی وہ انگلی بھی ہٹالی اور کارڈ اٹھا کر عین اس کی نظروں کے سامنے کیا تھا ہنیا اس ساری صورت حال سے ذرا بیزار ہوئی اور اسی بیزاری کے ساتھ آنکھوں کے عین سامنے موجود اس کارڈ کو دیکھا اور...... اور زندگی کا اِک زبردست جھٹکا، اِک ہی لمحے.... وقت کی اِک ساعت میں قید اس کا منتظر تھا کہ کب ہنیا ذوالفقار کی نظریں اس کارڈ پر لکھے نام کو پڑھیں اور وہ لمحہ...... وہ ساعت اپنی تمام تر شدتوں کے ساتھ اس پر حاوی ہو کر اس کو زندگی کے اِک زبردست جھٹکے سے... دوچار کر سکے تو لمحہ آچکا...... ساعت آن پہنچی، اب کہ ہنیا کی آنکھوں نے اس وزیٹنگ کارڈ پر لکھے اس سہ حرفی نام کو پڑھا اور آنکھیں آخری حد تک پھیل گئی تھیں۔ وہ چند لمحوں تک حرکت نہ کر سکی تھی اور پھر اس نے شاکڈ ہو کر سامنے موجود شخص کو دیکھا۔ پھر نام کو پھر اسے اور اِک بار پھر اس نام کو...... کھلے منہ پر ہاتھ کی انگلیاں رکھے، پسپا ہونے والے انداز میں اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی تھی، اِک لمحے کا توقف پھر وہ اچانک آگے کو ہوئی اور جھپٹا مار کر اس کے ہاتھ سے کارڈ لیا تھا۔ اس نے کارڈ کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر آنکھوں کے قریب لے جا کر یقین کرنے کے واسطے اِک بار پھر پڑھا اور ذرا تفصیل سے پڑھا۔ وہ اِک یقینی بے یقینی کے ساتھ اس کارڈ کی عبارت کو پڑھتی تھی جلدی، جلدی، تیزی سے...... جیسے اِک نظر میں ہی ساری عبارت کا متن جان لینا چاہتی ہو۔ وہ اِک وزیٹنگ کارڈ تھا اور سہ حرفی نام...... وہ ہی نام کہ جس نے ہنیا کو زندگی کے سب سے بڑے دھچکے سے دوچار کیا تھا۔ وہ نام کیا تھا۔

”کیپٹن حیدر علی......“ اور نام پڑھتے ہی اس کے اردگرد عجب سناٹا اِک زوردار دھماکے سے پھیلا تھا۔ اس نے حیدر کو دیکھا اور حیدر...... وہ اسے دیکھتا تھا اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ اس کے جبڑے اب بھی سختی سے بھنچے ہوئے تھے اور اس کی آنکھوں میں، اس کی آنکھوں میں وہ تاثر تھا جس نے ہنیا کے دل کو ڈوبنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ اس نے ایک دم اپنی گردن کی پشت پر پسینے کی اِک دھار سی بہتی ہوئی محسوس کی تھی اور اس پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ وہ انکار کر چکی تھی...... انکار......!

(باقی آئندہ)

# بھرم

بشریٰ ماہا

''رامین، دیکھو ذرا نائمہ تیار ہوئی یا نہیں ......ایک تو اس لڑکی کی مجھے سمجھ نہیں آتی؟ صبح سے بول بول کے تھک گئی ہوں لیکن مجال ہے جو اس لڑکی کے کان پہ جوں تک رینگی ہو......'' راحت بیگم جو بیٹی کی سستی سے کافی نالاں نظر آتی تھیں کھیر کے باؤل پہ بادام پستے چھڑک کر فریج میں رکھتے ہوئے بولیں۔

''امی آپ فضول میں غصہ کر کے اپنا بی پی ہائی نہ کریں۔ میں آ گئی ہوں ناں..بس فکر نہ کریں اب،



سب سنبھال لوں گی میں۔'' رامین جو کچھ دیر پہلے ہی سسرال سے آئی تھی ماں کو تسلی دیتے ہوئے بولی۔

''ہاں جاؤ بیٹا تم ہی سمجھاؤ اسے؟ اللہ جانے کیا ہوا ہے میری فرمانبردار بچی کو۔ پہلے تو کبھی اس نے ایسی ضد کی نہ مجھے تنگ کیا......'' وہ سچ میں بہت پریشان لگ رہی تھیں۔

''تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟ وہ لوگ پہنچتے ہی ہوں گے......'' رامین نے نائمہ کو یوں بے پروائی سے لیٹے دیکھ کر کہا۔

''آپی مجھے نہیں کرنی ابھی شادی...... آپ سمجھائیں ناں امی کو......'' نائمہ جو کب سے دکھی بیٹھی تھی بہن کو دیکھ کر اپنے آنسوؤں پہ قابو نہ رکھ سکی اور روتے ہوئے بہن کے گلے لگ گئی۔

''دیکھو رامین روؤ نہیں اور جو بات بھی ہے صاف، صاف مجھے بتاؤ۔ میں پوری کوشش کروں گی تمہاری مدد کرسکوں۔'' رامین نے اس کے آنسو صاف کیے اور دلاسہ دیا۔

''آپی میں زبیر سے بہت محبت کرتی ہوں میں اس کے سوا کسی اور سے شادی کا سوچ بھی نہیں سکتی۔'' نائمہ نے بہن کا محبت بھرا انداز دیکھ کر فوراً دل کی بات بتائی۔

''دیکھو چندا میں یہ تو نہیں جانتی زبیر کون ہے اور کیسا لڑکا ہے؟ لیکن ...تم اگر اس سے محبت کرتی ہو اور وہ بھی تم سے محبت کرتا ہے تو اسے بولو اپنے گھر والوں کے ہاتھ اپنا رشتہ بھیجے......اگر وہ تمہارے قابل ہوا تو میں خود امی پاپا کو راضی کروں گی اس کے حق میں......'' رامین جو ایک لمحے کے لیے اس کے منہ سے لفظ محبت سن کر خاموش رہ گئی تھی اس نے خود کو سنبھال کر اسے سمجھایا۔ وہ جانتی تھی ایسے معاملے غصے اور زبردستی سے مزید بگڑ جاتے ہیں۔

''آپی اس کے گھر والے اتنی جلدی اس کی شادی کے لیے راضی نہیں ہوسکتے۔ وہ کہتا ہے اس کے سر پہ بہنوں کا بوجھ ہے۔ ان سے پہلے اس کی امی، اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتیں......'' وہ نگاہ جھکا کر بولی۔

''ہم......م......تو یہ بات ہے۔ خیر کرتی ہوں میں کچھ لیکن اس سے پہلے تمہیں میری بھی ایک بات ماننی ہوگی......'' وہ سوچتے ہوئے بولی۔

''جی آپی' میں آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔''

''بس تو پھر جلدی سے تیار ہو جاؤ اور مہمانوں سے اچھے سے ملنا اور اب پریشان نہ ہونا۔ میں تمہارے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دوں گی۔''

رامین نے بہن کو اطمینان دلایا......اور نائمہ مطمئن ہو کر تیار ہونے چل دی......اسے اپنی آپی پہ پورا بھروسا تھا۔

☆☆☆

''لیجیے ناں بہن، یہ کباب تو آپ نے کھائے ہی نہیں......'' راحت بیگم نے لڑکے کی ماں سے کہا۔

''بس بہت لے چکے بہن......اب آپ ہماری بیٹی کو بلوادیں......'' وہ محبت سے بولیں۔

''جی اچھا......'' راحت بیگم مسکرائیں اور رامین کو اشارہ کیا۔ وہ خوشی، خوشی نائمہ کو لینے چل دی۔

کچھ ہی دیر میں رامین بہن کو لے آئی......شرماتی مسکراتی پیاری سی نائمہ لڑکے والوں کو پہلی ہی نظر میں پسند آگئی تھی۔ لڑکے کی ماں نے محبت سے اس کی پیشانی چومی۔

راحت بیگم جو پہلے کچھ پریشان تھیں اب مطمئن نظر آرہی تھیں۔

☆☆☆

''آپی پلیز کچھ کریں' ان لوگوں نے میرے لیے ہاں کردی ہے اور اگلے ہی ہفتے وہ لوگ منگنی کی تاریخ پکی کرنے آرہے ہیں۔ امی پاپا تو خوشی، خوشی تیاریوں میں لگ گئے ہیں......آپ کو یاد ہے ناں اپنا وعدہ......آپ میرے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دیں گی۔'' نائمہ نے فون کرکے بہن کو پریشانی سے آگاہ کیا۔

''تم بالکل مطمئن رہو۔ مجھے اپنا وعدہ یاد

ہے......" رامین نے ایک بار پھر اسے تسلی دی۔" میں نے سجاد سے بات کی ہے وہ ایک دو دن میں سب انفارمیشن زبیر کے حوالے سے حاصل کرلیں گے پھر ہم خود اس سے ملیں گے۔"

"تھینک یو آپی...... آپ نہ ہوتیں تو پتا نہیں میرا کیا ہوتا......" وہ بے حد خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"تم بس امی پاپا کو پریشان نہیں کرنا۔ جو وہ کہہ رہے ہیں ویسا ہی کرو اور شادی کی تیاریوں میں پورے دل سے حصہ لو۔" وہ نائمہ کو سمجھانے لگی۔

"او کے آپی، آپ بے فکر رہیں...... اب میں فون رکھتی ہوں' امی بلا رہی ہیں۔" اس نے اللہ حافظ کہتے ہوئے فون رکھ دیا۔

☆☆☆

"نائمہ آج تمہارے بہنوئی آئے تھے مجھ سے ملنے...... یار تمہیں منع کیا تھا ابھی کسی سے میرے بارے میں کچھ مت کہنا پھر تم نے میری بات کیوں نہیں مانی؟" وہ غصے سے بولا۔

"زبیر اگر میں کسی سے بات نہیں کرتی تو میری شادی کہیں اور ہو جاتی اور تم جانتے ہو میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔" وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

"میں کب رہ سکتا ہوں تمہارے بغیر میری جان۔" دوسری طرف زبیر بھی تڑپ کر بولا تھا۔ فون پہ وہ اس کے تاثرات دیکھ تو نہیں سکتی تھی مگر اپنے لیے اس کی محبت محسوس کر چکی تھی۔

"اب صرف ایک ہی راستہ ہے ہمارے پاس نائمہ......" وہ غصہ بھلا کر خوشگواری سے بولا۔

"وہ کیا؟" نائمہ نے تجسس سے پوچھا۔

"ہم کورٹ میرج کرلیں۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

"تم یہ کیا کہہ رہے ہو زبیر؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔" اس نے ایک لمحے میں کچھ سوچے بغیر انکار کر دیا۔

"بس پھر مجھے بھول جاؤ مجھے...... تمہارے پاس دو دن کا ٹائم ہے، دو دن بعد میں ٹھیک اسی ٹائم تمہیں کال کروں گا اور یاد رکھنا انکار کی صورت میں ہمارے

**وجہ**

ایک موٹر کار والے نے بہت کوشش کی کہ وہ کسی طرح سامنے چلنے والی موٹی عورت کو بچالے لیکن جب ناکام رہا تو ٹکر ماردی اور آگے جاکر گاڑی روک دی۔

موٹی عورت بلبلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور چلانے لگی۔ "کیا تم میرے گرد گھوم کر نہیں جاسکتے تھے۔"

موٹر کار والا بولا۔

"گھوم کر تو میں چلا جاتا مگر کیا کروں گاڑی میں اتنا پٹرول نہیں تھا۔"

مرسلہ: ممتاز خانم، اورنگی ٹاؤن

**آرزو کا گہوارہ**

خلیل جبران کہتا ہے کہ دعا روح اور آرزو کے مابین ہم آہنگی کا نام ہے۔ دینے اور لینے والے کے مابین ایک ایسے لمحے کی تخلیق کا پیش لفظ ہے جس میں خواہشوں کی تکمیل موجزن رہتی ہے۔

دعا نہ مانگنے والے ہاتھ ان ریگستانوں کی طرح رہتے ہیں جن پر پانی کی بوندیں برسائے بغیر بادل تیزی سے گزر جاتے ہیں۔ دعا تزکیۂ نفس ہے۔ دعا آرزو کا گہوارہ ہے۔

مرسلہ: شبانہ حیات، لاہور

راستے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائیں گے۔" اس نے سخت انداز میں کہتے ہوئے فون رکھ دیا۔

☆☆☆

آج نائمہ کی تاریخ طے ہو گئی تھی اگلے مہینے کی چودہ تاریخ کو وہ ہمیشہ کے لیے گوہر عالم کی ہونے جارہی تھی آنسو تھے کہ ٹوٹ، ٹوٹ کر آنکھوں سے گر رہے تھے اس کی کزنز گوہر عالم جیسے قابل پولیس افسر سے نائمہ کا رشتہ جڑنے پہ رشک کر رہی تھیں جبکہ اسے خود سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں لگ رہا تھا۔

"مجھے معاف کردو نائمہ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کرسکی، سجاد کہتے ہیں زبیر اچھا لڑکا نہیں ہے۔ دیکھو سجاد تمہیں بہنوں کی طرح چاہتے ہیں اور ایک بھائی ہونے کے ناتے وہ تمہیں جانتے بوجھتے جہنم میں نہیں

دھکیل سکتے۔" رامین شرمندہ، شرمندہ سی بول رہی تھی۔
جبکہ نائمہ کو رامین سے کوئی شکایت نہیں تھی شکوہ تھا تو اپنے نصیب سے۔
"دیکھو پلیز...... تم اب کوئی غلط قدم مت اٹھانا' گوہر عالم کو اپنا نصیب جان کر قبول کر لو میری جان' ماں باپ کی دعاؤں میں بہت برکت ہوتی ہے۔" وہ اسے سمجھا رہی تھی جبکہ نائمہ روتے ہوئے بہن کے گلے لگ گئی تھی۔

☆☆☆

"تم نے کیا فیصلہ کیا؟" رات ٹھیک اسی ٹائم زبیر کا فون آیا جس کا اس نے وعدہ کیا تھا۔
"میں تمہارے ساتھ کورٹ میرج نہیں کر سکتی زبیر، ہمارے راستے اب جدا سمجھو۔ میں چار دن کی محبت کے لیے اپنے ماں باپ کا مان نہیں توڑ سکتی۔ محبت ہونے کے باوجود اب میں مزید تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔" وہ بظاہر سختی سے بولی تھی جبکہ اندر سے اس کا دل چیخ، چیخ کر رو رہا تھا۔
"تم ایسا نہیں کر سکتیں، میں مر جاؤں گا نائمہ تمہارے بغیر۔" وہ تڑپ کر بولا۔
"کوئی کسی کے لیے نہیں مرتا زبیر، مرتے سب اپنے وقت پر ہی ہیں' تم بھی بھول جاؤ گے مجھے آج کے بعد میں تم سے کوئی رابطہ نہیں رکھوں گی۔" یہ کہہ کر اس نے فون رکھ دیا اور موبائل سے سم نکال کر توڑ دی۔
زندگی کی نئی شروعات وہ پوری ایمانداری سے کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

آج وہ ماں باپ کی دعاؤں کے سائے میں رخصت ہو کر ہمیشہ کے لیے گوہر عالم کے گھر آ گئی تھی۔
وہ کردار کے لحاظ سے ایک بہترین انسان ہونے کے ساتھ، ساتھ بہت وجیہہ بھی تھا۔ اگر زبیر اس کی زندگی میں نہ آیا ہوتا تو یقیناً وہ اپنے نصیب پہ رشک کرتی خیر وہ اب مطمئن تھی کیونکہ اس نے اپنے ضمیر کو مرنے نہیں دیا تھا اس نے اپنے ماں باپ کا مان ٹوٹنے نہیں دیا تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ اِک دن زبیر کو بھول کر گوہر سے ضرور محبت کرنے لگے گی۔

☆☆☆

اس کی شادی کو چھ ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا گوہر بہت اچھا انسان تھا' نائمہ اس کی ہمراہی میں بہت خوش تھی۔
گوہر نے ایک بیرون ملک لڑکیاں اسمگل کرنے والے گروہ کو کچھ دن پہلے ہی اپنی حراست میں لیا تھا جس کی وجہ سے آج کل اسے مختلف ٹی وی چینلو پہ انوائٹ کیا جا رہا تھا۔ آج بھی وہ ایک مارننگ شو کے لیے تیار ہو کر گیا تھا جبکہ نائمہ آج کچن کی صفائی میں مصروف تھی۔ کچن کیبنٹ کی صفائی کرتے، کرتے اچانک اس کی نظر سامنے ٹیبل پر رکھے اخبار پر پڑی تھی جو کچھ دیر پہلے گوہر عالم پڑھ رہا تھا اور وہ اپنی جگہ جم کے رہ گئی تھی۔
"معصوم اور بے وقوف لڑکیوں کو اپنی محبت کے جال میں پھنسا کر اغوا کرنے والے گروہ کا سرغنہ ملزم زبیر قانون کی حراست میں......" تفصیل کچھ یوں تھی کہ وہ کئی سالوں سے مختلف لڑکیوں کو اپنی محبت کے جال میں پھنساتا اور پھر اپنی مجبوریوں کا بہانہ بنا کر انہیں کورٹ میرج پہ اکساتا اور جب لڑکیاں اپنے گھر سے زیور اور نقدی لے کر بھاگ کر آتیں تو انہیں اغوا کر کے فروخت کیا جاتا یا جسم فروشی کا کاروبار کروایا جاتا۔
وہ اپنی جگہ جم کر رہ گئی اسے بھی تو زبیر نے محبت کے نام پہ کورٹ میرج کی آفر کی تھی خدا کا لاکھ، لاکھ شکر تھا کہ اس نے اپنے ماں باپ کے لیے اس کی محبت کو ٹھکرا دیا تھا۔ اسے آج سمجھ آ گیا تھا کہ ماں باپ اپنی اولاد کے لیے برا نہیں سوچتے، ان کے ساتھ بھی کوئی زیادتی نہیں کرتے، اسے اب اپنے آپ سے شرم آ رہی تھی کہ اس نے اتنے گھٹیا انسان کے لیے اپنے رب سے شکوہ کیا اب اسے معافی مانگ کر اپنے رب کو منانا تھا اور اس کے کرم پر سجدۂ شکر بجالانا تھا۔ اس کا لاکھ، لاکھ کرم تھا کہ اس نے نائمہ کا بھرم رکھ لیا تھا۔



# سفید پوش

رفاقت جاوید کی ایک حیران کن تحریر



چند منٹ سوچ کر تو اس نے اس کی کال ریسو کی تھی اور اب اس کی الٹی سیدھی باتیں سن کر وہ واقعی بددل ہوگئی تھی۔

”سنو...... علیم! آخر کار میں نے اس مرض کی دوا ڈھونڈ لی ہے......“ موصوف کا خوشگوار لہجہ اسے گراں گزر رہا تھا پھر اس نے موبائل ہی بند کر دیا۔

”یہ لڑکا سراسر بے وقوف اور پاگل ہے۔ اتنی آسانی سے یہ میری جان نہیں چھوڑے گا۔ غلطی میری

اپنی تھی کہ میں نے اس پر ترس کھایا۔ اس کی مدد کرنے کا یہ صلہ ملا... وہ سمجھا کہ مجھے اس سے والہانہ محبت ہے، ہنہ۔'' اس نے اپنا سر جھٹکا۔

''اس کی محبت کا یہ پاگل پن محسوس کر کے ہی تو میں نے اس سے دور ہونے کی کوشش کی۔ لیکن ہر بار وہ خودکشی کرنے پر تل جاتا ہے۔ بابا کو اس بات کی ذرا سی بھی بھنک پڑ گئی تو وہ دن دیہاڑے اٹھا لیا جائے گا۔ اور اگلے ایک گھنٹے میں صفحۂ ہستی سے اس کا نام و نشان ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے مٹ جائے گا۔ میں اتنی ظالم نہیں کہ اس نامراد عاشق کا یہ انجام دیکھ سکوں۔'' وہ خود کلامی کرتے ہوئے ہاتھوں کا مساج کرنے لگی۔ پھر سے موبائل کی بیپ نے اسے اپنی طرف متوجہ کر دیا اور اس نے ناگواری سے فون ریسیو کر لیا۔

''علیمہ تم نے پوچھا نہیں کہ کون سی دوا اس مرض کے لیے ڈھونڈی ہے۔'' وہ ہمیشہ کی طرح بے تکلفانہ لہجے میں بولا۔

''بولو کیا کہنا چاہتے ہو؟'' وہ زچ ہو کر بولی۔

''محبت، عشق اور دیوانگی کا مرض لاعلاج نہیں ہوتا۔ نادان لوگ نہ جانے کیوں اس بیماری کو لاعلاج قرار دے کر خود ساختہ دوا استعمال کرنے لگتے ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''مثلاً؟ میں سمجھی نہیں۔'' وہ حیرت و تجسس بھرے لہجے میں بولی۔ ''تمہاری بیہودہ بیماری کی تو مجھے خبر ہے۔ مگر میں علاج و دوا کی شُدبُد نہیں رکھتی۔'' یہ جملے اس نے دل ہی دل میں کہے۔

''بھئی ہمیں بھی تو اپنی زندگی کو حسین و دلنشین بنانے کا حق حاصل ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں زندگی انعام کی صورت میں بخشی ہے، اس کے ساتھ ناانصافی کرنا ناشکری کے زمرے میں آتا ہے، میں نے اس انعام کی شکر گزاری کی ادائیگی کے لیے آخرکار دوا تجویز کر لی ہے جو تمہارے اور میرے طب میں موجود ہے۔ دوا کڑوی سہی پا اثر ضرور ہے۔'' وہ پھر سنجیدگی سے بولا۔

''میں سمجھی نہیں......'' وہ بھی اس سنجیدگی سے بولی۔

''تم سمجھنا ہی نہیں چاہتیں۔ ذرا سوچو کہ جب ہم دونوں ایک دوسرے کی قربت میں خوش و خرم رہتے ہیں تو پھر ہمیں دنیا کی پروا نہیں ہونی چاہیے۔ یاد کرو یونیورسٹی کے وہ دن جو ہم نے ایک ساتھ گزارے تھے۔ تم میرے آنسو صاف کرتی تھیں اور میں ان ہاتھوں کو چوم لینے کی خواہش کیا کرتا تھا۔ تم ہمہ وقت میرے لیے بے کل سی رہا کرتی تھیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ جب سے ہماری گریجویشن مکمل ہوئی ہے۔ تم بیگانی ہوگئی ہو میری کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں۔'' وہ آزردہ لہجے میں بول رہا تھا۔

''ایسی بات تو ہرگز نہیں فیضان...... دراصل اب میں محسوس کرتی ہوں کہ اب تمہیں میری ضرورت نہیں رہی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اچھی سی یعنی بے حدفٹ سی نوکری ڈھونڈو۔ جونہی تمہارے گھر کے حالات درست ہو جائیں فوراً شادی کر لینا۔ تمہارے مزاج اور طبیعت میں ایک دم سے ٹھہراؤ آ جائے گا۔ میں نے تمہارے بارے میں بہت سوچا ہے۔ مجھے بس یہی راستہ نظر آیا ہے۔'' اس نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''علیمہ شادی تو میں تم سے ہی کرنا چاہتا ہوں۔ میں کتنی بار اس خواہش کا اظہار کروں۔'' وہ تڑپ کر بولا۔ ''تم ہر دفعہ بات گھما پھرا کر دل توڑ دیتی ہو۔''

''فیضان میں نے تمہیں ہر اونچ نیچ سمجھا دی ہے۔ اب تم انجان اور نادان بنے رہو اور ایک ہی ڈھرے پر زندگی گزارنا چاہتے ہو تو میں کچھ نہیں کر سکتی۔ اسے ہی تو پاگل پن کہتے ہیں، فیضان مجھے تم سے ڈر لگنے لگا ہے۔ اب سوچتی ہوں کہ میں تو ہر وقت تمہارے ساتھ، ساتھ رہتی تھی۔ تم تو مجھے برباد کرنے کا سامان رکھتے تھے۔ تھینک یو ویری مچ کہ تم نے میری لاج رکھ لی۔ ورنہ بہت کچھ غلط بھی ہو سکتا تھا۔ ویسے میں یہ مانتی ہوں کہ تم انسان بہت خوب ہو، ورنہ میں تم پر بے تحاشا اعتماد اور بھروسا نہ کرتی لیکن تمہاری فضول باتیں سن کر اب مجھے اپنی عقل پر شک ہونے لگا ہے۔''

وہ نہایت ملائمت سے بولی۔ ''اب تم اچھے بچوں کی طرح دل کی بے جا خواہشوں سے باہر نکل آؤ.....اور خوش فہمیوں سے چھٹکارا حاصل کر کے پریکٹیکل لائف میں قدم رکھو.....''انوکھا لاڈلا کھیلن کو مانگے چاند......'' وہ طنزیہ ہنسی۔''یار ایسی انہونی اور بے وقوفانہ باتیں کرنا چھوڑ دو...... اچھے اور فرمانبردار بچوں کی طرح اپنی اس ہمدرد دوست کی بات مان لو۔''

''یہ بے وقوفانہ باتیں نہیں ہیں علیمہ اِک سچے اور کھرے پیار کا کھلم کھلا اظہار ہے جبکہ محبتوں کے مرغزاروں میں اظہارِ محبت اداؤں سے کیا جاتا ہے۔ زبان سے اظہار تو مجھے قطعاً پسند ہی نہیں تھا۔ سارا بگاڑ تو یہاں سے ہی شروع ہوا اور یہاں پر ہی اختتام پزیر ہوا دراصل میں نے ہی دیر کردی۔'' وہ پژمردگی سے بولا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ایسا کرو کہ صبر کرلو۔ خاموش محبتوں و چاہتوں کی آگ کی تپش عاشق کو ہمیشہ زندہ اور جوان رکھتی ہے، تم نے محبت ایک ایسی مورتی سے کی ہے جسے محبت کی زبان کو سمجھنا اور پرکھنا ہی نہیں آتا تھا...... فیضان، میری ہمدردی اور مسیحائی کا یہ صلہ تو مت دو کہ تم میری جدائی میں دیوانے اور خود سے بیگانے ہو جاؤ۔ تم اپنے مالی حالات کی طرف نظر دوڑاؤ......اور جلد از جلد خود کو اسٹیبل کرنے کی کوشش کرو...... یہ محبت وجنت سب بکواس چیز ہے، جلد از جلد اس باغیانہ جذبے سے نکلنے کی کوشش کرو، کیا تم اپنی محسن کی اتنی سی التجا بھی نہیں سنو گے۔'' اب وہ مصنوعی التجائیہ انداز اپنا رہی تھی۔

''تم جانتی ہو کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں؟ انجان مت بنو...... تم نے مجھے دھوکا دیا ہے علیمہ۔'' اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''میں تم پر بار، بار یہ حقیقت واضح کر رہی ہوں کہ ہمدردی اور محبت میں زمین آسمان کا لامتناہی فاصلہ ہوتا ہے، دونوں جذبے بے حد خوب صورت ہیں لیکن ان میں یکجائی نہیں ہوسکتی۔ مجھے آج بھی تم سے اتنی ہی ہمدردی ہے جتنی کل تھی۔ میرے دل میں تم اسی طرح بستے ہو جیسے یونیورسٹی کے دنوں میں میرے ہوش و حواس پر سوار رہتے تھے۔ میں نے اپنا مقصد پالیا۔ تم نے بھی ڈگری حاصل کرلی۔ میں سمجھتی ہوں کہ میں نے ایک نسل کو سنوارنے کا اہتمام کرلیا۔ پلیز فیضان تم مجھے اس سے بڑھ کر اور کچھ نہ سمجھو۔ میں تمہاری دوست ہوں، ہمدرد اور محسن ہوں۔ مجھے بے شک دن میں بیس بار فون کرو لیکن ایسی بیہودہ اور فضول باتوں کے لیے ہرگز نہیں...... مجھ سے اپنی نئی زندگی کو نیاپن دینے کے لیے مشورہ لے سکتے ہو۔ میں مالی امداد کرسکتی ہوں... لیکن جو تم چاہتے ہو اس کا کبھی تصور بھی نہیں کرنا۔'' اب وہ واقعی التجائیہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ''تم تو بہت بے وقوف اور نادان نکلے ہو۔ مجھے تم پر رحم آرہا ہے۔''

''لیکچر بند کرو علیمہ...... میں نے تم سے محبت کی ہے، تمہیں حاصل نہ کرسکا تو اس دنیا کو خیر باد کہہ دوں گا۔ یہ بات یاد رکھنا۔'' اس نے یہ کہہ کر موبائل آف کردیا۔ علیمہ دیر تک حیرت و تاسف سے فون سیٹ کو دیکھتی رہی...... کہ اس بے وقوف کو کیسے سمجھاؤں کہ اس کا اور میرا کوئی جوڑ نہیں۔ وہ فون ہاتھ میں لیے یہی سب سوچتے بے خیالی میں قد آدم آئینے کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

''اُف نکاح ہونے میں صرف ایک مہینہ باقی رہ گیا ہے اور ذرا علیمہ بی بی اپنا وزن ملاحظہ فرماؤ کہ چند مہینوں میں کتنا بڑھ گیا ہے۔ ہر وقت بھوک سر پر سوار رہتی ہے یہی فارغ رہنے کا کمال ہے۔'' وہ آئینے میں اپنا سراپا دیکھتی خود کلامی کر رہی تھی۔

''میرا خیال ہے جم جوائن کرلوں، ایسا نہ ہو کہ کینیڈا سے آنے والا دولھا مجھے دیکھ کر بھاگ ہی جائے۔'' وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنا جائزہ لینے لگی۔ ''فیضان کو نہ جانے مجھ میں کیا نظر آیا ہے، میری سانولی رنگت کو کہتا ہے نمکین، اونچی لمبی ناک کو کہتا ہے کہ ستواں ناک...... اندر کو دھنسی ہوئی چنی منی آنکھوں کو کہتا ہے جھیل جیسی گہری آنکھیں، میرے ہونٹوں کو نام دیتا ہے، بھرے، بھرے شگفتہ لب، اسے سچ مچ مجھ

سے عشق ہو گیا ہے جو مجھ میں اسے کوئی نقص ہی نظر نہیں آرہا جبکہ وہ خود ایک خوبرو جوان اور مردانہ وجاہت کا مکمل شاہکار ہے اور دیکھنے میں کسی کھاتے پیتے گھرانے کا چشم و چراغ لگتا ہے، اصل حال تو میں ہی جانتی ہوں سمسٹر کی فیس بیچارہ بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر اور کچھ جمع جتھا کر کے ادا کیا کرتا تھا۔ ویسے سوچنے کا مقام ہے کہ بے شک وہ غریب خاندان کا پروردہ ہے پر غیرت مند اور مستقل مزاج خوب ہے۔ سفید پوش ایسا کہ الامان! پتا نہیں کیسے۔ اب پڑ گیا ہے میرے پیچھے ہاتھ دھو کر...... یہ اس کی مستقل مزاجی ہی تو ہے یعنی دوسرے معنوں میں ضد، ہٹ دھرمی اور محبت میں بے غیرت بھی ہو گیا ہے کم بخت...... بار، بار کہتا ہے کہ خودکشی کرلوں گا...... یہ جان بہت پیاری ہوتی ہے جناب والا اسے کسی کی خاطر ضائع کر دینا اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا اس نے سمجھ رکھا ہے۔ چلو یہ بھی دیکھ لیتے ہیں کہ میرے نکاح کی خبر سن کر کیسے ری ایکٹ کرتا ہے۔'' سب سوچیں جھٹک کر اب وہ جم جوائن کرنے کے لیے تیار ہونے چل دی۔ پاجامہ اور شرٹ پہن کر وہ پورچ میں آگئی۔ ابھی وہ گاڑی گیٹ سے باہر سڑک پر نکال ہی رہی تھی کہ سامنے سے کوئی اس کی گاڑی سے ٹکراتے، ٹکراتے بچا۔ اس نے فوراً بریک لگا کر گاڑی روکی...... سامنے فیضان کھڑا تھا۔

''ارے فیضان تم یہاں کہاں؟'' وہ اب گاڑی سے اتر چکی تھی۔

''ہاں علیمہ میں...... شکر ہے تم نے مجھے پہچان لیا۔'' وہ افسردگی سے بولا۔

''کوئی مسئلہ درپیش ہے کیا؟ بتاؤ جلدی سے۔'' علیمہ ہمدردانہ لہجے میں بولی۔

''گمبھیر مسئلہ ہے، تم مجھ سے بات کیوں نہیں کرتیں، فوراً فون بند کر دیتی ہو۔ مجبوراً مجھے تمہارے در پر آنا پڑا۔ تمہیں اس کا اندازہ ہے کہ میں پچھلے دس دنوں سے کتنا بے چین ہوں۔'' وہ افسردہ لہجے میں بولا تو وہ انتہائی تعجب سے اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

''علیمہ تمہیں میری محبت پر یقین کیوں نہیں آتا۔ میں تمہیں بینک بیلنس، کار، بنگلا تو نہیں دے سکتا لیکن تمہیں محبت وچاہت کی دولت سے مالا مال کر دوں گا۔'' اب وہ نظریں جھکا کر آہستگی سے کہہ رہا تھا۔

''دیکھو فیضان بہت جلد میرا نکاح ہونے والا ہے، تمہاری یہ باتیں میری نئی زندگی کی خوشیوں میں رکاوٹ بن سکتی ہیں۔ اگر کسی کو معلوم ہو گیا تو تمہاری شامت آجائے گی اور میں عمر بھر کے لیے طعنوں اور تشنوں میں ہر پل مرتی اور جیتی رہوں گی۔''

''اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو۔'' وہ آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر بولا تو اس نے فوراً اپنے ہونٹوں سے اس کا ہاتھ ہٹا لیا۔

''چلو آؤ میرے ساتھ ...... میں آج جم نہیں جاؤں گی مارگلہ ہلز پر بھی تو واک ہو سکتی ہے ناں، میں تم سے بہت ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔'' علیمہ اسے لیے گاڑی میں آبیٹھی اور وہ اس کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ کر نہایت مسرت سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ ہلز جانے والی سڑک پر نکل آئی۔ دونوں خاموش تھے...... لیکن ذہن اپنے، اپنے نظریات و خیالات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ علیمہ کو اس پر ترس اور ہمدردی کے ساتھ آج پہلی دفعہ پیار بھی آیا تھا۔

''لیکن شادی ...... اوہ وہ تو ناممکن ہے، فیضان میرا بہترین دوست تو ہو سکتا ہے لیکن جیون بھر کا ساتھی ہرگز نہیں۔'' یہ علیمہ کی سوچ تھی جبکہ فیضان سوچ رہا تھا کہ ''آج میں علیمہ کو منا کر چھوڑوں گا... رو دوں گا...... اس کے پاؤں پکڑ لوں گا۔ بے شک یہ سب کچھ کرنا میری مردانگی کے بالکل منافی ہے لیکن میں اپنی سچی محبت کی خاطر اپنی غیرت وانا تج دوں گا'، یہ سوچتے ہوئے اس نے اسٹیئرنگ پر علیمہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تو علیمہ نے اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا۔

''فیضان تمہاری نوکری کا کیا بنا......؟'' وہ اس کا ہاتھ ہٹا کر نرمی سے بولی۔

"علیمہ میں نے ڈگری تمہیں پانے کے لیے حاصل کی تھی اور اب نوکری کا مقصد بھی یہی ہے اگر تم مجھے نہ ملیں تو پھر مجھے نوکری سے کیا لینا دینا۔ بس بہت جلد میں اس دارِ فانی سے رخصت ہو جاؤں گا۔" وہ نہایت سنجیدگی سے بولا۔

"فیضان! پلیز مجھے دھمکیاں دینا چھوڑ دو۔" وہ استفہامیہ لہجے میں بولی۔ "یہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔"

"محبت کرنے والوں کے لیے مشکل بھی نہیں ہے علیمہ...... تم نے کسی سے محبت کی ہوتی تو تمہیں اس کی سمجھ ہوتی۔ تم اس قدر بے حس اور روکھی پھیکی ہو کہ میری محبت کی حدت کو محسوس ہی نہیں کر پائیں۔ تمہیں ایک امیر وکبیر گھرانے کا لڑکا چاہیے، چاہے وہ تمہیں شب و روز پھانسی دینے کی تڑپ دے کر دُہرے عذاب واذیت میں مبتلا رکھے، تم کتنی بدقسمت ہو علیمہ کہ میں تمہیں محبت کے خزانوں کی ملکہ بنانا چاہتا ہوں اور تم ہو کہ محبت کی طاقت کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ تمہاری آنکھوں پر کڑکتے نوٹوں اور سکوں کی چھنکار نے پردہ ڈال دیا ہے۔ میری محبت کو ٹھکرا کر تم بہت پچھتاؤ گی۔ لیکن جب بہت دیر ہو چکی ہوگی۔ مگر تم یاد رکھنا کہ میری محبت کا پیمانہ مرتے دم تک لبریز ہی رہے گا۔ یہ میرا سچا، پاک اور بے لوث پیار ہی تو ہے کہ تمہارے ظاہر و باطن کا جانچنے اور پرکھنے کے باوجود تمہارا ہی عاشق ہوں کیونکہ میری محبت غیر مشروط ہے۔" اس کے چہرے کے عضلات تن گئے تھے۔

"میں اس کا اقرار کرتی ہوں لیکن اس دل کا کیا کروں ..... میں نے بار، بار ٹٹولا ہے، وہاں تم سے اس حیثیت سے ملاقات نہیں ہوئی، فیضان۔" وہ نہایت سنجیدگی سے بولی۔ "بے شک میں ماڈرن دور کی نمائندگی کرنے والی لڑکی ہوں لیکن میرے من میں ایک انجان دیوتا بستا ہے جو میری زندگی کا ساتھی ہوگا۔ میں اس کی پوجا کرنے کو اولیت دیتی ہوں، فیضان کیا تم دو سالوں میں مجھے پہچان نہ سکے۔ تو یہ کیسی محبت ہے تمہاری۔"

## نیا دربان

گھونسلے خالی ہوئے
اداسی چار سو پھیلی
چرمراتے زرد پتے
کھڑکیوں پہ پھیلی ہے دھندسی
دھوپ بھی ٹھٹھری کھڑی ہے
کیوں لگ رہا ہے ہر طرف دھواں
سرِ شام خموشی اوڑھ لی نگر نے
سورج کیوں ڈھل جاتا ہے پل میں
کیوں پُرسکوت رات بڑھنے لگی ہے
کیوں جمنے لگے آنکھوں میں آنسو
شاید، رُت بدلنے لگی ہے
بدلتی رُت نیا مہمان ساتھ لائی ہے
جو بارہ ماہ کا ہے دربان!
وہ لائی ہے
دسمبر اوڑھ آئی ہے

شاعرہ: طیبہ عنصر مغل، راول پنڈی

## غزل

ہر پل تیرے خواب سجاتی رہتی ہوں
مٹی پر تصویر بناتی رہتی ہوں
کسی کے عشق نے مجھ کو مار دیا ہے
ہر اک کو یہ زخم دکھاتی رہتی ہوں
کون تھا جس نے میرے خواب چرائے تھے
اس پر یہ الزام لگاتی رہتی ہوں
میں نے غم کی راتیں کاٹیں راتوں میں
دل میں غم کے بیج اگاتی رہتی ہوں
جانے کتنے درد ہیں میری آنکھوں میں
غم کا ہر اک بوجھ اٹھاتی رہتی ہوں
تنہائی میں غزلیں گاتی رہتی ہوں
جانے کتنے محل بناتی رہتی ہوں

شاعرہ: فریدہ فری، لاہور

”تم ٹھیک کہتی ہو، اب میں سمجھ گیا۔ پلیز گاڑی روکو، نہ تو ہمارے رستے ایک ہیں، نہ ہی منزل ایک ہے۔ لیکن پھر بھی کہتا ہوں تمہیں ایک نہ ایک دن میری سچی اور بے لوث محبت کا یقین ضرور آئے گا۔ جب تم دنیا کے ہزاروں چہروں کو دیکھو گی تو تمہیں صرف میرا چہرہ ہی نظر آئے گا جس پر وفا، سچائی اور محبت کی مہر ثبت ہے۔ اگر تمہیں زندگی کے کسی موڑ پر میری یاد آ گئی یا میری ضرورت محسوس ہوئی تو مجھے آواز دے لینا۔ تم مجھے اپنے بہت قریب محسوس کرو گی کیونکہ میری محبت کا تقاضا ہی یہی ہے کہ تم ہمیشہ میری رہو گی، جسمانی طور پر نہ سہی روحانی طور پر ہی سہی۔“ وہ بڑے مستحکم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ علیمہ نے گاڑی سڑک کے کنارے روک دی تو وہ جھٹ سے دروازہ کھول کر باہر کھڑا ہو گیا۔ جب تک گاڑی نظروں سے اوجھل نہ ہوئی وہ ہاتھ ہلاتا رہا۔

”میں تمہارا منتظر رہوں گا مائی لو۔“ وہ بڑبڑا رہا تھا۔

”کیا اسے محبت کہتے ہیں؟ میں اس جذبے سے عاری کیوں ہوں؟ شاید میں ایک پریکٹیکل لڑکی ہوں جسے اس قسم کی محبت سے کوئی سروکار نہیں رہا۔“ علیمہ سائڈ مرر میں دیکھتے ہوئے خود کلامی کرنے لگی۔

”کس قدر ناداں اور بے وقوف ہے یہ شخص لاکھ بار سمجھا چکی ہوں۔ اس پر کسی بات کا اثر ہی نہیں ہوتا۔ ضدی کہیں کا۔“ وہ یہی کچھ سوچتی ہوئی ڈرائیو کرتی رہی اور خود سے الجھتی رہی۔

☆☆☆

مہمانوں کے درمیان گھری ہوئی وہ مسلسل فیضان کے بارے میں سوچتی رہی۔ آج جبکہ اس کی رخصتی ہو رہی تھی۔ تصویر کا دوسرا رخ جو کہ بہت روشن تھا اس کے سامنے آ گیا۔ علیمہ آخری ملاقات میں اس کا جنون کم ہوتے دیکھ کر مطمئن ہو گئی تھی لیکن آج کچھ سوچ کر اس کے دل کو ایک دھچکا سا لگا کہ آج شادی کی خبر سن کر اس پر کیا گزر رہی ہو گی۔

”یہ تمہیں کیا ہو رہا ہے علیمہ...... لعنت بھیجو اس کنگلے پر۔“ وہ اپنی سوچ پر چونکی...... فوراً اس نے اپنے سوچنے کے انداز کو بدلا اور پہلو میں بیٹھے ہوئے شوہر شیراز کی طرف دیکھ کر ہلکا سا مسکرائی لیکن فیضان اس کی سوچوں میں قائم و دائم رہا...... شیراز ایک خاموش طبع شخص تھا۔ حد درجے کا خفیہ...... جو علیمہ کو متزلزل کر رہا تھا۔ وہ بار، بار اس کی طرف محبت آمیز نگاہوں سے دیکھتی مگر جواب ندارد...... جونہی فیضان خیال میں آیا اسے محسوس ہوا کہ معطر گلاب اور موتیے کے پھولوں کی خوشبو کا دلفریب جھونکا اس کے نتھنوں کو چھونے لگا ہے۔ بے انت اور رمز بھری کشش کو محسوس کرتے ہوئے اس نے وہیں بیٹھے، بیٹھے فیضان کو کال ملائی تو اس نے پہلی رنگ پر فون اٹھا لیا۔ اسے یوں لگا جیسے دل اچھل کر پسلیوں کو توڑتا ہوا باہر نکلنے کے لیے بے چین ہوا، اس کا سینہ سانس کی تیزی کی وجہ سے اوپر نیچے ہونے لگا تھا۔ شوہر کے پہلو میں بیٹھنے کے باوجود اس نے فیضان کی آواز سننا چاہی...... جس کی آواز شہد میں ڈوبی ہوئی اپنے پیار کا یقین دلایا کرتی تھی۔ اور یہاں شیراز اس کا شرعی حقدار پتھر کا بت بنا بیٹھا تھا۔ کسی ادا سے خوشی کا اظہار نمایاں نہ ہوا تھا۔

”میں نے تمہیں ٹھکرایا اور تم خفا ہونے کے باوجود مجھے ہاتھ ہلا کر رخصت کر گئے ہمیشہ کے لیے اور پھر مجھے تمہارا فون تک نہ آیا۔ مان گئی ہوں کہ تمہیں مجھ سے والہانہ محبت ہے جو تم نے میری مسرتوں، راحتوں کی لاج رکھ لی۔ تمہاری محبت اور عظمت کو سلیوٹ کرتی ہوں دوست......“ لیکن یہ لفظی اظہار کرنا اس کے بس میں کہاں تھا۔ آواز حلق سے آگے نہ نکلی۔ فیضان کے چہرے پر حیرت کا تاثر پھیلتا چلا گیا کہ اگر وہ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتی تو فون کیوں کیا ہے۔

”کوئی نصیحت اور تلقین کرنا چاہتی ہو ہمیشہ کی طرح؟“ وہ سرد لہجے میں بولا اور موبائل آف کر دیا۔ علیمہ نے فون کی طرف غور سے دیکھا اور آنسو رخساروں پر بہنے لگے۔ شیراز اسے مہمانوں میں گم صم نظر آیا۔ وہ نہ جانے یہاں سے کب اٹھ گیا۔ اس کا دل

چاہا کہ وہ اپنے بال نوچ ڈالے اور چہرے پر تھپڑ مارے اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر زور سے مروڑ ڈالیں اور اس کے منہ سے سسکیاں نکلنے لگیں۔ جب ذرا سنبھلی تو اسے خود پر تاسف وندامت ہوئی۔ سسکیوں کو روکا ماں نے آکر اس کے آنسو پونچھے بغیر یہ جانے کہ وہ کیوں اچانک روئی تھی۔ شاید ہر لڑکی روتی ہے تو وہ بھی۔

''فیضان تم نے تو مجھے کچل دیا اور خود تیزی سے بھاگ گئے۔ میری ہڈیاں اور میرے جسم کا گوشت پوست تکلیف سے کراہنے لگا ہے۔'' وہ اپنے درد سے پھٹتے ہوئے سر کو ہاتھوں میں لے کر بڑبڑائی۔'' میرا خیال تھا کہ میں تمہاری زندگی کو بہتر اور تمہیں ایک کامیاب انسان بنانے میں کامیاب ہوگئی ہوں لیکن آج کے ان یادگار اور حسین لمحوں میں میری اس قدر کوشش ،توجہ و ہمدردی کے باوجود مجھے احساس ہوا کہ میں نے تمہیں کامیابی کی نہیں ناکامی اور بربادی کی راہ دکھادی۔'' تمہیں تباہ کرنے کی پاداش میں مجھے یہ پتھر کا صنم مل گیا جس کی پرستش کا وعدہ میں نے لکھ کر اسے سونپ دیا ہے۔ پھر بھی میں نے اس کے چہرے پر خوشی کی ہلکی سی رمق بھی نہیں دیکھی۔'' وہ اندر ہی اندر سسک رہی تھی۔

آج علیمہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ مگر دولھا اسے دیکھ کر نہ نہال ہوا اور نہ ہی سرگوشی میں تعریف کی، ساس اور نندیں اس پر واری صدقے جارہی تھیں۔ والدین اور بہن بھائی اس کی جدائی میں گھل رہے تھے، جسے بہت جلد ہمیشہ کے لیے کینیڈا سدھار جانا تھا۔

رات کے ایک بجے علیمہ رخصت ہو کر سسرال چلی گئی...... ایک سیکٹر سے دوسرے سیکٹر میں...... زیادہ دوری نہیں تھی لیکن اس کے باوجود اس کے اپنے تمام خونی رشتے ،سہیلیاں اور اپنے کلاس فیلوز اداس و پریشان تھے۔ جب وہ شیراز کے پہلو میں گاڑی میں بیٹھ گئی تو اِک حسرت زدہ نگاہ اس نے گاڑی کے آس پاس کھڑے ہجوم پر دوڑائی تو اسے اپنے بہت قریب کھڑکی سے باہر فیضان ہاتھ ہلاتا ہوا نظر آیا۔ اس کے چہرے پر بلا کی اداسی و مایوسی تھی۔ علیمہ ایک دم سے چونکی اور سنبھل کر مسکرائی اور رینگتی ہوئی گاڑی سے باہر ہاتھ نکال کر سب کو ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہنے لگی۔

☆☆☆

''مرنا اتنا آسان ہوتا تو تم میری گاڑی کے نیچے آکر اپنی جان دے دیتے، بے وقوف کہیں کے۔'' وہ سسرال میں پہنچ کر اس قدر سنبھل چکی تھی کہ اسے فیضان دھوکے باز اور جھوٹا نظر آنے لگا تھا۔ دل نے بھی گواہی دی اور ذہن نے بھی مثبت جواب دیا تھا۔

شیراز صرف تین دن اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ گزار کر کینیڈا روانہ ہوگیا تھا اور علیمہ بے چینی سے ویزے کا انتظار کرنے لگی۔ دن، ہفتوں، مہینوں کا روپ دھارتے چلے گئے لیکن ویزا نہ آیا۔ اب تو والدین اور سسرال والے بھی پریشان ہو کر ہر روز شیراز سے سوالات کرنے لگے۔ وہ بھی اِک گھاگ انسان تھا۔ ہر بار کوئی نہ کوئی نیا بہانہ نئی مجبوری ان کے گوش گزار دیتا۔ ان ہی چالبازیوں میں تین سال بیت گئے تو علیمہ کے گھر والے اسے اپنے گھر لے آئے، شومئی قسمت کہ ایک ہفتے بعد ہی علیمہ نے طلاق نامہ وصول کرتے ہی فیضان کو پکارا۔

''تم نے کہا تھا کہ مجھے آواز دے لینا...... مجھے اس کا جواب دو۔'' آخر علیمہ نے وقت گزاری کے لیے موبائل کی ایک کمپنی میں جاب کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ انٹرویو کے لیے وہاں پہنچی تو ڈائریکٹر کے آفس میں سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص کو حیرت سے دیکھنے لگی۔ جس کی پشت اس کی طرف تھی، اس کی اس بدتمیزی پر دل نے اسے خوب لعنت ملامت کی مگر اس وقت خاموش رہنا علیمہ کی مجبوری تھی جونہی اس نے اسی طرح رخ موڑے ہوئے پہلا سوال نہایت خود اعتمادی سے انگریزی میں کیا تو علیمہ ایک دم سے اس کے سامنے آگئی۔

''فیضان تم...... آئی ایم سو ہیپی ٹو سی یو ہیئر......'' وہ اس کی آواز و لہجے کو کیسے بھول جاتی۔

''سب تمہاری عنایات و نوازشات ہیں علیمہ،

مجھے اپنانے سے لے کر ٹھکرانے تک کی مہربانیوں اور احسانات کا تہ دل سے شکریہ بجالاتا ہوں تمہاری زندگی سے تو میں نکل گیا لیکن تم نہ تو میرے قلب کے چار حصوں سے نکلیں نہ ہی ذہن کے بند دریچوں سے اور نہ ہی میری زندگی کے اداس، غمگین اور کامران وشادماں لمحوں سے...... آج بھی تم اسی طرح محبتوں اور چاہتوں کے حسین مرغزاروں میں شانِ بے نیازی سے براجمان ہو۔''

علیمہ اس اتفاق پر حق دق اسے دیکھے گئی اور اس کے کانوں میں فیضان کے الفاظ جو آخری ملاقات میں اس نے کہے تھے بازگشت بن کر گونجے۔

''تمہیں ایک دن میری سچی اور بے لوث محبت کا یقین ضرور آئے گا۔ جب تم دنیا کے ہزاروں چہروں کو دیکھو گی تو میرا بھی ایک چہرہ جس پر وفا، سچائی اور محبت کی مہر ثبت ہے، تمہارے سامنے ہوگا اور اس وقت بھی اس میں تم کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گی۔'' آج وہ نظریں جھکائے کسی مجرم کی طرح اس کے کٹہرے میں کھڑی تھی، وقت اسے اتنا بڑا سبق سکھائے گا اس نے تو کبھی سوچا تک نہیں تھا۔

''اتنے بڑے باپ کی بیٹی اور اِک مالدار امیر و کبیر شوہر کی بیوی کو نوکری کی ضرورت کیونکر محسوس ہوئی۔ بہت حیران ہوں بلکہ پریشان ہوگیا ہوں جب سے تمہاری CV دیکھی ہے میرا چین وسکون اڑ گیا ہے۔'' وہ طنز وفکر کے امتزاج میں بولا۔

''نوکری کی ضرورت کیوں پڑی؟ ظاہر ہے...... وقت گزاری کے لیے......'' وہ منمنائی۔

''کیوں ویزا نہیں پہنچا؟'' وہ اضطراری کیفیت میں بولا۔

''کچھ ایسا ہی مسئلہ ہے، کینیڈین گورنمنٹ کی پالیسز آئے دن بدلتی رہتی ہیں۔'' وہ متذبذب لہجے میں بولی تھی۔

''دنیا والوں کے دلوں کی پالیسز بھی حالات واقعات اور حادثات کے مطابق بدلتی رہتی ہیں، کیا ایسا کبھی محسوس کیا ہے تم نے کہ تم اب بھی فینٹسی کی دنیا کی باسی ہو؟ دیوتا مل بھی گیا اور تین دن بعد بچھڑ بھی گیا پوجا میں تو کوتاہی نہیں ہوئی ہوگی کیونکہ ہم اپنے رب کی بن دیکھے عبادت تو کرتے ہیں ناں......'' وہ کاٹ دار سنجیدگی سے بولا اس کے لہجے کی کاٹ اسے چبھی جا رہی تھی۔

''جی...... مگر تم مجھ سے ایسی باتیں کیوں پوچھ رہے ہو، پلیز ذاتیات سے ہٹ کر بات کرو۔'' وہ قدرے زچ ہو کر بولی۔ ''میں یہاں انٹرویو کے لیے آئی ہوں، مجھے نہیں پتا تھا کہ تم اس سیٹ پر بیٹھے ہوگے۔ میں جان گئی ہوں کہ اب تم مجھ سے بدلہ لوگے...... آخر نکلے ناں تم گھٹیا انسان...... احسان فراموش اور خود غرض...... میں نے تمہیں صحیح پہچانا تھا۔''

''سوری، سوری...... میرا مقصد تمہیں زچ کرنا یا شرمندہ کرنا ہرگز نہیں تھا۔ بس اتنا کہنا چاہوں گا کہ مجھے آج بھی تمہارا بے چینی سے انتظار ہے۔ دنیا کو تم نے بھی لیا ہوگا اور خوب پرکھ بھی لیا ہوگا جو شوہر اپنی نئی نویلی دلہن کو اوائل دنوں میں ہی چھوڑ کر غائب ہوجائے اور دلہن اس کی وفا اور پیار پر بھروسا کیے شب وروز اس کی راہ تکتی رہے اور اس کی ہر بات پر مکمل اعتبار کرتے ہوئے چار سال گزار دے پھر بھی حاصل کیا ہوا؟ مجھے آج کے اس انٹرویو کا ایک ہی سوال کا جواب دو کہ بے وقوف، نادان، پاگل اور اناڑی کون ٹھہرا؟''

''میں علیمہ تمہاری محسن۔'' وہ نظریں جھکائے، جھکائے بولی۔

''گڈ...... کل سے تم ہمیں جوائن کرسکتی ہو، مبارک ہو۔'' وہ ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر بولا۔

''اب مجھے نوکری کی ضرورت نہیں رہی، آپ کی نوازش کا شکریہ...... آج مرض کی دوا کو سمجھ گئی ہوں۔'' علیمہ نے اپنا سرد اور کانپتا ہوا ہاتھ اس کے ہاتھوں میں دے کر بہ مشکل کہا۔ یک دم اِک مردانہ قہقہہ اور نسوانی دبی ہوئی ہنسی آفس کی فضا میں جلترنگ بکھیرنے لگی۔

# سزا

سنبل





میری اور شہرام کی دوستی بڑی عجیب نوعیت کی تھی۔ ہمیں ایک دوسرے کے دکھ، پریشانی، رنج کی طرح ایک دوسرے کی خوشی، مسرت اور شادمانی بھی فوراً پتا چل جاتی تھی۔ ہمارا رشتہ صرف دوستی کا تھا اور وہ میری خالہ کا سسرالی رشتے دار تھا یوں ہم میں کوئی بلڈ ریلیشن نہیں تھا۔ سارہ خالہ، میری خالہ تھیں اور ان کے میاں یعنی میرے مہران خالو اس کے چچا تھے۔ یعنی میرا تعلق سارہ خالہ کے میکے سے اور اس کا تعلق ان کی

سسرال سے تھا۔ بچپن سے تقریبات میں ملنا جلنا تھا۔ اور شاید میری کیمسٹری اس سے ملتی تھی کہ ہم دونوں قریب آتے چلے گئے۔

اب ہم میں دانت کاٹے کی دوستی تھی۔ اسکول کی سطح تک تو ہم مجبور تھے مگر انٹر میں ہم نے ایک ہی کالج میں ایڈمیشن لیا۔ کالج میں بھی ہماری دوستی مشہور تھی۔

یوں تو ہمارے گروپ میں کئی لڑکے شامل ہوئے مگر ہم دو ہی ایک دوسرے کو کافی تھے۔ اور اس کے بعد یونیورسٹی اور جاب...... جابز گو کہ الگ، الگ کمپنیز میں ملی تھیں مگر اب ہمیں ملنے کا کوئی مسئلہ نہیں تھا، ہم ہر ویک اینڈ ساتھ گزارتے تھے۔

اور جب اس نے مجھے مناہل سے محبت کا بتایا تو میرا دل کرلایا تھا، میرا دل چاہا کہ اسے منع کروں... مگر میرے دل نے سرزنش کی کہ نہیں۔

''منا ہل ایسی تھی کہ ہر کوئی اسے پسند کرتا تھا مگر شہرام کو اس سے محبت ہے اور مجھے منا ہل صرف پسند ہے، پسند بدل سکتی ہے مگر محبت تو محبت ہوتی ہے۔ وہ کیسے بدل سکتی ہے اور اپنی پسند کے لیے دوستی جیسے لازوال جذبے کو چھوڑ دینا حماقت ہے۔'' سو میں نے خود کو سنبھال لیا۔

منا ہل، سارہ خالہ کی بیٹی تھی اور اپنے بہترین اوصاف کی بنا پر خاندان میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ سارہ خالہ نے اپنے تمام اوصاف اس میں بھر دیے تھے اور پھر اس پر مستزاد اس کی بے پناہ خوب صورتی، وہ ہر ماں اور اس کے بیٹے کی نظر میں تھی۔

مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے، اس دن ویک اینڈ ہی تھا اور اس دن شہری میرے پاس آیا تھا۔ خوشی اس کے چہرے سے، اس کے انداز، اس کے میری جانب بڑھتے ہر قدم، اس کی باڈی لینگویج سے ظاہر ہو رہی تھی۔ میں اپنے آفس میں تھا اور آج کام کا لوڈ بھی زیادہ تھا مگر اسے دیکھ کر ایک فطری سی خوشی میرے وجود میں اتر آتی تھی۔ اب بھی اسی خوشی نے مجھے اپنے حصار میں لیا۔ اسے پانی پلانے کے بعد میں نے اپنے لیے پانی نکالا اور پانی لبوں تک لے جانے سے پہلے پوچھا۔

''کیا بات ہے، بڑے خوش ہو کوئی لاٹری نکل آئی ہے؟'' میں نے شوخی سے پوچھا۔

''لاٹری ہی سمجھو یار! مجھے محبت ہوگئی ہے۔ آئی ایم ان لو یار۔'' وہ خوشی، خوشی بولا۔

''ہائے کون ہے وہ بدنصیب۔'' میں نے اسے چھیڑا۔

''اس کا تو نہیں پتا کہ وہ بدنصیب ہے یا خوش نصیب ہاں مگر میں بڑا خوش نصیب ہوں۔'' وہ سرشار سا بولا۔

''پھوٹے منہ سے کہہ کون ہے وہ۔'' میں نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

''بوجھو تو جانیں۔'' وہ مزے سے گنگنایا۔

''تیری ملازمہ، بشیراں کی نکی وچی لاڈو.... یا علاقے کی بھنگن بسنتی کی کلو۔'' میں نے اسے پھر چھیڑا اور دھپ رسید کی۔

''نہ...... نہ میرے یار، نہ بشیراں کی لاڈو اور نہ بسنتی کی کلو بلکہ ہمارے چاچے کی منا ہل......'' وہ بغیر چڑے بولا۔ اور میرا دل کرلایا۔ دل نے سرزنش کا کہا اور دماغ نے دل کی سرزنش کی اور میں نے دوستی کا ہاتھ تھام لیا۔

☆☆☆

مما کو پتا چلا کہ شہری کے گھر والوں نے اس کے لیے منا ہل کو پسند کرلیا ہے تو انہوں نے میرے لیے لڑکیاں دیکھنا شروع کردیں اور سیما کو میرے لیے پسند بھی کرلیا، ان کا خیال تھا کہ دونوں دوستوں کے سروں پر سہرا ساتھ سجنا چاہیے۔ اور ہوا بھی یونہی ہم دونوں ڈیڑھ مہینے کے فرق سے کنواروں کی لسٹ سے پروموٹ ہو کر شادی شداؤں کی لسٹ میں شامل ہوگئے۔

سیما میرے لیے بہت اچھی بیوی ثابت ہوئی۔ میں نے دوستی کا ہاتھ تھاما تو خدا نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ شاید منا ہل کا نہ ملنا روگ بن جاتا اگر مجھے سیما نہ ملتی۔

وہ ہم سب کے لیے بڑی اچھی ثابت ہوئی۔ وہ اچھی بہو، اچھی بھابی اور اچھی بیوی تھی اور جب ماں بنی تو ماں بھی بہترین تھی۔ اور خوب صورتی اس کی ایکسٹرا کوالٹی تھی۔ اس نے مجھے اور میرے گھر والوں کو اپنی محبت سے سمیٹ لیا اور قدرتی طور پر مجھے اس سے محبت ہوگئی۔ اس میں میری کسی شعوری کوشش کا دخل نہیں تھا۔

ہم دونوں دوستوں کی دوستی ویسے ہی برقرار رہی بلکہ ہماری دوستی کی طرح مناہل اور سیما کی بھی آپس میں خوب بننے لگی تھی مناہل یوں بھی مما کو شروع سے پسند تھی، وہ گھر آتی تو وہ خوش ہوتی تھیں اور جب سیما اور مناہل کی دوستی ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئیں۔ سیما کی تو یوں بھی انہیں ہر بات پسند تھی اس کے لیے مجھے جھاڑ پڑ جاتی تھی۔ ہاں، ہاں مذاق نہیں ہے آئی ایم سیریس...... بہو کی وجہ سے بیٹے کو ڈانٹ، ہے ناں تعجب کی بات۔

شادی کے سال بھر بعد ہی میں ایک خوب صورت اور صحت مند بیٹے کا باپ بن گیا۔ مناہل اور شیری آئے تھے مبارک باد دینے۔ اور میں نے اس کے منہ میں گلاب جامن باقاعدہ ٹھونستے ہوئے کہا تھا کہ ”اب تمہارے گھر بیٹی آنی چاہیے اور وہ میرے بیٹے کی دلہن بنے گی۔“ تو وہ باقاعدہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا مگر مناہل نے شرما کر سر جھکا لیا۔

مگر پھر اس سال نہ صرف بلکہ اس سے اگلے چار سال تک..... بھی وہ والدین کے عہدے پر فائز نہ ہوسکے۔ حالانکہ وہ ہر لحاظ سے صحت مند تھے۔ انکل اور آنٹی نے حج کا ارادہ باندھا، ان کا ارادہ دربارِ خدا میں اپنی عرضی پہنچانے کا تھا۔ وہ دونوں حج کے لیے روانہ ہوگئے۔ آنٹی حج کے دوران گریں اور پھر حج کراؤڈ میں سنبھل نہ سکیں اور ان کا انتقال ہوگیا۔ انکل حج کے بعد آنٹی کی ڈیڈ باڈی کے ساتھ پاکستان آئے۔

آنٹی کی تدفین کے دوران ہی مناہل پر انکشاف ہوا کہ خدا کی رحمت اس پر نازل ہوچکی ہے۔ یعنی آنٹی کی دعا قبول ہوگئی تھی۔ خانۂ کعبہ میں ان کی دعا رد نہیں کی گئی تھی، ان کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی لاج رکھ لی گئی تھی۔ آنٹی اور انکل میں بڑی محبت تھی وہ آنٹی کے بعد محض چار ماہ زندہ رہے اور وہ بھی راہیِ ملکِ عدم ہوئے۔ شیری کی تینوں بہنیں اپنے گھر کی تھیں۔ یوں گھر میں وہ دونوں ہی تنہا رہ گئے۔ آنٹی کے انتقال کے پورے نو ماہ بعد شیری کے گھر میں ایک صحت مند بچی نے جنم لیا، یہ بچی میرے ساحر سے پانچ سال چھوٹی تھی اور اس دوران میں دو اور بچوں سائر اور مائرہ کا باپ بن چکا تھا۔

اس بچی کا نام میں نے ہی ساحرہ رکھا کیونکہ یہ پہلے سے طے شدہ امر کے مطابق میرے ساحر کی ہونے والی دلہن تھی۔

ان دونوں کو حسبِ معمول کوئی اعتراض نہیں تھا مگر اس بچی کی پیدائش کے بعد سے مناہل مسلسل بیمار رہنے لگی اور ابھی ساحرہ دو سال کی تھی کہ پتا چلا خدا ایک بار پھر ان پر مہربان ہوگیا ہے۔ اس بار مناہل کی طبیعت اتنی بگڑ جاتی تھی کہ اسے مہینے میں ایک آدھ بار ضرور hospitalized ہوکر پڑتا تھا۔ اس کی ڈیو ڈیٹ سے تقریباً دو ہفتے پہلے اچانک اس کا بی پی بہت ہائی ہوگیا، وہ گھر میں اکیلی تھی۔ اس نے شیری کے موبائل پر اطلاع دی۔ شیری کو پہنچنے میں دیر ہوگئی۔ جب وہ پہنچا تو وہ بے ہوش پڑی تھی، وہ بڑی مشکل سے اسے لے کر اسپتال پہنچا، ڈاکٹرز نے بھی سرتوڑ کوشش کی مگر وہ ماں کو بچا سکے نہ بچے کو۔ شیری کی تو دنیا ہی اندھیر ہوگئی۔

☆☆☆

مناہل کیا گئی اس کی تو دنیا ہی اندھیر ہوگئی۔ اسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے، اتنی چھوٹی بچی کا ساتھ، گھر داری اور آفس کس طرح مینج کررہا تھا وہی جانتا تھا اور اس کا خدا۔ وہ اکثر مجھ سے کہتا۔ روزانہ ساحرہ کو اسکول تیار کروا کر بھیجنا، واپسی میں وہ اپنی نانی کے گھر اترتی تھی، وہ اسے شام کو آفس سے واپسی پر پک کرتا تھا پھر گھر آ کر کھانے وغیرہ کی تیاری، وہ گھن چکر بن کر رہ گیا تھا۔

اور ایسے میں سب کے دوسری شادی کے دل جلا دینے والے مشورے..... مناہل سے اس نے بلاشبہ ٹوٹ کر محبت کی تھی۔ اسے اس کے سوا کوئی نہیں چاہیے تھی۔ اور وہ حالات سے ہار ماننے کو تیار بھی نہیں تھا مگر پھر ایسے حالات ہو گئے کہ وہ یہ کڑوا گھونٹ پینے پر مجبور ہو گیا۔

ہوا یوں کہ ایک تو جب وہ ساحرہ کو گھر لاتا تو وہ ضد کرتی کہ وہ اب نانی کے گھر نہیں جائے گی اور دوسرے سارہ چچی بھی اسے دبے لفظوں میں کہنے لگی تھیں کہ ”ساحرہ کو یہاں نہ بھیجا کرو۔“ اور جب اس نے استفسار کیا تو وہ پھٹ پڑیں۔

”بیٹا اب یہ گھر بیٹوں کا ہے، جب یہاں ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے، ہم بڈھا، بڑھیا ان کی نظروں میں کھٹک رہے ہیں تو تم سوچو ساحرہ کا کیا حال کرتے ہوں گے۔ ان کے بچے اگر ساحرہ کو مارتے ہیں تو سب نظریں چرائے رہتے ہیں اور اگر وہ جواباً مار دے تو سب اس پر چڑھ دوڑتے ہیں، اس بن ماں کی بچی کو مارتے ان کے ہاتھ بھی نہیں ٹوٹتے۔ وہ مسکین جس کی آہوں سسکیوں سے آسمان ہل جاتا ہے، فرشتے کانپتے ہیں اس مسکین کو مارتی ہیں میری بہوئیں اور مغلظات الگ بکتی ہیں۔ ہم کچھ کہیں تو ہمارے بھی لتے لینے لگتی ہیں اس ظلم سے بہتر ہے تم اس پر سوتیلی ہی سہی ماں لے آؤ۔“ وہ بولتے، بولتے رو رہی تھیں۔

”کم از کم اپنے گھر تو آرام سے رہے گی۔“ وہ دوبارہ گویا ہوئیں اور اس نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔

کم از کم وہ اپنی چار سال کی معصوم بچی پر اس قسم کا ظلم و ستم برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

☆☆☆

لڑکی بھی مناہل کی بھابیوں نے ہی ڈھونڈی وہ جلد از جلد ساحرہ سے جان چھڑا لینا چاہتی تھیں اور ان دنوں اس کا زیادہ وقت میرے ساتھ کٹنے لگا تھا۔ جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ہم بن کہے ایک دوسرے کے دل کی بات جان جاتے تھے، وہ میرے پاس اپنا غم غلط کرنے آتا تھا اسے لگتا تھا کہ وہ مناہل سے بے وفائی کر رہا ہے مگر میں نے اسے سمجھایا کہ یہ بے وفائی نہیں ہے عورت اس کے گھر کی ضرورت ہے۔

صائمہ پہلے سے طلاق یافتہ تھی، شادی کے تین سال بعد تک وہ ماں نہیں بن سکی تو اس کے پہلے شوہر نے اسے طلاق دے دی تھی۔

شہرام پہلے ہی دن اسے اس کے فرائض روایتی مردوں کی طرح بتانے نہیں بیٹھ گیا۔ نہ ہی اسے یہ احساس دلانے بیٹھا کہ وہ اس گھر میں بطور گورنس لائی گئی ہے۔ اس کا ذاتی خیال تھا کہ اس طرح سے عورت کی انا کو ٹھیس پہنچتی ہے اور وہ پھر کتنے ہی اچھے جذبات کے ساتھ کیوں نہ آئی ہو اس کے اندر نفرت پنپنے لگتی ہے اور وہ انتقامی ہو جاتی ہے۔

اس نے صائمہ اور ساحرہ کی ملاقات کروائی۔ انہیں ایک دوسرے کا رشتہ باور کرایا اور پھر ساحرہ کو اپنے دوست نوید اور اس کی بیوی سیما کے ساتھ بھیج دیا اور اس تمام عمل کا بڑا اچھا اثر پڑا۔ صائمہ نے بڑے کھلے دل سے ساحرہ کو قبول کیا، وہ دونوں دنوں میں گھل مل گئیں اور اس کے اپنے اندر بھی مناہل کی جدائی کا غم کم ہو گیا۔ مرد کو اگر گھر کا سکھ ملے تو وہ ہر چیز بھول جاتا ہے۔ ایسا اس کے ساتھ بھی ہوا۔ ایک سال کہاں گیا پتا ہی نہیں چلا۔

ان دنوں صائمہ کی طبیعت گری، گری سی رہنے لگی تھی، چیک اپ کروانے پر پتا چلا کہ خدا ان پر ایک بار پھر مہربان ہو گیا ہے۔ صائمہ کی اور اس کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا مگر ساحرہ پر اس کا بالکل جدا اثر پڑا۔ وہ چڑچڑی ہو گئی۔ بات، بات پر ضد کرنے لگی۔ صائمہ سے بھاگنے لگی اور اس سے کوئی چیز نہیں لیتی۔ اس سے بدتمیزی کرتی، بیڈروم میں بھی اس کی یہی ضد ہوتی کہ انہیں یہاں سے ہٹائیں۔ دنوں میں اس نے دونوں کو زچ کر کے رکھ دیا تھا۔ ایسی صورتِ حال نے اسے پریشان کر دیا۔ پر ایسی صورت میں صائمہ کا صبر، برداشت غضب کا ہوتا تھا۔ وہ ساحرہ کو بہلاتی تھی۔ کا

مناتی بھی پاس بلاتی تھی مگر پھر وہ انتہائی بدتمیزی کرتی، ادھر صائمہ پر یگنینسی کی علامات سے سفر کررہی تھی۔ الٹیاں، متلی اور کمزوری، چڑچڑاپن اس میں آنا چاہیے تھا مگر الٹا ہی ہورہا تھا۔

شہرام نے ساحرہ کو باہر لے جانا زیادہ شروع کردیا مگر گھر سے باہر وہ خوش رہتی اور گھر آکر پھر وہی رویہ ہوتا تھا۔ اس نے ساحرہ کو کتابیں، اسٹوری بکس اور انڈور گیمز لا کر دیے...... مگر بات نہیں بنی۔

اور حسبِ معمول شہرام فوراً میرے پاس پہنچا اور اس کی توقع کے مطابق میرا پہلا سوال تھا۔

''کوئی پریشانی؟'' وہ ٹھنڈی سانس بھر کر میرے سامنے بیٹھ گیا اور پھر اس نے ساری بات مجھے کہہ سنائی۔

''مجھے لگتا ہے وہ اپنی ماں کو مس کرنے لگی ہے۔'' شہری نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''ہونہہ جب اس نے اپنی ماں کو کھویا تھا، وہ محض پونے تین سال کی تھی۔ لکھ لے کسی چیز پر اگر کسی نے بتایا نہیں ہوگا تو اسے پتا بھی نہیں ہوگا کہ صائمہ اس کی ماں نہیں ہے۔'' میں نے کہا تب ہی سیما کافی اور اسنیکس لے آئی۔

''سوچتا ہوں اسے اس کی نانی کے پاس چھوڑ دوں۔'' شہری نے بیزاری سے کہا۔

''یعنی ماں اس سے قدرت نے چھین لی ہے تو اپنی حرکتوں سے اس سے باپ بھی چھین لے۔'' میں نے طنزیہ کہا۔ ''اور تو نے بتایا ہی تھا کہ نانی کے ہاں اس کے ساتھ کیا ہوتا تھا۔ اس سے تو بہتر ہے تو اس کا گلا گھونٹ دے دونوں طرف کا کانٹا نکلے گا۔'' میں غصے سے بولا اور سیما نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ مجھے کول ڈاؤن کردیا۔

''تو پھر کیا کروں یار؟ صائمہ کی الگ طبیعت خراب ہے، وہ اس حالت میں بھی اس کا خیال رکھتی ہے مگر اس کے نخرے ہی ختم نہیں ہوتے۔'' شہری نے تھکے، تھکے لہجے میں کہا۔

''تو ایک کام کیوں نہیں کرتا؟'' میں نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ اس نے ترنت پوچھا۔

''کیا؟''

''تو صائمہ کو کیوں چیک نہیں کرتا۔'' میں آرام سے بولا۔

''تیرے کہنے کا کیا مطلب...... کیا صائمہ......؟'' اس نے بات درمیان میں چھوڑ دی۔

''ہاں، میرے کچھ کہنے کا یہی مطلب ہے۔ کیونکہ ایک پانچ سالہ بچہ معصوم ہوتا ہے، دنیا وی آلائشوں سے پاک وہ وہی ردِعمل ظاہر کرتا ہے جیسا اس کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جیسا سلوک اس کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ ورنہ تمہاری شادی کے بعد کا پورا ایک سال تمہارے سامنے ہے۔ اور اس معصوم کو الہام نہیں ہوا یا خواب نہیں آیا کہ تمہارے گھر کوئی ننھا مہمان آنے والا ہے۔'' میں نے اچھے خاصے اس کے دماغ کے کیڑے جھاڑے اور اس کی سوچ کو ایک نئی راہ دی۔

''کسی کی ماں بننا آسان کام نہیں ہے۔ صرف ساحرہ کو ہی نہیں، بھابی کو بھی چیک کر میرے یار دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔'' اور وہ کچھ سوچتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

اگلے ہی ہفتے رات کو ساحرہ نے بہت پریشان کیا اور صبح صائمہ کی طبیعت میں کسلمندی اور کمزوری تھی اور اسی دن شہری نے اپنے پروگرام پر عمل کرنے کا پلان بنایا تھا۔ اس نے سب سے پہلے صائمہ کو منع کردیا کہ وہ نہ اٹھے، آرام کرے اس نے ساحرہ کو تیار کرکے اسے ناشتا کروا کر اسکول روانہ کیا پھر اپنا اور صائمہ کا ناشتا لے کر روم میں آگیا اور اس کے ساتھ مل کر ناشتا کیا۔

''کیا چھٹی کا ارادہ ہے؟'' اس نے بڑے ناز سے پوچھا۔

''چھٹی کا کیا فائدہ تم تو بیمار ہو؟'' اس کی بات پر وہ شرما گئی اور دھنک کے ساتوں رنگ اس کے چہرے پر بکھر گئے۔

''بس تمہیں اٹھنے کی ضرورت نہیں ہے، آرام

کرنا دوپہر میں فریج سے نکال کر کچھ کھالینا رات
کا کھانا میں لیتا آؤں گا۔'' وہ تیار ہوا اور باہر نکلتے
ہوئے اس کے ماتھے پر پیار کیا اور اس سے کہا۔
''او کے باس......'' وہ طمانیت سے مسکرادی۔
باہر آکر شہری نے گاڑی اسٹارٹ کی اسے تھوڑا
سا آگے بڑھا کر واپس اس کی جگہ پر لایا اور بند کردی
اور اس کے بعد اتر کر آہستہ سے دروازہ بند کر کے اندر
آیا اور پھر گھر کے پچھلے حصے میں واقع ڈرائنگ روم کے
پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوگیا جو اس نے صبح ہی
کھول دیا تھا۔ اور اسے اندر سے بند کرلیا۔
پھر اس نے موبائل نکال کر صائمہ کو رنگ کیا اس
نے فون فوراً ہی ریسیو کرلیا۔
''صائمی جان! میں گاڑی چھوڑ کر جارہا ہوں
کچھ مسئلہ کررہی ہے۔''
''اچھا ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا اور فون بند
کردیا۔
گھر کے ٹی وی لاؤنج اور ڈرائنگ روم کے
درمیان ایک سلائڈنگ گلاس ڈور تھا اور لاؤنج میں ایک
جانب بنا ہوا کاؤنٹر کچن تھا گلاس ٹنڈ تھا اس نے سلائڈنگ
.... ڈور کو ہلکا سا کھسکا دیا معمولی سا کہ ... باہر سے
اندازہ بھی نہ ہو اور گلاس ڈور پر سے پردہ تھوڑا سا ہٹا
دیا۔ ڈرائنگ روم میں اندھیرا ہونے کے باعث لاؤنج
سے ڈرائنگ روم کے اندر دیکھنا ممکن نہیں تھا مگر
ڈرائنگ سے لاؤنج بخوبی نظر آرہا تھا۔
تقریباً اسے بیٹھے ہوئے دس منٹ ہی ہوئے تھے کہ
صائمہ بالکل فریش اندر سے نکل کر باہر لاؤنج
میں آگئی۔ اس وقت وہ تھکن اور کسلمندی جس کا وہ صبح
سے مظاہرہ کررہی تھی، اس میں کہیں نہیں پائی جارہی
تھی۔ اس نے باہر آکر فریج سے جوس نکالا اور کچن
میں جا کر انڈا فرائی کیا۔ بریڈ اور مارجرین لیا اور
ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر ناشتا کرنے لگی حالانکہ ابھی اس
کے سامنے اس نے بڑے نخروں سے ایک سلائس اور
ایک بوائل انڈا لیا تھا۔ اور اب بڑی رغبت سے بیٹھی
ناشتا کررہی تھی۔ پھر اس نے جوس کے دو گلاس بھر کر
پیے تھے جبکہ ایک گلاس اس کے سامنے فلیورڈ ملک کا
رکھا ہوا تھا۔ شہری کو دیکھ کر تکلیف ہوئی۔ اس لیے نہیں
کہ وہ کھا رہی تھی، اچھا اور زیادہ کھانا اس وقت اس کی
ضرورت تھا۔ تکلیف یہ ہوئی کہ اس کے سامنے وہ ہمیشہ
بہت کم کھاتی تھی۔ اور شکایت کرتی تھی کہ اس سے کھایا
نہیں جاتا اسے متلی ہوجاتی ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر کہتی تھی
کہ کھایا ضرور کرو چاہے vomit out کردو۔ مگر وہ
کسی بات کو نہیں مانتی تھی۔ اور جوس پینے کو کہتا تو بیچارہ سا
منہ بنا کر کہتی کہ وہ تو ساحرہ چھوڑتی ہی نہیں ہے۔ اور
دودھ بقول اس کے اس کا تو ذائقہ ہی بہت برا لگتا
ہے۔ اور اب نہ کسی چیز کا ذائقہ برا تھا نہ vomiting
کی شکایت تھی۔ اور نہ ہی جوس کی کمی تھی۔ ناشتے سے
انصاف کے بعد اس نے فون سنبھال لیا۔
تھوڑی دیر سلام و دعا اور حال احوال دریافت
کرنے کے بعد وہ دوسری طرف کی بات سننے لگی۔ اور
پھر جو بولی تو لہجہ بڑا زہریلا تھا۔
''وہ...... اس کی بادشاہت بس اس کے باپ
کے سامنے تک کی ہے۔ ان کے پیچھے میں اسے اس کی
اوقات پر رکھتی ہوں۔'' اور پھر یہ جاننے کی ضرورت
ہی نہیں تھی کہ وہ یہ بات کس کے لیے کہہ رہی تھی۔
''ہاں مما......! آپ فکر مت کریں، اس کی یہ
چند گھنٹے کی بادشاہت کا بھی خاتمہ ہونے والا ہے۔ الٹرا
ساؤنڈ سے پتا چلا ہے کہ بیٹا ہے مگر میں نے شہری کو ابھی
بتایا نہیں ہے۔ جب ان کی گود میں بیٹا آئے گا تو یاد ہی
نہیں رہے گا کہ کسی مناہل نے کسی ساحرہ کو جنم دیا تھا۔''
وہ نفرت سے بولی۔
''ارے مما! آپ اس کی تو فکر مت
کریں، ڈائیٹ کا تو میں خود خیال رکھتی ہوں۔ اور ہر
چیز کا ڈھیر لگا کر رکھتے ہیں شہری، دودھ، جوس، پھل،
انڈے، مچھلی، چکن، مکھن، اسنیکس اور فروزن آئٹم ہر
چیز ہر وقت دستیاب ہوتی ہے۔'' اب اس کے لہجے سے
شہد ٹپک رہا تھا۔

"کوئی بے وقوف سمجھا ہے مما! بالکل اندازہ نہیں ہونے دیتی کہ میں کھاتی ہوں، سب ماسی اور ساحرہ کے حصے میں ڈال دیتی ہوں۔ ان کے سامنے کم کھاتی ہوں اور بھوک نہ لگنے کی شکایت کرتی رہتی ہوں، وہ تو خود فکر مند رہتے ہیں میرے پراپر ڈائیٹ نہ لینے سے۔" وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

"ہاں مما! بتایا ہے ناں، کوئی مسئلہ نہیں ہے، ماسی سارا کام کر جاتی ہے۔ شام میں ایک عورت آ کر کھانا وغیرہ پکا جاتی ہے اور میں آرام کرتی ہوں اور اس مہارانی کے دماغ کے کیڑے جھاڑتی ہوں۔" وہ بڑے مزے لے کر بولی۔

"کہاں مما! یہی تو کمال ہے آپ کی بیٹی کا، شہری کے سامنے بھی میں مظلوم اور وہ بدتمیز، ضدی اور گستاخ ہے۔" وہ گہری مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"پتا نہیں مما! میرے سامنے تو یاد نہیں کرتے بلکہ میرے ممنون ہی رہتے ہیں کہ میں نے ان کے گھر اور بیٹی کو بڑا اچھا سنبھالا ہوا ہے۔ اور مما اگر یاد بھی آتی ہوگی تو بیٹا گود میں آتے ہی وہ سب بھول جائیں گے۔ اچھا مما اب میں بند کرتی ہوں جا کر آرام کروں گی۔" اس نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا ایک اور منافقت۔ وہ اگر شہری کے اصرار پر کچھ کھا بھی لیتی تو پھر لیٹتی نہیں تھی پھر اسے واک پر لے جانا پڑتا تھا۔ فون بند کر کے گنگناتی ہوئی وہ بیڈ روم میں چلی گئی۔ تقریباً گیارہ بجے کے قریب ماسی آ گئی اور وہ پورے گھر کی صفائی کرنے لگی۔ ڈرائنگ روم کی بس ہفتے میں ایک آدھ بار جھاڑ پونچھ ہوتی تھی یا اگر کوئی مہمان آتا تو اس دن یہاں کی صفائی ہو جاتی۔ اور یہ دونوں ممکنات آج نہیں ہوئے سو ڈرائنگ روم ماسی سے محفوظ رہا۔ ماسی کے جانے کے بعد اس نے ایک پلیٹ میں فروٹس نکالے اور کمرے میں لے گئی۔ پھر وہ ایک بجے نکلی تو اس بار اس نے اسنیکس نکالے اور ساتھ ہی جوس گلاس میں ڈالا اور کمرے میں لے گئی۔ دو بجے دروازے کی بیل ہونے لگی، بیل ہر منٹ بعد تواتر سے ہو رہی تھی اور صائمہ جان بوجھ کر آہستہ، آہستہ ٹہلتی ہوئی جا رہی تھی اس پھرتی کا نام و نشان بھی نہیں تھا جو صبح سے اس میں بھری ہوئی تھی۔ آخر اس نے دروازہ کھولا۔

"تمہارے باپ کی نوکر نہیں ہوں اور نہ ہی تمہارے انتظار میں دروازے سے چپکی کھڑی ہوتی ہوں، چھری تلے دم لیا کرو۔" وہ دروازے سے ہی اس پر چنگھاڑی۔

"بیل میں نہیں، وین والے انکل بجاتے ہیں۔ یہ ان کی ڈیوٹی ہے کہ ہر بچے کو گھر کے اندر بحفاظت چھوڑیں۔" اس نے غالباً اپنے وین والے انکل کے الفاظ دہرائے تھے۔

"اچھا، اچھا مجھے زیادہ سبق نہ پڑھاؤ اور کپڑے بدلو اور بیگ جگہ پر رکھنا۔" اس کا انداز حکمیہ تھا اور وہ نرمی اور پیار جس کا اس کے سامنے پرچار کرتی تھی مفقود تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں ساحرہ فریش ہو کر آ گئی۔ اس وقت صائمہ ٹی وی کھولے کوئی پروگرام دیکھ رہی تھی۔ سامنے فلیورڈ ملک رکھا ہوا تھا۔

"ماما! کھانا دے دیں۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"فریج میں کریلے اور ڈبل روٹی رکھی ہے مائیکرو ویو میں گرم کر کے کھا لو۔" وہ بغیر اس کی جانب متوجہ ہوئے بولی۔

"ماما! آپ کو پتا ہے مجھے کریلے پسند نہیں ہیں ان کا bitter tast ہوتا ہے مجھے اچھا نہیں لگتا۔" وہ منمنائی، صائمہ کی طرح ساحرہ کا روپ بھی اس وقت بالکل الگ تھا۔ ڈرا سہما ہوا سا۔

"نہیں پسند تو میں کیا کروں، کھانا تو وہی پڑیں گے اور نہیں کھانا تو جا کر ایسے ہی سو جاؤ۔" اور اس کا دل چاہا اس منافق عورت کا چہرہ نوچ لے جو کل اس کی بچی کو کریلے نہ کھانے پر آملیٹ نوڈلز یا پھر میکرونی بنا کر دینے کی آفر کر رہی تھی۔

"ماما مجھے بھوک لگ رہی ہے، مجھے نیند نہیں آئے گی۔" وہ پھر منمنائی۔

"بھوک لگ رہی ہے تو کریلے کھاؤ۔" وہ

استہزائیہ ہنسی اور وہ معصوم فریج کی جانب بڑھی پھر کچھ سوچ کر پلٹی۔

''ماما! مجھے بریڈ پر جام لگا دیں اور جوس یا ملک دے دیں۔'' وہ ذرا جوش سے بولی۔

''بریڈ تو ختم ہو گئی اور جوس اور ملک میرے لیے آتا ہے۔'' اس نے انتہائی سنگدلی سے کہا۔

''ماما! تھوڑا سا دے دیں۔'' اس نے بڑی بیچارگی سے اسے دیکھا۔

''قطعی نہیں۔'' وہ اسی انداز میں بولی۔

''ماما! میں آپ کی شکایت بابا سے کروں گی۔'' وہ غصے سے بولی۔

''اچھا یہ بھی کر دیکھو......'' وہ استہزائیہ ہنسی پھر ایک دم سے غصے سے پلٹی۔ ''یو بچ! تو میری شکایت اپنے باپ سے کرے گی۔'' اس نے ساحرہ کے بال اپنی مٹھی میں جکڑے اور اس کے گال پر دو زناٹے دار تھپڑ مارے اور بس پھر شہری کی برداشت سے باہر ہو گیا اور وہ ڈور کھسکا کر باہر نکل آیا۔ اور اسے دیکھتے ہی صائمہ کا چہرہ فق ہو گیا۔ جبکہ ساحرہ روتی ہوئی آکر اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔ اس نے صائمہ کو دیکھ کر تاسف سے سر ہلایا۔

''آج تم نے اپنا اعتبار ساری زندگی کے لیے کھو دیا۔ میں نے تمہیں کتنا اعتبار اور کتنا مان دیا۔ میں اپنی معصوم بچی کو بدتمیز اور ضدی گردانتا رہا مگر میں نے تم پر شک نہیں کیا اور تم دن رات میرے اعتبار، میرے مان کا خون کرتی رہیں۔ مجھے میری بچی سے متنفر کرتی رہیں۔ جب تک تم یہ سمجھتی رہیں کہ تم بانجھ ہو، تم اپنی محبتیں میری بچی پر نچھاور کرتی رہیں جیسے ہی تمہاری کوکھ بھری تم نے اسے دھتکار دیا۔ صائمہ میرے سامنے سے چلی جاؤ ورنہ بہت برا ہو جائے گا۔'' شہری نے کہا تو وہ اندر کمرے کی جانب چلی گئی اور اس نے ساحرہ کو گود میں اٹھا کر پیار کیا۔ آنسوؤں میں تر چہرہ صاف کیا۔ اور پر فریزر سے فروزن پراٹھے نکال کر توے پر ڈال کر سینکے ایک پر مارلیٹ اور ایک پر چکن اسپریڈ لگایا فریج سے جوس نکال کر گلاس میں ڈالا تو وہ جلدی، جلدی کھانے لگی جس سے اسے اندازہ ہوا کہ وہ بہت بھوکی تھی اب ہر شام اس کی چڑچڑاہٹ اور چیزوں کے لیے ضد شہری کی سمجھ میں آ گئی۔ اس طرح سے اسے ضدی ثابت کیا جا رہا تھا۔

''آپ اسکول سے آ کر کھانا نہیں کھاتیں۔'' وہ آہستگی سے اس کے بالوں کو سہلا رہا تھا۔

''ماما دیتی ہی نہیں ہیں بابا، مجھے جوس اور ملک اچھا لگتا ہے اور ماما وہ تو بالکل ہی نہیں دیتی ہیں۔'' وہ معصومیت سے بولی اور اسے اپنی بچی پر بے طرح پیار آ گیا۔ اس کے دونوں گالوں پر اس وقت بھی انگلیاں چھپی ہوئی تھیں۔ یہ میری منال کی زندہ نشانی تھی میں اس سے کیسے غافل ہو گیا۔

کھانا کھاتے ہی بچی پر نیند غلبہ پانے لگی تو اس نے اسے اس کے روم میں لے جا کر لٹایا اور خود اپنے کمرے میں آ گیا وہاں صائمہ رونے میں مصروف تھی مگر اس نے اسے نظر انداز کر دیا اور بیڈ پر آ کر لیٹ گیا، وہ دوسری جانب سے بیڈ پر آ گئی۔

''سنیے......! مجھے معاف کر دیں، میں بھٹک گئی تھی اب آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''صائمہ! پلیز اس وقت میں کچھ سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ اور اگر کچھ برا نہیں چاہتیں تو پلیز اس وقت بالکل خاموش ہو جاؤ ورنہ شاید کچھ اور برا ہو جائے گا۔'' شہری نے چڑ کر کہا اور وہ خاموشی سے اپنی جگہ لیٹ گئی۔

شام میں اٹھ کر شہری نے ساحرہ کو تیار کرایا اور اسے لے کر شام میں وہ میرے گھر آیا اور تمام روداد حرف بہ حرف سنا دی۔

''دیکھا میں نے درست کہا تھا ناں۔'' اس نے میری بات سن کر ٹھنڈی آہ بھری اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

''پھر آگے کا کیا سوچا ہے؟'' میں نے اس کے

کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

''نوید مجھے اتنا غصہ ہے کہ دل چاہ رہا ہے اسے طلاق دے کر ابھی فارغ کر دوں۔'' شہری نے غصے سے کہا۔

''ایک غلطی تو پہلے کرتا رہا بھابی پر چیک نہ رکھ کر اور ایک اب کرنے کی سوچ رہا ہے۔ بے وقوف، وہ تیرے بچے کی ماں بننے والی ہے تو اپنے بچے کو دنیا میں آنے سے پہلے بے گھر کرنا چاہتا ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا۔

''تو پھر کیا کروں؟ کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا، کیا ہر وقت ساحرہ کو ساتھ لیے پھروں، وہ عورت اب قابلِ اعتبار نہیں رہی ہے۔'' اس نے غصے سے مٹھیاں بھینچیں۔

''تو ایسا کرو ساحرہ کو ہمیں دے دو، آخر بڑے ہو کر تو بھی اسے یہیں آنا ہے۔'' میں نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''تو نے خود ہی تو کہا تھا کہ ماں اس سے قدرت نے چھین لی ہے اور باپ میں چھین لوں۔'' شہری نے مجھے میری ہی بات یاد دلائی۔

''تو پھر آگے کیا کرے گا؟'' میں نے سوال کیا۔

''کچھ نہ کچھ تو ضرور کروں گا مگر یہ طے ہے کہ صائمہ کو سزا ضرور دوں گا اور اگر وہ صرف سوتیلی ماں بن کر میری بچی کے ساتھ برا سلوک کرتی تو قابلِ قبول تھا مگر اس نے تو مجھ سے سیاست کھیلی ہے، میری بچی کے ساتھ برا سلوک بھی کرتی تھی اور اسے میری نظر میں بھی برا بنا رہی تھی۔ تمہیں پتا نہیں اپنی ہی بچی سے مجھے چڑ، نفرت سی ہونے لگی تھی۔ اور...... اور تجھے پتا ہے آج دوپہر کا کھانا مانگنے پر اس نے میرے سامنے اس کے بال پکڑ کر اسے تھپڑ مارے ہیں، جس کا فریج اور کچن چیزوں سے بھرا پڑا ہو اس کی بچی دوپہر کے کھانے کو ترسے۔ یہ سلوک ہے اس کا میری بچی کے ساتھ۔ منال کی روح کیسے تڑپتی ہوگی۔'' وہ یہ سب بتاتے ہوئے شدید آزردہ ہو گیا تھا۔

''بہر حال جو بھی کرنا سوچ سمجھ کر کرنا اور مجھے ضرور آگاہ کرنا۔'' اس نے شہری کو نصیحت کی اور اس نے سر ہلایا اور پھر وہ ساحرہ کو لے کر واپس چلا گیا۔

شہری کافی دن تک اس مسئلے پر سوچتا رہا اور آخر کار ایک حل اس کی سمجھ میں آ گیا تھا اور اس نے اس پر عمل بھی کر ڈالا۔

اب صائمہ کے علاوہ بھی اس کی ایک اور بیوی ہے ہادیہ...... اور ہادیہ کنفرم بانجھ ہے۔ یہ میرے اور اس کے مشترکہ دوست راحم کی بہن ہے اور بچپن میں ہونے والے کسی حادثے کے باعث وہ بانجھ ہو گئی ہے۔ اس کی اٹھارہ سال کی عمر میں شادی ہوئی تھی جو کہ 23 سال کی عمر میں اس وجہ سے ختم ہو گئی تھی کہ وہ ماں نہیں بن سکی تھی۔ ہادیہ، صائمہ سے زیادہ کم سن اور زیادہ خوب صورت ہے اور سب سے بڑھ کر وہ ساحرہ کو دل و جان سے چاہتی ہے۔ وہ سائے کی طرح اس کی حفاظت کرتی ہے کیونکہ وہ ماں نہیں بن سکتی، وہ اپنی پیاسی ممتا کو ساحرہ کے وجود سے سیراب کرتی ہے۔

اور دوسری جانب صائمہ ہے جو اپنے بیٹے نوفل کو گود میں لے کر بھی اپنے زخموں کو چاٹتی ہے۔ شہری کو ساحرہ آج بھی نوفل سے زیادہ عزیز ہے سو اس کا زیادہ وقت ہادیہ کے ساتھ ہی گزرتا ہے۔ لیکن شہری ناانصافی کسی کے ساتھ نہیں کرتا۔ اس کے وقت کی تقسیم عموماً برابر ہی ہوتی ہے مگر یہ بیٹیاں پتا نہیں کیوں اتنی پیاری ہوتی ہیں سب توجہ، سارا پیار سمیٹ لیتی ہیں، اس کا زیادہ وقت جو ہادیہ کی طرف گزرتا ہے، وہ ہادیہ کے ساتھ نہیں ساحرہ کے ساتھ گزرتا ہے۔ ساحرہ جو منال کا پرتو ہے جو اسے آج بھی صائمہ اور ہادیہ سے زیادہ عزیز ہے اور شہری کا جو وقت ساحرہ کے ساتھ گزرتا ہے وہ صائمہ کو کھلتا ہے کیونکہ اس کی نظر میں وہ ہادیہ کے ساتھ رہتا ہے۔

تو یہ تھی شہری کی ساحرہ کے لیے سزا...... اب فیصلہ آپ کریں، یہ سزا کہیں زیادہ تو نہیں ہو گئی۔



# ......یہ کہاں آ پہنچے کہ دل ہے

رفعت سراج

بنی اسرائیل کا سونے کا بچھڑا آج ڈالر، پونڈ، یورو، درہم و دینار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔
دل جذبات کا استعارہ ہے مگر اب وہ دل کہاں . . .
سونے کے بچھڑے میں دل بھی سونے کا ہے . . .
دل کو رو یا جاتا ہے، جگر کو پیٹا جاتا ہے . . .
کبھی ناقدروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، یاریاں ٹوٹ جاتی ہیں۔
الزام تراشیوں کا ایک طوفان بدتمیزی برپا ہو جاتا ہے۔
دل سے دل کو راہ بھی ہوتی ہے . . .
آج کا انسان یہ راہ سٹیلائٹ کے ذریعے search کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
دل اور سونے کا بچھڑا . . .
عبادات، معاملات . . .
جنتِ گم گشتہ کے بے دخل باسیوں کی ازلی کہانی . . .

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غمِ عشق گر نہ ہوتا، غمِ روزگار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

قسط 5

''عمر تو کم لگتی ہے.....خوش مزاج بھی ہے۔'' لیڈی صوفیہ رف اسکیچ پر یوں تبصرہ کر رہی تھیں جیسے اہتمام سے کھینچی گئی فوٹو کا جائزہ لے رہی ہوں۔
پرنس تعجب سے لیڈی صوفیہ کو دیکھ رہا تھا۔
''آپ نے اسکیچ سے یہ اندازہ بھی لگا لیا کہ یہ خوش مزاج ہے؟'' وہ حیرت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔
''ہر وقت مسکراتی ہے، اسی لیے تو تمہارے ذہن میں اس کا مسکراتا ہوا چہرہ بسا ہوا ہے۔''





پرنس کھڑے، کھڑے مان گیا کہ عمر اور تجربے کا کوئی نعم البدل نہیں......واقعی اس کے ذہن کے پردے پر زارا کا مسکراتا ہوا ہی تصور ابھرتا تھا۔

''آنکھوں سے لگتا ہے ذہین بھی ہو گی۔'' لیڈی صوفیہ ہنوز اسکیچ میں محو تھیں۔

''گرینڈ مام آپ نے آسکر وائلڈ کو بہت پڑھا ہے......مگر میں نے تھوڑا کم پڑھا ہے۔ آسکر وائلڈ نے ایک بہت خوب صورت بات کہی......جو میری میموری سے کبھی نہیں نکلتی......'' پرنس گہری سانس لے کر مسکرایا۔

''اوہ شیور......میں ضرور سننا چاہوں گی کیونکہ جتنا میں جان چکی ہوں اس سے زیادہ بھول چکی ہوں۔''

''آسکر وائلڈ نے زندگی کے ایک بہت حسین رخ کی طرف متوجہ کیا ہے، کہتا ہے women are met to be loved ,not to be understand (عورت پیار کرنے کے لیے ملی ہے سمجھنے کے لیے نہیں)......سو عورت کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ وہ عورت ہے۔'' پرنس نے یہ کہہ کر بہت آہستگی سے شیٹ لیڈی صوفیہ کے ہاتھوں سے لے لی۔

وہ اپنے اس اتفاق پر حیران ہوئے جا رہا تھا کہ اس نے لاشعوری طور پر جو پہلے اسکیچ بنایا تھا، وہ سفینہ کا بنا تھا زارا کا نہیں دادی چونکہ آنکھیں بند کیے ہوئے تھیں اس لیے اس نے وہ شیٹ جلدی سے اتار دی تھی اور ذہن پر اس شوخ لڑکی کا تصور لایا جس نے اس سے آٹو گراف لیا تھا یوں زارا کا اسکیچ غیر ارادی طور پر دادی کو فوری مطمئن کرنے کے لیے بن گیا تھا۔ کیا اس کے ذہن کے کسی خانے میں سفینہ تھی؟

''اُف تم نے کیا یاد دلایا...... پتا نہیں کیا، کیا recall ہونے لگا ہے۔ مجھے Maya Angelou کی ایک بات یاد آگئی۔ پرنس تمہیں معلوم ہے۔ Maya نے تقریباً سات آٹو بایوگرافی لکھی ہیں۔'' لیڈی صوفیہ نے اپنی نیند سے بوجھل آنکھوں سے پرنس کی طرف دیکھنے کی کوشش کی۔

''جی...... گرینڈ مام...... آف کورس......آپ مایا کی کوئی خوب صورت thought شیئر کر رہی تھیں۔'' پرنس نے یاد دلایا۔

''اوہ......یس......میں بات کرتے، کرتے بھول جاتی ہوں۔ ہاں، میں یہ کہہ رہی تھی کہ مایا ایک جگہ لکھتی ہے۔

A bird doesn,t sing because it has an answer, it sings because it has a song. (ایک پرندہ اس لیے نہیں گاتا کہ وہ جواب دے رہا ہے، وہ اس لیے گاتا ہے کہ اس کے پاس گانے کے لیے ایک گیت ہے)

اللہ کی ہر تخلیق کے ذمے کوئی نہ کوئی کام ہے، عورت کا کام محبت کرنا اور محبت کو پھیلانا ہے۔ مجھے دیکھو......گزشتہ seventy years سے بس اپنا ہی کام کیے جا رہی ہوں۔'' لیڈی صوفیہ اصل ٹریک سے ہٹ کر پھر اپنے محبوب کے تصور میں کھو گئیں تو پرنس نے اللہ کا شکر ادا کیا اور بہت محتاط انداز میں شیٹ ٹیبل پر رکھ دی۔

''اب سوتے ہیں، آج آپ بہت لیٹ ہو گئیں......شاید صبح کو وقت پر نہ جاگ سکیں۔'' اس نے آگے بڑھ کر دادی کا ہاتھ بہت نرمی سے تھامتے ہوئے کہا۔

''ڈونٹ وری......'' میری آنکھ خود بخود کھل جاتی ہے۔ ایک پنڈولم میرے اندر اپنا کام کرتا رہتا ہے۔'' وہ نقاہت بھرے انداز میں کھڑی ہو کر گویا ہوئیں۔ پرنس نے بہت محبت سے انہیں شانوں سے تھام لیا اور باہر نکلتے ہوئے تیز روشنیاں گل کر دیں۔

☆☆☆



تاجور کو کسی کے پاس بنفسِ نفیس جانے کی تو ضرورت ہی نہیں تھی۔ آفس میں بیٹھے، بیٹھے تین چار بااثر لوگوں سے رابطہ کیا اور کار چھن جانے کی تفصیلات بتا کر ان کو گویا کام سے لگا دیا...... یہ وہ لوگ تھے جن کے شیئرز تاجور کی کمپنی میں لگے ہوئے تھے۔ ساتھ، ساتھ سرکاری محکموں میں اہم عہدوں پر بھی فائز تھے۔

انہیں کار چھن جانے کا اتنا غم نہیں تھا جتنی فکر اس بات کی تھی کہ سفینہ نے کئی دن کی سوچ بچار کے بعد یہ کار پسند کی تھی۔ کیونکہ اسے پہلی بار اپنی ذاتی کار مل رہی تھی۔ کار گھر میں آنے کے بعد جو خوشی کی کیفیت اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی گویا وہ اس کے کسی دیرینہ خواب کی تعبیر تھی۔

وہ خواہ دو تین دن کی چھٹیوں میں گھر آتی پر ایک دن خود ڈرائیو کر کے شاپنگ سمیت کئی چھوٹے چھوٹے کام نمٹاتی تھی۔ اور جب کار پورچ میں کھڑی کر کے اندر آنے لگتی تو ایک بھرپور تفصیلی نظریوں اپنی کار پر ڈالتی گویا کوئی بادشاہ اپنے اصیل عربی گھوڑے کی بلائیں لے رہا ہو، یہ منظر دیکھنے کا اتفاق یوں ہوا تھا کہ وہ بھی کئی بار سفینہ کی ڈرائیونگ دیکھنے کے لیے یا جانچنے کے لیے اس کے ساتھ بیٹھی تھیں۔

”جب وہ یہ خبر سنے گی تو اس کے دل پر کیا گزرے گی؟“ بحیثیت ایک ماں...... انہیں سفینہ کی روحانی اذیت کا احساس کر کے بہت تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ جتنی زیادہ تکلیف تھی اتنا ہی رہ، رہ کر زارا پر غصہ آ رہا تھا۔

"اس لڑکی کی یہ حرکتیں اب ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی ہیں...... کسی چیز کو سیریس نہیں لیتی...... زندگی کو ہنسی کھیل سمجھا ہوا ہے...... یہی عمر ہوتی ہے جب لڑکیوں میں تھوڑی بہت سنجیدگی اور احساسِ ذمے داری پیدا ہو جانا چاہیے۔ ماں تو بہت کچھ برداشت کر لیتی ہے۔ لیکن ماں تو ایک ہی ہوتی ہے...... حد سے زیادہ پیار کرنے والا کوئی بھی ذی نفس ماں کی برابری نہیں کر سکتا۔ آج اس کی شادی کر دوں تو یہ روز دنیا کے سامنے شرمندہ کرائے گی۔ یہ برانڈڈ اسکولوں کے پڑھے ہوئے زیادہ تر بچے اسی طرح اوور کانفیڈنٹ ہوتے ہیں......" اب ان کا غصہ جھلاہٹ میں تبدیل ہو کر برانڈڈ اسکولوں پر اترنے لگا۔

"لیکن کیا کریں...... اس سوسائٹی کا ڈبل اسٹینڈرڈ...... عام اسکول میں تعلیمی معیار اتنا گرا ہوا ہے کہ وہاں سے نکل کر بچے زندگی بھر رُلتے ہی رہتے ہیں۔ بچوں میں اعتماد ہی نہیں ہوتا...... branded اسکول یورپ اور یو ایس کو فالو کر رہے ہوتے ہیں۔ بچہ پاکستان میں ہوتا ہے، جہاں اکثر ماں، باپ کو تربیت کی فکر ہی نہیں ہوتی۔ اس بات پر پھولے نہیں سماتے کہ وہ اپنے بچوں پر بھاری سرمایہ invest کر رہے ہیں اور بچے فراٹے سے انگریزی بول رہے ہیں۔" وہ اپنا بھی کڑا محاسبہ کرتی تھیں...... اپنی ان کوتاہیوں پر کڑھتی تھیں جو انہوں نے مجرمانہ غفلت کی وجہ سے نہیں کی تھیں۔ شوہر کا پھیلا ہوا بزنس انہیں سنبھالنا پڑا تو ان کے دن رات برابر ہو گئے۔

کروڑوں، اربوں کے اثاثے سنبھالنا، جمے ہوئے کاروبار کو نقصان سے بچانا...... کئی سال تو گویا وہ ایک مشین ہی بن کر رہ گئی تھیں۔

ایک Anglo indian گورنس نے اس دوران بچیوں کو سنبھالا، گھر کا انتظام بھی دیکھا...... وہ بہت مہذب، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور محنتی تھی۔ مگر مذہب کے فرق کی وجہ سے بچیوں میں بہت کمی رہ گئی تھی۔ سفینہ کو مطالعے کا بہت شوق تھا، اس کے اس شوق نے اس پر بہت مثبت اثرات مرتب کیے تھے۔

نمبر ایک یہ کہ کتاب کے ہوتے ہوئے اسے کبھی بہت سی سہیلیوں کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

دوئم...... مطالعے نے اس کی شخصیت میں نکھار پیدا کیا تھا...... وہ اب بہت کچھ جانتی تھی اور جاننے کے اس عمل نے اس میں وہ اعتماد پیدا کیا تھا جو کسی رنگروٹ کو پاسنگ آؤٹ کے بعد اپنے اندر موجیں اڑاتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اندازِ نظر، چال ڈھال، سب کچھ تبدیل ہو جاتا ہے۔ سفینہ کا اصل حسن اس کا اعتماد اور استغنا تھا۔ اس کے کسی بھی ردِعمل میں عجلت نہیں جھلکتی۔ کسی جھیل کے ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح پُرسکون نظر آتی۔

"واقعی وہ بہت میچور ہے۔ مگر انسان تو ہے ناں...... دکھ اور خوشی کی کیفیات سے عاری تو نہیں ہے۔" تاجور کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ دفتر سے اٹھ کر گھر جائیں اور زارا کی شکل دیکھتے ہی برسنے لگیں...... شکل دیکھتے ہی لازمی غصہ تو ازسرِنو آنا ہی تھا۔ انہوں نے وقت دیکھا رات کے گیارہ بجنے والے تھے۔ آفس کے ماحول میں تو وہ جتنی احتیاط کر سکتی تھیں...... وہ کی تھی مگر انہیں خود ہی محسوس ہو رہا تھا کہ اب ان کی قوتِ برداشت جواب دے رہی ہے۔

انہیں خاصے سخت اقدامات کرنے ہوں گے۔ انہوں نے خود کو پُرسکون کرنے کے لیے پہلے ٹھنڈا پانی پیا...... پھر کرسی کی پشت سے کمر ٹکا کر چند منٹ گہری، گہری سانسیں لیں۔ سانس کی مشق سے ذہن قدرے پُرسکون ہو گیا۔ ساحل نے بہرحال انہیں ایک بڑی مشقت سے ضرور بچا لیا تھا کہ ایف آئی آر کٹوا دی تھی۔ وہ گھر جانے کے لیے یوں اٹھیں جیسے کندھوں پر پہاڑ دھرا ہو۔

☆☆☆

زارا بار، بار ٹائم دیکھ رہی تھی۔ مہینے میں ایک دو مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ تاجور بہت لیٹ گھر آتی تھیں۔ اس کی...

وجہ وہ میٹنگز ہوتی تھیں جو غیر معمولی ہوتی تھیں۔ جن کے شروع ہونے کا وقت ہوتا تھا مگر ختم ہونے کا کوئی وقت نہیں ہوتا تھا۔ وہ گروپ آف کمپنیز کی چیئر پرسن تھیں۔ بھاری ذمے داریاں تھیں انہوں نے شوہر کی وفات کے بعد خود سے کوئی نیا کام شروع نہیں کیا تھا۔ یہ سب ان کے مرحوم شوہر کا بنایا ہوا سیٹ اپ تھا جس کو وہ مردانہ وار سنبھالنے میں دن رات لگی رہتی تھیں۔ ایک طرح سے یہ ان کے لیے بہت بڑا چیلنج تھا...... جسے انہوں نے تقدیر کا لکھا جان کر خوش دلی سے قبول کیا تھا۔

زارا کو یہ اندازہ تو تھا کہ آفس میں جو اس کی ''جھاڑ پھونک'' ہوئی تھی وہ تو آٹے میں نمک جیسی تھی۔ اصل جھاڑ جھپاڑ تو تب ہوگی جب تاجور گھر آئیں گی...... ایک تو تھکن سے چور اس پر مستزاد نقصان کے احساس سے نڈھال...... کئی بار اٹھ کر باہر گئی۔ جلے پیر کی بلی کی طرح گھر میں اِدھر اُدھر گھوم کر ماحول کا جائزہ لیا۔

سارے نوکر اپنے، اپنے کوارٹر میں جا چکے تھے۔ خانساماں البتہ اس کی طرح تاجور کے انتظار میں تھا۔ اس کا کوارٹر بھی کچن کے ساتھ ملحق تھا۔ ایک بڑا سا کمرا ساتھ صاف ستھرا واش روم، وہاں ایک پرانے ماڈل کا فلپس کمپنی کا ٹی وی بھی رکھا ہوا تھا۔ جس پر زیادہ تر کوئی نیوز چینل ہی لگا ہوتا تھا۔ وقفے، وقفے سے کوئی بریکنگ نیوز براستہ کچن ہوتی ہوئی لاؤنج تک بھی آجاتی تھی۔

اس وقت بھی انتہائی خاموشی میں کسی اینکر کی آواز گونج رہی تھی...... بنگالی خانساماں زارا کو دیکھ کر گھبرا سا گیا۔

''میم صیب...... ابھی آواز کم کرتا اے......'' یہ کہتے ہی وہ کچن میں غائب ہوگیا۔ زارا کو اس کے کہنے سے دھیان ہوا کہ کہیں ٹی وی بھی چل رہا ہے۔ مگر خانساماں چور کی داڑھی میں تنکے کے مصداق خواہ مخواہ ہی دوڑ لگا گیا۔ وہ کار جو وہ آتے جاتے ''بیٹیوں'' کی طرح دیکھا کرتی تھی...... آج اس گھر کے پورچ میں نہیں تھی۔

ایک احساسِ جرم اسے زنجیر کیے ہوئے تھا...... اس کی اتنی اہلیت نہیں تھی کہ وہ اس نقصان کا کوئی ازالہ کر پاتی۔

اسی لمحے اسے یوں محسوس ہوا جیسے پورچ میں کوئی گاڑی آکر رکی ہو۔ اس نے اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگالی۔

''اماں ہی آئی ہوں گی۔'' کمرے میں پہنچ کر اس نے پھولی پھولی سانسوں کو متوازن کرتے ہوئے سوچا... اور چپ چاپ بیڈ پر آکر لیٹ گئی۔ کمرے میں بہت ہلکی روشنی تھی...... اس کے کان باہر آہٹوں پر لگے ہوئے تھے، اس نے جان بوجھ کر دروازہ ادھ کھلا چھوڑ دیا تھا تاکہ باہر کی سرگرمیوں کا پتا چلتا رہے...... دروازہ بند ہونے کی صورت میں باہر سے کوئی آواز اندر نہیں آتی تھی۔

یہ پیش بندی اس ضمن میں تھی کہ تاجور اس کے پاس آرہی ہوں تو اسے پہلے سے پتا چل جائے تاکہ وہ خود کو سنبھال سکے اور کوئی مناسب جواز پیش کرسکے۔

پھر اس نے قدموں کی آہٹ سنی...... کان کھڑے کرکے اس نے آہٹوں کی سمت کا اندازہ کیا۔

''اوہ گاڈ...... اماں تو اِدھر ہی آرہی ہیں۔'' اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا تاجور کو ہینڈل گھمانے کی ضرورت ہی نہ پڑی...... دروازہ کھلا کا کھلا گیا۔

''مجھے پتا ہے تم جاگ رہی ہو۔'' تاجور کی خفا، خفا آواز نے اس کے وجود میں لرزش سی پیدا کی۔

آتے اوسان پھر جانے لگے...... اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''السلام علیکم اماں......''

''میں بہت دیر تک سوچتی رہی کہ تمہیں تمہاری بے پروائیوں کی کیا سزا دی جائے پھر یہی سمجھ میں آیا کہ جب تک تمہاری شادی نہیں ہو جاتی تم خود ڈرائیو نہیں کرو گی...... گھر میں ڈرائیور موجود ہے۔ جہاں جانا ہو اسے بتا دو۔ تمہاری کار بھی اتنی بری نہیں...... میں کل ساحل سے کہوں گی کہ وہ OLX پر ڈال دے...... پہلی اچھی آفر پر سیل کر دوں گی...... پرسوں سنڈے ہے OLX پر بات نہ بنی تو ساحل سے کہوں گی سنڈے بازار لے جائے......اب تمہیں اپنی شادی پر ہی ماں کی طرف سے کار گفٹ ہوگی...... صبح ڈرائیور تمہیں کالج ڈراپ کر دے گا۔'' تاجور دھیمی آواز میں سزا سنا کر خود کو سنبھالتی واپس باہر نکل گئیں۔ زارا نے کھل کر سانس لی۔

''اماں نے تو مجھے بالکل ''بے کار'' ہی کر دیا۔'' وہ بستر پر اوندھی گئی۔ ''میں نے اپنے کانوں سے ان گناہ گار کانوں سے خود سنا تھا کہ اماں نے اس سال ففٹی لیکس (50lacs) ٹیکس دیا تھا۔ ففٹی لیکس ٹیکس دیا تو پرافٹ کتنا آیا ہوگا......؟ اوہ گاڈ ہم لوگ اتنے سارے فنانس کا کیا کریں گے......؟ آج کل سو، سو سال تو کوئی جیتا بھی نہیں ہے...... اُف حد ہے کنجوسی کی ایک ''ذرا سی'' کار کیا چلی گئی اماں نے اتنی بڑی، بڑی سزائیں سنا دیں۔'' اس نے نرم و دبیز تکیہ سر کے نیچے سے نکال کر سر کے اوپر رکھ لیا۔

☆☆☆

گہرا نیلا سمندر...... چودھویں کا چاند...... اُڑتے ہوئے چکور...... چاند کے نور سے ایک زینہ تخلیق ہوا...... وہ آہستہ، آہستہ زینہ چڑھنے لگا۔ نرم ہلکے بادل اسے چھو، چھو کر اِدھر اُدھر اُڑ رہے تھے......اِک بادل کے ٹکڑے نے اس کا چہرہ ڈھانپ لیا...... ایک ایسی ٹھنڈک اسے خوش (راس) آئی جس سے پہلے کبھی آشنا نہ ہوا تھا...... اسے لگا اس کا چہرہ بھیگ گیا۔ اور اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ بے اختیار دونوں ہاتھوں سے گالوں کو چھوا۔

آج اس نے تیس منٹ مراقبہ کیا تھا...... ورنہ وہ روزانہ پندرہ منٹ رات سوتے سے پہلے اور پندرہ منٹ فجر کی نماز سے پہلے مراقبہ کرتا تھا۔ اس نے اپنی روح کو بہت سرشار بہت توانا محسوس کیا...... ذہن بالکل صاف و شفاف تھا...... سانسیں بہت متوازن تھیں۔ پوری کائنات محبت کے جام کا استعارہ بن گئی تھی...... یوں جیسے پیالہ چھلک رہا ہو۔

زمان و مکان (time and space) کی حدود سے ماورا جہاں کی سیر نے دنیائے آب و گل کی صعوبتوں، مشقتوں سے بے نیاز کر کے امرت کا پیالہ ہونٹوں سے لگا دیا تھا۔ وہ اٹھ کر اپنی خواب گاہ کی طرف چلا تو اس طرح گویا اس کا وجود کشش ثقل سے آزاد ہو کر ہلکا پھلکا ہو گیا ہو...... وہ اس عظیم تخلیق کو کل سے پینٹ کرنا شروع کر دے گا...... برش آشنا انگلیاں تخلیق کی آنچ سے سلگنے لگیں۔ پرنس مراقبے میں مشاہدہ کیے منظر کے سحر کو اوڑھ کر اپنے بستر پر دراز ہو گیا...... آنکھیں موندتے ہی گہری نیند نے آلیا۔

☆☆☆

مڈٹرم ختم ہوتے ہی پانچ دن کی چھٹیاں اناؤنس ہوگئیں۔ ماہین اور سفینہ کے بیگز تو تیار رہتے تھے۔ صبح ہی آن لائن کراچی کے لیے سیٹس ریزرو کرا لیں پھر ناشتے کے بعد خوب لمبی تان کر سوئیں۔

اس مرتبہ دونوں اپنے، اپنے گھر والوں کو سرپرائز دینے کے موڈ میں تھیں۔ اور سوچ، سوچ کر چھوٹے بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھیں۔

ایک ہفتہ کیسے گزارنا ہے، یہ بھی دونوں نے پلان کر لیا تھا۔ سفینہ کا پروگرام تھا اس مرتبہ وہ اپنی تمام پرانی فرینڈز کو جو اولیول کے بعد تتر بتر ہو گئی تھیں، دو تین کی شادی ہو چکی تھی تین، چار اے لیول کے بعد ٹیچنگ لائن میں چلی گئی تھیں۔ گیٹ ٹو گیدر دے گی۔

ماہین کا پروگرام تھا وہ اپنی چند کزنز اور سفینہ کے ساتھ ایک پورا دن فارم ہاؤس میں گزارے گی۔ سینما جا کر موویز دیکھنے کا بھی پروگرام تھا۔

جو پلان کرلیا تھا اس پر عمل درآمد کرنے کی بے چینی بھی لاحق ہو چکی تھی۔ سہ پہر کو اٹھ کر شاور لے کر ائر پورٹ جانے کی تیاری شروع کردی۔ شام ساڑھے چھ بجے کی فلائٹ تھی' ان کا پروگرام تھا کہ ساڑھے چار بجے وہ ہاسٹل سے روانہ ہو جائیں گی۔

''ممی تو خوشی سے بے ہوش ہی ہو جائیں گی۔'' ماہین اپنے بال ڈرائی کرتے ہوئے سفینہ سے کہہ رہی تھی۔

''کیوں...... تم یوایس سے کراچی جا رہی ہو یا لاہور سے؟'' سفینہ کو اپنا میچنگ دوپٹا عین وقت پر ڈھونڈنا پڑ گیا تھا۔ سارا بیگ نئے سرے سے پھرول کر رکھ دیا تھا۔ ماہین کی کیفیت سے لطف اٹھانے کے بجائے جھلا کر ردعمل دیا تھا۔

''چاند سے......'' ماہین نے بھی برجستہ کہا تھا۔

''تم سینا کیا چاہتی ہو...... کیا اُدھڑ گیا ہے......؟'' وہ جلدی جلدی برش بالوں میں چلاتے ہوئے بولی۔

''اسے luggage کہتے ہیں، یہ تمہیں سلائی مشین نظر آرہی ہے؟'' سفینہ دوپٹے کی برآمدگی سے مایوس ہو کر بیگ زپ اپ کرتے ہوئے بولی۔

''میں سمجھی سوئی ڈھونڈ رہی ہو...... اسٹائل تو ایسا ہی تھا......''

''میرا میجنٹا کلر کا دوپٹا نہیں مل رہا...... وارڈروب میں بھی چیک کرلیا۔'' سفینہ کا سو فیصد دماغ اپنے لاپتا دوپٹے میں اٹکا ہوا تھا۔

''ارے میرے پاس ہی گرین ہے..... وہ لے لو میچ کر جائے گا۔''
''وہ تو ٹھیک ہے مگر دوپٹا آخر گیا کہاں؟'' سفینہ کا ذہن دوپٹے سے ہٹ کر نہیں دے رہا تھا۔
''میرا خیال ہے اُڑ کر پرنس کے محل میں جا چکا ہے..... میں نے ایک موی دیکھی تھی..... اوہ گاڈ..... ہیروئن کے ڈریس کا کلر..... اتنا حسین کہ سوچ ہے تمہاری..... جب اس کا دوپٹا اڑ کر ہیرو کے فیس پر جا گرتا ہے..... اُف..... کس طرح پیار سے چوم کر ہوا میں اڑا دیتا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ......'' اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ جبھی سفینہ گھور کر بولی۔
''کبھی، کبھی تو تم پر بولنے کا دورہ سا پڑ جاتا ہے..... ذرا ٹائم دیکھو.....''
''میں ٹائم دیکھتی ہوں تم دوپٹا دیکھو..... فلائٹ مس ہوگئی تو ہزاروں کی چوٹ پڑے گی.....اور ہم ایک دوسرے کا منہ دیکھیں گے۔'' ماہین نے یہ کہہ کر بالوں میں کیچر لگایا۔
''اُف ایک ذرا سا دوپٹا گم ہونے پر تم نے اسپیشل ٹرانسمیشن شروع کردی.....لوگوں کی کاریں گم ہو جاتی ہیں مگر ان کا کام نہیں رکتا.....''
''کار گم ہو جائے تو آٹو میں بھی بیٹھ سکتے ہیں۔''
''ہاں گدھے پر بھی بیٹھ سکتے ہیں۔'' ماہین نے تیزی سے قطع کلامی کی تھی اور سیل فون پر سفینہ کو ٹائم دکھانے لگی۔
''پھر میں کوئی دوسرا ڈریس پہن لیتی ہوں۔'' سفینہ نے بددلی سے کہا تھا۔

☆☆☆

رت جگے بہت ہیں
سکھ کی نیندیں کم ہیں
اِک ذرا دیر کی زندگی
ہزار ہا لاکھوں غم ہیں
اس بات پر بہت خوش ہوں
اِک ساہوکار کی آنکھیں نم ہیں
ہمارے خون سے چراغ روشن
پھر کہتے ہیں روشنی کم ہے

ساحل نے تک بندی کر کے دل کی بھڑاس نکالی..... آج اس کا انگ، انگ خوشی سے سرشار تھا.....وہ بیس سال پرانے مولٹی فوم کے میٹرس پر یوں دراز تھا گویا اصلی ریشم سے تیار سرپوش چھپر کھٹ پر بچھا ہو..... سر کے نیچے مور کے پروں والا تکیہ ہو..... دائیں، بائیں کنیزیں مورچھل ہلا رہی ہوں۔
''آج میڈم ہائی پوٹینسی کی ٹرنکولائنزر کھا کر سوئیں گی۔ ارے مال ہمارا گیا ہے..... جان آپ کی جا رہی ہے۔ کاش اس وقت ''روح'' حاضر کرنے والا عمل ہاتھ لگ جائے تو حبیب جالب کی روح کو حاضر کروں..... اور ان سے کہوں ذرا زور سے سنائیں.....

میں نہیں جانتا، میں نہیں مانتا

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ رات کے اس پہر..... انگ، انگ میں اتنی ترنگ کیوں ہے؟
خیال کی رفتار کو وہ محسوس کرسکتا تھا۔ مگر آگہی کے نور کو پہچاننے والی نورانی بصیرت سے محروم تھا۔

محرومیوں پر کڑھتے، کڑھتے......آج ایک سرمایہ دار کے نقصان پر کلیجے میں اِک ٹھنڈک سی اتر گئی تھی۔ علم کی انتہا یہ تھی کہ کچھ اچھا ہوا ہے، برا نہیں......اس نے دھوم دھام سے کروٹ لی۔ انتہائی پرانا میٹرس ''ماں کی گود'' بنا ہوا تھا لیٹا ہوا بھی تھا......سمٹا ہوا بھی تھا۔

دیپ جس کا محلّات میں جلے
چند لوگوں کی خوشیوں کو لے کر چلے
وہ جو سائے میں ہر مصلحت کے پلے
ایسے دستور کو صبحِ بے نور کو
میں نہیں مانتا، میں نہیں جانتا

وہ سرخوشی میں گنگناتے، گنگناتے نیند کے پاتال میں اترنے لگا۔

☆☆☆

صبح زارا، ماں کے حکم کے مطابق ڈرائیور کے ساتھ کالج چلی گئی تھی لیکن جب کالج سے واپسی پر پتا چلا کہ ڈرائیور کو پہلے آفس جانا ہے، تاجور کو گھر کے لیے پک کرنا ہے تو مارے کوفت کے حالت بری ہوگئی۔ موڈ خراب ہونے کی وجہ سے ناشتا بھی نہیں کیا تھا۔

کالج میں بھی ٹیکٹر پی کر گزارہ کرلیا تھا......ریڈ ایپل کا ٹیکٹر پینے سے تو جیسے بھوک چمک اٹھی تھی۔ آخری پیریڈ لیتے ہوئے بس یہی دل چاہ رہا تھا کہ اُڑ کر گھر پہنچ جائے اور گرم، گرم چپاتیوں کے ساتھ جو مل جائے کھا کر لمبی تان کر سو جائے۔

لینڈ کروزر میں بیٹھ کر اس نے اپنا بیگ ٹٹولا بسکٹ کا ایک پیکٹ مل ہی گیا جو اس نے ازلی بھوکے کی طرح منٹوں میں صفاچٹ کردیا۔

آفس پہنچ کر پتا چلا تاجور کو باہر آنے میں آدھا گھنٹا لگ جائے گا۔ اچانک کوئی خاص ملاقاتی آگیا تھا۔ وہ لاؤنج میں موجود نرم صوفے پر نیم دراز ہوگئی......بے بسی کے احساس سے آنکھیں نم ہونے لگیں......غلطی تو کی تھی، ماں سے آنکھ ملا کر بات کرنا محال تھا۔

''ایکسکیوزمی......آپ رائٹ سائڈ کی طرف جائیں تو آپ کو ایک گلاس ڈور نظر آئے گا......وہ سِک روم ہے، فرسٹ ایڈ کے لیے وہاں سب بندوبست ہے۔'' ساحل کی آواز نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔

"mind your buisness" اس نے معمولی سی جنبش کیے بغیر پٹ سے آنکھیں کھول کر ساحل کو گھورتے ہوئے کہا۔

''بزنس......دل تو بہت چاہتا ہے ورلڈ وائڈ...میرا بزنس ہو......پلین میں بزنس کلاس میں ٹریول کروں......بزنس کلاس ائرپورٹ cab میں بیٹھ کر فائیو اسٹار ہوٹل جاؤں جیسے ہی ہوٹل پہنچوں منیجر قدموں میں تقریباً گر کر کہے......''سر آپ کے لیے رائل سوٹ تیار ہے۔''

''مسٹر اپنی اوقات دیکھ کر جوک کیا کرو......کیا سمجھا ہے تم نے مجھے......تمہارا اور میرا......اسٹیٹس فرق ہے......نظر نہیں آتا؟ ہماری کمپنی کا صرف ایک ایمپلائی......ہنہ...

I am next to kin...your 2nd boss,shame on yourself... ایوڈ اسٹوپڈ، فولش، نان سینس......'' وہ شدید غصے میں ضرور تھی مگر اتنی احتیاط کر رہی تھی کہ اس کی آواز اونچی نہ ہو......کہیں تاجور مزید غصے میں آکر کوئی نئی سزا نہ سنادیں۔ اتنی کانشس ضرور تھی کہ وہ اس وقت آفس میں ہے۔

ساحل پر تو گویا آسمان ہی ٹوٹ پڑا تھا۔لفاظی اس کی فطرتِ ثانیہ تھی...... یا اسے خود پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ اپنی سخن طرازی کے باعث جس پر چاہے غالب آسکتا ہے۔زارا نے ایک پل میں سمندر کے جھاگ بٹھا دیے تھے۔

''آئی ایم سوری'بٹ میں آپ کے آفس میں پیون نہیں ہوں، منیجر ہوں، ایم بی اے میں پوزیشن لے کر یہاں آیا ہوں۔ براہِ مہربانی آئندہ احتیاط کیجیے گا۔ کیونکہ سیلف ریسپیکٹ سب کی ہوتی ہے مائنڈ یو کچھ لوگ قرض معاف کردیتے ہیں' انسلٹ معاف نہیں کرتے۔اور آپ کیوں بتارہی ہیں مجھے اسٹیٹس کا فرق ہے...... یہ کوئی جتانے والی بات ہے؟ دنیا اندھی نہیں ہے۔ میری بائیک اور آپ کی لینڈ کروزر فرق بتانے کے لیے کافی ہے۔'' مارکیٹنگ سپروائزر اور سیتا اپنی، اپنی ٹیبل سے اٹھ کر آچکے تھے۔زارا کو احساس نہیں ہوا...... مگر ساحل نے ان دونوں کی موجودگی میں زارا کی لعن طعن سنی تھی۔

جوابی کارروائی کرتے ہی ساحل لاؤنج سے چلا گیا تھا...... سیتا اور سپروائزر بھی کھسک لیے کہ زارا اگر ان پر خواہ مخواہ کی چڑھائی کردیتی تو وہ ساحل کی طرح مقابلہ کرنے کا یارا نہ رکھتے تھے۔

زارا تو یوں دم بخود بیٹھی تھی گویا سانپ سونگھ گیا ہو...... چند لمحے سکتے کی کیفیت میں رہنے کے بعد وہ آہستہ سے صوفے پر سیدھی ہوکر بیٹھ گئی۔اور اچانک ہی مختلف قسم کے خدشات نے آلیا''اگر اس نے اماں سے شکایت کردی؟ انہیں تو پہلے ہی اس پر رہ،رہ کر غصہ آرہا ہے۔مگر وہ غصے کی کسی بھی انتہا پر ہوں زیادہ سے زیادہ اسے کیا کہہ سکتی ہیں؟ مزید کیا سزا دے سکتی ہیں؟'' وہ اپنے ہی خیالات میں بری طرح الجھ گئی اور صوفے کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندلیں۔

☆☆☆

ساحل اپنی ریوالونگ چیئر پر آنکھیں بند کیے بیٹھا پیشانی انگلیوں سے رگڑتے ہوئے دائیں بائیں جھول رہا تھا۔کھٹ کی آواز پر پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے سیتا کھڑی تھی،اس نے پانی کا گلاس ٹیبل پر رکھا تھا۔

ساحل نے شکرگزاری کے جذبات کے ساتھ اس کی طرف دیکھا اور گلاس اٹھالیا اور ایک ہی سانس میں پی گیا۔

''تھینک یو......'' اس نے خالی گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے دھیمی آواز میں شکریہ ادا کیا۔

''more......'' سیتا گلاس اٹھاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''نو تھینکس'' انکار کرتے ہوئے وہ اب دراز کھول رہا تھا۔اپنا مخصوص لیٹر پیڈ نکال کر اس نے بال پوائنٹ سے پیڈ پر لکھنا شروع کیا۔

بن مانگے مل گئی زندگی
مانگے سے ملے نہ بھیک
میری فراست دیوانے کی بڑ
ساہوکار کا ہذیان بھی ٹھیک
ان کے دشنام پھولوں کی ڈال
اپنا لطیف سخن بھی رکیک
مفلس آخر پیدا ہی کیوں ہوا؟

بجا فرمایا آپ نے بالکل ٹھیک
اس نے اشعار لکھنے کے بعد صفحہ پیڈ سے الگ کیا دو تہیں بنائیں اور اٹھ کر سیتا کے پاس چلا آیا۔ سیتا خواہ مخواہ مجرموں کی طرح سر نیہوڑائے بیٹھی تھی۔ ساحل نے تہ شدہ کاغذ اس کے سامنے رکھ دیا۔ سیتا نے چونک کر سر اٹھایا۔
''استعفیٰ......'' اس کے منہ سے بے ساختہ لفظ پھسل گیا...... جیسے بندوق صاف کرتے ہوئے بے ارادہ گولی چل گئی ہو۔
''یہی سمجھو...... میڈم کو دینا...... اور کہنا آج سے میں یہاں available نہیں ہوں۔''
''مسٹر امیر الدین...... میم اس کو قبول نہیں کریں گی...... انہوں نے تو آپ کو کچھ نہیں کہا ناں......؟''
''آپ کو ایک چھوٹا سا کام دیا ہے...... اتنی ساری باتیں نہ کریں۔'' یہ کہہ کر وہ دوبارہ اپنی ٹیبل کی طرف گیا...... لیپ ٹاپ اٹھا کر بیگ میں ڈالا، والٹ، سیل فون، بائیک کی چابی دراز سے نکال کر اس طرح باہر کی طرف چلا کہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔
سیتا کے لیے یہ بہت دکھ بھرا واقعہ تھا...... اس کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔
''آج کل جاب کدھر ملتا ہے...... مسٹر امیر الدین کو اتنا ایموشنل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میم یہ کبھی ایکسپٹ نہیں کریں گی۔'' اس نے تہ شدہ کاغذ کو اٹھایا...... پھر چند لمحے یوں دیکھتی رہی resignation جیسے کسی متبرک تعویذ کو احترام سے دیکھ رہی ہو۔ اسی وقت انٹر کام کی گھنٹی نے اسے افسردگی کے تاریک پردوں سے نکال باہر کھڑا کیا۔
''یس......؟'' اس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں سرگوشی کے انداز میں کہا۔
''ساحل کو میرے پاس بھیجو...... اور کہو Pyramid ٹریڈرز کی فائل ساتھ لائے۔'' تاجور نے معمول کے انداز میں آرڈر پاس کر کے انٹر کام بند بھی کر دیا تھا۔
سیتا لب کشائی کی چاہ میں بس لبوں کو جنبش ہی دے پائی تھی۔ آواز تو ابھی حلق سے نیچے سینے کے اندر ہی اٹکی ہوئی تھی۔ بادل و بجلی کا سا عمل تھا...... پہلے روشنی، پھر گرج...... اس نے ہاتھ میں پکڑے ''رخصت نامے'' کو سرسری نگاہ سے دیکھا اور سوچتی ہوئی تاجور کے آفس کی طرف چلی۔
دروازہ ہلکا سا پش کیا...... یخ بستہ لطیف ہوا نے استقبال کیا۔ فنکارانہ انداز میں کیا گیا روشنی کا اہتمام...... ہر شے واضح تھی۔ مگر روشنی کا ہر منبع پوشیدہ تھا...... فرش کے کونوں سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔
چھت سے پُراسراریت کے ساتھ جھانک رہی تھی...... انتہائی قیمتی و نازک ٹیبل لیمپ سے پھوٹنے والی تیز روشنی براہِ راست ٹیبل کی سطح پر پڑ رہی تھی...... اور صرف ٹیبل کے خاص حصے کا احاطہ کر رہی تھی۔ جیٹ بلیک کلر کی ساڑی میں تاجور کا گندمی سنہرا رنگ یوں جگمگا رہا تھا جیسے اڑتے سیاہ بادلوں کے درمیان چاند......
پیازی ہونٹوں پر لپ گلوز کی چمک تھی۔ شوہر کے دنیا سے جانے کے بعد انہوں نے کبھی شوخ کلر لپ اسٹک سے ہونٹ نہیں رنگے تھے۔ گلے میں باریک سونے کی زنجیر...... کانوں میں ڈائمنڈ کے ٹاپس، سیدھے ہاتھ کی انگلی میں اعلیٰ درجے کے بیضوی ڈائمنڈ کی انگوٹھی، بائیں کلائی میں رولیکس واچ۔
بال کمر تک تھے مگر سمیٹ کر جوڑا بنائی تھیں...... سیتا نے کبھی ان کی زلفوں کو پریشان نہیں دیکھا تھا۔ کبھی چھوٹی سی لٹ بھی چہرے کے آس پاس جھولتی نظر نہیں آئی تھی۔ صاف، شفاف، بہترین صحت کا غماز پُرجلال چہرہ...... دل میں اداسی، سامنے حسنِ بارعب، سیتا نے کچھ کہے بغیر ہاتھ میں پکڑا کاغذ مؤدبانہ انداز میں ان کے سامنے رکھ دیا۔

''یہ کیا ہے؟'' مسیج پیشانی پر ہلکی سی شکنیں نمودار ہوئیں۔

''resignation'' ۔ سیتا نے اختصار سے کام لیا۔

''کیا پرابلم ہے تمہیں......؟'' ان کے انداز میں غصے کے بجائے حیرت تھی۔

''میرا نہیں...... میم...... یہ مسٹر امیر الدین نے دیا ہے۔'' سیتا نے مؤدبانہ عرض کی۔

''وہ خود کہاں ہے؟'' تاجور ورطہ حیرت میں ڈوب چکی تھیں۔

''وہ چلے گئے ہیں......'' سیتا نے جلدی سے جواب دیا۔

''چلے گئے ہیں؟'' تاجور نے یہ کہتے ہوئے کاغذ سیدھا کر لیا تھا۔ سامنے تین اشعار دیکھ کر حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا...... گویا زلزلے کے بعد ''آفٹر شاک''۔

انہوں نے جلدی جلدی اشعار پر نظر دوڑائی...... پھر سیتا کی طرف دیکھا اور کاغذ اس کے سامنے پھینک دیا۔

"is it resignation" سیتا تو باس کو غضبناک دیکھ کر تھرا گئی...... دس سال پانچ ہزار ماہانہ پر کام کرنے کے بعد یہ تیس ہزار ماہانہ کی ملازمت ملی تھی...... اور پک اینڈ ڈراپ بھی کمپنی دے رہی تھی...... میڈیکل بھی فری تھا...... اوور ٹائم بھی ملتا تھا۔ ایسی شاندار جاب کے تو وہ خواب دیکھا کرتی تھی...... ماں، دو بہنیں اپنے دو بچے...... بھنگ کا شیدائی نکما شوہر...... اسے یہ ملازمت گویا جان سے زیادہ پیاری تھی...... باس کا غصہ دیکھ کر وہ لرز جاتی تھی مبادا ملازمت سے فارغ کر دی جائے......

"y...y...yes mam" بہ مشکل حلق سے آواز نکلی تھی۔

''میری اردو اتنی اچھی نہیں ہے۔ پڑھ کر سناؤ مجھے...... کیا لکھا ہے؟'' سیتا نے جلدی سے اٹھا لیا۔

''مسٹر امیر الدین نے اردو میں resignation لکھا ہے؟'' ساتھ ہی وہ سوچ رہی تھی۔

لیکن کاغذ پر نظر پڑتے ہی اسے چکر سا آگیا۔

''وسس...... سوری میم...... یہ تو پوئٹری ہے...... شاید میں نے غلط پیپر اٹھا لیا۔'' سیتا حواس باختہ ہو کر کہہ رہی تھی۔

"I am just coming" کہتی ہوئی باہر کی طرف بھاگی۔

تاجور نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

وہ سیتا پر غصہ کرنے میں کبھی جلدی نہیں کرتی تھیں بلکہ اس پر خاص نظر کرم فرماتی تھیں اس کی دو تین وجوہات تھیں۔

نمبر ایک یہ کہ وہ بہت فرض شناس اور اپنے کام میں سنجیدہ تھی۔ دوئم آئے دن چھٹی کی درخواست نہیں دیتی تھی۔ سوئم یہ کہ چہرے سے اتنی عاجزی و بیچارگی ٹپکتی تھی کہ دل میں خود بخود نرم گوشہ پیدا ہوتا تھا۔ اس کے واپس آنے تک انہوں نے آدھا گلاس پانی پی کر خود کو پُرسکون کیا۔ سیتا پہلے سے زیادہ حواس باختہ ہو کر واپس آگئی تھی...... اور ہاتھ میں وہی پہلے والا کاغذ ہی تھا۔

''میم...... یہ وہی ہے......'' وہ بوکھلاہٹ میں آئیں بائیں شائیں کرنے لگی۔

''وہی......؟ What do you mean'' انہوں نے ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

''میم...... یہی وہ پیپر ہے جو مسٹر امیر الدین دے کر گئے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے کوئی اور پیپر نہیں دیا۔'' وہ ہکلانے لگی تھی۔

''تو پھر تم باہر کیوں گئی تھیں؟'' تاجور نے کڑے تیور سے گھورا۔

''میم میں سمجھی میں نے شاید غلطی سے یہ پیپر اٹھالیا۔'' سیتا نے سیدھی، سیدھی بات کرنے میں عافیت جانی۔
''اس نے کیا کہا تھا تم سے؟'' انہوں نے الجھن بھری نظروں سے دیکھا۔
''بولے یہ میم کو دینا۔'' سیتا نے فوراً جواب دیا۔
''لاؤ مجھے دو......اور جا کر اپنا کام کرو......'' چند لمحے سوچنے کے بعد انہوں نے کاغذ لینے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

سیتا کی تو گویا رسیاں کھل گئیں۔ کاغذ تاجور کے ہاتھ میں دیا اور باہر کی طرف دوڑ لگادی۔
تاجور نے گلے میں جھولتی نظر کی عینک ناک پر لگائی اور بہت توجہ سے اشعار پڑھنے لگیں...... دو تین مرتبہ پڑھنے کے بعد انہوں نے اپنا سیل فون اٹھا کر ساحل کا نمبر ڈائل کیا اور سیل فون کان سے لگا کر کال ریسیو ہونے کا انتظار کرنے لگیں۔ مگر دوسری طرف فوراً ہی ریکارڈنگ شروع ہوگئی تھی۔
''آپ کا مطلوبہ نمبر اس وقت بند ہے، براہ مہربانی تھوڑی دیر بعد کوشش کیجیے۔'' تاجور نے ڈھیلے ہاتھ سے آہستگی کے ساتھ سیل فون ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

☆☆☆

فلپائنی ملازمہ نے کھانے کے بعد موسمی پھل بڑے قرینے سے سجا کر پیش کیے۔ لیڈی صوفیہ وائٹ شیفون کی ساڑی میں ملبوس تھیں۔ اوپل جڑا لاکٹ اور اوپل ہی کے ٹاپس اور انگوٹھی پہنے ہوئے تھیں سمندر کے جھاگ جیسے سفید بال جو آج بھی ہیئر ڈریسر سنوارتی تھی۔ اتنے گھنے تھے کہ پہلی نظر میں دیکھنے سے لگتا تھا کہ سر پر دھری ٹوپی پر برف گر گئی ہو۔
''کچھ برس اور ملتے ہیں تو میں ninety کی ہوجاؤں گی...... سنچری سے دس برس پیچھے...... حیرت سی ہوتی ہے میں اس کے بغیر اتنی عمر کیسے گزار گئی۔''
''آپ سنچری سے آگے بھی جاسکتی ہیں۔'' پرنس نے ہاتھ میں پکڑے دودھیا پیالے سے پائن ایپل کا ٹکڑا کانٹے میں پھنساتے ہوئے بہت لطیف انداز میں مسکرا کر اپنی پردادی کی طرف دیکھا۔
''میں تمہارے بچوں کو اپنے گھر کے لان میں کھیلتے بھاگتے دوڑتے ہوئے دیکھنے کی خواہش مند ہوں...... مگر شاید میری یہ خواہش پوری نہ ہو...... لیکن میں ناشکری عورت نہیں ہوں۔ I am very blessed میں نے اپنے بیٹے اور اس کے بیٹے یعنی تمہارے باپ کو بہت انجوائے کیا ہے۔ میں نے ہمیشہ اپنی شام کو اپنے بچوں کے ساتھ خوب صورت بنایا...... اور ان کے ساتھ وقت گزار کر اتنی روحانی خوشی حاصل ہوئی کہ میں seventy کی ہونے کے باوجود fifty کی نظر آتی تھی۔''
''اوہ یس...... مجھے یاد ہے جب میں نے اسکول جانا شروع کیا تو میرے کلاس فیلوز سمجھتے تھے کہ آپ میری مدر ہیں......'' پرنس نے جلدی سے یادداشت میں اپنا حصہ ڈالا۔ (1924ء کے حساب سے لیڈی صوفیہ 90 سال کی ہوچکی تھیں۔ مگر پرنس نے تصحیح کرکے دل شکنی نہیں کی)
''اوہ......'' لیڈی صوفیہ خوش ہوکر کھلکھلا کر ہنسیں۔ ''تمہیں پتا ہے ایسا کیوں ہوا؟'' انہوں نے نفاست سے سیب کا ٹکڑا کانٹے میں پھنسایا اور منہ کے قریب لے جا کر ہاتھ روک دیا۔
''آپ بتائیں...... شاید میرے خیال سے آپ اتفاق نہ کرسکیں۔''
''اس لیے کہ جس ایج میں تمہارے گرینڈ فادر مجھ سے جدا ہوئے میری عمر اسی جگہ رک گئی۔ آج بھی جب اپنے بیڈ روم کی ونڈو سے باہر جھانکتی ہوں تو محسوس کرتی ہوں کہ بڑا سا براؤن ووڈن گیٹ کھلے گا اور ایک جیپ گھر

میں داخل ہوگی۔ 1943ء کو وہ جب منٹگمری کے ساتھ افریقا چلا گیا تو میرے دل نے کہا شاید اب مجھے زندگی بھر ایک اذیت ناک انتظار کی کیفیت میں رہنا ہے۔'' بولتے ہوئے آخری لفظ کی ادائیگی تک ان کی آنکھوں سے سوزِ عشق کے چند انگارے آنسوؤں کی صورت ان کے دامن میں گر چکے تھے۔

''پرنس...... my be loved son میرے پاس اب بالکل بھی وقت نہیں بچا...... جلدی سے شادی کر کے اسے لے آؤ...... تھوڑا سا وقت اس کے ساتھ گزار لوں...... اس کو کچھ ضروری باتیں بھی سمجھانا ہیں...... اس کو ریئلائز کرانا ہے کہ میرے خاندان کے بچوں کو وہ کیسے لے کر چلے گی۔ اس کو یقین دلانا ہوگا کہ تمہارے بچوں کو اس فکر سے آزاد ہو کر زندگی گزارنا ہوگی کہ دولت کہاں سے آئے گی...... گزارہ کیسے ہوگا...... یہ روزی، بیوپار کے نفع و نقصان بہت چھوٹی باتیں اور بڑے، بڑے خوف ہیں...... میرے بچے خوفزدہ ہو کر زندگی نہیں گزاریں گے۔ اللہ...... خوفزدہ انسانوں کو wisdom نہیں عطا کرتا...... اور wisdom کے بغیر انسان مویشی ہے...... مجھے یہ سب بتانا ہے ایک بہترین نسل تیار کرنے کے لیے۔ میں اپنے اللہ سے بہت پیار کرتی ہوں...... دیکھو ناں میرے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا...... تم بھی نہ ہوتے...... میں کیا کر سکتی تھی؟ میں تو ہمیشہ اس ظلم پر اداس ہوتی رہتی ہوں جو میرے سسر نے کیا تھا...... اس نے humen rights کی خلاف ورزی کی تھی۔ وہ پرائی جنگ ہمارا مسئلہ نہیں تھی...... اس نے اپنے بیٹے کو مجبور کیا......'' پرنس نے آگے بڑھ کر ان کے لرزتے ہاتھوں سے دودھیا پیالہ لے لیا۔ اپنی انگلیوں کی پوروں سے پردادی کے آنسو صاف کیے، ان کی پیشانی پر بہت پیار سے بوسہ دیا۔

جس عورت نے شعوری حالت میں پورے 80، 82 برس اس دنیا میں گزارے تھے اس کا اعصابی نظام اب تلخ یادداشتوں کا بوجھ نہیں اٹھا پاتا تھا۔

''کیا ہم آج اس کے گھر اس سے ملنے جا سکتے ہیں؟'' بچوں کی سی معصومیت کے ساتھ انہوں نے پرنس سے سوال کیا تھا۔

پرنس مسکرا دیا...... اس کی ہر ادا میں کمال چنچل جھلکتی تھی۔ اور یہ سہرا اس کی پردادی لیڈی صوفیہ خانزادہ کے سر بندھتا تھا۔

بنیادی طور پر وہ سندھ کے ان باسیوں میں سے تھے جو انیسویں صدی عیسوی میں سندھ سے تعلیم و تجارت کی غرض سے بمبئی، دہلی اور علی گڑھ کا رخ کرتے تھے۔ تعلیم حاصل کرنے کے شوق میں انگریز سامراج کے ساتھ بھی بود و باش ہونے لگی...... انگلستان بھی جانے لگے۔

1857ء کی جنگِ آزادی کے موقع پر اس خاندان نے برطانیہ میں مستقل سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہیں تجارت کی بھی نشوونما ہوئی اور وہاں کی تہذیب کے رنگ بھی چڑھے۔ جیم اسٹونز کے بزنس نے انہیں ثروت کی بلندیوں پر پہنچا دیا...... نیروبی سے خریدے گئے ڈائمنڈز جو پہلی جنگِ عظیم کی وجہ سے کوڑیوں کے مول ان کے ہاتھ لگ گئے تھے...... وہی ان کے لیے پارس پتھر بن گئے۔ ایران میں فائیو اسٹار ہوٹل تعمیر ہونے کے بعد باقاعدہ شاہی خاندان تک سے راہ و رسم ہونے لگی...... زندگی اب شاہانہ طرزِ زندگی کی طرف گامزن ہو گئی تھی۔

1948ء میں وہ اپنے بیٹے وہاج علی اور بھتیجے فواد کے ساتھ پاکستان آ گئی تھیں۔ فواد کی ماں طلاق لے کر جا چکی تھی، اس کی دیکھ بھال لیڈی صوفیہ ہی کر رہی تھیں۔ بعد میں وہ واپس انگلینڈ چلا گیا تھا۔ لیڈی صوفیہ نے وہاج علی کی شادی اکیس سال کی عمر میں ہی کر دی تھی کہ وہ فیملی ممبر بڑھانے کی خواہش رکھتی تھیں۔ شادی کے ایک سال بعد ہی پرنس کے والد شہیر علی کی پیدائش ہوئی تھی۔

شہیر علی خانزادہ صرف گیارہ سال کے تھے جب باپ کے سائے سے محروم ہو گئے جو ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں خالق حقیقی سے جاملے۔ ان کے غم میں گھل گھل کر ان کی بیگم عندلیب بھی بستر مرگ پر کافی عرصہ رہنے کے بعد انتقال کر گئیں، ان کی موت کی وجہ برین ٹیومر بنی۔ لیڈی صوفیہ نے اب اکلوتے بیٹے کی اکلوتی نشانی کو کمال توجہ و چاہت سے پرورش کیا اور بارایٹ لا کی تعلیم مکمل ہونے سے پہلے ہی ان کی شادی ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کی بے پناہ حسین لڑکی غنچہ گل سے کر دی...... حیرت انگیز طور پر شہیر علی خان کی وفات کی وجہ بھی برین ٹیومر بنی، وہ پرنس شہپر کی پیدائش سے ایک مہینہ قبل ہی اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ کچھ لوگ دنیا میں بڑے سخت امتحانوں کا شعور حاصل کرنے آتے ہیں۔ جس کو wisdom Maximum بھی کہا جا سکتا ہے۔

اگر انسان ہمت ہار دے، حوصلہ چھوڑ دے تو سوائے خودکشی کے کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ اور اگر اپنے وجود کی اہمیت، ذمے داری اور محبت کی ارفع قوت کو محسوس کرے تو فطرت کی بے بہا توانائیاں اس کی مدد کے لیے موجود رہتی ہیں...... حسین و جمیل نوخیز بہو جوانی کی بیوگی کو برداشت نہیں کر پا رہی تھی لیڈی صوفیہ خانزادہ کو ان کے خاندان کی خوب صورت نشانی اور عظیم اثاثہ ان کی گود میں دے کر دارِ فانی سے رخصت ہو گئی۔

پرنس شہپر علی خانزادہ کو پہلی گود ہی پردادی کی ملی...... اس کے لیے انہوں نے بہت خوب صورت اعلیٰ تعلیم یافتہ فلپائنی گورنس کا انتظام کیا تھا۔

وہ جتنی جمال پرست تھیں، زندگی اتنا ہی ان کو بدصورت حقیقتوں کے چہرے دکھاتی رہی۔

یوں پرنس، زندگی کا بہانہ بن گیا...... ہمکتے ہوئے بچے نے زندگی کی بھوک بڑھا دی......

یہ میرا خاندان ہے۔ میرا اثاثہ ہے......

میرے خاندان کی بقا کی ضمانت ہے۔

میں دکھوں پر ماتم نہیں کروں گی۔

دکھ تو آکر جا چکے ہیں۔

میں خدا کے سامنے طویل سجدے کروں گی...... اس بچے کی زندگی اور خوشیوں کی بھیک مانگوں گی۔

روز سیکڑوں فاقہ کشوں کو کھانا پہنچاؤں گی۔ مجھے جینا ہے، بہت سارا...... دیر تک اس بچے کے لیے......

''صدقہ، عمر بڑھاتا ہے، بری موت سے بچاتا ہے......'' سختیاں جھیلنے والی ماں نے کبھی یہ حدیث سنائی تھی بعد میں خود بھی پڑھی تھی۔

ان کے گھریلو ملازمین بہت خوش حال تھے۔ پیٹ بھر کر کھانا کماتے تھے۔ بہترین اسپتالوں میں علاج معالجہ کراتے تھے ان کے سرونٹ کوارٹرز کشادہ، روشن اور ہوادار تھے۔

وہ کبھی بہانے بنا کر روتے مانگتے نہیں پائے جاتے تھے۔ ان کے بچے پرائیویٹ اسکولوں میں پڑھتے تھے۔

دولت آج بھی دریا کی روانی کے طرح بہتی تھی۔ غیر ملکی تجارتی کمپنیوں میں ان کے شیئرز تھے۔ فارم ہاؤس، فش فارم، ڈیری فارم، مقامی بزنس تھے۔

اور سارا انتظام ان کے تین منیجر سنبھالتے تھے۔ خودکار طریقے سے ٹرانزیکشن ہوتی تھی...... اکاؤنٹ ملٹی پلائی ہوتے رہتے تھے۔

لیڈی صوفیہ جس شاہانہ جلال و پُروقار انداز میں زندگی گزار رہی تھیں ان کا ظاہر دیکھ کر کوئی ان کی شخصیت کے اس رخ کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ دانش کے اس سنہری دروازے کو بوسہ دے چکی ہیں جو کمال کی کٹھنائیوں سے گزرنے کے بعد ہی دکھائی دیتا ہے اور مادیت سے لطف اندوز ہونے کے راز افشا کرتا ہے۔ اور

وہ راز ہے اپنی دولت میں سے بڑی دیانت داری کے ساتھ مفلوک الحال لوگوں کا حصہ نکالنا......

ان کی تو جیولری کی زکوٰۃ ہی لاکھوں میں نکلتی تھی...... اور یہی سبب تھا کہ دادی اور پوتا ہر پل روحانی مسرت سے سرشار رہتے تھے۔

ان کے اندر نادیدہ خوف کے ڈیرے نہیں تھے...... نیا دن طلوع ہوتا، اسے بھرپور انداز میں گزارتے...... بریک فاسٹ، لنچ، ڈنر تینوں ٹائم بہترین ملبوسات زیب تن کرتے...... اصلی اور مسحور کُن خوشبو کا استعمال لازمی کرتے...... لاؤنج میں صبح شام تازہ پھول سجائے جاتے، کھانے کی دعوت کے بعد مدعو دوستوں کو تحائف ضرور دیتے......ان کا اپنا منفرد اور جداگانہ طرزِ زندگی تھا۔

بہت قریبی دوست ہی ان کے اس خاص طرزِ زندگی سے واقف تھے۔ جو وہ خود بھی اپنانے کی سعی کرتے تھے......دونوں دادی پوتا گویا ایک طلسمِ ہوش ربا کے باشندے تھے۔ حالانکہ یہاں طلسمِ ہوشربائی والی کوئی بات نہیں تھی۔ بالکل سیدھی سی بات تھی۔

مال کی کثرت سے لوگ مال کم ہونے کے خوف میں مبتلا ہو جاتے ہیں...... اور زیادہ سے زیادہ جمع کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ لیڈی صوفیہ کے ہاں مال خرچ ہوتا تھا...... اور خرچ ہوتا نظر بھی آتا تھا۔

یہ ایسا بابرکت مال تھا جس میں سے زکوٰۃ، صدقات، خیرات کثرت سے نکالے جاتے تھے اور نظامِ فطرت کے تحت دُگنا ہو کر ان کی طرف پلٹا دیے جاتے تھے۔

ان کی بہوؤں کو مال اس قدر غیروں پر اڑانا دل سے قبول نہیں تھا مگر وہ ساس کے سامنے زبان نہیں کھولتی تھیں۔ آج دونوں نہیں تھیں لیکن مال آج بھی بڑھ رہا تھا۔

وہ دادی کے سوال کا جواب ایک مسکراہٹ کی صورت میں دے کر اسٹوڈیو میں آ گیا تھا۔

"میں نے گرینڈ مام سے جھوٹ بولا...... شاید پہلی بار...... میں ان کا infant کی طرح خیال رکھوں...... its my duty میں ان کا asset ہوں تو وہ بھی میری سب کچھ ہیں۔ شادی کرتے نہیں ہیں۔ شادی ہو جاتی ہے...... ابھی کسی کی طرف دل نہیں جاتا...... اور میں اپنی شادی کو انجوائے کرنا چاہتا ہوں...... وہ تو تب ہی کر سکوں گا...... جب کوئی میرے دل میں اترے گی۔" ایک جھوٹ کے بعد وہ دوسرا جھوٹ بول کر اسٹوڈیو میں آیا تھا کہ "میں فون کر کے پتا کروں گا کہ ان کی فیملی کا آج کیا شیڈول ہے"۔ تصویر کشی کرنے کا موڈ نہیں تھا۔

اس کا اکلوتا بہترین دوست برونائی میں کوئی پروجیکٹ کر رہا تھا...... آج اسے واقعی اس بات پر حیرت ہوئی کہ وہ تنہائی سے لطف اندوز ہونے کے بجائے تنہائی کو محسوس کر رہا ہے۔

☆☆☆

تاجور نے مسلسل فون پاورڈ آف ملنے کے بعد بالآخر سیتا کو طلب کر لیا۔ وہ بیچاری ڈرتی لرزتی حاضر ہو گئی۔

"وہ پیپر تم غلطی سے لے آئی تھیں سیتا، ساحل کا resignation کہاں ہے؟"

"جی...... وہ مسٹر امیر الدین نے صرف ایک ہی پیپر دیا تھا...... جو میں آپ کو دے چکی ہوں۔" سیتا نے تھوک نگلتے ہوئے بہ مشکل جواب دیا۔

"لیکن یہ اس کا استعفیٰ تو نہیں ہے، اس میں تو فضول سی شاعری لکھی ہوئی ہے جس کا سر ہے نہ پیر...... آفس میں اس کی کسی سے کوئی بات ہوئی تھی؟ کوئی لڑائی جھگڑا ہوا ہے؟ کچھ تو ہوا ہے جو تم نے اس کے ریزائن کرنے کی بات کی...... وہ آفس سے بھی جا چکا ہے...... اس کا سیل بھی آف ہے......" تاجور بہت گہری نظروں

سے سیتا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔ تاجور کے نرم اور متحمل انداز نے بہر حال سیتا کا اعتماد قدرے بحال کر دیا۔

''وہ میم ایگزیکٹیو ڈرائیور... میم نے ان کے ساتھ بہت غصے میں بات کی تھی۔'' تاجور کو زوردار جھٹکا لگا تھا۔

''زارا نے مگر یہ اس سارے قصے میں اچانک زارا کہاں سے آگئی۔'' تاجور کے خاک پلے نہیں پڑا۔

''جی...... زارا میم لاؤنج میں آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔ آپ نے ان کو ویٹ کرنے کا بولا تھا......'' سیتا نے مؤدبانہ جواب عرض کیا۔

''اوہ مائی گاڈ......'' تاجور نے اپنی پیشانی پر بے اختیار ہاتھ مارا تھا۔ ''مجھے تو خیال ہی نہیں رہا کہ زارا آفس میں ہے۔ لیکن اس نے ساحل پر کس وجہ سے غصہ کیا...... یقیناً تمہیں وجہ معلوم ہوگی؟ باہر ہال میں سب تمہارے سامنے ہوتے ہیں۔'' تاجور نے یہ اضافی جملہ اس لیے کہا تاکہ سیتا بغیر ہچکچاہٹ کے اصل بات بیان کر دے اور کچھ چھپانے کی کوشش نہ کرے۔ کیونکہ وہ مسلسل نوٹ کر رہی تھیں کہ سیتا کے انداز میں اعتماد نہیں ہے۔

''honestly میم مجھے زیادہ نہیں پتا...... بس میں نے زارا میم کی غصے والی آواز سنی تھی...... وہ مسٹر امیر الدین کو ڈانٹ رہی تھیں۔'' سیتا اتنا کہہ کر خاموش ہوگئی تھی جیسے اب اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

''ہوں......'' تاجور نے گہری سوچ کے دوران لمبا سا ہنکارا ابھرا۔

''زارا سے کہو گاڑی میں بیٹھے...... میں آرہی ہوں۔'' چند سیکنڈ سوچنے کے بعد انہوں نے سیتا کو ہدایت دی۔ سیتا باہر چلی گئی۔

''اس لڑکی سے گھر جا کر ہی بات کرتی ہوں۔'' وہ خود کلامی کرتے ہوئے اپنی رسٹ واچ پر نظر دوڑا رہی تھیں۔ میٹنگ تو مقررہ انداز سے پہلے ختم ہوگئی تھی۔ وہ ضروری ای میلز چیک کرنے میں مصروف ہوئیں تو ذہن سے ہی نکل گیا کہ زارا کالج سے آکر آفس میں بیٹھی ان کا انتظار کر رہی ہے۔

انہیں دو تین گھنٹے گھر جا کر آرام کرنا تھا کیونکہ رات وہ ایک بہت بڑے فنکشن میں مدعو تھیں۔ آفس سے لیٹ اٹھنے کے بعد کہیں جانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے اسے یہاں بلوالیا تھا کہ ساتھ ہی گھر چلی جائیں گی۔

چھینی گئی کار کا مسئلہ بھی ساتھ، ساتھ چل رہا تھا۔

تسلی دلا دینے والے فون تو آرہے تھے۔ مگر کوئی ٹھوس کارروائی ابھی تک سامنے نہیں آئی تھی۔

انہوں نے اپنا آئی فون اور ہینڈ بیگ اٹھایا اور باہر آگئیں۔ انہیں دیکھ کر اسٹاف کے لوگ مؤدبانہ اپنی اپنی جگہ کھڑے ہوگئے تھے۔ وہ معمولی کی چال کے بجائے خاصی تیز، تیز چلتی جیپ تک آئی تھیں۔ وہ جیپ کے اندر داخل ہوئیں تو زارا ونڈو کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی باہر جھانک رہی تھی۔ رخ موڑنے کی ادا سے ہی اس کے آف موڈ کا اندازہ ہو رہا تھا۔ تاجور اسے مخاطب کرنے کے بجائے سیٹ کی بیک سے ٹیک لگا کر اور آنکھیں موند کر بیٹھ گئی تھیں۔ زارا نے کن انکھیوں سے ماں کی طرف دیکھا تھا۔ مگر تاجور کی آنکھوں پر سن گلاسز کا پردہ تھا۔ زارا نے گھبرا کر رخ موڑ لیا کہ مبادا تاجور اسی کی طرف دیکھ رہی ہوں۔

اس کا جی چاہا کوئی ایسی بات کرے۔ جس سے تاجور کے غصے میں خاطر خواہ کمی واقع ہو۔ پھر اس کی نظر ڈرائیور کی طرف گئی۔

جانے تاجور جواب میں کیا کہہ دیں...... خواہ مخواہ ڈرائیور کی موجودگی میں سبکی کا سامنا کرنا پڑ جائے۔

بس یہ خیال آتے ہی غنیمت سمجھا کہ اپنی طرف سے کوئی بات ہی نہ کرے......تاجور یوں بیٹھی تھیں گویا ان کے اور ڈرائیور کے علاوہ کوئی تیسرا وجود ہی نہ ہو۔ اور یہ خاموشی بات چیت سے زیادہ خوفناک تھی۔

☆☆☆

پرنس عصر کی اذان سے چند منٹ پہلے ہی قریبی مسجد جانے کے لیے نکل جاتا تھا......اذان راستے ہی میں سنتا تھا یہ پوش ایریا کی سب سے وسیع اور بہت خوب صورت مسجد تھی۔

وقت سے پہلے نکلنے کی وجہ سے وہ ہمیشہ سب سے پہلی صف میں نماز ادا کرتا تھا۔

اس وقت اس کے علاوہ دو عمر رسیدہ بزرگ مسجد میں موجود تھے......پھر اس کی نظر ایک سات آٹھ سال کے پیارے سے بچے پر پڑی، وہ ان دونوں بزرگوں سے الگ تھلگ بیٹھا تھا۔

پہلا خیال یہی آیا کہ یہ بچہ ان دونوں بزرگوں میں سے کسی کے ساتھ آیا ہے۔ عموماً دادا، نانا اپنے بچوں کو ساتھ لے کر مسجد آجاتے ہیں، یہ معمول کی بات کی۔ اس لیے اس نے اپنی جگہ منتخب کر لی۔ بچہ اتنا گم صم اتنا بھولا بھالا معصوم سا دکھائی دیا۔

اپنے فنکارانہ مزاج کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ جمالِ فطری سے فاصلہ نہ رکھ پایا......مصور کی نگاہ تو ہر شے میں چھپے حسن کو سرسری نگاہ میں بھی جانچ لیتی ہے......یہ حسن تو عین فطری تھا کہ بچے عین فطرت پر ہوتے ہیں۔ اس نے بچے کے برابر میں کھڑے ہو کر ہی نماز ادا کی۔

نماز ادا کرنے کے بعد وہ دعا میں مشغول ہو گیا۔ مراقبہ کی عادت کی وجہ سے لمحوں میں ارتکاز قائم ہو جاتا تھا۔

اس کی دعا کا انداز اس طرح کا ہوتا تھا۔ گویا قبر میں اکیلا مردہ اللہ سے ہم کلام ہو......

یکسوئی سے راز و نیاز کرنے کے بعد اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرا......تو اسے محسوس ہوا پہلو میں بیٹھے ہوئے بچے نے ہلکی سی سسکاری بھری ہو......پرنس نے چونک کر اپنے دائیں جانب دیکھا۔ بچہ آنکھیں بند کیے دعا مانگ رہا تھا۔ گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے۔ حساس فنکار کو یوں محسوس ہوا......گویا کسی نے اس کے شاہکار فن پارے پر سیاہی پھینک دی ہو۔ چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ہاتھ گالوں پر رک گئے تھے......وہیں جم کر رہ گئے۔

بوڑھا روئے تو بات کچھ سمجھ آتی ہے، بچہ مسجد میں روئے......تو فراست شرمسار ہوتی ہے۔ اس نے آہستہ سے اپنے ہاتھ نیچے کیے دوبارہ گھٹنوں پر رکھ لیے۔ اتنی بڑی مسجد میں نمازیوں کی صرف تین صفیں تھیں۔ جمعے کو صحن چھوٹا پڑ جاتا تھا......عیدین کو مسجد چھوٹی پڑ جاتی تھی، مسجد نماز کے بعد فوراً ہی خالی ہو گئی تھی۔ دو چار نمازی تسبیحات پڑھنے میں مصروف دکھائی دیے۔

پرنس نے پھر بچے کی طرف دیکھا......یہ تو یقین ہو چلا تھا کہ وہ کسی کے ساتھ نہیں ہے، اکیلا ہے کیونکہ چند نمازی جو موجود تھے وہ بعد میں آنے والے تھے......بچہ ابھی تک دعا میں مصروف تھا......دعا بہت طویل ہو گئی تھی۔ دعا میں جانے کیا مانگ رہا تھا۔ مگر اللہ سے بھی گویا اسی طرح اصرار کر رہا تھا......جیسے ماں سے ضد کر کے من پسند شے مانگتا ہو گا۔

پرنس مصورِ حقیقی کی وہ تصویر دیکھ رہا تھا جس نے اس کے ''زعمِ ہنرمندی'' کو صفر کر کے رکھ دیا تھا۔

(جاری ہے)

# یادیں خوشبو سی

حنادیہ احمد





"کیا بات ہے اماں! آج کھانے میں بڑا اہتمام کیا جارہا ہے؟ کوئی آرہا ہے کیا؟" رخشی نے ماں کو کچن میں مصروف دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں بیٹا آج تمہاری خالہ اسما آرہی ہیں۔" امی نے مسکرا کر رخشی کو جواب دیا۔

"واؤ، خالہ اسما آرہی ہیں، کیا سعدیہ بھی آرہی ہے؟" رخشی نے اپنی ہم عمر کزن کے بارے میں پوچھا۔

''نہیں بیٹا، وہ نہیں آ رہی۔ اگلے ماہ تم لوگوں کے امتحانات ہیں اسی وجہ سے بھائی صاحب اور بچے نہیں آ رہے۔ صرف تمہاری خالہ آ رہی ہیں، اپنے دیور کے بیٹے کے ساتھ، ان کے سسرالی رشتے داروں میں کسی کی شادی ہے۔ یہاں تو وہ ایک دن رہیں گی پھر صبح واپس چلی جائیں گی۔'' امی نے تفصیل سے رخشی کو جواب دیا۔

''ہم......م......م......مطلب ہے سعدیہ محترمہ خوب پڑھائی کر رہی ہیں۔ امی میں آپ کی کچھ مدد کر دوں؟'' رخشی نے ماں سے پوچھا۔

''نہیں بیٹا، سب کام ہو گیا ہے۔ تم جا کر اپنی پڑھائی کرو۔''

''اچھا امی میں ابھی پڑھنے جا رہی ہوں، خالہ آ جائیں تو مجھے بلا لیجیے گا۔'' یہ کہتے ہوئے رخشی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

☆☆☆

وہ ابھی کام نپٹا کر بیٹھی ہی تھیں کہ باہر دروازے کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے دروازہ کھولا اور فرطِ جذبات سے بہن سے لپٹ گئیں دونوں بہنیں کافی عرصے بعد مل رہی تھیں۔ انہوں نے بہن کو اندر لا کر بٹھایا اور پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔

''آپا آپ رضا (دیور کا بیٹا) کو دیکھ رہی ہوں گی۔ وہ مجھے یہاں چھوڑ کر کسی دوست سے ملنے چلا گیا ہے۔'' انہوں نے بتایا تو وہ رخشی کو بلانے لگیں۔

''رخشی، رخشی بیٹا خالہ آئی ہیں جلدی سے ان کے لیے شربت لے آؤ۔''

''السلام علیکم خالہ، کیسی ہیں آپ؟ سعدیہ کیسی ہے؟ اسے بھی ساتھ لاتی ناں، ہم مل کر پڑھ لیتے یہاں۔'' خالہ کا نام سنتے ہی رخشی دوڑتی ہوئی کمرے سے آ گئی۔

اور خالہ سے ملتے ہی سوالات کر ڈالے۔

''ارے چندا ضرور لاتی، سعدیہ بھی ضد کر رہی تھی مگر تم لوگوں کے پیپرز کی وجہ سے ہی اسے نہیں لائی اور ساتھ مل کر پڑھنے والی بات تو تم رہنے دو، پڑھتی کم ہو، اودھم زیادہ مچاتی ہو۔''

خالہ کی بات پر رخشی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''اچھا اب جاؤ، خالہ کے لیے شربت لے آؤ، تب تک معاذ بھی آ جائے گا کالج سے پھر مل کر کھانا کھاتے ہیں۔''

ثریا خاتون نے بیٹی کو کچن میں جانے کا کہا۔

☆☆☆

''واہ آپا مزہ آ گیا، اتنے عرصے بعد آپ کے ہاتھ کا ذائقہ چکھ کے پرانے دن یاد آ گئے۔ کیسے ہم دونوں کی رات کے کھانے کی باری ہوتی تھی۔'' اسما نے کھانے کی میز سے اٹھتے ہوئے پرانے دن یاد کیے۔

''صحیح کہا اسما وہ بھی کیا دن تھے۔'' ثریا خاتون کی آنکھوں کے آگے وہ بانکپن کا دور آ گیا۔

''امی آپ خالہ کے ساتھ باتیں کریں، برتن میں دھو دیتی ہوں اور ساتھ میں چائے کا پانی بھی رکھ دیتی ہوں۔'' رخشی نے ماں کو خالہ کے ساتھ خوش دیکھ کر کہا۔

''ہاں ٹھیک ہے، آؤ اسما کمرے میں چلتے ہیں۔'' ثریا خاتون اسما کو اپنے کمرے میں لے آئیں۔

''واہ آپا، کمرا تو ماشاء اللہ بہت اچھا سیٹ کیا ہوا ہے، کیا نیا فرنیچر لیا ہے؟'' اسما نے اِدھر اُدھر دیکھ کر جہازی سائز بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں، دو سال ہو گئے ہیں، اللہ خوش رکھے معاذ کو اس نے پسند کیا تھا یہ فرنیچر، اچھے دام میں مل گیا ورنہ تو تم جانتی ہو، معاذ کے ابا اور میں نے کس طرح پائی، پائی جوڑ کر یہ گھر بنایا، کچھ بھی تو نہیں تھا ہمارے اس گھر میں سوائے چند چیزوں کے......اب اس میں ان کا بھی قصور نہیں تھا، باپ کی وفات کے بعد ساری ذمے داری ان پر آ گئی تھی، دو چھوٹی کنواری بہنوں کی ذمے داری، بیوہ ماں کا ساتھ اور ابا کی وہ چھوٹی سی کرائے کی دکان کس طرح وہ سارا،

سارا دن دکان پر بیٹھ کر گاہکوں کے ساتھ مغز ماری کرتے تھے تب جا کے اس گھر کا چولہا چکی چل پاتا تھا۔'' ماضی کو یاد کر کے ثریا خاتون کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''آپا اس میں کوئی شک نہیں کہ بھائی صاحب نے اپنی زندگی میں بہت محنت کی لیکن تم یہ بھی تو دیکھو یہ ان کی محنت اور تمہارے سلیقے کا نتیجہ ہی تھا کہ بھائی صاحب نے نہ صرف تمہارے سسر والی دکان کو اچھا چلایا بلکہ اِک اور دکان خرید کر کرائے پر چڑھا دی۔ آج انہی کی محنت کا پھل تمہیں اور بچوں کو ایک آرام دہ زندگی مہیا کر رہا ہے۔'' اسما نے بہن کو رنجیدہ دیکھ کر ان کی ہمت بڑھائی۔

''سچ کہا اسما، یہ ان کی ہی محنت کا نتیجہ ہے کہ آج میں اور میرے بچے کسی کے محتاج نہیں۔ بچوں کی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہا اور گھر کا خرچہ بھی اسی کرائے کی وجہ سے آسانی سے چل رہا ہے اور اب تو ماشاء اللہ معاذ بھی شام میں دو تین گھنٹے دکان پر بیٹھنے لگا ہے۔'' ان کی آنکھوں میں بیٹے کی محبت جاگ اٹھی۔

''چلو یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' اسما نے خوش ہو کر کہا۔

''پھر آپا اس پرانے فرنیچر کا کیا، کیا؟'' اسما نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

''کیا کرنا تھا، اسٹور میں بند کر کے رکھ دیا ہے بھلا اس کو میں کیسے بھول سکتی ہوں، تمہیں پتا ہے معاذ کے ابا اور میں نے شادی کے چھ مہینوں بعد وہ فرنیچر لیا تھا اس کمرے کے لیے، اس دن میں اتنی خوش ہوئی تھی جبکہ لیا بھی سیکنڈ ہینڈ مارکیٹ سے تھا۔ کیونکہ اماں بیچاری تو مجھے کوئی چیز دے نہیں سکی تھی لیکن وہ کہتے ہیں ناں کہ پرانی چیزیں بڑی پائیدار ہوتی ہیں، ابھی تک وہ بیڈ صحیح سلامت ہے۔'' یہ کہتے ہوئے ثریا خاتون کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''صحیح کہا آپا، واقعی پرانے وقتوں کی چیزیں کافی مضبوط ہوتی تھیں لیکن آپا تم برا نہ مانو تو ایک بات

## غزل

اس بستی سے جو جاتا ہے
جانے کہاں وہ کھو جاتا ہے

ملنا مشکل ہو جاتا ہے
دل جب بھیڑ میں کھو جاتا ہے

کبھی نہ لوٹ کر واپس آئے
اس رستے پر جو جاتا ہے

بچھڑ گیا جو بچھڑ گیا بس
یادوں کا ہی ہو جاتا ہے

کتنا ہے آسان یہ کہنا
جو ہونا ہے ہو جاتا ہے

ساری ساری رات میں جاگوں
جانے مجھے کیا ہو جاتا ہے

کبھی نہ دیکھے اٹھ کر ہم کو
ایسی نیند وہ سو جاتا ہے

آخر کو کاٹے گا وہ ہی
انسان جو کچھ بو جاتا ہے

عشق کیا نہیں جاتا ناداں
ایسے ہی بس ہو جاتا ہے

شعر نہیں میں سوچ کر کہتی
شعر اچانک ہو جاتا ہے

یادوں کا اِک لمحہ کنولؔ جی
کتنا بھاری ہو جاتا ہے

شاعرہ: یاسمین کنولؔ، پسرور

کہوں؟'' اسما نے بڑی بہن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں بولو اسما...... ایسی کیا بات ہے جو کہتے ہوئے تم اتنا جھجک رہی ہو؟'' ثریا بیگم نے بہن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپا کیا ہی اچھا ہو اگر تم اپنا پرانا فرنیچر اسٹور روم میں بند رکھنے کے بجائے کسی ضرورت مند کو دے دو کیونکہ وہ اب تمہارے تو کسی کام آنے سے رہا۔ اس سے اچھا ہے کسی غریب کے کام آجائے، کسی غریب کا بچہ ٹھنڈے فرش پہ چادر بچھا کر سونے کے بجائے بستر پر سو سکے، بستر کی گرمی لے سکے۔'' اسما نے اپنی جانب سے مشورہ دیا۔

''وہ تو تمہاری بات ٹھیک ہے اسما اور بخدا میرے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی کیا بات ہوگی کہ میری کسی چیز کی وجہ سے کسی کا بھلا ہو جائے لیکن اس سے میری اور معاذ کے ابا کی یادیں جڑی ہیں۔ میں وہ فرنیچر کسی صورت بھی تبدیل نہ کرتی مگر معاذ نے اپنی قسم دے کر تبدیل کروایا۔ مجھے انسیت ہے ہر اس چیز سے جو معاذ کے ابا سے جڑی ہے اور یہ تو ہم دونوں کی ساتھ میں خریدی ہوئی پہلی چیز، پہلی نشانی تھی۔''

''میں مانتی ہوں آپا! لیکن کیا ہی اچھا ہو، نشانیوں کو سنبھالنے کے بجائے ہم انہیں کسی کے کام آنے دیں۔ آج جب کسی غریب کو بستر کی حرارت ملے گی تو جو اس کے دل سے دعا نکلے گی، وہ تمہارے اور بچوں کی کس مشکل میں بھلا کر جائے کوئی نہیں جانتا۔ اور ویسے بھی آپا یادیں تو ہمارے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔ وہ کبھی نہیں ختم ہوتیں چاہے اس یاد سے جڑی چیز ہمارے پاس ہو یا نہ ہو۔ ان کے نہ ہونے سے بھی ہمارے دل میں نہ تو ان کی محبت کم ہوگی، نہ انسیت، نہ ہی ان سے جڑی یادیں کوئی چھین سکتا ہے۔'' اسما نے بڑی بہن کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ لیجیے جناب! گرما گرم چائے۔'' رخشی نے چائے پیش کرتے ہوئے کہا۔

''شکریہ بیٹا!'' اسما نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''امی چائے؟'' اس نے ماں کو مخاطب کیا۔

''آں ہاں۔'' ثریا بیگم نے چونکتے ہوئے کہا۔

''خالہ جان آپ مجھے اپنے کپڑے دے دیں تاکہ میں پریس کر دوں، ورنہ لوڈ شیڈنگ کا تو آپ کو پتا ہے۔'' رخشی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں بیٹا میرے بیگ میں ہیں، چائے پی کر دیتی ہوں۔''

☆☆☆

اسما تو اگلے دن صبح کی ٹرین سے اپنی اگلی منزل کو روانہ ہو گئیں لیکن ثریا بیگم کے لیے سوچ کا دروازہ کھول گئیں۔ واقعی یادیں تو انسانوں سے وابستہ ہوتی ہیں بھلا چیزیں بھی کبھی کسی انسان کا نعم البدل ہو سکتی ہیں۔ چیزیں تو پرانی ہو جاتی ہیں، خراب ہو جاتی ہیں، اپنی وقعت کھو دیتی ہیں۔ نہیں پرانی ہوتیں تو ان چیزوں سے جڑی یادیں اور وابستگی...... اور یہی وابستگی خوشبو کی صورت سدا ہمارا ارد گرد مہکاتی ہے۔

انہیں اپنی بہن کی ہر بات صحیح لگ رہی تھی مگر اس کے چند جملے ان کے دماغ میں اٹک سے گئے تھے جو ان کی بہن ان سے کہہ کر گئی تھی۔

''آپا...... میری نند جو اس شہر میں رہتی ہے، میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے کہ اسے ایک بیڈ روم سیٹ خرید کر دوں چاہے سیکنڈ ہینڈ ہی ہو وہ اور اس کے بچے دری پر نیچے سوتے ہیں۔ میرا بیڈ روم سیٹ بھی اگرچہ پرانا ہو گیا ہے مگر ہم ابھی نیا خرید نہیں سکتے۔ اب سردیاں بھی آرہی ہیں۔ اگر آپ یہ فرنیچر اسے دے دیں تو آپ کو واقعی بے حد و بے حساب ثواب ملے گا۔ میں بھی سرخرو ہو جاؤں گی۔''

ثریا بیگم تصور میں اپنی بہن کی نند کے بچوں کو بیڈ پر آرام سے سوتا دیکھ رہی تھیں اور لب آپ ہی آپ مسکرا اٹھے تھے۔

# یہ عشق ہے جاناں

نفیسہ سعید

مما زوردار آواز میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں، وہ نہایت غصے میں تھیں جس کا اندازہ ان کے چہرے پر چھائے تاثرات دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا تھا، ذوعان نے انہیں دیکھتے ہی جلدی سے اپنے لیپ ٹاپ کی اسکرین بند کی، جانتا تھا اگر اسی طیش کی حالت میں ان کی نظر سامنے اسکرین پر نمایاں اس اداکارہ کی تصویر پر پڑ جاتی تو سمجھو قیامت ہی آجاتی، ساتھ ہی اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ مما دروازہ اتنے زوردار



انداز سے کھول کر آئیں کہ وہ ان کی آمد سے باخبر ہو گیا ورنہ تو......

''تم نے ارسل کو کیوں مارا ہے؟'' اپنا ایک ہاتھ کمر پر رکھے، بالکل سامنے کھڑی غصے کے عالم میں وہ اس سے جواب طلب تھیں۔

''کون ارسل......؟'' اپنے چہرے پر دنیا جہاں کی معصومیت سجائے وہ ایسے پوچھ رہا تھا جیسے واقعی ارسل کو نہیں جانتا۔

''بنومت، تم اچھی طرح جانتے ہو میں کمال صاحب کے بیٹے ارسل کی بات کر رہی ہوں جو تمہارا کلاس فیلو بھی ہے۔'' انہوں نے الفاظ خاصے چباتے ہوئے جملہ ادا کیا۔

''اوہ اچھا......وہ ارسل......آپ کو کس نے بتایا کہ میں نے اسے مارا ہے؟'' دل ہی دل میں آئے ارسل کے خلاف اپنے غصے کو دباتے ہوئے وہ آرام سے بولا۔

''اٹھ کر نیچے جاؤ، کمال صاحب تمہارے پاپا کے پاس آئے بیٹھے ہیں، جانتے ہو تم نے اسے دھکا کر دے اس کی ناک کی ہڈی توڑ دی ہے۔'' مما غصے کہتے ہوئے واپس پلٹیں۔

''اوہ نو......لیکن مما میں نے تو اسے مذاق میں دھکا دیا تھا، اب مجھے کیا پتا تھا کہ اس کی ناک جا کر سامنے والی دیوار میں گھس جائے گی۔'' حسبِ معمول وہ اب بھی مطمئن تھا۔

''ذوحان نیچے آؤ اور یہ سب وضاحت اپنے باپ کے سامنے دو مجھے بے وقوف مت بناؤ۔'' مما غصے سے واپس پلٹتے ہوئے بولیں۔

''مجھے نیند آرہی ہے میں سونے لگا ہوں آپ پلیز پاپا سے کہہ دیں کہ وہ سو رہا ہے جب میں جاگوں گا تو خود ہی بات کرلوں گا۔'' تکیہ سیدھا کر کے لیٹتے ہوئے وہ اطمینان سے بولا۔ روحی کچھ دیر کھڑی اپنے لاڈلے بیٹے کو دیکھتی رہیں مگر بولی کچھ نہیں، جانتی تھیں کہ وہ ازلی ڈھیٹ ہے اور اب اگر اس نے نیچے آنے سے انکار کر دیا ہے تو وہ کبھی نہیں آئے گا، یہ سوچتے ہوئے وہ دروازہ کھلا چھوڑ کر ہی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئیں۔

☆☆☆

''تم نے سر کو کیوں بتایا کہ میں چیٹنگ کر رہا تھا۔'' چہرے پر غصے کے بھرپور تاثرات لیے وہ اس کے سامنے کھڑا جواب طلب تھا، زلف نے ایک نظر اس کے سرخ و سفید چہرے پر ڈالی وہ جب سے اس کالج آئی تھی اس کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی کہ ذوحان یا اس کے کسی دوست کے منہ نہ لگے کیونکہ اسے ان لڑکوں کا یہ گروپ قطعی پسند نہیں تھا اس کے باوجود آج اس کی یہ کوشش ناکام ہوگئی اور ذوحان اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ اس نے اسے قطعی نظر انداز کر کے آگے کی طرف بڑھنے کی کوشش کی۔

زلف کے آگے بڑھتے ہی وہ کڑے تیوروں کے ساتھ ایک بار پھر سے اس کے سامنے آگیا۔

''میرے آگے سے ہٹو، میں تم جیسے بدتمیز لوگوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔'' ناگواری سے جواب دیتے ہوئے اس نے ایک بار پھر سے آگے بڑھنا چاہا۔

''مجھے بھی تم جیسے باتمیز لوگوں سے بات کرنے کا کوئی خاص شوق نہیں ہے لیکن ایک بات یاد رکھنا، آئندہ اگر میرے خلاف کوئی بات کرنے کی کوشش کی ناں تو......'' اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی اٹھا کر وہ اسے خبردار کرتا ہوا بولا۔

''تو کیا کرو گے؟'' اپنے اسکارف کی پن درست کرتے ہوئے وہ نہایت اطمینان سے بولی۔

''اوئے نکل یہاں سے، سر ہمدانی اسی طرف آرہے ہیں پکڑا جائے گا۔''

قبل اس کے وہ اسے کوئی سخت جواب دیتا، فیصل دوڑتا ہوا آیا اور اسے بازو سے کھینچ کر لے گیا جبکہ زلف اپنی جگہ کھڑی اسے پشت کی جانب سے

تکتی رہی۔

☆☆☆

"سارا قصور ماں، باپ کی غلط تربیت کا ہوتا ہے، دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر بڑے گھرانوں کے نوجوان لاڈ پیار میں بگڑ کر ایسی ہی گھٹیا حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔" امی اسے سمجھاتے ہوئے آہستہ، آہستہ بولیں۔ "تم کوشش کیا کرو اس لڑکے کے زیادہ منہ نہ لگو۔"

"اماں آپ تو اچھی طرح جانتی میں کسی بھی ٹائپ کے لڑکے کے منہ نہیں لگتی، پتا نہیں کیوں بلاوجہ مجھ سے آکر الجھ گیا۔ ٹھیک ہے میں اس کے پیچھے والی سیٹ پر بیٹھی تھی جب وہ اکاؤنٹنگ کا پیپر اپنے موبائل کی مدد سے حل کر رہا تھا مگر خدا گواہ ہے یہ بات میں نے سوائے آپ کے کبھی کسی کو نہیں بتائی پھر پتا نہیں کیسے کلاس میں عثمانی صاحب نے اسے لتاڑ دیا اور وہ باہر نکلتے ہی میرے پیچھے دوڑا آیا، عجیب بدمعاشی ہے۔" اس کے لہجے کی بے بسی، سمیرا کے دل کو پریشان کر گئی اور انہوں نے فوراً ہی اس کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔

"میرا خیال ہے تم اپنا ٹرانسفر گرلز کالج میں کروالو۔"

"یہ اس... مسئلے کا حل نہیں اماں، زندگی کے ہر شعبے میں کہیں نہ کہیں مردوں سے واسطہ ضرور پڑتا ہے اب اگر میں ایسے ہی گھبرا کر سب کچھ چھوڑنے لگی تو ہوگیا کام......" امی سے اپنا مسئلہ ڈسکس کر کے وہ خاصی مطمئن ہو چکی تھی۔

"لیکن بیٹا اتنا اسٹریس تمہاری طبیعت خراب کر دیتا ہے، اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ چھوڑ دو ایسی جگہ جو تمہارے لیے پریشانی کا باعث بنے۔" سمیرا کو اپنی یہ بیٹی تمام بچوں سے زیادہ عزیز تھی، اس لیے وہ اسے ذرا سا بھی پریشان نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوتا اماں اور ویسے بھی میری طبیعت اب پہلے سے خاصی بہتر ہے۔" اس نے اپنی ماں کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"اللہ کرے کہ تمہاری طبیعت ایسے ہی بہتر رہے۔" انہوں نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے دعا دی۔

"آمین۔" دل ہی دل میں کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں تھوڑا سونے لگی ہوں پلیز آپ عصر تک لازمی جگا دیجیے گا۔ کل میرا ٹیسٹ ہے وہ یاد کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں جگا دوں گی تم سو جاؤ۔" امی کا جواب سنتے ہی وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

پورا لاؤنج نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، صرف ایک زیرو پاور کا بلب روشن تھا۔ وہ آہستہ، آہستہ سیڑھیاں چڑھتا اوپر آگیا۔ اپنے کمرے کا دروازے کھولنے کے لیے جیسے ہی ناب پر ہاتھ رکھا کسی نے اس کا بازو سختی سے تھامتے ہوئے اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

"کہاں سے آرہے ہو اتنی رات میں؟" اس نے پلٹ کر دیکھا پاپا اس کے عین پیچھے کھڑے تھے۔

"ابھی تو پاپا صرف بارہ بجے ہیں۔" وہی ازلی بے فکری اس کے لہجے سے جھلک رہی تھی۔

"بارہ صرف نہیں ہوتے ذوحان، تم اچھی طرح جانتے ہو جس علاقے میں ہم رہتے ہیں وہاں سرِ شام ہی رات کے اندھیرے پھیل جاتے ہیں ایسے میں بارہ بجے گھر کا گیٹ کھول کر تمہارا اکیلے اس طرح اندر آنا کچھ ٹھیک نہیں ہے اور یہ بات میں تمہیں کئی بار سمجھا چکا ہوں مگر جانے تم کیوں نہیں سمجھتے۔" وہ اس کا بازو تھامے تھامے سخت لہجے میں بولے۔

"ٹھیک ہے پاپا، آئندہ احتیاط کروں گا، ابھی پلیز میرا بازو تو چھوڑ دیں۔ تکلیف ہو رہی ہے۔ مزید یہ کہ... باہر گیٹ پر خان بابا موجود تھے اس لیے اس مسئلے پر اتنا پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں ہے۔"

"لیکن ابھی تک تم تھے کہاں؟" اس کا

بازو چھوڑنے کے باوجود وہ وہیں کھڑے تھے۔ شاید اس کے آخری جملے پر انہوں نے غور بھی نہیں کیا تھا۔

''افوہ، کیوں اتنی انکوائری کر رہے ہیں ہم تو شعی کے گھر میں وڈیو گیم کھیل رہے تھے۔'' جواب دیتے ہی وہ انہیں اسی جگہ کھڑا چھوڑ کر اندر کمرے میں داخل ہوگیا اس کے پیچھے کھڑے فہد صاحب کافی دیر تک بند دروازہ تکتے رہے جہاں سے ابھی چند لمحے قبل ان کا اکلوتا اور لاڈلا بیٹا انہیں کوئی اہمیت دیے بِنا اندر کمرے میں جا کر دروازہ بھی بند کر چکا تھا۔ وہ کچھ دیر یوں ہی کھڑے رہے پھر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر واپس سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئے۔

☆☆☆

''اوئے وہ دیکھ......''

شعی نے اشارے سے اس کی توجہ سامنے کی جانب مبذول کروائی جہاں زِلف اپنی کسی دوست کے ساتھ کھڑی باتیں کر رہی تھی۔

''جو بھی ہے استاد لڑکی ہے خوب صورت......'' شاویز جیسے اسے نظروں کے راستے دل میں اتارتے ہوئے بولا۔

''خوب صورت اور بدتمیز......'' ذوحان نے برا سامنہ بناتے ہوئے کہا۔ ''بات ایسے کرتی ہے جیسے ہم نے اس سے قرض لے کر کھایا ہو جاہل لڑکی' پتا نہیں خود کو سمجھتی کیا ہے؟''

''اصل میں بات صرف اتنی ہے کہ محترمہ کو اندازہ ہو چکا ہے کہ انہیں کالج کی خوب صورت لڑکیوں میں شمار کیا جانے لگا ہے اور شاید یہی وجہ ہے جس نے اس کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچا دیا ہے۔'' شعی کا تجزیہ اس کی اپنی سوچ کے عین مطابق تھا۔

''دفع کرو، ہمیں کیا جو مرضی آئے خود کو سمجھتی رہے، مجھے تو ویسے بھی اتنی ملانی ٹائپ لڑکیاں ذرا پسند نہیں...... صاف ایسا لگتا ہے جیسے دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے روپ بدل لیا ہو۔''

ذوحان کا تعلق جیسی آزاد خیال سوسائٹی سے تھا وہاں اس طرح لپٹی لپٹائی لڑکیوں کے لیے ہمیشہ ہی فضول باتیں کی جاتی تھیں۔ یہی وجہ تھی ان کے گروپ نے ایسی لڑکیوں کو مختلف نام دے رکھے تھے جیسے بجا، پردے کی بوبو، ملانی وغیرہ جس میں زِلف... سرِفہرست تھی جس کا سرعام مذاق اڑا کر یہ لڑکے اپنے دل کو تسکین دیا کرتے تھے اور اب بھی ایسا ہی ہوا، وہ اپنی دوست سے باتیں کرتی ہوئی ان کے قریب سے گزری تو سارے ایک ساتھ قہقہہ مار کر ہنس دیے مقصد صرف اس کا مذاق اڑانا تھا۔ وہ کوئی نوٹس لیے بِنا ان کے پاس سے خاموشی سے گزر گئی تھی۔

☆☆☆

''یہ بریانی کہاں سے آئی ہے؟'' گھر میں گھستے ہی بریانی کی خوشبو سونگھتے ہوئے وہ کچن میں پہنچ گئی جہاں سامنے ہی سلیپ پر بریانی کی ڈش رکھی تھی۔

''بابا لائے ہیں، شاید مدرسے میں آج کوئی نیاز تھی۔'' اس کی بڑی بہن خولہ نے دہی پھینٹتے ہوئے جواب دیا۔

''اوہ شکر ہے، آج میرا بہت دل چاہ رہا تھا بریانی کھانے کو اور دیکھو گھر آتے ہی مل بھی گئی۔'' اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر ایک چمچ بھر کے بریانی منہ میں ڈالتے ہوئے اپنی دلی خوشی کا اظہار کیا۔

''ظہر کی نماز قضا ہو رہی ہے بچہ، پہلے وہ ادا کرو پھر دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھالینا اس طرح بیچ میں چمچ مارنا اچھا نہیں لگتا۔'' جانے بابا کب کچن کے دروازے پر آن کھڑے ہوئے اسے پتا ہی نہیں چلا اب جو ان کی آواز سنی تو ایک دم شرمندہ سی ہوگئی۔

''سوری بابا جان۔'' فوراً اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے اس نے وہ چمچ سنک میں رکھا اور کچن سے باہر نکل آئی۔ سامنے ہی اس کی آٹھ سالہ بھانجی شبینہ کھڑی اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

"آپ تو اتنی بڑی ہیں خالہ جان پھر بھی ابھی تک میری طرح ڈش میں کھا کر سب کے لیے جھوٹا کردیتی ہیں۔" شبینہ نے معصومیت سے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ظاہر ہے، ننھی پری، خالہ تو آخر میں تمہاری ہی ہوں ناں اسی لیے عادتیں بھی تمہارے ہی جیسی ہیں۔" شبینہ کی پونی ہولے سے کھینچ کر وہ ہنس دی۔

☆☆☆

فہد صاحب ابھی اسپتال سے واپس ہی لوٹے تھے کہ گھر میں اکرام (ملازم) دوڑا اچلا آیا۔

"صاحب جی جلدی آئیں...... باہر پولیس آئی ہے ذوہان صاحب کو پوچھ رہی ہے جی۔" اکرام نے پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ انہیں اطلاع دی۔

"پولیس...... ذوہان کے لیے...... خیریت تو ہے۔" ان کے بولنے سے قبل ہی روحی بولتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئیں، پیچھے پیچھے وہ بھی باہر گیٹ تک آگئے جہاں سامنے ہی ایک انسپکٹر موجود تھا۔

"آپ کے بیٹے کے خلاف تھانے میں کمال صاحب نے شکایت درج کرائی ہے، اس نے کل سامنے پارک میں کرکٹ کھیلتے ہوئے ان کے بیٹے ارسل کی ٹانگ پر زوردار بیٹ مارا ہے جس سے اس کے گھٹنے کی ہڈی میں فریکچر ہوگیا ہے۔"

"سوری سر، وہ اس وقت گھر پر نہیں ہے کوچنگ سینٹر گیا ہے، واپس آتا ہے تو میں اسے خود لے کر تھانے آتا ہوں۔ ہم وہیں بیٹھ کر کمال صاحب سے معافی مانگ لیں گے انشاء اللہ سارا مسئلہ حل ہوجائے گا، آپ فکر مت کریں۔"

روحی کی تو سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا جواب دیں جب فہد صاحب نے آگے بڑھ کر بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

"بات میری فکر کرنے کی نہیں ہے ڈاکٹر صاحب اصل مسئلہ آپ کے بیٹے کا ہے جو بلاوجہ لڑائی جھگڑا مول لے کر محلے والوں کی پریشانی کا سبب بن رہا ہے۔"

بجائے تھانے لاکر اسے سمجھانے کے......کوشش کریں کہ آپ خود اسے سمجھا سکیں، آپ اس کے باپ ہیں۔ کم ازکم آپ میں اتنی صلاحیت تو ہو کہ ایک اٹھارہ بیس سالہ لڑکے کو کنٹرول کرسکیں۔'' انسپکٹر نے تلخ لہجے میں اپنی بات مکمل کی، فہد صاحب اندازہ لگا چکے تھے کہ وہ اس وقت غصے میں ہے اس لیے انہوں نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ قطعی ترک کردیا مبادا کہیں بات مزید خراب ہوجائے۔

''دیکھیں سر، میں دوسری بار آیا ہوں آپ کو یہ سمجھانے کے لیے کہ اپنے بیٹے کو قابو کریں کہیں ایسا نہ ہو میرے یہاں سے جاتے ہی نیا آنے والا ایف آئی آر کاٹ کر ہی آپ تک پہنچے اور اس طرح آپ کو محلے میں اپنی عزت بچانا مشکل ہوجائے۔'' انہیں تنبیہی نگاہوں سے گھورتا ہوا انسپکٹر واپس پلٹ گیا۔

''یہ سب تمہارے لاڈ پیار کا نتیجہ ہے، برباد کردیا تم نے میرے جوان بیٹے کو۔'' اندر آتے ہی انہوں نے اپنا غصہ روحی پر اتارنے کی کوشش کی۔

''اگر میرے لاڈ پیار نے بگاڑ دیا ہے تو آپ سدھار لیں، صرف میری ذمے داری نہیں ہے اسے سنبھالنے کی۔ آپ بھی اس کی تربیت میں اپنا حصہ ڈال لیں، آخر کو باپ ہیں اس کے۔'' ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ فہد صاحب کی کسی بات کا پلٹ کر جواب نہ دیں۔

''اب کیا خاک تربیت ہونی ہے اب تو جو تباہی ہونی تھی ہوچکی۔ یہ عمر تربیت کرنے کی نہیں ہے بلکہ جو تربیت ہوئی ہے اس کے ظاہر ہونے کا وقت ہے جو ہو رہا ہے۔'' وہ غصے میں دانت پیستے ہوئے مگر آواز دباتے ہوئے بولے مبادا کوئی ملازم سن لے اور یہی وہ لمحہ تھا جب لاؤنج کا دروازہ دھکیلتا ذوحان اندر داخل ہوا... اندر پاؤں رکھتے ہی اسے ماحول میں موجود گرمی کا احساس ہوگیا اور وہ وہیں دروازے کے پاس ہی رک گیا۔

''لو آگیا تمہارا لاڈلا۔'' فہد صاحب کی اس پر نظر پڑتے ہی وہ بیوی سے مخاطب ہوئے۔

''خود سمجھا دو......ورنہ مجھے کہو تو پولیس کو فون کردوں کہ آ کے تھانے لے جائے۔ وہاں شاید زیادہ آسانی سے یہ ہر بات سمجھ جائے گا۔'' وہ ذوحان کو خون آلود نگاہوں سے گھور رہے تھے۔

''خیریت ہے مما کیا ہوا انہیں؟'' وہ باپ کو قطعی نظر انداز کرتا ماں کے قریب آکر ایسے بولا جیسے اسے کسی بات کا علم ہی نہ ہو۔

''تم نے پھر سے ارسل کو مارا ہے؟'' روحی کے جواب دینے سے قبل ہی انہوں نے ذوحان کے قریب پہنچ کر اس سے جواب طلبی کی۔

''مارا نہیں ہے، غلطی سے بیٹ اس کی ٹانگوں پر لگ گیا۔ جسٹ کھیل کے دوران اور بس......حد ہے اتنا بڑا لڑکا ہے ذرا سی برداشت نہیں۔ فوراً رونے پہنچ جاتا ہے۔''

''رونے وہ خود نہیں پہنچا، پولیس آئی تھی۔ اس کے باپ نے تھانے میں کمپلین کی ہے تم نے اس کے بیٹے کو مارا ہے۔''

''اس کی تو......'' وہ گالی دیتے، دیتے رک گیا۔

''پلیز پاپا اب آپ بیچ میں مت آیئے گا اسے اب میں خود ہی سیدھا کرلوں گا، لڑکیوں کی طرح ہر بات کی شکایت لے کر گھر آجاتے ہیں دونوں باپ، بیٹا۔''

''یاد رکھنا ذوحان اگر اب تم نے ارسل کو کچھ کہا تو میں تمہیں اس گھر میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔ بے دخل کردوں گا تمہیں اپنے گھر کی ہر چیز سے سمجھے تم۔'' یہ محض دھمکی تھی اور ذوحان یہ بات اچھی طرح جانتا تھا اس لیے خاموش کھڑا رہا۔ وہ قہر آلود نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔

''سوری بولو اپنے پاپا سے۔'' اُن کے باہر نکلتے ہی وہ بیٹے سے مخاطب ہوئیں۔

''کس بات کی سوری؟''

ذوحان نے حیرت سے شانے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ بالکل ایسے جیسے وہ ہر بات سے قطعی لاعلم ہو۔

"تمہیں نہیں معلوم...... ابھی تم نے اپنے پاپا کے ساتھ کس قدر بدتمیزی سے بات کی ہے؟ جاؤ جا کر معافی مانگو ان سے پورے دس گھنٹے بعد اسپتال سے گھر آئے تھے اور آتے ہی تمہارے مسئلے میں الجھ گئے۔"

اب جا کر روحی کو احساس ہوا تھا کہ ڈاکٹر صاحب پورے دس گھنٹے بعد گھر آئے ہیں، ذوحان نے کوئی جواب نہیں دیا اور بنا کچھ کہے اوپر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا بالکل ایسے جیسے ماں کا مخاطب وہ نہیں کوئی اور تھا۔ روحی نیچے کھڑی اسے اوپر جاتا دیکھ کر تلملاتی رہیں۔

☆☆☆

"کیسی طبیعت ہے اب تمہاری؟" بالاج نے بہن کے ماتھے کو چھوتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

"اب تو کافی بہتر ہوں شکر الحمد للہ!" بڑے بھائی کو دیکھتے ہی اس نے جلدی سے اپنا دوپٹا ٹھیک کر کے بیٹھنے کی کوشش کی۔

"لیٹی رہو بیٹا! مجھے تو رات ہی تمہاری بھابی نے بتایا تھا کہ تمہیں پھر سے بخار ہو گیا ہے، اس لیے ابھی آفس جانے سے پہلے میں تمہاری طبیعت پوچھنے آ گیا۔"

"سمجھ میں نہیں آتا اسے ہر دوسرے دن بخار کیوں ہو جاتا ہے۔" امی کمرے میں اس کا ناشتا لیے داخل ہوئیں۔

"موسم تبدیل ہو رہا ہے امی، اس کا اثر سب پر پڑتا ہے، مونس بھی رات سے کھانس رہا ہے آپ بلاوجہ ٹینشن مت لیں۔" بالاج نے ماں کو سمجھاتے ہوئے اپنے بیٹے کی طبیعت کا ذکر بھی کر دیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر اسے تو دو ہفتے ہو گئے اسی طرح بخار چل رہا ہے۔ سوچ رہی ہوں کہ ٹیسٹ کروالوں کہیں ڈینگی نہ ہو گیا ہو اللہ معاف کرے بخار کی علامات ملیریا والی ہیں کبھی چڑھنا اور کبھی اترنا۔"

"چلیں دیکھ لیں، نہ ٹھیک ہو تو پھر ڈاکٹر سے ٹیسٹ لکھوالیں گے ویسے جہاں تک میرا خیال ہے یہ کمزور بہت ہے اوپر سے کھانا پینا بھی نہ ہونے کے برابر ہے، یہ تمام باتیں بھی تو طبیعت پر اثر انداز ہوتی ہیں۔" بالاج کی بات کافی حد تک درست تھی کھانے کے معاملے میں وہ ایسی ہی تھی اور اب تو جب سے اس کی طبیعت خراب ہونا شروع ہوئی تھی اس کا کھانا پینا بس برائے نام ہی رہ گیا تھا۔

☆☆☆

وہ جیسے ہی لائبریری میں داخل ہوئی ایک دم پہلی ہی نظر سامنے بیٹھے ذوحان پر پڑی، اسی پل ذوحان نے بھی اسے نظر اٹھا کر دیکھا اور پھر سے اپنے سامنے رکھی کتاب میں مصروف ہو گیا۔ یہاں وہ اکنامکس کا پیریڈ چھوڑ کر چھپا بیٹھا تھا کیونکہ کچھ دیر قبل ہی سرہمدانی نے پورے کالج کا ہنگامی دورہ کرتے ہوئے وہ تمام لڑکے پکڑ لیے تھے جو کلاسز بنک کر کے یہاں وہاں پھرتے تھے۔ ذوحان کی قسمت اچھی تھی جو اسے یہاں آ کر چھپنے کا موقع مل گیا ورنہ شعیب اور شاویز دونوں ہی پکڑے جا چکے تھے اور اب یقیناً پرنسپل صاحب کے آفس میں ان کا تفتیشی پیریڈ چل رہا ہوگا اور ضرور دونوں کے گھر فون بھی کر دیا گیا ہوگا یہی وجہ تھی کہ یہ پورا پیریڈ اب اسے یہاں لائبریری میں ہی رہنا تھا۔ ذوحان نے دیکھا زلف کے پیچھے ہی ارسل بھی اندر داخل ہوا۔ شاید وہ دونوں ساتھ ہی آئے تھے۔ کیونکہ اگر زلف کلاس میں کسی سے بات کرتی تھی تو وہ صرف ارسل تھا ورنہ تو ان دو سالوں میں ذوحان نے اسے کسی سے بات کرتے نہ دیکھا تھا، ارسل کی نظر ذوحان پر نہیں پڑی تھی اس لیے وہ اس کے قریب ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ جب ہاتھ میں کتاب لیے زلف اس کے قریب آئی اور اسے ذوحان کے

قریب بیٹھا دیکھ کر ناگواری کے واضح تاثرات اس کے چہرے پر چھا گئے۔

"ارسل اٹھو یہاں سے، وہ سامنے والی ٹیبل خالی ہے وہاں بیٹھتے ہیں۔" چہرے کے ساتھ، ساتھ اس کے لہجے میں بھی ناگواری رچی ہوئی تھی۔

"کیوں، ارسل کوئی لڑکی ہے جسے میرے ساتھ بیٹھنے میں پرابلم ہو رہی ہو؟" نہ چاہتے ہوئے بھی ذوحان اس کی بات سن کر تپ گیا اور سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ جبکہ اس کی بات کا جواب دونوں میں سے کسی نے نہ دیا، زلف تو دوسری ٹیبل کی جانب بڑھ گئی لیکن اس سے قبل کہ ارسل کرسی چھوڑ کر اٹھتا ذوحان نے اسے بازو سے پکڑ کر پھر سے بٹھا دیا۔

"بیٹھ جاؤ یار کیوں ڈر رہے ہو نہیں مارتا ویسے بھی آج میرا یہاں لائبریری میں پھڈا کرنے کا کوئی موڈ نہیں ہے۔" ارسل کو دیکھتے ہوئے وہ مذاق اڑانے والے انداز میں ہنستے ہوئے بولا۔

"بازو چھوڑو میرا۔" ارسل نے غصے سے اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑایا۔

"اپنی غلط فہمی دور کر لو کہ میں تم سے ڈرتا ہوں، بات صرف اتنی ہے کہ میں تم جیسے بدتمیز لوگوں کے منہ لگنا پسند نہیں کرتا۔" ذوحان سے اپنا بازو چھڑاتے ہی ارسل نے ایک بار پھر سے کھڑا ہونے کی کوشش کی مگر جانے ذوحان کو کیا ہوا اس نے ہلکا سا دھکا دے کر اسے کرسی پر گرا دیا۔ لائبریری کی خاموشی میں ایک دم ابھرنے والی یہ آواز خاصی تیز تھی۔ زلف تیزی سے واپس پلٹتے ہوئے ان دونوں کی طرف آئی لیکن اس سے قبل کہ بات مزید آگے بڑھتی لائبریرین بھی اپنی سیٹ چھوڑ کر ذوحان کے سر پر آن پہنچی جبکہ یہاں وہاں بیٹھے اکا دکا طلبا کے چہرے پر بھی یہ منظر دیکھ کر خاصی ناگواری پھیل چکی تھی۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ، اب لائبریری جیسی جگہ بھی ایسے غنڈوں سے محفوظ نہیں رہی۔" ذوحان کے کان سے یہ آواز ٹکرائی ضرور مگر کون بولا اسے پتا نہ چلا کیونکہ لائبریرین کی آمد نے اسے معاملے کی کسی حد تک سنگینی کا احساس دلا دیا تھا۔

"کیا ہنگامہ ہے یہ؟ لائبریری اور کینٹین میں کوئی فرق نہیں نظر آتا تم لوگوں کو۔" لائبریرین مسز احمد اس کے قریب آ کر دبی، دبی آواز سی بولیں۔

"سوری میم، میں اٹھنے لگا تھا کہ سلپ ہو گیا اور تھینک یو ذوحان تم نے مجھے گرنے سے بچا لیا۔" اپنی کرسی پیچھے کرتا ارسل ایک بار پھر اٹھ کھڑا ہوا اس دفعہ اسے کسی نے روکنے کی کوشش نہ کی اور پھر وہ دونوں اسے وہیں بیٹھا چھوڑ کر لائبریری سے باہر نکل گئے جبکہ زلف کو اپنے کل جمع کروائے جانے والے اسائنمنٹ کی فکر تھی جس کی تیاری کے لیے وہ لائبریری آئی تھی جہاں ذوحان کے بلاوجہ کے جھگڑے نے سب کچھ خراب کر دیا۔

☆☆☆

"کیا بات ہے ذوحان، آج کل تم شام میں باہر نہیں جاتے۔" دو تین دن سے اسے مسلسل گھر پر ہی دیکھ کر روحی کو حیرت ہوئی اس لیے پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔

"باہر جاؤں تو بھی آپ پریشان رہتی ہیں، نہ جاؤں تو بھی پریشان...... مسئلہ کیا ہے آپ کے ساتھ۔" روحی کو لگا وہ بلاوجہ ہی چڑ گیا تھا۔

"تمیز سے بات کرو ذوحان جو پوچھا ہے اس میں ایسا کچھ نہیں کہ تم ایک دم اتنے روکھے ہو کر جواب دو۔"

جانے کیوں انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ ذوحان کچھ دنوں سے پہلے کی نسبت خاموش ہے مگر اس کی کیا وجہ تھی وہ اب تک جان نہیں پائی تھیں۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" گود میں رکھا کشن صوفے پر پھینک کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا ہے تمہاری طبیعت کو؟ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ طبیعت خراب ہے۔" ذوحان کی طبیعت کا

سن کر روحی یک دم پریشان ہو اٹھیں۔

''کچھ نہیں، گلے میں معمولی سی تکلیف ہے آپ ٹینشن نہ لیں۔'' انہیں وہیں کھڑا چھوڑ کر وہ لاؤنج سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''یہ ادا یہ ناز یہ انداز آپ کا
دھیرے، دھیرے پیار کا بہانہ بن گیا''

زلف کو اپنے پاس سے گزرتے دیکھ کر فیصل نے بے سُرے پن سے لے لگائی جسے سن کر اس کے ساتھ موجود شاویز اور شعیب ہنس دیے۔ جبکہ ذوحان ان سب کو قطعی نظر انداز کیے اپنے موبائل میں بزی تھا۔ اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہی باقی سب بھی سنجیدہ ہو گئے۔

''اوئے تمہیں میڈم بشریٰ خواجہ نے کیوں بلوایا تھا؟'' شعیب کو جیسے ہی یاد آیا وہ خود پوچھ بیٹھا۔ میڈم بشریٰ خواجہ نہ صرف ان کی اردو لیکچرار تھیں بلکہ کالج میں موجود ادبی سوسائٹی کی صدر بھی تھیں۔

''آل کالجز ڈرامے کے مقابلے کا انعقاد ہو رہا ہے جس میں ہمارا کالج بھی حصہ لے رہا ہے۔'' ذوحان نے موبائل آف کر کے جیب میں رکھتے ہوئے جواب دیا۔

''میڈم بشریٰ اپنے ڈرامے میں مجھے لینا چاہتی ہیں اس لیے بلوایا تھا، میں کہہ آیا ہوں کہ اسکرپٹ دے دیں پڑھ کر دیکھ لوں کہ میں کر سکتا ہوں یا نہیں۔'' ذوحان شروع سے اپنے اسکول میں بھی مختلف مقابلوں میں حصہ لیتا رہا تھا جس کا علم میڈم کو بھی تھا اس لیے انہوں نے آج خاص طور پر ذوحان کو اپنے آفس بلوایا تھا۔

''اوہ، اچھا ہے یار لے لو حصہ..... اسی بہانے کم از کم کچھ دن تمہاری جان پڑھائی سے تو چھٹی رہے گی۔'' شاویز اپنی سوچ کے مطابق ہنس کر بولا۔

''ویسے کون سا پڑھائی نے مجھے پکڑ رکھا ہے۔'' ذوحان نے منہ میں ڈالی چیونگم کا بڑا سا غبارہ بناتے ہوئے بے پروائی سے جواب دیا۔

''سب سے زیادہ خاص بات جس نے مجھے اس ڈرامے میں حصہ لینے پر مجبور کیا وہ پتا ہے کیا ہے؟'' وہ عجیب پُر اسرار سے انداز میں ان کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ ''میرے ساتھ ہیروئن کا رول اپنی ملانی صاحبہ کر رہی ہیں۔'' اس کا اشارہ کس طرف تھا سب بنا نام پوچھے ہی جان گئے۔

''اوہ.....'' سب کے منہ سے یہ لفظ ایک ساتھ ہی ادا ہوا۔

''جہاں تک میرا خیال ہے اسے جب یہ پتا چلے گا کہ ڈرامے میں مراد کا کردار مجھے کرنے کے لیے دیا گیا ہے، وہ فوراً سے انکار کر دے گی جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس میں اتنی ہمت اور اعتماد نہیں کہ وہ میرے مقابل کام کر سکے۔'' ازحان کی خود اعتمادی اور خوش فہمی دونوں اسی وقت اپنے عروج پر تھیں۔

''میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوگا، وہ ان لوگوں میں سے ہے جو چیلنج کا سامنا بے خوفی سے کرتے ہیں اور تم اس کے لیے ایک چیلنج ہو جس سے گھبرا کر وہ کبھی اپنا راستہ تبدیل نہیں کرے گی۔''

جو بھی تھا شاہ ویز کے خیالات اکثر ہی زلف کے معاملے میں مثبت ہوتے اور اس حساب سے وہ اپنے باقی دوستوں سے مختلف تھا۔

''چلو دیکھتے ہیں بھاگتی ہے یا مقابلہ کرتی ہے اور مجھے زیادہ مزہ اس وقت ہی آئے گا جب وہ میرا مقابلہ کرے گی کیونکہ مجھے بزدل لوگ پسند نہیں۔'' ذوحان نے دور کھڑی زلف کو دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا تھا۔

☆☆☆

''آپ کو نیچے ڈاکٹر صاحب بلا رہے ہیں؟'' رحیم بابا آہستہ سے اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ ان کی آواز سنتے ہی انگلش مووی میں پوری طرح منہمک ذوحان نے جلدی سے کمپیوٹر اسکرین بند کر دی اور ناگواری سے رحیم بابا کی

جانب پلٹا۔

''آپ سے کتنی بار کہا ہے میرے کمرے میں بنا دروازہ ناک کیے مت آیا کریں مگر مجال ہے آپ کی سمجھ میں کوئی بات آجائے۔'' وہ غصے کے عالم میں بولا۔

''سوری ذوحان بیٹا......'' رحیم بابا مارے گھبراہٹ کے دروازے سے ہی باہر پلٹنے لگے جب اس نے آواز دے کر انہیں روکا۔

''اب آہی گئے ہیں تو بولیں کیا بات ہے؟'' وہ تکیہ سیدھا کر کے لیے لیٹ چکا تھا ساتھ ہی اس نے کمپیوٹر سے لگے ہیڈفون نکال دیے تیز میوزک کی آواز سارے کمرے میں پھیل گئی۔

''وہ جی آپ کو ڈاکٹر صاحب نے بلایا ہے۔'' پہلے والا ہی پیغام انہوں نے ایک بار پھر سے دُہرایا۔

''ان سے جا کر کہیں میں سو گیا ہوں۔'' اطمینان سے کہتے ہوئے وہ بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''مگر آپ تو......'' رحم بابا نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر ذوحان کے تیور دیکھتے ہی مارے خوف کے ان کی آواز بھی بند ہوگئی۔

''آپ سے جتنا کہا ہے اتنا کام کریں اور ہاں جاتے ہوئے دروازے کا لاک اندر سے بند کر جائیں۔'' ماتھے پر تیوریاں ڈالے انہیں ہدایت دیتا وہ واش روم میں گھس گیا۔

☆☆☆

''میری سمجھ میں نہیں آتا میں اس لڑکے کا کیا کروں؟'' فہد صاحب نے غصے سے ہاتھ میں پکڑی رپورٹ کارڈ ٹیبل پر پٹخی۔ آج ذوحان کے کالج میں پیرنٹس ٹیچر میٹنگ تھی۔ جہاں خصوصی طور پر پڑھائی میں کمزور اور بے پروا بچوں کے والدین کو بلایا تھا۔ پرائیویٹ کالج تھا جبھی یہاں پڑھائی کے معاملے میں سختی تھی۔

''ایک ہی بیٹا ہے جسے بے جا لاڈ پیار میں بگاڑ کر رکھ دیا اور بیٹیاں دیکھو اتنی قابل ڈاکٹرز اور یہ نکما ناکارہ......'' وہ شدید غصے کے عالم میں تھے۔

''کیوں ٹینشن لے رہے ہیں ابھی چھوٹا ہے، انشاء اللہ دو چار سال تک خود بھی سمجھدار ہو جائے گا پھر چھوڑ دے گا سب بے پروائیاں۔'' اپنے ناخن فائل کرتے ہوئے روحی اطمینان سے بولیں۔

''دو چار سال......'' فہد صاحب نے حیرت سے دُہرایا۔

''آپ شاید بھول گئی ہیں اگلا سال اس کے کیرئیر کے شروع ہونے کا سال ہے اور میں چاہ رہا تھا کہ اسے اکاؤنٹ اینڈ فنانس کے لیے کسی اچھی یونیورسٹی میں داخل کروادوں لیکن یہاں تو لگ رہا ہے وہ بی کام بھی مشکل سے ہی کر پائے گا۔'' ذوحان کے آج کے رزلٹ نے انہیں خاصا مایوس کیا تھا۔

''میرا خیال ہے تم زوحان سے بات کرو، میں اس کا ایڈمیشن وہیں آسٹریلیا میں کروا دیتا ہوں، وہاں بڑی بہن ہے یہ وہاں رہے گا تو تھوڑی اس پر نظر ہی رکھے گی اور یہاں سے جا کر کم از کم اس کی جان ان آوارہ لڑکوں سے تو چھٹ جائے گی جو اس کے گرد پروانہ وار گھومتے ہیں اور تمہارے بلاوجہ کے لاڈ پیار سے بھی جو اسے نکما اور ناکارہ بنا رہا ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ کی ہر بات مجھ پر ہی آکر کیوں ختم ہوتی ہے۔ ذوحان کے سامنے تو آپ ایسے ہو جاتے ہیں جیسے منہ میں زبان ہی نہیں ہو، پتا نہیں کیوں آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں ہر وقت بول، بول کر اس کے سامنے بری بنتی رہوں۔'' روحی نے ہاتھ میں پکڑا فائلر ٹیبل پر پٹخا فہد نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے سامنے رکھا موبائل اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

☆☆☆

وہ جیسے ہی کینٹین میں داخل ہوا ایک دم نظر سامنے ٹیبل پر بیٹھی زلف پر پڑی، جس کے سامنے والی کرسی پر ارسل بیٹھا تھا۔ ذوحان کے جی میں جانے کیا آئی آہستہ، آہستہ چلتا ان کی ٹیبل کے پاس جا پہنچا جبکہ اس کے دوسرے دوست وہیں کھڑے

اسے دیکھتے رہے۔

''سنا ہے تم نے سہتی کا کردار کرنے سے انکار کردیا ہے۔'' سینے پر دونوں ہاتھ باندھے وہ اسے مسکراتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ ایسی مسکراہٹ جس نے زلف کے تن بدن میں آگ لگادی۔

''تم نے بالکل ٹھیک سنا ہے۔'' چہرے کی نسبت اس کا لہجہ بالکل پرسکون تھا۔ ''میں ایسے کسی ڈرامے میں کام نہیں کرسکتی جس کا ایک اہم کردار کالج کے کسی ایسے لڑکے کو دے دیا جائے جو اخلاقیات سے قدرے بے بہرہ ہو۔''

''اتنی مشکل اردو نہیں بولو، صاف لفظوں میں کہو کہ میں کسی آوارہ اور لوفر لڑکے کے ساتھ کام نہیں کرسکتی ویٹس آل......'' وہ اب بھی مسکرارہا تھا۔ ''یا پھر سچ کہہ دو کہ تم نے مجھ سے ڈر کر یہ ڈراما چھوڑ دیا۔'' ہنستے ہوئے اس نے اپنا جملہ مکمل کیا۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تم جیسے لوگوں سے نہیں ڈرتی۔'' وہ ذوحان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ترکی بہ ترکی بولی۔

''بیکار کی وضاحتیں مت دو زلف...... چلو گھنٹی بج گئی ہے، کلاس میں چلیں۔'' ارسل نے اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے اسے بھی اٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ایک تو تم پتا نہیں کیوں ہر وقت لڑکیوں کی طرح مجھ سے ڈرتے ہو جبکہ میں تمہارا بچپن کا دوست ہوں۔ دو سالوں میں بدل تو نہیں گیا جو تم ڈرنے لگے ہو۔'' زلف کو چھوڑ کر اس نے ارسل کو اپنے نشانے پر لیا۔

''دراصل ہمیں بچپن سے سکھایا گیا ہے کہ بدتمیز لوگوں کے منہ لگنے سے زیادہ اچھا ہے کہ انہیں اگنور کردیا جائے چلو ارسل......'' وہ ٹیبل پر رکھا اپنا بیگ اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''یہ ٹھیک کہہ رہی ہے ذوحان، میں کیچڑ میں پتھر ڈالتے ہوئے صرف اس لیے ڈرتا ہوں کہ کہیں گندگی

## بھول نہ جانا

سنو
نئے سال کا سورج
طلوع ہونے سے پہلے
اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا
گزرے برس کی طرح
اپنے دعوؤں، وعدوں کو
بھول نہ جانا

شاعرہ: فرزانہ سہیل (مرحومہ)
مرسلہ: شہلا نواز، لاہور

## سال 2016 کے لیے الوداعی نظم

وہ جاچکا ہے
مگر جدائی سے قبل کا
ایک نرم لمحہ
ٹھہر گیا ہے
میری ہتھیلی کی پشت پر
زندگی میں
پہلی کا چاند بن کر

کلام: پروین شاکر
مرسلہ: اسما جمشید، ڈی آئی خان

## محبت

چلو اِک کام کرتے ہیں
چلو اِک کام کرتے ہیں
زمانے بھر میں نفرت کو
بہت بدنام کرتے ہیں
محبت عام کرتے ہیں
چلو بارش کے پانی میں
سفینے پھر چلاتے ہیں
یونہی بچپن کی ریتوں سے
جہاں کو رام کرتے ہیں

مرسلہ: توقیر ہاشمی، منڈی بہاؤالدین

کے چھینٹے میرے صاف کپڑے خراب نہ کردیں۔'' ارسل کہتا ہوا اس کے قریب سے نکل گیا جب اس نے پیچھے سے آواز دے کر زِلف کو روک لیا۔

''ویسے میں تمہیں کافی بہادر لڑکی سمجھتا تھا مگر اب پتا چلا تم بھی عام لڑکیوں جیسی ایک ڈرپوک لڑکی ہو جو ذوحان علی خان سے ڈر گئی۔'' اس کی ہنسی میں جانے کیا تھا کہ زِلف اپنی جگہ رک گئی اور پھر واپس پلٹی۔

''اگر تمہارے ساتھ سہتی کا کردار نہ کرنا میری بزدلی ہے تو ٹھیک ہے میں تمہاری یہ غلط فہمی دور کرتی ہوں اور ابھی جا کر میم بشریٰ کو اس رول کے لیے ہاں کر کے آتی ہوں کیونکہ تم جیسے لڑکوں سے ڈرنا کبھی میری شخصیت کا حصہ نہیں رہا اور نہ ہی کبھی ہوگا۔'' تیز تیز لہجہ میں کہتی وہ وہاں سے چلی گئی اور پیچھے کھڑا ذوحان اسے دیکھ کر مسکراتا رہا کیونکہ وہ زِلف کو تپا کر اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

☆☆☆

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہے جو تم اس لڑکے کے ساتھ ہیروئن کا کردار کرو گی جسے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے۔'' خولہ کو جیسے ہی پتا چلا زِلف نے ڈرامے میں سہتی کا کردار ادا کرنے کی حامی بھر لی ہے وہ غصے میں آ گئی۔

''ڈرامے کی ہیروئن ...... سمجھیں!'' زِلف نے اپنی بہن کی بات کی تصحیح کی۔

''اور ویسے بھی کوئی کام کرنے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ سامنے والی شخصیت تمہاری پسندیدہ ہو کئی دفعہ غیر پسندیدہ لوگوں کے ساتھ بھی کام کرنا پڑ جاتا ہے ڈیئر اور یہی زندگی ہے۔''

''فضول کا فلسفہ مت جھاڑو بیٹا...... خولہ کا کہنا درست ہے کوئی ضرورت نہیں تمہیں اس ڈرامے میں کام کرنے کی...... بلاوجہ کی چخ چخ......'' سمیرا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے گفتگو میں حصہ لیا۔

''اُفوہ امی، کیوں آپ سب لوگ ایک ہی بات کے پیچھے پڑ گئے ہیں چھوڑ دیں اس موضوع کو کوئی اور بات کریں۔'' زِلف چڑ گئی، خولہ نے آنکھ کا اشارہ کرتے ہوئے اپنی امی کو مزید بحث سے باز رکھنے کی کوشش کی جسے سمجھتے ہوئے وہ خاموش ہو گئیں۔

☆☆☆

''یہ ڈرامے کا اسکرپٹ ہے جسے تم دونوں نے اچھی طرح پڑھنا ہے بالکل اس طرح کہ محسوس ہو یہ تم لوگوں کی زندگی کا حقیقی کردار ہے اور جب ادا کرنے لگو تو اس کے اندر ڈوب جاؤ، ایک، ایک لفظ ایسے ادا ہو جیسے تم نے اپنے دل کی گہرائیوں سے ادا کیا ہے۔'' میڈم بشریٰ نے دونوں کے ہاتھ میں الگ، الگ اسکرپٹ تھماتے ہوئے ہدایت کی۔

''پہلے تم لوگ اچھی طرح سے پڑھ لو پھر ہم ڈرامے کی ریہرسل شروع کریں گے جس کے لیے ہمارے پاس کم از کم ایک مہینے کا وقت ہے اور اگر کچھ لکھا ہوا سمجھ میں نہ آئے تو مجھ سے آ کر پوچھ لینا اور ہاں کوشش کرنا اردو پڑھنے میں کوئی غلطی نہ ہو اور تلفظ کی ادائیگی بھی درست ہو اور کوئی بات جو پوچھنی ہو پوچھ لو۔''

''مجھے پوچھنی ہے......'' زِلف فوراً بول پڑی۔ ذوحان نے ایک نظر اس سے چہرے پر ڈالی اور پھر سامنے رکھا اسکرپٹ دیکھنے لگا۔

''سہتی پنجابی اور مراد بلوچ تھا پھر ان کی اردو اتنی صاف اور درست کیسے ہو سکتی ہے، یہ ڈراما بلوچی یا پنجابی میں بننا چاہیے تھا پھر کامیاب ہوتا۔'' اپنے تئیں اس کا سوال درست تھا۔

''ثقافت کی کوئی زبان نہیں ہوتی البتہ ملک ضرور ہوتا ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ ہر ملک کی ثقافت جداگانہ ہوتی ہے اور سہتی، مراد کا کردار ہماری پاکستانی ثقافت کا ایک حصہ ہے چونکہ پاکستان کی قومی زبان اردو ہے لہٰذا کسی بھی ثقافتی کردار پر بننے والا ڈراما بھی اردو میں ہونا چاہیے اس لیے ہم اسے اپنی قومی زبان میں بنا رہے ہیں اور تمہیں کچھ پوچھنا ہو ذوحان تو پوچھ سکتے ہو۔''

''نہیں میم، میں ساری معلومات رکھتا ہوں اس

لیے مجھے ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔'' اسکرپٹ اٹھا کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ زلف نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں ہو۔

''ریہرسل کب سے ہے میم؟'' وہ دوبارہ میڈم بشریٰ سے مخاطب ہوئی۔

''پہلے دو چار دن تم دونوں اچھی طرح اسکرپٹ پڑھ لو پھر ہم اس پر کام شروع کریں گے۔ اگلے پیر سے روزانہ بارہ بجے تم لوگ آڈیٹوریم آجانا وہیں ریہرسل ہوگی۔ ڈرامے میں کردار کم ہیں سارا فوکس تم دونوں پر ہی ہے اس لیے یاد رکھنا تمہیں بہت محنت کی ضرورت ہوگی اور مجھے امید ہے تم میرا انتخاب غلط ثابت نہیں کروگے۔''

''انشاء اللہ میم! ایسا ہی ہوگا، آپ فکر نہ کریں۔'' انہیں تسلی دیتی زلف بھی لائبریری سے باہر آگئی اس کے پیچھے ہی ذوحان بھی نکل آیا۔ اسے قطعی نظر انداز کرتا وہ سامنے کی طرف بڑھ گیا جہاں فیصل اور شعیب اس کے انتظار میں کھڑے تھے جبکہ زلف، ارسل کو تلاش کرتی دوسری طرف چلی گئی۔

☆☆☆

اسکرپٹ پڑھتے ہی زلف کو اندازہ ہوگیا کہ سہتی کے کردار کے لیے حامی بھرنا اس کی زندگی کی ایک بہت بڑی غلطی ثابت ہونے والی ہے۔ اسکرپٹ میں لکھے گئے ڈائیلاگز ایک ایسے شخص کے سامنے ادا کرنا جس سے وہ اپنی زندگی میں سب سے زیادہ نفرت کرتی ہو خاصا مشکل کام تھا اور اپنی اسی بات کا اظہار اس نے فوری طور پر ارسل سے بھی کردیا کیونکہ ارسل اس کا ایسا واحد دوست تھا جس سے وہ اپنی ہر بات شیئر کرسکتی تھی۔

''جب تمہیں پتا ہے کہ یہ سب کچھ کرنا تمہارے لیے خاصا مشکل ہوگا تو پھر کیا ضرورت تھی بلاوجہ پریشانی مول لینے کی، جاؤ اور جاکر میڈم بشریٰ کو صاف انکار کردو، کہہ دو ان سے کہ تمہیں اپنے گھر سے ایسے ڈرامے میں کام کرنے کی اجازت نہیں ملی جو ہماری ایک رومانوی لوک داستان پر بنایا گیا ہو، انکار کرو اور واپس آجاؤ بات ختم، تم نے کون سا اس کردار کا کوئی معاوضہ لیا ہے جو گھبرا رہی ہو۔'' بے شک ارسل کی بات کافی حد تک درست تھی مگر وہ جانتی تھی کہ اب اس وقت اس کا انکار کرنا درست نہ ہوگا کچھ اور نہ سہی کم از کم میڈم بشریٰ اس سے ضرور ناراض ہوجائیں گی کہ ایک فیصلہ کیوں نہیں کیا۔ وہ سوچ کر خاموش ہوگئی۔

''اب بولو کیا سوچا تم نے؟'' اسے خاموش دیکھ کر ارسل نے ایک بار پھر سے پوچھا۔

''نہیں، میں اس طرح جاکر انکار نہیں کرسکتی، اچھا نہیں لگتا۔ اب جو بھی ہے گلے میں پڑا ڈھول تو بجانا ہی پڑے گا، میں تو صرف اپنے دل میں آئی ایک بات تم سے شیئر کررہی تھی۔'' یہ سب کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی، گھڑی میں ٹائم دیکھا بارہ بج گئے تھے۔

''میں آڈیٹوریم جارہی ہوں ریہرسل کے لیے، تم اکاؤنٹنگ کی کلاس میں میڈم رشنا کو بتادینا بلاوجہ میری غیر حاضری نہ لگادیں۔'' ارسل کو ہدایت دیتی اس کا جواب سنے بغیر ہی وہ اپنا بیگ اٹھائے اس سمت بڑھ گئی جہاں کالج کا آڈیٹوریم موجود تھا۔

☆☆☆

''بس اب میں تمہارے بنا اور نہیں جی سکتا، میرے ساتھ چلو سہتی...... چھوڑ دو سب کو۔'' وہ اس کے اتنے قریب آکر بولا کہ زلف ایک دم گھبرا اٹھی اور دو قدم پیچھے ہوگئی۔ وہ پسینہ، پسینہ ہوچکی تھی اس سے آج تک کبھی کسی لڑکے نے اس طرح بات نہیں کی تھی۔

''ڈائیلاگ بولو زلف، پک اپ جلدی......''

میڈم بشریٰ کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی مگر وہ شاید اپنی قوتِ گویائی کھوچکی تھی۔

''سوری میم، میں اپنا ڈائیلاگ بھول گئی ہوں۔''

اس سے قبل سہتی کے روپ میں اس کے بولے جانے والے ڈائیلاگ اتنے شاندار تھے کہ میڈم بشریٰ بنا کوئی سرزنش کیے خاموش ہوگئیں، اس نے دیکھا ذوحان

ایک طرف کھڑا اسے قطعی نظر انداز کیے اپنے فون میں بزی تھا اس میں یہ خوبی تھی کہ وہ جب بھی ڈائیلاگ بولتا تو بھول جاتا کہ سامنے زِلف ہے وہ اسے صرف سمی سمجھ کر بات کرتا جبکہ زِلف اسے مراد سمجھ کر بات کرنے میں بری طرح ناکام ہو رہی تھی، یہ ہی وجہ تھی کہ اس کے بولے گئے ہر جملے میں اسے ذوحان ہی جھلکتا نظر آتا جبکہ دوسری طرف ذوحان بالکل نارمل تھا، اب بھی کچھ دیر قبل اس کے بولے گئے رومانوی جملوں سے وہ بالکل نروس ہو گئی اور سب کچھ ایک سیکنڈ میں ذہن سے غائب ہو گیا۔

''میرا خیال ہے میم، اب باقی ریہرسل کل کرلی جائے۔'' ذوحان شاید سمجھ چکا تھا کہ وہ اب مزید کام نہیں کر سکے گی۔

''ٹھیک ہے لیکن بہتر ہوگا آپ دونوں آپس میں یہ ریہرسل کریں، بالکل اکیلے آڈیٹوریم آجایا کریں۔ یہاں ایک دوسرے کے سامنے ڈائیلاگ بولیں، اس طرح آپ دونوں کے درمیان ایک مضبوط باؤنڈنگ پیدا ہوگی جو ہمارے ڈرامے کی کامیابی کے لیے بہت ضروری ہے۔'' میم نے ان دونوں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے میم، انشاء اللہ کل کسی بھی فری پیریڈ میں ہم دونوں یہاں آجائیں گے۔'' بظاہر بے پروائی سے چیونگم چباتے ذوحان نے میڈم کو مطمئن کرنا چاہا۔

''کیوں زِلف، آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟'' میڈم کو مطمئن کرنے کے بعد وہ نہایت شرافت سے زِلف سے مخاطب ہوا۔

''نہیں جب ڈراما کرنا ہے تو ظاہر ہے ریہرسل بھی کرنی پڑے گی۔'' زِلف کو لگا وہ سمجھ رہا ہے کہ زِلف اس سے ڈر گئی ہے، اس لیے اسے نہایت اعتماد کے ساتھ جواب دیتی وہ آڈیٹوریم سے باہر نکل آئی۔

ذوحان تیزی سے بھاگتا ہوا زِلف کے ساتھ ہی باہر آگیا اور ایک سیکنڈ میں ہی اس کے برابر جا پہنچا۔

''ایکسکیوزمی......'' وہ زِلف کے سامنے آکر اسے روکتے ہوئے بولا۔

''مجھے ایک بات سمجھ نہیں آئی، جب میں ڈائیلاگ بولتا ہوں تو تم اس قدر گھبرا کیوں جاتی ہو۔''

وہ کالے اسکارف میں لپٹے زِلف کے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہوئے بولا خلافِ توقع اس کا لہجہ خاصا نرم تھا۔

''پتا نہیں کیوں...... مجھے خود سمجھ نہیں آرہا حالانکہ اس سے پہلے میرے ساتھ ایسا کبھی نہیں ہوا۔'' زِلف کو اپنا اعتماد بحال کرنے میں شاید وقت ہو رہی تھی جس کا اندازہ ذوحان کو اس کے یک دم سفید پڑتے چہرے کو دیکھ کر ہو چکا تھا۔

''کم آن زِلف اگر تم ایزی فیل نہیں کر رہیں تو ڈراما چھوڑ دو، اس طرح یقیناً ہم دونوں بہتر کام نہیں کر سکیں گے جس کے نتیجے میں ہمارا ڈراما بری طرح فلاپ ہو جائے گا اور مقابلے میں پہلا پرائز تو ایک طرف رہا شاید کوئی ہمیں داد بھی نہیں دے گا۔'' ذوحان کی بات کسی قدر درست تھی۔

''اچھی طرح سوچ لو، سب باتیں بھول کر میرے ساتھ ریہرسل کرو، ایک اچھا دوست سمجھ کر یا پھر کم از کم حقیقی مراد ہی سمجھ لو جب تک تم ایسا نہیں سمجھو گی تمہارے لیے کام کرنا مشکل ہو جائے گا۔''

''میرا خیال ہے کہ میں تمہاری بات سمجھ چکی ہوں اور اب یقیناً کل والی ریہرسل قدرے بہتر ہوگی۔'' ذوحان کے دوستانہ اندازِ گفتگو نے اسے خاصا حوصلہ بخشا۔

''گڈ گرل کل فری پیریڈ میں آجانا ہم دونوں مل کر ریہرسل کریں گے پہلے دوستانہ ماحول میں پورا ڈراما کرو...... دشمنی اس کے بعد پھر سے ری اسٹارٹ کریں گے ٹھیک ہے؟''

''اوکے......'' زِلف نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور آگے بڑھ گئی۔ اس کے پیچھے کھڑا ذوحان اسے اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔

(باقی آئندہ)

# فریب

ہاجرہ ریحان

کسی کی نظروں میں آنا کیسا لگتا ہے یقیناً بہت اچھا لگتا ہے...... مگر اسے دیکھ کر اور یہ دیکھ کر کہ وہ مجھے بڑے غور وخوض سے دیکھ رہا ہے مجھے کچھ خاص بھایا نہیں تھا...... میں نے ناگواری سے منہ پھیر لیا تھا مگر مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی نظریں اب بھی مجھ پر ٹکی ہوئی ہیں...... آج اتنے سالوں بعد اس سے اچانک ٹکراؤ ہو جانا میرے لیے پھر سے ایک آزمائش بن گیا تھا۔

''مجھے کب تک انجانے میں کیے گئے قتل کی سزا ملتی رہے گی میرے مالک......'' میں نے تڑپ کر دل ہی دل میں سوچا......''معاف بھی کر دے میرے مالک۔ کیا، اب تک میں نے کم سزا بھگتی ہے کہ یہ پھر سے میرے سامنے ایک نئی سزا بن کر آ گیا ہے۔'' میں دکھ سے لبریز بیٹھی ہوئی تھی میرے برابر میں کرسی گھسیٹ کر اس پر بیٹھتے ہوئے وہ چہکا۔

"ابھی تک ویسی ہی رونی صورت ہے تمہاری۔"

میں نے حیران نظروں سے اس کی طرف پلٹ کر دیکھا۔"یہ کیسا سنگدل انسان ہے......اس قتل میں جبکہ وہ میرا برابر کا شریک رہا ہے......کیسے خوش و خرم نظر آ رہا ہے جیسے اسے کچھ یاد ہی نہیں ہو......" میں اٹھنے کے لیے پہلو بدلنے لگی تو اس نے میری کہنی کو چھوتے ہوئے ہلکے سے کہا۔

"بیٹھ جاؤ......میں بس چند لمحے ہی لوں گا......جانتا ہوں کہ ناپسندیدہ ہوں تمہارے لیے مگر برائے مہربانی بس چند لمحے......" اس کا انداز عجب التجائیہ تھا۔

میں نے اپنے اردگرد دیکھا......میں اپنے بھائی کے بچوں کے ساتھ اس آرٹ گیلری میں آئی ہوئی تھی اور اب تھک کر ایک طرف کونے پر جو کرسیاں پڑی تھیں اُن میں سے ایک پر براجمان تھی۔کافی وقت گزر چکا تھا......اب مجھ میں زیادہ دیر کھڑے رہنے کی ہمت کم ہی رہ گئی تھی لہٰذا بچے مجھے یہاں بٹھا کر خود آگے بڑھ گئے تھے......میں کہاں تھی؟ کہاں آ گئی ہوں؟ اس کی موجودگی، یوں میرے قریب بیٹھ جانے پر نہ جانے کیوں پھر سے وہ سب یاد دلا گئی تھی جیسے ابھی کل ہی کی بات ہو......کیا واقعی میں نے صدیاں گزار دیں یا یہ کل کا ہی قصہ ہے؟

☆☆☆

میرے لیے تو اس کے دو میٹھے بول ہی کافی تھے مگر وہ تو پوری تقریر کر گیا تھا......میں دم بخود ہو گئی......جب اس نے مجھے میرے بازو سے پکڑ کر تقریباً گھسیٹتے ہوئے لے جا کر اپنی بہن کے بالکل پاس بٹھا دیا تھا......میں کیسی شرمسار تھی......خود سے بھی اور اس کی بہن سے بھی جو دلہن بنی کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔مجھے دلہن کی بے بسی پر بھی افسوس تھا مگر کیا کرتی کہ میرا قصور صرف اتنا تھا کہ جب اس نے مجھے اسٹیج پر جا کر رونمائی دینے کا مشورہ دیا تو میری اس بات پر کہ میرا سایہ بھی نئی نویلی دلہن کے لیے اچھا نہیں......اسے غصہ دلا گیا تھا......اس نے لوگوں کی پروا نہیں کرتے ہوئے مجھے اچھا خاصا لیکچر دے ڈالا کہ اس طرح کی دقیانوسی باتوں پر وہ یقین نہیں رکھتا اور نہ مجھے یقین رکھنا چاہیے۔اس کا خیال تھا کہ اگر کسی نے مجھے چھوڑ دیا ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں اور طلاق کوئی بیماری نہیں کہ قریب بیٹھنے سے لگ جائے......اور پھر جو ہوا وہ سب نے دیکھا......مجھے شادی میں شرکت کرنی ہی نہیں چاہیے تھی......یہ میری ہی غلطی تھی اور پھر میں جو بہت ہمت کر کے بڑی جدوجہد کے بعد پھر سے سب رشتے داروں کا سامنا کرنے نکلی تھی یکسر اپنی ہمت کھو بیٹھی......چھپ گئی، گم ہو گئی......مگر اس نے کھوج نکالا......جیسے اسے میری کمزوری سے ضد ہو گئی تھی۔

پہلے پہل تو صرف میسج آتے رہے......سلام دعا اور کچھ ادھر اُدھر کی باتیں مگر پھر گپ شپ لگنے لگی۔اس کا آفس کافی دور تھا آنے جانے میں بہت وقت لگتا وہ آفس کی گاڑی میں بیٹھ کر اپنا تمام وقت مجھے دیتا اور اکثر راتوں کو بھی جگاتا......اس نے ہمیشہ ایک مخلص دوست کی طرح مجھ سے باتیں کیں کبھی کوئی غلط بات نہیں کی اور میرے لیے اس کی دوستی بہت اہم ہوتی چلی گئی......میرے پاس تھا ہی کیا اس کی دوستی کے سوا......ہر کسی نے یہاں تک کہ گھر والوں تک نے تو ساتھ چھوڑ دیا تھا......میں گھر پر ہو کر بھی ان سب کے لیے تھی ہی نہیں......اگرچہ کام سب میرے ذمے لگ گئے تھے مگر میری کوئی حیثیت نہیں تھی۔میں نے جو گناہ یا جو خطا کی بھی نہیں تھی اس کی سزا بڑے تحمل سے برداشت کر رہی تھی......پھر بھی میں خوش تھی کہ مجھے گھر سے بے دخل تو نہیں کر دیا گیا، شکر ہے کہ سر پر چھت ہے اور ایک دوست، زندگی پھر سے اپنا رستہ بنا رہی تھی۔

میں جانتی تھی کہ میرے گھر والوں کو وہ کچھ زیادہ پسند نہیں......ہمیشہ سے اپنی الگ سوچ رکھنا اور خاندان کے بڑے بوڑھوں کو احساس دلاتے جانا کہ نئے زمانے میں جو خاندانی روایات ہیں ان میں ردوبدل ضروری ہے......اسے بھی کچھ کم بدنام نہیں کر چکا

تھا...... مگر وہ پڑھا لکھا تھا...... اچھا کماتا تھا...... دو چھوٹی بہنوں کی اچھی جگہ شادی کر چکا تھا اور خود بھی شادی شدہ تھا...... اس کی اپنی ایک الگ شناخت تھی اور میرے گھر والے جو ہمیشہ سے خاندانی روایات اور طور طریقوں سے پیچھے نہیں ہٹتے تھے، اس کی شخصیت میں کچھ کمی محسوس کرتے تھے۔ اس کی بیوی جس کو میں بھابی کہتی تھی کچھ دن ہی اس کے ساتھ رہ کر اپنے میکے جا کر بیٹھ گئی تھی۔

تمام خاندان میں مشہور تھا کہ سبب یہی ہے جس کی ایسی عادتیں ہوں اس سے بھلا کون نبھا کر سکتا ہے۔ میں جب تک اس کو جانتی نہیں تھی اس کے بارے میں ایسا ہی سوچتی تھی جیسا کہ میرے گھر والوں کا خیال تھا...... بلکہ ہمارے لیے تو اس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ یہ تو جب میری اس سے باتیں ہونے لگیں تو اندازہ ہوا کہ اصل میں وہ کیسا ہے؟ ایک حساس اور نرم دل انسان...... جس کو کسی بھی انسان کو دکھ دینے کے تصور سے ہی خوف محسوس ہوتا ہو...... جس کے لیے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ حق بات کہے۔ ایک دن میں نے اس سے پوچھ ہی لیا کہ اگر آپ اتنے ہی اچھے ہیں تو بھابی کیوں ناراض ہو گئی ہیں...... اس نے بات گول مول کر دی اور مجھے کچھ شک ہوا کہ وہ مجھے سچ بتانے سے گریزاں ہے۔ ایک کسک سی بھی دل میں کہیں اٹھی تھی...... مگر پھر اپنی حیثیت یاد آ گئی اور میں توبہ، توبہ کر کے کاموں میں لگ گئی...... اب میرے لیے کسی کی بھی خواہش کرنا اور کسی کے بھی خواب دیکھنا ناممکن تھا۔ میری ایک، ایک بات کو وہ پکڑ لیتا اور پھر اس کے لمبے، لمبے لیکچر شروع ہو جاتے...... میں ہنستی جاتی اور وہ بڑی سنجیدگی سے مجھے سمجھاتا رہتا...... میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ کوئی ہے جو میرے لیے بھی پریشان ہوتا ہے، جس کو میری تنہائی کا احساس ہوتا ہے۔ کسی کام کا بہانہ بنا کر میں اس کے لیکچر سے جان چھڑا لیتی...... مگر گھنٹوں کام کے دوران اس کی باتوں کو یاد کر کے خوش ہوتی رہتی۔ زندگی سے بس اور کچھ نہیں چاہیے تھا مجھے...... بس اتنا ہی کافی تھا...... یہی بہت تھا مگر اس نے میری ایک نہیں سنی اور اپنی ماں کو رشتہ لے کر بھیج دیا...... میرے گھر پر ایک قیامت سی ٹوٹ پڑی۔ تمام بھائی بہن اپنے مورچے سنبھالتے گولا بارود سے لیس سامنے آ گئے...... اس کی والدہ کو تو سوچ کر جواب دینے کا کہہ دیا گیا جبکہ مجھ پر باقاعدہ حملے ہونے لگے...... اور ہر لمحے مجھے ایک نہایت سفاک اور خود غرض انسان کا خطاب دیا جانے لگا...... جس نے پہلے گھر والوں کو بدنام کیا، اپنا گھر اجاڑا اور اب کسی معصوم لڑکی کا گھر اجاڑنے چلی ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر اس نے بھی کیا سوچ رکھا ہے...... میں خود بھی یہ سب نہیں چاہتی تھی...... اس نے نہ تو مجھے اپنی بیوی کے بارے میں بھی اعتماد میں لیا تھا اور نہ ہی میں اس سے کچھ جاننے کی ضد

## مختصر غزل

وقت کے تقاضوں پر ہم اگر جیے ہوتے
تو ہمارے ہونٹوں پر آج مرثیے ہوتے
آپ کی جگہ ہوتے ہم جو باغباں اب تک
ہم نے سارے پھولوں میں رنگ بھر دیے ہوتے
عزتوں سے بڑھ کر تو جانیں ہم کو پیاری ہیں
ورنہ ہم نے ذلت کے گھونٹ کیوں پیے ہوتے

از: جبین نیاز، ملتان

## لڑکیاں

پھول نرگس کے کھلے چاندی آنکھوں کے قریں
دانت موتی کی لڑی صبح بنارس سے حسیں
تل پہ رخسار کہ ٹھہری ہوئی ایک شام کہیں
زلف و عارض کے تصادم سے خجل ماہ مبیں
آتی جاتی ہوئی بجلی سے کہیں بہتر ہیں
لڑکیاں کب ہیں میرے شہر کی [illegible] بہتر ہیں

از: حنا عروج، کراچی

ہی کر سکی تھی...... ایسے میں مجھے خود سے گھن آنے لگی۔
میں بستر سے جا لگی...... سانس تو لیتی رہی مگر جان جیسے
ختم ہو چکی تھی۔ مجھے خود پر غصہ آنے لگا میں نے ایسا
کیسے ہو جانے دیا، میں کیوں نہیں روک سکی خود کو......
کیسے میں جذبات میں آ کر بے قابو ہوتی چلی گئی اور
بات اتنی بڑھا کر اب مجھے کیا کرنا چاہیے...... میرے
گھر والے کافی حد تک ٹھیک تھے...... میں اپنا گھر اجاڑ
کر اب کسی اور کا گھر اجاڑنے چلی تھی۔ مجھ پر یہ بات
بہت بھاری پڑ گئی تھی اور میں جھجکتی چلی جا رہی تھی۔ اس
نے کئی دن تک مجھے فون کیے اور بھی طریقوں سے بات
کرنے کی کوشش کی مگر میں خود میں ہمت ہی نہیں پا رہی
تھی کہ اس کا سامنا کروں یا اس سے بات
کروں...... اور پھر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ اس کے
سسرال تک بات پہنچ گئی اور ایک دن مجھے یہ خبر ملی کہ
اس کی بیوی نے زہر کھا کر خودکشی کر لی
ہے...... میں بھاری بوجھ تلے دب گئی...... یہ کیسا ظلم کر دیا
تھا میں نے کسی انسان کی جان چلی گئی ہے کیا قتل صرف
اوزار کے استعمال سے ہوتا ہے۔ نہیں، نہیں...... ایسے بھی
قتل ہوتا ہے...... میں نے کر دیا قتل...... کسی انسان کی
جان لے لی میں نے...... میں اس حد تک بیمار ہو گئی کہ
مجھے خود کا ہوش نہیں رہا مگر افسوس کہ میں اس کی بیوی کی
طرح بہادر نہیں تھی...... میں پھر بچ گئی اور زندہ رہ کر اپنی
شرمندہ زندگی کو سہتی چلی گئی۔ میرے گھر والوں نے میرا
باقاعدہ بائیکاٹ کر دیا اور جو بچی کچی عزت تھی وہ بھی چلی
گئی۔ اب میں صرف ایک قاتل تھی...... اور قاتل کسی
کے بھی رحم کا مستحق نہیں ہوتا......

جو سزا کاٹ کر میں اب اپنے بھائی بہنوں کے
بچوں میں پناہ پا چکی ہوں کیسے بھول جاؤں کہ میں کیا
سے کیا ہو گئی ہوں...... مجھے تو اپنا آپ یاد ہی نہیں رہا
ہے خود کو بس ایک قاتل محسوس کرتی رہی
ہوں...... میں نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔
''کیا سمجھا تھا میں نے آپ کو...... ایک
دوست...... ایک اچھا انسان...... مگر......'' وہ مسکرا اٹھا۔

''ہاں، ہاں آگے کہو...... میں تو یہی چاہتا ہوں
کہ تم مجھ سے شکایت کرو...... کوئی غصہ، کوئی گالی، کچھ
کھری، کھری ہی سنا ڈالو۔''
میں منہ پھیر کر آنسو پینے کی کوشش کرنے لگی......
پہلے سے پتا ہوتا کہ آج اس سے ملاقات ہونی ہے تو
میں کچھ جملے ہی بنا کر لے آتی ساتھ...... میں تو کب کا
بولنا چھوڑ چکی تھی۔ اب اچانک کیسے بات کرتی۔
''افسوس تو اس بات کا ہے کہ آپ کے ساتھ
آپ کے جرم میں برابر کی شریک ہو چکی ہوں
میں...... خود کو مجرم، قاتل سمجھتی رہی ہوں اب تک......''
اس کے منہ سے حیرت بھرے کچھ کلمات
نکلے...... جیسے وہ سمجھ ہی نہیں پا رہا ہو کہ میں کیا بات
کر رہی ہوں...... میں نے لمبی سانس بھر کر پھر سے کہنا
شروع کیا۔
''اپنی بیوی کے زہر کھا کر مر جانے کو آپ کس
طرح لیتے ہیں......؟ کیا وہ آپ کی ذمے داری نہیں
تھی؟ اس نے زہر کھا کر خودکشی نہیں کی بلکہ اس کو قتل کیا
گیا ہے۔ اور آپ نے اس کی جان لی ہے۔ آپ اس کے
قاتل ہیں اور میں آپ کے ساتھ آپ کے اس جرم
میں برابر کی شریک ہوں...... ہاں میں۔''
''یہ تم کیا پاگلوں والی بات کر رہی ہو؟'' وہ
بھڑک اٹھا تھا...... اس نے پہلو بدلا، ادھر ادھر دیکھا
جیسے اندازہ کر رہا ہو کہ کوئی اور تو ہماری گفتگو نہیں سن
رہا...... میں طنزیہ مسکرا اٹھی۔
''کیوں، سچ سے ڈر لگتا ہے؟ مگر خدا کے ہاں دیر
ہے اندھیر نہیں، میں نے...... آپ نے جو بھی کیا اس کی
سزا ہم یہاں بھی بھگتیں گے اور وہاں بھی...... یہ کوئی
معمولی بات......''
''تم بالکل ہی پاگل ہو چکی ہو کیا؟'' وہ پھر میری
بات کاٹ کر چلایا۔
''بے وقوف عورت...... کیا اس بات پر تم مجھ
سے اب تک چھپتی رہی ہو؟ میں نے تمہارے بھائی اور
پھر تمہاری بڑی بہن کو سب کچھ بتایا تو تھا...... کیا ان

لوگوں نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟'' میں حیران اس کو تکنے لگی...... یہ اب کون نیا سا تماشا کرنے جارہا ہے، میں خود میں گم ہوگئی تھی کہ وہ پھر سے گویا ہوا۔

''سکینہ نے خودکشی میری وجہ سے نہیں کی...... اس کے گھر والے اس کی بات نہیں مان رہے تھے اس لیے اس نے خودکشی کی...... اس کو کوئی اور پسند تھا اس کے گھر والوں نے زبردستی اس کی شادی مجھ سے کروادی تھی۔ سکینہ نے جب مجھے تمام روداد سنادی تھی تو میں نے اس کو اجازت دے دی تھی کہ اگر وہ چاہے تو میں اس کو چھوڑ دوں گا، وہ اپنے چاہنے والے کے ساتھ شادی کرلے...... اور میری اجازت لے کر ہی وہ اپنے میکے گئی تھی...... مگر چھ مہینے گزرنے کے بعد بھی اس کے گھر والے نہیں مانے جس پر اس نے خودکشی کرلی...... اس میں میرا کوئی لینا دینا نہیں تھا...... یہ اس کے اپنے گھر والوں کا ظلم تھا جس کا سکینہ نشانہ بن گئی...... اور مجھے اس کی موت کا دکھ ضرور ہے مگر میں کسی بھی طرح سے خود کو اس کا قاتل نہیں سمجھتا...... میں اس پر زبردستی کرکے تو اس کو بھی اپنی بیوی بنا کر نہیں رکھنا چاہتا تھا...... میں نے تو وہی کیا جو مجھے ٹھیک لگا...... اور یہ بات...... میں نے اپنی والدہ کو جب بھیجا تھا تو اس سے پہلے ہی تمہارے بڑے بھائی کو فون پر بتادی تھی...... اور پھر سکینہ کے انتقال کے بعد میں تمہاری بڑی بہن کو بھی سب دوبارہ سے بتا چکا تھا...... مگر تم نے ایک دفعہ بھی مجھ سے رابطہ نہیں کیا...... میں نے بہت کوششیں کیں مگر تم ایسے چھپ گئیں کہ میں ڈھونڈتا ہی رہ گیا...... مجھے تو تم سے بس یہی پوچھنا ہے کہ آخر تمہیں ایسا کیا مجھ پر غصہ آگیا تھا کہ یوں غائب ہوگئیں؟''

میں اس کی زبانی سن کر بھی سمجھ نہیں پارہی تھی...... زندگی نے اب اس عمر میں لاکر مجھے کیوں یہ سب دکھایا ہے...... میں اس موڑ پر آکر کیوں آزاد ہوگئی ہوں...... جیسے میری سزا مکمل ہوگئی ہو...... مجھے سر اٹھانے کی اجازت ہو...... نظریں ملانے کی اجازت ہو...... اتنے دنوں تک کچھ لوگوں نے مجھے میرے ناکردہ گناہ پر دبوچے رکھا...... میرے پروں کو کاٹ کر مجھے پرواز سے باز رکھا...... اور اب جبکہ میرے اندر ہمت ہی نہیں رہی تو مجھے پنجرے سے آزادی مل گئی...... میں جذبات کے زیر اثر کب نہ کب کھڑی ہوگئی تھی اور باقاعدہ ڈول رہی تھی۔ اس نے میرے بازو کو تھام رکھا تھا...... میں حیران سی اس کو تکنے لگی...... اور پھر میرے منہ سے نکلا۔

''میں کہاں تھی اور کہاں آگئی ہوں۔''

وہ ڈبڈباتی آنکھیں لیے دھیرے سے مسکرارہا تھا۔ ہم دونوں ہی وقت کے ہاتھوں کھلونا بنے رہے اور اب اپنے، اپنے کھیل کے اختتام پر کیسے ایک دوسرے کو تھامے کھڑے تھے۔ میں بھی مسکرانے لگی۔

''تم جہاں سے بھی چلی تھیں پہنچی مجھ تک ہی ہو...... جہاں بھی تھیں مجھ تک ہی آئی ہو...... بس اب یہ دھوپ چھاؤں، چھپن چھپائی کا کھیل ختم کرو...... میں نے ہار مان لی...... میں اب تھک گیا ہوں تمہیں ڈھونڈتے، ڈھونڈتے...... چھوڑو چلو آؤ اب مجھ سے دوستی کرلو...... اب بھی کچھ ایسی دیر نہیں ہوگئی...... ہم جیتے ہیں، ہمارے دل اب بھی دھڑکتے ہیں...... ہم سانس لیتے ہوئے چلتے پھرتے ہیں، کیا بس اتنا کافی نہیں؟'' وہ بہت محتاط انداز میں مجھے بہلا رہا تھا...... میں زندگی کے اس موڑ پر پھر سے کھڑی تھی جہاں سب کچھ حاصل ہوجانے کی خوشی سے زیادہ خوف غالب تھا...... ایک ہاتھ کے فاصلے پر وہ کھڑا ہے بس۔

''مگر...... مگر دنیا...... لوگ...... ہم کیا کہیں گے؟'' میں نے گھبرا کر پوچھا۔ وہ شرارت سے مسکرااٹھا۔

''میں سب سنبھال لوں گا...... مگر اب کی بار مجھ سے چھپنا نہیں...... میرا اعتبار کرنا۔'' اس نے دھیرے سے مجھے بازو سے پکڑ کر واپس کرسی پر بٹھا دیا تھا۔ خود کو کسی کی پناہ میں دے دینا کیسا لگتا ہے...... یقیناً بہت اچھا لگتا ہے...... ہے ناں......!

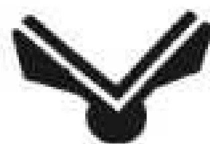




منی ناول

# ہم کو محبت نے بدنام کیا

سیما رضا ردا



تیسرا حصہ

بالآخر مسلسل ہوتی موبائل فون کی بیل پر ریبال نے فون ریسیو کرلیا تھا۔

''ہیلو......''

''ہیلو...... وغیرہ کو رہنے دو بس اتنا سنو کہ صرف دو گھنٹے ہیں تم ماں، بیٹا کے پاس...... اس کے بعد ہم دھکے مار کر تمہیں اس گھر سے نکال دیں گے۔'' دوسری طرف خالہ زینب تھیں جو کرخت انداز میں کہہ رہی تھیں اور ریبال ناسمجھی کے عالم میں امی کو دیکھ رہا تھا۔



''کیا مطلب ہے آپ کا؟''

''مطلب یہ ہے بیٹا کہ میری بیٹی سے انکار کی صورت، تم اس گھر سے بے دخل ہو چکے ہو جو کبھی تمہارا تھا۔''

''لیکن یہ تو میرا گھر ہے۔'' وہ چیخا تھا اور دوسری طرف خالہ قہقہہ لگا کر ہنسی تھیں۔

''کچھ اسی طرح کا غصہ مجھے بھی کل آیا تھا مگر اب میں سیٹ بیٹھی ہوں اور تمہیں دو گھنٹے کا وقت دے رہی ہوں، گھر خالی کر دو ورنہ ہم قانون کا سہارا لیں گے۔''

''اگر آپ یہ مذاق کر رہی ہیں خالہ تو......''

''یہ مذاق نہیں حقیقت ہے۔'' خالہ زینب اس کی بات کاٹ کر فوراً بولیں۔ ''تم نے اپنا گھر خود اپنی مرضی سے میری بیٹی عروج کے نام کر دیا ہے اور اس کا ثبوت وہ کاغذ کا ٹکڑا ہے جو تمہارے سائن کے ساتھ میرے پاس موجود ہے۔'' خالہ زینب ایک، ایک لفظ پر زور دیتی ہوئی کہہ رہی تھیں اور اسے جیسے یقین نہیں آ رہا تھا گو کہ اسے ساری پلاننگ سمجھ آ گئی تھی اور یہ بھی کہ وہ کہاں غلطی کر آیا تھا عین نکاح کے وقت اس سے ایک کاغذ سائن کروایا گیا تھا جو اب یہ مصیبت کھڑی کر رہا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟'' اس کے فون بند کرتے ہی امی نے بے صبری سے پوچھا تھا۔ اس کے پریشان چہرے سے وہ بہت کچھ قیاس کر چلی تھی لیکن پھر بھی اس کے منہ سے سننے کے لیے بے قرار ہو رہی تھیں۔ وہ گہری سانس لے کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

''بولو کیا ہوا ہے سب ٹھیک تو ہے ناں......؟'' وہ آہستہ، آہستہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

''کچھ بھی ٹھیک نہیں رہا...... زینب خالہ نے یہ گھر اپنے نام کروا لیا ہے۔''

''کیا...... پر کیسے؟'' وہ سخت الجھن و بے یقینی کے عالم میں تھیں، خونی رشتے کتنی جلدی بدل جاتے ہیں انہیں اس بات کا احساس تو تھا مگر اس قدر گر بھی جاتے ہیں اس بات کا انہیں اندازہ ہی نہیں تھا۔

''نکاح کے پیپر سائن کروانے سے پہلے انہوں نے ایک اور کاغذ پر مجھ سے دستخط لیے تھے۔ میرا دھیان آپ کی طرف تھا اسی لیے پڑھے بغیر ہی سائن کر دیا تھا۔''

''اُف......!'' امی ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گئی تھیں۔ ''اب کیا ہوگا...... یہ گھر تمہارے ابا نے بڑی محنت سے بنایا تھا۔ ان کا خواب تھا کہ اس گھر میں ان کے بچوں کے بچے کھیلیں، اپنی شرارتوں کے ساتھ پروان چڑھیں مگر اب......''

''کچھ نہیں ہوگا امی...... آپ فکر نہیں کریں۔'' ریال، امی کو افسردہ ہوتا دیکھ کر فوراً بولا۔ ''میں خالہ زینب سے بات کرتا ہوں۔''

''کوئی فائدہ نہیں، اس کے دل میں جو ایک بات آ جائے وہ پھر پتھر کی لکیر ہو جاتی ہے۔ ہم نے جو عروج کے ساتھ فی الحال نکاح سے منع کیا اس نے بدلہ تو لینا ہی تھا۔'' امی کہہ کر اسے دیکھنے لگیں۔ ''کب تک کا وقت دیا ہے؟''

''دو گھنٹے کا۔''

''وقت اور مانگ لو...... اتنی جلدی تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔'' امی کہہ کر کمرے میں چلی گئی تھیں جبکہ وہ عجیب کشمکش و پیچ میں بیٹھا نہ جانے کیا سوچنے لگا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے موبائل فون اٹھا کر خالہ زینب کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

☆☆☆

اعزاز شاہ بستر پر اوندھے لیٹے تھے ان کے خراٹوں کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی...... کچھ دیر پہلے زوار شاہ نے آفس جانے سے پہلے ان کے کمرے میں جھانک کر دیکھا تھا اور انہیں یوں سوتا دیکھ کر ان کے دل میں ایک عجیب سی لہر اٹھی تھی جسے وہ کوئی نام نہیں دے سکتے تھے اور وہی لہر انہیں پریشان کر گئی تھی۔

یہ نہیں تھا کہ انہیں اپنے بچوں سے محبت نہیں تھی... یہ بے تحاشا دولت انہوں نے اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے ہی جمع کی تھی اور اس میں ان کی دن رات کی محنت شامل تھی۔ اب تو انہیں اپنا آپ ایک مشین لگنے لگا تھا اس وقت اعزاز شاہ کو سوتا دیکھ کر ان کی محبت جاگ اٹھی تھی، ان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ انہیں نیند سے بیدار کر کے اس سے خوب باتیں کریں اور وہ ایسا کر بھی گزرتے جو آفس میں ایڈیٹر کی جگہ خالی ہونے پر انہیں انٹرویو نہ کرنے ہوتے۔ وہ بہت آہستہ سے دروازہ بند کر کے آگے بڑھ گئے تھے۔

اعزاز شاہ نے کسمسا کر آنکھ کھول کر گھڑی کی طرف دیکھا تھا اور پھر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ گو کہ یہ وقت ان کے اٹھنے کا نہیں تھا لیکن پیٹ میں اچانک سے اٹھتے درد نے انہیں نیند سے بیدار کر دیا تھا۔ اعزاز شاہ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیٹ کو دبایا تھا۔ پھر دراز میں سے اپنی خاص ٹیبلیٹ نکال کر منہ میں رکھی اور سائڈ ٹیبل پر رکھے جگ سے پانی گلاس میں ڈال کر گلاس منہ سے لگا لیا تھا۔ کچھ دیر بعد انہیں قدرے سکون محسوس ہوا تھا۔ یہ تکلیف انہیں پچھلے کچھ دنوں سے ہو رہی تھی اور وہ ڈاکٹر کے پاس جانے کے بجائے اپنی دوا تجویز کر رہے تھے۔

''آج ڈاکٹر کے پاس ضرور جاؤں گا۔'' وہ خود کلامی کے انداز میں کہتے ہوئے واش روم کی طرف بڑھ گئے۔ وہ نہا کر فریش ہونا چاہتے تھے لیکن مسلسل ہوتی موبائل فون کی بیل نے انہیں مجبوراً واش روم سے باہر نکالا۔

''جی......'' اعزاز شاہ نے تلخی کے ساتھ کہا تھا لیکن دوسری طرف اس کی تلخی کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

''تمہاری بیوی ہمارے قبضے میں ہے اگر اس کی خیر خیریت چاہتے ہو تو پچاس لاکھ کا انتظام کر رکھو...... میں پھر فون کروں گا۔'' اس نے اپنی بات کہہ کر فون بند کر دیا تھا جبکہ اعزاز شاہ کا دل چاہا تھا کہ اس سے کہے۔'' میں اس سے بھی زیادہ رقم تمہیں دیتا ہوں تم، اسے اپنے پاس ہی رکھو۔'' مگر وہ یہ بات دل میں ہی دبا گئے کیونکہ ان کی شرافت ان کے آگے آ گئی تھی۔ اعزاز شاہ نے کچھ سوچ کر جس نمبر سے کال آئی تھی اس نمبر کو دیکھا تھا اور پھر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ وہ کوئی معمولی حیثیت کے حامل شخص تو نہیں تھے جو پریشان ہو جاتے اور نہ ہی پچاس لاکھ ان کے لیے کوئی بڑی رقم تھی لیکن اغوا کرنے والے شاید اناڑی تھے جو اپنے موبائل نمبر سے انہیں دھمکی دے گئے تھے۔

وہ کچھ دیر سوچتے رہے پھر تیار ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر ناشتا کرنے آ بیٹھے۔ خانساماں نے فوراً ان کے آگے ناشتا رکھ دیا تو وہ توس پر جیم لگانے لگے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے موبائل فون سے وانیہ کے موبائل نمبر ڈائل کیے تھے لیکن دوسری طرف نمبر بند ہونے کی اطلاع موصول ہوئی تھی، انہوں نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد زوار شاہ کا نمبر ڈائل کیا۔

''ہیلو بیٹا......'' انہوں نے بہت عجلت میں کہا تھا شاید وہ بہت زیادہ مصروف تھے۔ ''بولو کوئی خاص بات؟''

''جی پاپا......''

''تو جلدی کہو میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔''

''پاپا وانیہ کو کڈنیپ کر لیا ہے۔''

''کیا؟ تم ہوش میں تو ہو؟'' انہیں شاید یقین نہیں آیا تھا اس لیے ان کی دماغی حالت پر تشویش ظاہر کرتے ہوئے بولے۔'' وہ کوئی معمولی آدمی کی بیٹی ہے نہ بہو۔''

''میں جانتا ہوں اس لیے میں خود بھی حیران ہوں۔'' وہ فوراً بولے۔

''اچھا تم ایسا کرو...... آفس پہنچو...... پھر بات کرتے ہیں۔'' انہوں نے کہتے ہی سلسلہ منقطع کر دیا

تھا۔ انہوں نے اطمینان سے چائے پی اور پھر آفس کے لیے نکل گئے تھے۔

☆☆☆

''فیضان...... وانیہ کہاں ہے؟''

''معلوم نہیں۔''

''میں نے تم سے کہا تھا اس پر نظر رکھو۔''

''جی میں نے اپنے دو آدمی اس پر نظر رکھنے کے لیے مامور کیے ہیں۔''

''یہ کیسی نظر رکھی ہے کہ وہ کڈنیپ ہو گئی ہے۔'' زوار شاہ تقریباً چیخے تھے۔

''کیا؟'' دوسری طرف بے یقینی کی کیفیت تھی۔

''آپ سے کس نے کہا ہے؟''

''اعزاز شاہ نے۔''

''میں معلوم کرتا ہوں۔''

''جلدی معلوم کرو...... یہ ہماری خاندان کی عزت کی بات ہے اور جو بھی رپورٹ ہے ہمیں جلدی فراہم کرو۔''

''آپ بے فکر ہو جائیں۔'' اس کے ساتھ ہی زوار شاہ نے سلسلہ منقطع کر دیا تھا اور کرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔

وہ کافی عرصے سے وانیہ کی مشکوک حرکتیں دیکھ رہے تھے اور اعزاز شاہ سے ہونے والے جھگڑے کی آوازیں بھی وہ بغور سن رہے تھے لیکن ابھی تک خود خاموش تھے تو صرف اسی وجہ سے کہ وہ اب اس معاملے کو کسی نتیجے پر پہنچانا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے فیضان شاہ سے وانیہ پر نظر رکھنے کو کہا تھا لیکن اب اس کے اغوا ہو جانے پر مسئلہ الجھ گیا تھا، ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ اچانک کیا ہو گیا ہے۔ وہ ابھی اسی سلسلے کو سلجھانے میں لگے تھے کہ اچانک ہلکی سی دستک کے بعد ان کے روم میں اعزاز شاہ داخل ہوئے تو انہوں نے ذرا سی آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا پھر سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''بیٹھو اور اب بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے؟''

''معاملے کا تو مجھے خود نہیں پتا...... بس کچھ دیر پہلے میرے پاس فون آیا تھا۔''

''کیسا فون......؟'' انہوں نے فوراً پوچھا۔

''یہی کہ اگر اپنی بیوی کی خیریت چاہتے ہو تو پچاس لاکھ کا انتظام کرو۔''

''یا؟'' انہوں نے طنز سے سر جھٹکا۔ ''کسی نے مذاق کیا ہوگا۔''

''مجھے بھی ایسا ہی لگا تھا مگر وانیہ کا نمبر مسلسل آف آرہا ہے۔''

''اس کی بے پروائی کا تمہیں پتا ہے موبائل کہیں رکھ کر بھول گئی ہوگی یا کہیں پھینک دیا ہوگا۔''

''مگر ایسا اس وقت ہوتا ہے جب وہ بہت غصے میں ہو اور ویسے بھی وہ لاہور کے لیے نکلی تھی۔'' اس نے ان کی بات کو رد کر دیا تھا وہ کچھ دیر انہیں دیکھتے ہوئے شاید ان کی کیفیت سمجھنا چاہ رہے تھے۔

''تمہیں کسی پر شک ہے......؟''

''نہیں......''

''ٹھیک ہے پھر تم کڈنیپر کا انتظار کرو...... میرا مطلب ہے ان کے فون کا...... کیونکہ پھر ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کون ہیں اور وہ صرف پیسے سے مطلب رکھتے ہیں یا کوئی اور مطالبہ کرتے ہیں۔'' ان کی آخری بات سن کر اعزاز شاہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''ٹھیک ہے۔'' اعزاز شاہ کے وہاں سے جاتے ہی زوار شاہ پھر کسی گہری سوچ میں گم ہو گئے تھے۔ انہوں نے جس طرح اپنی طرف سے بچوں کی تربیت میں کہیں کوئی کمی نہیں رکھی تھی اسی طرح وہ ان کی حرکتوں سے غافل بھی نہیں ہونا چاہتے تھے ان کی مثال ایسی ہی تھی کہ وہ کھلاتے سونے کا نوالہ تھے مگر دیکھتے شیر کی نظر سے تھے، اسی لیے ان کے کسی بھی

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



بچے نے آج تک ان کی کسی بات سے اختلاف نہیں کیا تھا مگر کچھ کام ایسے بھی تھے جو زوار شاہ کی نظروں سے پوشیدہ تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی بچوں کے لیے کمانے اور انہیں اسٹیبلش کرنے میں صرف کر دی اگر وہ کچھ وقت اپنے بچوں کو دیتے تو شاید وہ اتنی بے راہ روی کا شکار نہیں ہوتے' ان کے بچوں کو سب کچھ میسر تھا مگر ذہنی سکون نہیں اور اسی کی تگ و دو میں وہ بھٹکتے پھر رہے تھے۔ اچانک فون کی بیل پر زوار شاہ نے فوراً فون ریسیو کیا تھا وہ شاید فون کا ہی انتظار کر رہے تھے۔

''پاپا وانیہ کو ان لوگوں نے ہی اغوا کر لیا ہے جن کو اس پر نظر رکھنے کے لیے کہا گیا تھا۔'' فیضان شاہ نے جیسے ان کی سماعت پر بم پھوڑے تھے۔

''تو تم کر کیا رہے ہو، فوراً ان کے خلاف ایکشن لو۔'' انہوں نے کہہ کر فون پٹخ دیا تھا۔ ان کا ضبط جواب دے گیا تھا تو وہ چیخے تھے۔

☆☆☆

روزی کمرے میں مسلسل ٹہل رہی تھی، ڈپریشن سے اس کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا...... لاہور سے مسلسل کال آ رہی تھی اور وہ اٹینڈ نہیں کر رہی تھی۔ سورج کی روشنی نے ہر سو پھیل کر لوگوں کو بیدار کر دیا تھا۔ وہ اس وقت سکون سے سونا چاہتی تھی مگر وانیہ کے اغوا ہو جانے کے بعد سے اسے ایک پل بھی چین نہیں آیا تھا۔ کمرے میں بالکل خاموشی چھائی ہوئی تھی ابھی کچھ دیر پہلے ہی روزی نے کھڑکیوں پر بھاری پردے برابر کیے تھے جس کی وجہ سے کمرے میں مکمل اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

وہ بیڈ کے دائیں جانب کے سرے پر اپنے دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیٹھی تھی۔ وہ آج سے پہلے کبھی اتنی پریشان نہیں ہوئی تھی۔ اس سے ذرا فاصلے پر رکھا موبائل فون ایک بار پھر بجنے لگا تو نہ چاہتے ہوئے بھی اس بار اس نے کال ریسیو کر لی۔

''ہیلو......''

''کیا میں تانیہ سے بات کر سکتی ہوں؟'' اس کی آواز کے بوجھل پن کو محسوس کرتے ہوئے دوسری طرف سے محتاط انداز میں پوچھا گیا تو وہ قدرے توقف کے بعد سنبھل کر بولی۔

''جی...... کہیے میں بات کر رہی ہوں۔''

''آپ نے جاب کے سلسلے میں اپنی سی وی بھیجی تھی۔''

''کون سی کمپنی......؟'' وہ سوچتے ہوئے انداز میں بولی۔ ''میرا مطلب ہے آپ کس کمپنی سے بات کر رہی ہیں۔''

''فلاں...... ایڈورٹزمنٹ کمپنی سے بات کر رہی ہوں۔ زوار شاہ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔''

''جی، جی میں جانتی ہوں، آپ اگر ان سے کل کا وقت لے کر دے دیں تو میں آ جاؤں گی۔''

''جی......! میں نے بھی آپ کو اسی لیے فون کیا تھا کہ آج انہوں نے انٹرویو کینسل کر دیے ہیں اور کل ہی سب کو بلایا ہے۔''

''کوئی خاص وجہ......؟'' وہ جاننا چاہتی تھی کہ وانیہ اعزاز کے اغوا ہونے کی اطلاع انہیں مل گئی ہے یا نہیں...... لیکن دوسری طرف سے لاعلمی کے اظہار کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا تھا۔

روزی کی سوچ کو ایک نیا رخ ملا تھا وہ سب کچھ بھول کر اب اپنے لیے سوچنے لگی تھی۔ وہ لاہور جانے سے پہلے مختلف کمپنیز میں اپنا سی وی ڈراپ کر کے آئی تھی گو کہ اسے جاب کی ضرورت نہیں تھی لیکن وہ زوار شاہ تک رسائی حاصل کرنا چاہتی تھی اور وہ ان کے شاطر دماغ کو اچھی طرح سمجھتی تھی اس لیے وہ کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی اور اپنا نام تانیہ اور ایڈریس بھی دوسرے محلے کا دے کر وہ مطمئن تھی بس اسے اپنا حلیہ بھی اسی محلے کا بنانا تھا۔ لیکن اس سے پہلے اسے یہاں سے نکلنا تھا۔ اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد موبائل فون اٹھا کر فیضان شاہ کا نمبر ڈائل کیا۔

''ہیلو فیضان......'' کال ریسیو ہوتے ہی وہ فوراً بولی۔ ''ایک ایمرجنسی کی وجہ سے مجھے آدھے راستے سے واپس جانا پڑ رہا ہے، میں کراچی پہنچ کر تمہیں کال کروں گی۔''

''ٹھیک ہے کوئی مسئلہ نہیں......'' اس نے نارمل سے انداز میں کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا تو روزی ایک لمحے کو ٹھٹکی تھی لیکن پھر فوراً ہی سر جھٹک کر اپنا بیگ اٹھا کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

☆☆☆

تائی جی کافی پریشانی سے کبھی اِدھر تو کبھی اُدھر ٹہل رہی تھیں۔ شام کو گھر میں مہمان بھی آنے تھے اور ابھی تک کوئی چیز بھی تیار نہیں ہوئی تھی۔ تشمیرہ، تائی جی کی بے چینی محسوس کر رہی تھی لیکن اس کے اندر جو تائی جی کا ڈر تھا وہ اسے ان سے بات کرنے اور وجہ جاننے سے روک رہا تھا۔ وہ خود یونیورسٹی سے آنے کے بعد اضطرابی کیفیت کا شکار تھی۔ تایا جی نے یونیورسٹی ڈراپ کرتے ہوئے اسے آگاہ کر دیا تھا کہ آج شام اسے لڑکے والے رضامندی کے ساتھ انگوٹھی پہنانے آرہے تھے گو کہ یہ احساس ہی ہر لڑکی کے لیے خوشگواری کا عنصر رکھتا ہے لیکن تشمیرہ نے اپنے لیے کچھ اور سوچا ہوا تھا اور اس میں کہیں بھی شادی کا تصور نہیں تھا۔

وہ زندگی میں بہت کچھ کرنا چاہتی تھی لیکن اسے اپنی زندگی مختصر سی محسوس ہوتی، اکثر تنہائی میں وہ سوچتی کہ اسے دنیا میں بھیجا کیوں گیا ہے اور اگر وہ آ ہی گئی ہے تو کچھ ایسا ضرور کرے گی کہ اس کے جانے کے بعد بھی لوگ اس کی باتیں کریں اور اچھے لفظوں میں یاد کریں۔

دن اب ڈھل رہا تھا اور وہ کچن میں اب شام کے لوازمات تیار کرنے کے ساتھ تائی جی کی پریشانی کے بارے میں بھی سوچ رہی تھی کہ اچانک تائی جی اس کے پاس آئیں۔

''تم کیا کر رہی ہو؟''

''شامی کباب کا مسالا تیار کر رہی ہوں۔''

''یہ سب کام ہو جائیں گے تم میرے ساتھ آؤ۔'' تائی جی اس کا بازو پکڑے اسے اپنے ساتھ لیے اپنے کمرے میں آگئی تھیں۔ وہ حیران ہونے کے ساتھ ناسمجھی کے عالم میں انہیں دیکھنے لگی۔ تائی جی نے پہلے دروازہ بند کرنے کے ساتھ اسے فوراً لاک کیا پھر اس کے ساتھ بیڈ پر آکر بیٹھ گئیں۔

''تمہیں پتا ہے کہ کون لوگ آرہے ہیں؟''

''جی، تایا جی نے بتایا تھا کہ ان کے دوست......''

''ہاں......'' وہ اس کی بات کاٹ کر فوراً بولیں۔ ''اور وہ تمہیں دیکھنے کے ساتھ منگنی کی انگوٹھی پہنانے آرہے ہیں لیکن تم انکار کر دو۔'' انہوں نے فوراً ہی اپنی بات کی اور وہ سکتے کی حالت میں انہیں دیکھنے لگی اسے شاید اپنی سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا۔

''میرا تمہارے سوا کون ہے بیٹی، تم بھی اس گھر سے چلی جاؤ گی تو میں بالکل اکیلی ہو جاؤں گی۔'' وہ گلوگیر لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ ''اور پھر تمہاری تعلیم بھی تو ہے، بے شک تمہارے تایا نے ان سے بات کر لی ہو لیکن کون اپنی بہو کو یونیورسٹی بھیجنا پسند کرتا ہے اور پھر شادی کے بعد کتنے مسائل ہوتے ہیں، میں نے تو تمہارے تایا جی کو سمجھا کر دیکھ لیا مگر......'' وہ قصداً بات ادھوری چھوڑ کر اسے سینے سے لگا کر رونے لگیں۔ اور تشمیرہ ہمیشہ کی ممتا کی ترسی ان کی چالاکی کو سمجھے بغیر ہی پگھل گئی تھی۔

''ٹھیک ہے تائی جی، آپ جیسا کہیں گی میں ویسا ہی کروں گی۔ میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔''

''جیتی رہو۔'' وہ اسے خود سے الگ کر کے اس کی پیشانی چومتے ہوئے بولیں۔ ''مجھے یقین تھا کہ تم ہی میری سگی اولاد ہو۔ میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی

اولاد سمجھ کر ہی ڈانٹا، تمہیں سمجھایا، تم نے برا تو ضرور منایا ہوگا کیونکہ تم میری محبت سے ناواقف تھیں۔''

''نہیں تائی جی، میں نے ہمیشہ آپ کو اپنی ماں کی جگہ سمجھا......اب بھی آپ جیسا کہیں گی ویسا ہی کروں گی۔'' اس کی بات پر تائی جی نے ایک بار پھر اسے گلے سے لگایا۔

تائی جی اندر ہی اندر مسکرا رہی تھیں ان کی تمام چالیں ٹھیک نشانے پر بیٹھی تھیں۔ اس وقت وہ یہ بھی بھول گئیں کہ وہ ایک معصوم کے جذبات سے کھیل رہی ہیں۔ انہیں صرف اپنے بھتیجے کی خوشی عزیز تھی اور وہ جانتی تھیں کہ وہ اگر کامیاب نہیں ہوئیں تو یقیناً فاطر اپنی جان سے گزر جانے میں دیر نہیں کرے گا۔

تشمیرہ پا تو، تائی جی کی تھوڑی سی محبت سے ہی سیراب ہوگئی تھی، وہ فوراً ہی ان کی تمام زیادتیاں کسی معصوم بچے کی طرح بھول گئی اور دل میں تایا جی سے بات کرنے اور اس رشتے سے انکار کرنے کے لیے خود کو تیار کرنے لگی۔

☆☆☆

ایک بڑے سے کمرے میں تخت کے اوپر فاطر آرام سے لیٹ کر سگریٹ پی رہا تھا، اس کے پاؤں کے پاس بیٹھی بیس بائیس سال کی لڑکی اس کے پاؤں دبانے کے ساتھ گنگنا رہی تھی، اس کی آواز میں مٹھاس، ترنم اور نہ جانے کیا کچھ تھا کہ فاطر کو سکون سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نیند اترنے کے ساتھ اس پر ایک عجیب سا نشہ سا چھانے لگا اس نے ذرا سی آنکھیں کھول کر اس لڑکی کو دیکھا اور ایک لمحے میں اسے لگا جیسے اس لڑکی کی جگہ تشمیرہ ہو، اسے مسکرا کر دیکھتی ہوئی، شرما کر ناخن کترتی ہوئی، اپنے بالوں کی لٹ کو انگلی پر لپیٹتی ہوئی لیکن وہاں تشمیرہ نہیں وہ لڑکی بیٹھی تھی جو اپنے یتیم بہن، بھائیوں اور اپنی بیوہ ماں کی دواؤں کے ساتھ ان سب کے پیٹ کی بھوک مٹانے کے لیے یہاں فاطر کے دوست کے گھر کام کرتی تھی اور اس وقت فاطر کے پاؤں دبانے کے ساتھ اپنی پیٹ کی بھوک کو لوری دے کر سلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ بے خیالی .... میں اس کی نظر فاطر پر گئی اور اس نظر سے اس کی روح تک کانپ گئی تھی۔

''صاحب ہم ایسی ویسی لڑکی نہیں ہیں۔'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور بھاگ جانا چاہتی تھی مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔

☆☆☆

فاطر کی جس وقت آنکھ کھلی اس وقت کمرے میں مکمل تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس کا دوست نہ جانے کہاں تھا جو اس کو جگانے نہیں آیا تھا اسے ذرا سی حیرت ہوئی لیکن دوسرے ہی لمحے اسے اپنے جسم کے قریب کسی اور کے وجود کا احساس ہوا تو وہ ڈر کر فوراً اٹھ کر پیچھے ہٹا تھا اور موبائل ٹارچ کے ذریعے سوئچ بورڈ دیکھنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے بٹن آن کرتے ہی کمرے کو روشن کیا تھا اور کچھ دیر اس ساکت وجود کو دیکھنے کے بعد وہ اس کے قریب آکر اس کی سانس چیک کرنے لگا۔ لیکن وہ بے بس ذات اب اس دنیا میں نہیں تھی۔ فاطر حواس باختہ ہوگیا۔ اور سوچنے لگا کہ اب وہ کیا کرے...... اسے یقین تھا کہ اس کا دوست احسن بھی اس وقت اس کی مدد نہیں کرے گا۔ نہ جانے اس وقت وہ کہاں تھا جو ابھی تک گھر نہیں آیا تھا۔ وہ اپنے دوست کے بارے میں سوچنے کے ساتھ سامنے پڑی اس لڑکی کی لاش کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا کہ اسے کس طرح اور کہاں ٹھکانے پر لگائے۔ اس نے پہلے گھر سے باہر نکل کر ماحول کا جائزہ لیا۔ شام ڈھل رہی تھی۔ اور ہر طرف خاموشی کا راج تھا گھر میں شاید کوئی بھی موجود نہیں تھا باہر سے پرندوں کی آتی آواز خاموشی کو توڑ رہی تھی، اس کا ذہن بہت تیزی سے چلنے لگا۔ وہ بھاگتا ہوا اوپر آیا اور پھر اس لڑکی کی لاش کو اپنے بازوؤں میں اٹھا کر نیچے آیا تھا۔ اسے یہ بھی خوف تھا

کہ اس کی یہ حرکت کوئی دیکھ نہ لے اس لیے بمشکل گاڑی کی ڈکی میں لاش کو رکھ کر اس نے گردن گھما کر چاروں طرف کا جائزہ لیا اور پھر ڈرائیونگ سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ گاڑی کا رخ شہر کی مصروف شاہراہ کی طرف کیا، اس کے بعد اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو شہر سے باہر جانے والی سڑک پر گاڑی کا رخ موڑ دیا۔ وہ جلد سے جلد اس مصیبت سے نجات چاہتا تھا۔ اس لیے شہر ختم ہونے سے پہلے وہ ایک چھوٹے سے علاقے میں داخل ہوگیا اور وہاں قبرستان کا معلوم کرنے لگا تاکہ گورکن کو تھوڑی رقم کھلا کر یہ معاملہ نمٹا سکے۔ مگر شاید مصیبت نے اسے پہچان لیا تھا اس لیے وہ اب اس کا پیچھا اتنی آسانی سے چھوڑنے والی نہیں تھی۔ فاطر اب تک نہ جانے کتنی ہی لڑکیوں کی زندگیوں سے کھیل چکا تھا اور نہ جانے کس کی بددعا تھی جو اس وقت اس کے پیچھے آرہی تھی وہ اب پوری طرح مصیبت کے شکنجے میں پھنس چکا تھا۔

اس لڑکی کی لاش کو ٹھکانے لگانے کے بعد اس کی کوشش تھی کہ وہ جلد سے جلد گھر پہنچ جائے لیکن دوسری طرف سے آتی گاڑی کو بچاتے ہوئے اس کی اپنی ہی گاڑی ایک کھمبے سے جا ٹکرائی اور اس کا سر اسٹیئرنگ سے جا ٹکرایا اس نے ایک نظر آسمان کی طرف دیکھا تھا اس کے بعد اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔

☆☆☆

”تم ہوش میں تو ہو تشمیرہ... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟“ تایا جی نے غصے سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

”جی تایا جی، مجھے اس رشتے سے انکار ہے۔“ وہ اپنی جگہ جمی کھڑی نظریں پاؤں کے انگوٹھے پر جمائے مضبوط لہجے میں بولی۔

”اور انکار کی وجہ؟“

”آپ مہمانوں کا تو خیال کریں۔“ تائی جی نے سرگوشی والے انداز میں کہا اور اس سے پہلے کہ تایا جی مزید کچھ کہتے گھر آئے مہمان اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

”ہمارا خیال ہے ہمیں چلنا چاہیے۔ گھر بلا کر یوں بے عزت کرنے کا شکریہ۔“ وہ لوگ رکے نہیں تھے اور نہ ہی تایا جی نے انہیں کچھ کہا تھا، ان کے عتاب کا نشانہ تو اب وہ بننے والی تھی جسے انہوں نے پال پوس کر اتنا بڑا کیا تھا کہ اب وہ ان کے سامنے ہی بولنے کو تیار تھی۔ جبکہ انہیں امید نہیں تھی۔

”وجہ اب میں آپ کو بتاتی ہوں۔“ تائی جی سینے پر ہاتھ باندھ کر بولیں۔

”مجھے تم سے نہیں اس سے سننا ہے، آخر کہاں مجھ سے کوتاہی ہوئی جو اس نے آج مجھے میری نظر میں دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا ہے۔“

”ہاں تو پھر پوچھیں اس سے کہ یہ ہی فاطر کو پسند کرتی ہے یا وہ بھی......“ تائی جی تلخ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر بولیں تو وہ ششدر سی ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔ اسے شاید اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا تھا۔ بے یقینی کی دیوار کے اس طرف تشمیرہ کھڑی تھی تو دوسری طرف تایا جی، تائی کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

”کیا کہنا چاہ رہی ہو تم؟“

”یہی کہ آپ تو آفس چلے جاتے ہیں، آپ کے پیچھے یہ آپ کی بھتیجی میرے معصوم بھولے بھالے بھتیجے پر ڈورے ڈالتی ہے جب ہی تو رشتے سے انکار کیا ہے اس نے...“

”تشمیرہ کیا تمہاری تائی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔“ وہ گنگ سی تائی جی کو دیکھنے لگی اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ وہی عورت ہے جو دوپہر میں محبت لٹا رہی تھی اور اب اس سرعام مجرم قرار دے رہی تھی۔

”یہ کیا بولے گی، اس کے کچھن اس قابل ہیں جو اسے بولنے دیں۔“ وہ کہہ کر گرنے کے سے انداز میں صوفے پر بیٹھ کر رونے لگیں۔ ”ماں بن کر پالا اسے......اس کی ہر حرکت پر پردہ ڈالتی رہی، بچی ہے مگر آج دیکھ لیا ناں .... آپ ہمیشہ مجھے الزام دیتے رہے، بے جا روک ٹوک نہیں کرتی تھی سب جانتی تھی

میں اس کے کرتوت...... جب ہی تو......

”تایا جی......“ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا۔

”چلی جاؤ تشمیرہ یہاں سے۔“

”میری بات تو سنیں۔“ وہ منمنائی مگر دوسرے ہی لمحے تایا جی غصے سے چیخے تھے۔

”چلی جاؤ تشمیرہ...... بیگم اس سے کہو کہ یہ چلی جائے یہاں سے۔“

”میں نے کچھ نہیں کیا...... سب جھوٹ ہے۔“ وہ تیز آواز میں بولی مگر اس سے پہلے ہی تایا جی کا ہاتھ اس کے گال پر نشان چھوڑ گیا تھا۔ وہ آنکھوں میں آنسو لیے بے یقینی کی تصویر بنی تایا جی کو دیکھنے لگی۔

”مجھے کچھ نہیں سننا اور اب چلی جاؤ میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔“ تشمیرہ بہت آہستہ، آہستہ پیچھے ہٹنے لگی لیکن اچانک ہی فون کی بیل نے سب کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی تھی۔

”ہیلو۔“ تائی جی نے فون ریسیو کیا تھا۔ ”جی بھائی کیسے ہیں آپ؟ کیا؟ کب؟ میں معلوم کرتی ہوں۔“ انہوں نے بہت مختصر بات کر کے ریسیور رکھ کر تایا جی کی طرف دیکھا تھا۔

”بھائی صاحب کا فون تھا۔ فاطر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، انہوں نے اسپتال کا بھی بتایا ہے آپ چلیں میرے ساتھ۔“ تائی جی بہت پریشان ہو گئی تھیں جبکہ وہ اب بھی مجرم بنی کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔ تایا جی نے ایک نظر تشمیرہ کو دیکھا شاید انہیں اس کی.... بے گناہی کا یقین آ گیا تھا جب ہی نظریں چرا کر گھر سے نکل گئے تھے۔ پیچھے، پیچھے تائی جی تھیں۔ اس کی آنکھوں سے آنسو اتر سے بہنے لگے۔

☆☆☆

روزی اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر تیزی سے نکلی تھی۔ سامنے گاڑی میں نوجوان اسٹیرنگ پر سر رکھے بے ہوش پڑا تھا اس کے سر سے خون ٹپک رہا تھا۔

روزی نے پہلے اِدھر اُدھر مدد طلب نظروں سے دیکھا مگر کسی کو نہ پا کر اس نے ایمبولینس کو فون کیا تھا اور جب تک ایمبولینس نہیں آگئی تھی وہ وہیں اس کے پاس کھڑی رہی پھر ایمبولینس کے ساتھ وہ اس بے ہوش نوجوان کو لے کر اسپتال آئی تھی۔ نہ جانے کیا تھا اس شخص میں جو روزی کو کھینچ کر اپنے ساتھ لے آیا تھا کیونکہ وہ ان چکروں میں پڑنے والی ہرگز نہیں تھی۔ وہ خود اندر ہی اندر جھنجلا بھی رہی تھی لیکن اس کے باوجود وہ اس وقت تک وہاں رہی جب تک اسے ہوش نہیں آگیا۔

''کیسی طبیعت ہے تمہاری؟'' اسے ہوش میں آتا دیکھ کر وہ اس کے قریب آئی تھی۔ ''لیٹے رہو، بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اسے واپس لٹاتے ہوئے بولی۔

''میں کہاں ہوں اور تم کون ہو؟''

''میں روزی ہوں اور تم اسپتال میں ہو تمہارا......'' اس نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی اور کھوجتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں، مجھے یاد ہے۔''

''شکر ہے، ورنہ میں سمجھی......''

''یہی کہ میں سب کچھ بھول گیا ہوں۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر فوراً بولا تو وہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔

''میرا نام فاطر ہے اور میں بہت شاطر دماغ کا مالک ہوں اتنی آسانی سے بھولنے والا نہیں۔''

''گڈ......؟ خوشی ہوئی تم سے مل کر۔''

''یقین نہیں آتا۔'' وہ جال پھینک رہا تھا اور روزی سمجھ کر انجان بن گئی۔

''اپنے گھر میں کس کو بتانا چاہو گے تم یہاں ہو؟''

''کیوں، جان چھڑانا چاہتی ہو؟''

''نہیں گھر تک آنا چاہتی ہوں۔'' وہ بے ساختہ بولی تو وہ مسکرا کر رہ گیا۔ ''ویسے میں نے تمہارے موبائل سے تمہارے والد صاحب کو اطلاع کر دی تھی کچھ ہی دیر میں کوئی نہ کوئی آتا ہوگا۔''

''کیا تم جا رہی ہو؟'' وہ روزی کو بیگ اٹھاتا دیکھ کر پوچھنے لگا تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔

''پھر کب ملو گی؟''

''بہت جلد۔'' اس نے کہہ کر اپنا کارڈ فاطر کی طرف بڑھایا تھا اور اس کے تھامتے ہی تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

رات ابھی بہت زیادہ نہیں ہوئی تھی لیکن پھر بھی گھر جا کر وہ سکون کی نیند سونا چاہتی تھی کیونکہ اگلی صبح اسے زوار شاہ کے آفس پہنچنا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ تھکے ہوئے ذہن سے وہ کسی بھی طرح شکست کھا جائے۔

اس نے گھر آتے ہی پہلے شاور لیا پھر کھانا کھا کر کمرے میں آئی اور سگریٹ جلا کر اپنے بیڈ پر آبیٹھی، دوسرے ہی لمحے اس کے ذہن پر فاطر ابھرا تھا، وہ ایک لمحے کو حیران ہوئی کہ اتنی جلدی وہ اپنی باتوں اور اپنی شخصیت سے اسے متاثر کر گیا تھا اور پھر وہ اسے سوچنے لگی تھی۔ ایک نیا گیم اس کے ذہن میں چلنے لگا تھا، وہ یہ بھول گئی کہ صبح اس کی گاڑی سے وانیہ اعزاز اغوا ہوئی ہے۔

☆☆☆

تشمیرہ کے اندر دکھ، ملال اور نہ جانے کیا کچھ تھا، وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی بے آواز رو رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وقت نے اس کے ساتھ مذاق کیا ہے یا پھر اب کوئی نیا زخم لگنا باقی ہے۔ بہت سال پہلے ایک گہرا زخم وقت نے اس سے اس کے ماں باپ چھین کر لگایا تھا اور آج تایا جی کے سامنے اس کی عزت کو دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا تھا۔ اسے بہت شدت سے اپنے ماں، باپ یاد آ رہے تھے اور تایا جی کے علاوہ کوئی سہارا بھی نہیں تھا۔ جس کے پاس وہ اس وقت چلی جاتی اب رسوائی کے بعد بھی اسے اسی گھر میں ہی رہنا تھا۔

تائی جی نے کس طرح چالاکی سے اسے اپنی محبت کے جال میں پھنسا کر اپنا کھیل کھیلا تھا۔ اسے اب سمجھ میں آرہا تھا لیکن اس کے بعد ان کا کیا ارادہ تھا، یہ وہ جاننے سے قاصر تھی۔ اس کا دل چاہا کہ ریبال کو یہ ساری صورتِ حال بتائے لیکن پھر کچھ سوچ کر رہ گئی۔ اور پھر یہ دکھ تو اس کی اپنی ذات کے لیے تھے کوئی سوائے تسلی دینے کے اور کیا کر سکتا تھا؟ وہ اس وقت سسک رہی تھی مگر اس کے آنسو صاف کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ جب کہ تائی جی کو فاطر کے ایکسیڈنٹ نے بھی اپنے گناہ کا احساس نہیں دلایا تھا اگر دلوں پر قفل لگے ہوں تو پھر انسان کو کسی چیز کا بھی احساس نہیں ہوتا۔ اور یہ ہی حال تائی جی کا تھا انہوں نے اس، مظلوم پر الزام لگاتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے، وہ کسی بھی وقت ان پر پڑ سکتی ہے۔

☆☆☆

خالہ زینب نے کوئی بہت زیادہ احسان نہیں کیا بس انہیں شام تک کا ہی وقت دیا تھا جسے ریبال اور امی نے غنیمت جان کر کچھ ضروری چیزیں ہی اپنے پاس رکھی تھیں۔ اس کے بعد جب گھر سے نکلنے لگے تو جہاں ان کی آنکھیں بھر آئیں وہیں ریبال کو بھی اس گھر میں بچپن سے لے کر اب تک گزرنے والا ایک، ایک پل یاد آنے لگا۔

''آپ فکر نہ کریں امی، ہم بہت جلد اپنے گھر میں واپس آئیں گے۔'' اس نے ماں کو گلے لگا کر عزم سے کہا تو وہ شدت سے رونے لگیں۔

''نہ جانے کس بات کا بدلہ لیا ہے زینب نے اور کیا ملا اسے ہمیں بے گھر کر کے۔''

''بس امی چپ کر جائیں، آپ دیکھیے گا میں کس طرح یہ گھر ان سے لیتا ہوں۔'' وہ کہہ کر انہیں اپنے ساتھ لگائے ہوئے گھر سے نکل گیا تھا۔ محلے کے ہر شخص نے تاسف سے انہیں دیکھا تھا کسی نے روک کر پوچھا بھی نہیں کیونکہ ان دونوں میں جواب دینے کی سکت ہی نہیں تھی اور پھر لوگوں کو کیا بتاتے کہ اپنوں نے ہی در، در کی ٹھوکر کھانے کے لیے گھر سے نکال دیا ہے زبان پر تالے ڈالے وہ لوگ یونہی چلتے ہوئے محلے سے نکل کر سڑک پر آگئے تھے۔

دو دن تھے ریبال کے پاس اس کے بعد تو اسے جرمنی چلے جانا تھا لیکن پہلے تو امی کو اکیلے گھر میں چھوڑ کر جانے کے لیے پریشان تھا اور اب سڑک پر چلتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا اب کیا کروں اس صورتِ حال میں امی کو کس رشتے دار کے یہاں ٹھہراؤں۔

''رشتے دار، ہونہہ......'' اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔'' دنیا ایسی ہی ہے ظالم...... مظلوم کو سزا دے کر طاقت ور ہمیشہ فتح پاتا ہے۔'' وہ سوچنے لگا۔ ''لیکن اگر میں اس وقت کمزور ہوں تو آنے والے وقت میں ان سے کہیں زیادہ طاقت ور بن کر سامنے آؤں گا۔'' وہ اس وقت خود کو ہمت دلانے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

امی کے اوپر تو ایک بڑا سانحہ اترا تھا۔ ان سے ان کے مرحوم شوہر کی آخری نشانی چھین لی گئی، دل میں دکھ کے ساتھ تکلیف بھی اٹھ رہی تھی، آنکھوں سے آنسو سیلاب کی صورت بہے جا رہے تھے ایسے میں انہیں اندازہ ہی نہیں ہوا کہ وہ کہاں چل رہی تھیں۔ اچانک گاڑی کے بریک چرچرانے سے ریبال چونکا تھا۔

''امی......'' وہ چیخ کر ان کی طرف بڑھا تھا۔ وہ اسی گاڑی کے سامنے بے ہوش پڑی تھیں ان کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔

☆☆☆

''مجھے یہ سب کچھ سن کر بہت افسوس ہوا۔'' اعزاز شاہ، ریبال سے کہہ رہے تھے۔ ''میں چاہوں تو ابھی کے ابھی وہ گھر خالی کروا سکتا ہوں مگر یہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ تم بھی جرمنی جا رہے ہو اور پھر امی کے پاس

کسی نہ کسی کو تو ہونا چاہیے۔'' وہ مسکرائے تو ریبال چونک کر انہیں دیکھنے لگا ''ارے یار پریشان کیوں ہوتے ہو کسی بھی چیز کی ضرورت ہو بلا جھجک کہہ دینا۔'' ریبال انہیں باہر دروازے تک چھوڑنے آیا تو وہ مزید کہنے لگے۔

''امی کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔ میں ایک بیٹے کی طرح ان کا خیال رکھوں گا۔'' وہ کہہ کر چلے گئے تو ریبال سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد اب اس کے لیے آسانیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ سب سے زیادہ فکر اسے ماں ہی کی تھی اور اسے اعزاز شاہ جیسے دوست مل گئے تھے جو اس کی ماں کی مکمل ذمے داری اپنے سر لے چکے تھے۔ وہ اندر کمرے میں آیا تو امی ابھی سو رہی تھیں۔ وہ انہیں چادر اوڑھا کر ٹی وی لاؤنج میں آ گیا تھا اور ٹی وی کے چینل سرچ کرنے لگا لیکن اچانک ہی ذہنی سوچ بھٹک کر تشمیرہ کی طرف چلی گئی۔ ایک لمحے میں جیسے سارا منظر ہی بدل گیا تھا۔ وہ اپنے پرانے گھر پہنچ گیا تھا اور وہاں اسے اپنے آس پاس تشمیرہ کی آواز اس کی باتیں' اس کی ہنسی کے جلترنگ سنائی دینے لگے تھے۔

دل ایسے خواب دیکھ رہا تھا اور ذہن ان خوابوں کو حقیقت کا رنگ دینے پر اکسا رہا تھا۔ اس نے سوچ لیا کہ وہ جرمنی جانے سے پہلے تشمیرہ کو اپنی محبت سے آگاہ ضرور کرے گا اور پھر کچھ سوچ کر اس نے اس کے موبائل نمبر ڈائل کیے تھے لیکن اس نے کال ریسیو نہیں کی تو وہ گھڑی میں ٹائم دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔

''رات اتنی گزر گئی اور مجھے پتا ہی نہیں چلا۔'' اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا پھر وہ یہ فیصلہ کر کے سویا تھا کہ صبح ہی تشمیرہ سے بات کرے گا۔

اگلی صبح اس نے پہلے امی کو اپنے ساتھ بٹھا کر ناشتا کروایا پھر دوائیں کھلا کر وہ یونیورسٹی کے لیے نکل گیا تھا' اسے تشمیرہ سے ملنے کی جلدی تھی۔ اس لیے یونیورسٹی پہنچ کر اسے ہی تلاش کر رہا تھا لیکن اس نے نہ ملنا تھا اور نہ وہ ملی تو بالآخر تھک ہار کر اس کے موبائل پر ایک بار پھر کال کرنے لگا۔

''ہیلو......'' دوسری طرف اس کی کمزور سی آواز سنائی دی تو وہ ٹھٹکا تھا۔

''کیا ہوا، تم ٹھیک تو ہو؟''

''نہیں......بس طبیعت ذرا خراب ہے۔''

'اوئے کیا ہوا......ڈاکٹر کو دکھایا؟'' اس کے لہجے میں بے قراری تھی اور وہ سمجھی نہیں یا سمجھ کر تلخ ہوئی تھی۔

''دکھا دوں گی۔'' اس نے بیزاری سے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ اور وہ اپنی جگہ حیران کھڑا اس کے انداز کو سوچنے لگا تھا۔

☆☆☆

''جی مس تانیہ......!'' زوار شاہ نے روزی کو بغور دیکھتے ہوئے کہا تو وہ آنکھوں پر لگے سن شیڈز اتار کر ان کو ٹیبل کی سطح پر رکھ کر سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''آپ کی سی وی میں ہے کہ آپ اس سے پہلے دو کمپنیز میں مختلف نوعیت کی جاب کر چکی ہیں۔ وہاں سے چھوڑنے کی وجہ؟''

''بہتر سے بہتری کی جانب جانے کے لیے انسان کو کوشش کرنی پڑتی ہے۔''

''تو اس کا مطلب ہے کہ کل اگر آپ کو یہاں سے بہتر کوئی اور آفر آ گئی تو آپ وہاں چلی جائیں گی؟''

''کیوں، کیا آپ کا ادارہ بہتر سے اور مزید بہتر کی طرف نہیں جائے گا۔'' وہ اس کی بات پر مسکرا کر رہ گئے۔ فوراً کوئی بات نہیں بن پڑی تو انٹر کام اٹھا کر چائے کا آرڈر دیا پھر ایک بار اس کی طرف متوجہ ہوئے ایسا کچھ خاص ضرور تھا اس میں کہ جس کی انہیں ہمیشہ سے تلاش رہی تھی۔ اس کے لہجے میں بلا کی خود اعتمادی تھی اس کی شخصیت کا سحر مخاطب کو اپنے جال میں مکمل جکڑ سکتا تھا۔ یہ ہی چیز ان کو متاثر کر گئی تھی۔

روزی نے بھی ان کے بارے میں ساری معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی اس آفس میں قدم

رکھا تھا جبھی خود کو ان کی سوچ کے سانچے میں ڈھال کر ان سے ہر موضوع پر بات کر رہی تھی۔ وہ یہ تو جان گئی تھی کہ اس جاب کے لیے وہ سلیکٹ ہو چکی ہے لیکن وہ پھر بھی زوار شاہ سے سننا چاہتی تھی ابھی وہ باتوں میں مصروف تھے کہ اچانک اعزاز شاہ دستک دینے کے بعد اجازت ملتے ہی اندر داخل ہوئے۔

''بابا وانیہ......'' وانیہ کا نام سن کر روزی ایک لمحے کو ٹھٹکی تھی اس کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گیا جسے شاید ہی کسی نے محسوس کیا ہو، وہ فوراً سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''کڈنیپر کا پھر فون آیا؟'' زوار شاہ نے پوچھا۔

''نہیں......''

''تو بس پھر بے فکر رہو، وہ آج شام گھر آ جائے گی اور اس کی فکر کرنا چھوڑ دو جب اسے تمہاری فکر نہیں ہے۔'' وہ کچھ نہیں بولے اور واپس جانے لگے تو زوار شاہ نے پکارا۔

''اعزاز...... ان سے ملو یہ ہیں تانیہ...... ہماری نئی ایڈیٹر اور مس تانیہ، یہ میرا بیٹا اعزاز......'' اس نے ذرا سا مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں چلوں سر......''

''ٹھیک ہے کل آپ کو آپ کا اپائنٹمنٹ لیٹر مل جائے گا۔''

''شکریہ......'' وہ مسکرا کر باہر نکل گئی تھی اور دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی کہ اب اس کی منزل دور نہیں ہے۔ اس نے اپنے گھر سے یہاں تک کا سفر بس میں کیا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی بھی طرح کا کوئی شک زوار شاہ کو ہو اور پھر گھر سے تھوڑے فاصلے پر اتر کر اس نے پہلے یہ یقین کر لینا مناسب سمجھا کہ کہیں کوئی اس کا پیچھا تو نہیں کر رہا گو کہ وہ کوئی قتل کرنے کی غرض سے نہیں گئی تھی اور نہ ہی کوئی غلط کام سرانجام دے کر آ رہی تھی لیکن محتاط رہنا اس کے لیے بہت ضروری تھا۔ اس نے گھر میں جیسے ہی قدم رکھا موبائل بجنے لگا تھا اس نے پرس میں سے موبائل نکالا اور فون نمبر دیکھ کر پہلے کچھ سوچا پھر کال ریسیو کر کے خاموش رہی۔

''میں روزی سے بات کر سکتا ہوں؟'' دوسری طرف فاطر تھا اور وہ پہچان کر بھی انجان بن گئی۔

''بات کر رہی ہوں، آپ کون؟''

''مجھ ناچیز کو فاطر کہتے ہیں، پہچان تو گئی ہوں گی آپ؟'' اس نے اپنی بات کی تصدیق چاہی تو وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے بولی۔

''بالکل، کیسے فون کیا؟''

''ملنا چاہتا ہوں۔''

''ابھی کل ہی تو ہم ملے تھے پھر اتنی جلدی......؟''

''پریت بڑھانے کے لیے ملاقات ضروری ہوتی ہے۔''

''ہاں لیکن اتنی جلدی نہیں......'' اس کا انداز ٹالنے والا تھا لیکن وہ بھی ضد پر اتر آیا۔

''لیکن میں چاہتا ہوں اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ تم انکار نہیں کرو۔''

''اچھا لیکن مجھے سوچنے کا وقت دو۔''

''سوچنا کیا ہے؟'' وہ بے صبری سے بولا۔

''یہ ہی کہ تم سے مل کر مجھے کیا فائدہ ہوگا؟''

''لاکھوں کا بزنس ہے میرا عیش کرو گی......'' اس نے لالچ دی اور وہ ہنسی تھی۔

''تمہارے لاکھوں سے کہیں زیادہ ہے میرے پاس......''

''چلو دونوں مل جاتے ہیں، آگے کی زندگی آرام سے گزر جائے گی۔'' فاطر مذاق کرنے لگا اس لیے فوراً بولا۔

''اسی لیے کہہ رہی ہوں سوچنے کا وقت دو......'' اس نے کہنے کے ساتھ سلسلہ منقطع کر دیا تھا اور اس کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگی تھی کہ اس سے کیا کام نکلوایا جا سکتا ہے گو کہ ابھی وہ اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی تھی اور اس کی باتوں

سے بھی وہ صرف اتنا اخذ کر پائی تھی کہ وہ صرف عاشق مزاج ہے لیکن وہ اپنی اس عادت کی بدولت کس حد تک جاسکتا ہے اس کا اندازہ اسے نہیں تھا اور پھر اسے اب وانیہ کی بھی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی جو وہ اس کے لیے اس کو پالتی۔ وانیہ سے وہ خود بھی جان چھڑانا چاہتی تھی مگر اس کے اغوا ہونے میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں تھا اور کس کا ہاتھ تھا، یہ جاننے سے وہ قاصر تھی لیکن چاہتی ضرور تھی کہ وہ واپس اپنے گھر پہنچ جائے اور جب سے اسے وانیہ کے جوان بچوں کا علم ہوا تھا تو اس سے وہ اپنی لاعلمی اور اس کے شاطر پن پر حیران رہ گئی تھی اور اب وانیہ جیسا ہی ایک شخص اس کے پیچھے تھا۔ جس سے وہ اپنے من چاہے کام بڑے آرام سے کرا سکتی تھی۔

روزی کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی اپنے ایک خاص آدمی گل خان کو فون ملا رہی تھی کیونکہ کسی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے وہ اسے ہی استعمال کرتی تھی۔

☆☆☆

موسم نے اچانک ہی انگڑائی لی تھی اور ہوا میں خنکی شامل کرتے ہوئے اسے قدرے سرد بھی کر دیا تھا یعنی ابھی سردیاں پوری طرح نہیں آئی تھیں۔ بس شامیں کچھ ٹھنڈی ہوگئی تھیں۔ تشمیرہ پیچھے لان سے اوپر چھت پر جاتی سیڑھیوں پر بیٹھی، آسمان پر اڑتے پرندوں کو دیکھ رہی تھی جو اپنی بولیوں میں ایک دوسرے کو الوداع کہتے اپنے گھونسلوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ دل میں ایک کسک سی اٹھی اور آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ پچھلے کئی دنوں سے اسے اپنے ممی، پاپا بہت شدت سے یاد آرہے تھے اور جب سے تائی جی نے اس پر الزام لگایا تھا اس نے یونیورسٹی بھی جانا چھوڑ دیا تھا اور ادھر تایا جی نے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی۔ جبکہ تائی جی شوہر کے سامنے تو کچھ نہیں کہتی تھیں لیکن اکیلے میں ایسے الفاظ ضرور استعمال کرتی جسے سن کر اس کی روح تک گھائل ہوجاتی۔ اس وقت بھی وہ ان کی باتوں سے بچ کر ہی یہاں آکر بیٹھ گئی تھی۔

''کیوں ممی، پاپا آپ لوگ مجھے تنہا چھوڑ کر چلے گئے؟'' اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ ''آپ لوگوں نے سوچا نہیں کہ آپ کے بعد میرا کیا ہوگا۔'' وہ گھٹنوں میں سر رکھ کر سسکنے لگی کہ اچانک ہی اس طرف تایا جی آئے تھے اور اسے یوں سسکتا دیکھ کر اپنی جگہ جم کر رہ گئے تھے۔ بیوی کے جھوٹ کے قصے سے وہ اسی دن واقف ہو گئے تھے لیکن بولے مصلحتاً نہیں تھے۔ لیکن بھتیجی کو اب سڑھیوں پر بیٹھے سسکتے دیکھ کر ان کا خون جوش مار رہا تھا، دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچے وہ وہاں سے چلے گئے تھے۔

''ارے تم یہاں بیٹھی ہو؟'' فاطر کی آواز پر اس نے جلدی سے سر اٹھا کر ہتھیلیوں سے چہرہ رگڑتے اسے دیکھا جو... کچھ فاصلے پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''کوئی کام تھا؟''

''ہاں......''

''کیا کام ہے؟'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ دو اسٹیپ پھلانگ کر اس کے برابر آکر کھڑا ہوا۔

''بہت بور ہو رہا ہوں، چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔''

''کیوں......؟ میرا موڈ نہیں۔'' وہ کہہ کر جانا چاہتی تھی کہ اچانک ہی فاطر نے اس کے دوپٹے کا کونا پکڑ لیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟''

''یہ محبت ہے۔''

''بھاڑ میں گئی ایسی محبت......'' اس نے کہہ کر اپنا دوپٹا کھینچا اور تیزی سے اندر کی طرف بڑھی۔ لاؤنج میں ہی تایا اور تائی جی کو دیکھ کر وہ ایک لمحے کو رکی تھی دوسرے ہی لمحے فاطر بھی اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

''دیکھ لیں جس کے لیے آپ مجھے برا بھلا کہہ رہے ہیں، وہ آپ کی ناک کے نیچے ہی محبت کی پینگیں لڑا رہی ہے۔'' تائی جی نے طنزیہ انداز میں کہا تو وہ

ناسمجھی کے عالم میں پہلے تایا جی کو پھر اپنے پیچھے فاطر کو دیکھ کر ساری بات سمجھ گئی۔

''یہ غلط ہے...... جو آپ سوچ رہے ہیں۔'' وہ کسی طرح بول پڑی۔

''ہاں، محبت جرم نہیں ہے۔'' فاطر اس کی بات کاٹ کر فوراً بولا اور اس کے سائڈ سے نکل کر تائی جی کے سامنے جا کھڑا ہوا جبکہ وہ اپنی جگہ سن ہو گئی تھی۔

''ہم دونوں اگر ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور شادی کرنا چاہتے ہیں تو اس میں غلط کیا ہے؟''

''جھوٹ بول رہا ہے یہ۔'' وہ غصے سے چیخنا چاہتی تھی لیکن آنسوؤں میں آواز رندھ گئی تھی۔

''لیکن ابھی باہر تم مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ تم خود تایا جی سے بات کرو گی۔ دیکھو تشمیرہ ڈرو نہیں، میں ہوں تمہارے ساتھ۔''

''تم اپنے باپ کو بلاؤ۔'' تایا جی کی آواز اسے کسی بم سے کم نہیں لگی تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر تایا جی کے غصے سے لال ہوتے چہرے کو دیکھا پھر بہت آہستہ آہستہ پیچھے ہٹی اور کچھ فاصلے پر آ کر بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے کسی اور کے تاثرات دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی جبکہ تائی جی اور فاطر اس کے پیچھے فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھنے کے ساتھ آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنی کامیابی کی مبارک باد دے رہے تھے جبکہ تایا جی نے بہت کچھ دیکھنے کے ساتھ بہت کچھ سوچ بھی لیا تھا۔

تشمیرہ کمرا بند کر کے اپنی قسمت پر رو رہی تھی اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر تائی جی اس سے کس بات کا بدلہ لے رہی ہیں، نہ جانے کون خوش قسمت لوگ ہوتے ہیں جو ذرا سی بات پر منوں مٹی تلے جا سوتے ہیں جبکہ اسے تو ہلکا سا بخار بھی نہیں ہوا تھا اور... وقت اسے رسوا کرنے کے درپے تھا۔ اچانک اس کا موبائل فون بجنے لگا تو اس نے ذرا سا سر اٹھا کر اسکرین پر چمکتا ریبال کا نام دیکھا۔ اس کا دل مچلا تھا اس سے بات کرنے کو لیکن پھر فوراً ہی وہ خود پر جبر کرتی رخ موڑ گئی تھی۔ یہ بات وہ جانتی تھی کہ وہ جرمنی جا رہا ہے اور کوئی دو تین ماہ کے لیے نہیں بلکہ پورے تین سال کے لیے وہ اسے دیکھے اور ملے بغیر رہے گی، اگر گھر میں ایسے حالات نہ ہوتے تو شاید وہ اس سے مل کر اسے خوشی سے رخصت کرتی مگر اب وہ مجبور تھی، اس لیے خاموشی سے آنسو بہاتی رہی۔

☆☆☆

انسانی دل محسوسات کے معاملے میں بہت کمزور ہوتا ہے جب یہ کسی پر آ جائے تو پھر ضد، ہٹ دھرمی غصہ اور حساسیت سب کے تمام ہی ریکارڈ توڑ دیتا ہے، وہ یہ نہیں سوچتا کہ بدلے میں محبت ملے گی یا نہیں، بس اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھ کر زندگی اور موت کی بازی سمجھ کر کھیلنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ خوش ہے تو دل مطمئن ورنہ ہر اندیشے اسے اپنی گرفت میں لیے رکھتے ہیں اور یہ ہی حال اس وقت ریبال کا تھا۔ امی کی طرف سے ہر طرح سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد وہ تشمیرہ کے لیے فکرمند تھا جو پچھلے کئی دنوں سے یونیورسٹی سے بھی غیر حاضر ہونے کے ساتھ اس کی فون کال بھی اٹینڈ نہیں کر رہی تھی اور یہ بات اس کے لیے تشویش کا باعث بن رہی تھی۔

''کیا بات ہے بیٹا، کچھ پریشان لگ رہے ہو؟'' امی نے میز پر کھانے کے برتن رکھتے ہوئے اسے سوچوں میں گم دیکھ کر پوچھا تو وہ چونک کر ذرا سا مسکرایا۔

''میں سوچ رہا تھا کہ اللہ نے کس طرح آپ کو تحفظ بخشا ہے۔'' اس نے فوراً بات بنائی۔ ''کتنے نیک آدمی ہیں اعزاز شاہ کوئی غرض نہیں انہیں ہم سے لیکن پھر بھی انہوں نے ہماری مدد کی۔''

''ہاں ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے تو دنیا قائم ہے۔'' امی اس کی پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے بولیں۔ ''ورنہ اپنے تو پیر کی چپل بھی کھینچ لیتے ہیں، اپنی

خالہ کو ہی دیکھ لو۔'' وہ اسی دکھ و تاسف سے بولیں تو اس کا منہ میں جاتا نوالہ ذرا فاصلے پر ہی رک گیا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا، میں جب واپس آؤں گا تو پھر ہم اپنے گھر کے لیے ضرور کچھ کریں گے۔''

''تمہاری واپسی تک کیا میں اسی گھر میں رہوں گی؟''

''کیوں، کیا ہے اس گھر میں؟'' اعزاز شاہ ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے ہوئے امی کی بات سن کر فوراً بولے تو وہ دونوں ان کی اچانک آمد پر حیران ہو کر انہیں دیکھنے لگے۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو دوست...... ماں کے ہاتھ کے پکے کھانے کی خوشبو نے کھینچ لیا۔''

''آپ تو شرمندہ کر رہے ہیں۔'' ریبال مسکرا کر بولا۔ امی، اعزاز کے سامنے پلیٹ رکھ کر اس میں سالن ڈالنے لگیں۔

''صرف کھانا ہی نہیں، ماں جی اس کے بعد آپ کے ہاتھ کی بنی چائے بھی پیوں گا۔'' ان کا انداز ایسا تھا جیسے وہ برسوں سے امی اور ریبال کو جانتے ہوں، اس لیے انہیں بھی اعزاز شاہ سے اجنبیت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس رات وہ کافی دیر ان لوگوں کے ساتھ رہے اور ہر موضوع پر ریبال سے بات کرنے کے ساتھ اسے تھوڑا بہت اپنے بارے میں بتا کر اٹھ گئے۔

''اب چلتا ہوں دوست پھر آؤں گا۔''

''لیکن مجھ سے ملاقات تو اب تین سال بعد ہی ہوگی۔''

''تو کیا ماں جی یہاں نہیں ہوں گی۔'' وہ فوراً خفگی سے بولے۔ ''میں ان سے ملنے آؤں گا۔''

''ہاں ضرور بیٹا۔'' امی نے فوراً کہا۔ ''تمہیں دیکھ کر تو مجھے یوں لگے گا جیسے میرا ریبال میرے سامنے ہو۔''

''اور میں بھی آپ کو اس کی کمی محسوس ہونے نہیں دوں گا۔'' وہ مسکرائے تو امی نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ڈھیروں دعائیں دی تھیں۔ ایک لمحے کو ان کی آنکھیں نم ہوئیں، کتنا عرصہ ہو گیا تھا انہوں نے اپنی ماں کی دعائیں نہیں سمیٹی تھیں ورنہ شادی سے پہلے وہ ہر رات ان کے پاؤں دبانے کے ساتھ ڈھیروں دعائیں وصول کرتے تھے لیکن اب نہ جانے کیوں دوریاں آ گئی تھیں۔

☆☆☆

اعزاز شاہ نے گھر کے گیراج میں گاڑی کھڑی کی اور اتر کر لان کی گھاس کو اپنے پیروں تلے روند کر لاؤنج میں داخل ہوئے جہاں ہر سو خاموشی چھائی ہوئی تھی یوں لگتا تھا جیسے یہاں کوئی رہتا ہی نہیں ہو، ہر کوئی اپنے کمرے میں بند نہ جانے کیا کر رہا ہوتا تھا۔ کبھی کبھی ان کا دل چاہتا کہ وہ اس خاموشی میں اپنی آواز، غصے و دکھ کی آمیزش کے ساتھ شامل کرے، اور گھر کے در و دیوار ہلا دیں مگر یہ خواہش ان کے اندر تھوڑی دیر بعد دم توڑ جاتی تھی۔ اس وقت وہ ریبال اور ماں جی کے گھر سے واپس آئے تھے اور حیران تھے کہ ان دو افراد کے بیچ زندگی کس طرح مسکرا رہی تھی انہیں اپنی بیٹی کا خیال آیا جسے انہوں نے پڑھنے کے لیے لندن بھیجا تھا۔ انہوں نے پینٹ کی جیب سے موبائل نکالا اور بیٹی کو فون ملانے لگے۔ مگر وہ نہ جانے کہاں مصروف تھی جو اُن کا فون ریسیو نہیں کیا۔ وہ سر جھٹک کر کمرے کی طرف بڑھنے لگے کہ اچانک باپ کے کمرے سے آتی آواز پر ان کے قدم رک گئے۔

''وانیہ اغوا ہو گئی ہے۔''

''کیا؟'' روا بیگم نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔ ''کب...... کیسے؟''

''کل......''

''اور آپ مجھے اب بتا رہے ہیں۔''

''پہلے بتا تا تو کیا کر لیتیں؟''

''تو اس کی ماں کو یہاں آنے سے روک دیتی۔''
زوار شاہ بیگم کی بات سن کر کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔

''آنے دو اس بار میں خود بات کروں گا۔'' اب ان کے لہجے میں غصے کے ساتھ نہ جانے کیا تھا کہ اعزاز شاہ سر جھٹک کر اپنے کمرے میں آ گئے۔ کمرے میں ہر چیز ویسی ہی تھی جیسی وہ صبح چھوڑ کر گئے تھے بیڈ شیٹ ایسے مسلی ہوئی تھی جیسے وہ ابھی سو کر اٹھے ہوں، ایک سائڈ پر گیلا تولیا پڑا تھا۔ پچھلی رات جو انہوں نے سگریٹ پی تھیں اس کے باقی ماندہ ٹکڑے اور راکھ بھی ابھی تک ایش ٹرے میں اور اس کے آس پاس گری ہوئی تھی۔ کمرے میں بھی عجیب سی بو پھیلی ہوئی تھی انہیں اپنے کمرے سے وحشت ہونے لگی اور وہ واپس باہر نکلے تو ماں کو دیکھ کر ٹھٹک کر اپنی جگہ رک گئے نظریں خود بخود جھک گئیں۔

''کیا بات ہے؟'' وہ انہیں دیکھ کر بولیں۔
''کچھ نہیں......''
''پھر کہیں جا رہے ہو؟''
''نہیں......''
''ٹھیک ہے کہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے، شہر کے حالات خراب ہو گئے ہیں۔''
''اور اس گھر کے......'' نہ چاہتے ہوئے بھی ایک تلخ جملہ ان کی زبان سے پھسل گیا اور ردا بیگم نے ایک نظر انہیں دیکھا اور پھر تاسف سے مسکرا دیں۔
''جہاں میری غلطی نہیں وہاں بھی میں مجرم ٹھہری۔''
''غلطی آپ کی ہے، یہ الگ بات ہے کہ آپ مانتی نہیں۔'' وہ کہہ کر رکے نہیں جا کر کمرے میں بند ہو گئے جبکہ ردا بیگم کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ اور یہ کوئی پہلی بار تو نہیں ہوا تھا پہلی بار تو صرف انہوں نے زبان کھولی تھی ورنہ ہر بار تو وہ اپنے انداز سے ان کی روح تک کو اذیت دیتے آئے تھے۔ ماں تھیں اس لیے ان کے

## ہم مغموم ہیں

ننھے بچوں کو شہادت پر بھی مغموم ہیں
وحشیوں کو رحم نہ آیا کہ وہ معصوم ہیں
زخم تازہ ہیں ابھی تک میرے پاکستان کے
کتنے نذرانے دیے تھے سب نے اپنی جان کے
ماؤں نے بھیجا تھا بچوں کو بڑے ہی شوق سے
امتحاں میں تھے مگن سارے ہی بچے ذوق سے
گھس گئے وحشی درندے بچوں کے اسکول میں
بھر دیا تھا پھول چہروں کو لہو اور دھول سے
سرخ ہو کر رہ گئیں خوں سے سبھی کی وردیاں
جو پہن کر آئے تھے بے داغ ساری جرسیاں
ننھے، ننھے پھولوں پر ان کو ترس آیا نہیں
ظالموں کو ان کا کھلنا جانے کیوں بھایا نہیں
مائیں بہنیں اپنوں کی لاشوں پہ ہیں ماتم کناں
ظالموں نے کر دیے ویران ان کے سب جہاں
اِک جہاں اس سانحے پہ ہوا نوحہ خواں
روتے، روتے تھک گئے ہیں یہ زمین و آسماں

☆☆☆

## دسمبر لوٹ آیا ہے

اسے کہنا دسمبر لوٹ آیا ہے
ہوائیں سرد ہیں
اور وادیاں بھی دھند میں گم ہیں
پہاڑوں نے برف کی شال
پھر سے اوڑھ رکھی ہے
وہ بھی رستے تمہاری یاد میں پُرنم سے لگتے ہیں
جنہیں شرفِ مسافت تھا
وہ سارے کارڈز، وہ پرفیوم
وہ چھوٹی سی ڈائری
وہ چائے جو ہم نے ساتھ میں پی تھی
تمہاری یاد دلاتی ہے
تمہیں واپس بلاتی ہے
دیکھو یوں نہ ستاؤ ناں
دسمبر لوٹ آیا ہے
تم بھی لوٹ آؤ ناں
............

مرسلہ: نگینہ ضیا بخش، کراچی

اندر کا دکھ وہ بخوبی جانتی تھیں مگر ان کے لیے صرف دعا ہی کرسکتی تھیں۔

اعزاز شاہ نے کمرے میں آتے ہی دروازہ اندر سے لاک کیا اور خود کو نشے کے سپرد کردیا۔ وہ اپنا دکھ اسی طرح کم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کا دکھ بڑھ رہا تھا، وہ اپنی جگہ سے لڑکھڑاتے ہوئے بیڈ تک آئے اور آکر بیڈ پر گر گئے۔

''زندگی جہنم نہیں تھی میری بلکہ بنادی گئی اور اس میں سارا ہاتھ آپ کا ہے مما...... اور پاپا نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی، میں کتنا تنہا ہوں، یہ صرف میں ہی جانتا ہوں۔'' وہ تقریباً چیخ رہے تھے لیکن کمرے سے آواز باہر نہیں جارہی تھی وہ رونے لگے بالکل ایسے جیسے کوئی چھوٹا بچہ روتا ہے۔ وہ کمزور نہیں تھے لیکن اندر کی تنہائی نے انہیں کمزور کردیا تھا۔ ان کا موبائل بجے جارہا تھا اور کمرے میں بس ان کے خراٹے گونج رہے تھے۔

☆☆☆

سردیوں کی راتیں طویل ہونے کے ساتھ، ساتھ خاموش اور پُراسرار بھی ہوتی ہیں، یہ اپنے اندر تنہائی اور دکھ کا گہرا سمندر لیے ہوئے ہر ذی روح کو اداس کردیتی ہیں اور تشمیرہ اس وقت اس تنہائی کی ہم جھولی بنی نیم اندھیرے کمرے میں بیٹھی اپنی سوچ کے تانے بانے بن رہی تھی کہ اچانک ہی دروازے پر ہلکی سی دستک سے اس کی سوچ منتشر ہوگئی، ساتھ ہی اس پر خوف بھی طاری ہوگیا کیونکہ فاطر، تایا جی کے سامنے محبت کا اعتراف کرچکا تھا، اب وہ بے دھڑک اس کے کمرے میں آنے کی جرأت بھی کرسکتا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں مضبوطی سے بھینچ لیں۔ جبکہ ٹھنڈ کے باوجود اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوگئے تھے۔

''تشمیرہ بیٹا!'' تایا جی کی بہت مدھم سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ آنکھوں کی سطح نم ہونے لگی، وہ بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بیٹا میں سب حقیقت جانتا ہوں لیکن پھر بھی یہ غلطی سرزد کرنے جارہا ہوں صرف اس لیے کہ اس عمر میں کوئی بدنامی اپنے سر لینا نہیں چاہتا اور تم تو اپنی تائی جی کو جانتی ہو جہاں انہوں نے تمہاری پاک دامنی پر کیچڑ اچھالنے میں دریغ نہیں کی وہاں وہ کوئی اور بات بھی منسوب کرسکتی ہیں اسی لیے شاید اللہ نے مجھے...... بے اولاد رکھا۔'' وہ دروازے سے سر لگائے کہہ رہے تھے۔ تشمیرہ نے تڑپ کر دروازہ کھولا اور ان کے سینے سے جالگی۔

''میں ہوں آپ کی اولاد، آپ کا جو بھی فیصلہ ہے مجھے منظور ہے بس آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔''

تشمیرہ سے خون کا رشتہ ہونے کے ساتھ، ساتھ اسے بچپن سے پالا تھا اس لیے اس کے دکھ پر تایا جی کی اپنی آنکھیں بھر آتی تھیں اور پھر مرحوم بھائی کی یادیں اس معصوم کے ساتھ وابستہ تھیں۔ تایا جی کا دل بے ساختہ بھر آیا تھا۔ بیوی کی حرکتوں کو وہ برسوں سے جانتے ہوئے بھی نظرانداز کرتے آرہے تھے۔ یہ ان کی شرافت تھی کہ انہوں نے کبھی بیوی کو کچھ نہیں کہا تھا کیونکہ ان کے خیال میں اس طرح تشمیرہ بھی ان کی عزت کرنا چھوڑ دے گی جبکہ ایسا نہیں تھا، اسے تو خدا نے کسی اور ہی مٹی سے بنایا تھا جو ہمیشہ ہی ہر بات پر سر خم کرتی آئی تھی اب بھی بس آنسو ہی بہا رہی تھی۔

''تم نے یونیورسٹی جانا کیوں چھوڑ دیا؟'' تایا جی اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے اس کے بیڈ پر آکر بیٹھ گئے۔ ''تمہیں بہت شوق تھا ناں جرنلسٹ بننے کا پھر؟''

''کچھ نہیں...... بس ویسے ہی دل نہیں چاہ رہا تھا۔'' وہ نظریں چراگئی۔

''کل سے اپنی پڑھائی شروع کرو...... میں خود تمہیں یونیورسٹی چھوڑنے جاؤں گا۔'' وہ اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اب سوجاؤ، صبح ناشتے کی ٹیبل پر ملاقات ہوگی۔'' وہ کہہ کر کمرے سے

نکل گئے تو وہ تایا جی کے پیچھے بند دروازے کو دیکھنے لگی دل پر جو بوجھ تھا وہ بھی آہستہ، آہستہ سرکنے لگا تو وہ بھی اب نئے سرے سے سوچنے لگی گو کہ حالات ابھی بہت زیادہ نہیں بگڑے تھے ابھی معاملہ اس کے اختیار میں تھا اس کی ہامی اور انکار کے بعد ہی کسی نتیجے پر سب کو پہنچنا تھا لیکن اس کے باوجود اس کے اندر تائی جی کے ڈر و خوف کی جو دیوار تھی وہ جوں کی توں کھڑی تھی اسے وہ چاہتے ہوئے بھی نہیں گرا سکتی تھی۔

''کل یونیورسٹی میں ریبال سے معاملہ ڈسکس کروں گی۔'' اس نے دل میں سوچا اور آنکھیں سختی سے بند کر لیں گو کہ نیند نہیں آرہی تھی لیکن وہ اب سونا چاہتی تھی لیکن اچانک ہی اس کے پاس رکھا موبائل بجنے لگا تو وہ چونکی تھی اور ساتھ ہی موبائل اٹھا کر اسکرین پر ریبال کا نام دیکھ کر کال ریسیو کر لی۔

''شکر ہے تم نے فون تو ریسیو کیا ورنہ میں تو سمجھا تھا کہ تمہاری آواز سنے بغیر ہی جرمنی جانا پڑے گا۔'' اس کا انداز قنوطیت لیے ہوئے تھا۔ وہ تشمیرہ پر بیتی کوئی روداد نہیں جانتا تھا کیونکہ اس پر اپنا دکھ کسی پہاڑ کی صورت ٹوٹا تھا۔

''میں کل یونیورسٹی آرہی ہوں...... پھر تمہیں بتاؤں گی کہ میرے ساتھ......''

''میں کل یونیورسٹی نہیں آؤں گا۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر فوراً بولا۔ ''یہی بتانے کے لیے تمہیں کل سے فون کر رہا ہوں مگر تم نہ جانے کہاں مصروف تھیں جو میری کال ریسیو نہیں کی۔''

''ہاں...... وہ میں......'' اس سے جھوٹ نہیں بن پڑا تو وہ خاموش ہو گئی۔

''اچھا خیر، میں کل روانہ ہو رہا ہوں۔''

''کتنے بجے ہے تمہاری فلائٹ؟''

''شام میں ہے۔''

''وہاں سے فون کرو گے؟''

''پتا نہیں۔'' وہ نہ جانے کیوں روٹھا ہوا تھا، تشمیرہ سمجھ نہیں سکی۔

''میں صبح تم سے ملنے آؤں گی۔''

''نہیں، میں گھر پر نہیں ہوں گا۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے لائن ڈسکنکٹ کر دی تو وہ حیران ہو کر سیٹ کو دیکھنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس نے اتنی عجلت کیوں دکھائی اور وہ اس سے ملنے سے کیوں کترا رہا تھا اور نہ ہی ٹھیک سے بات کی تھی۔ وہ یہی سوچتے ہوئے سو گئی تھی۔

صبح اس کی آنکھ اپنے معمول پر ہی کھلی، وہ جلدی سے بیڈ سے اٹھی اور الماری سے کپڑے نکال کر واش روم چلی گئی تھی۔ پچھلے کچھ دنوں سے وہ یونیورسٹی نہیں جا رہی تھی اس لیے جلدی جا کر اپنی ہم جماعت لڑکیوں سے نوٹس بھی لینے تھے۔ وہ تیار ہو کر نکلی تو سامنے فاطر اس کے بیڈ پر بیٹھا اس کا منتظر تھا اس پر خوف کی چادر تن گئی۔

''آج میرے ابا جی آرہے ہیں، پتا ہے کیوں؟'' وہ مسکراتا ہوا اسے دیکھ کر کہنے لگا۔ وہ جز بز سی ہو کر بیگ میں اپنی چیزیں رکھنے لگی۔

''میری اور تمہاری شادی کی بات کرنے۔'' وہ خود ہی بتا کر ہنسا تھا، تشمیرہ ایک جھٹکے سے اپنا بیگ اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھی اور ایک نظر حقارت سے اسے دیکھ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

''بس کچھ دن ہی اور...... پھر تمہارے سارے کس بل نکال دوں گا۔'' وہ اپنی ایک آنکھ کی پتلی کو سکیڑتا ہوا خود کلامی کے انداز میں بولا تھا۔

☆☆☆

ریبال کو نہ جانے کیوں تشمیرہ کا انتظار تھا، اس لیے اپنے تمام پروگرام کینسل کر کے وہ گھر پر ہی موجود تھا اور ہر آہٹ پر چونک جاتا جبکہ کل خود ہی فون پر اسے آنے سے منع بھی کر چکا تھا اور تشمیرہ کو تو معلوم بھی نہیں تھا کہ وہ لوگ شفٹ کر چکے تھے پھر بھی وہ منتظر تھا۔

اسی کا نام شاید محبت ہے، جو انسان کو بے بس کر دیتی ہے

اب دوپہر ہونے کو آئی تھی اور اس کا انتظار ختم ہونے کو نہیں آرہا تھا بالآخر وہ خود ہی جھنجلا اٹھا اور گھر سے باہر نکلنے سے پہلے کچن سے ذرا فاصلے پر رک کر امی کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

''اچھا امی، میں ذرا باہر جارہا ہوں۔''

''پر کہاں......؟'' وہ کچن سے نکل کر اس کے سامنے آکھڑی ہوئیں۔

''ذرا یونیورسٹی فیلو سے ملنے جارہا ہوں۔''

''ارے بیٹا ٹائم دیکھو......اب زیادہ وقت نہیں ہے تمہاری فلائٹ میں۔''

''بس جلدی آجاؤں گا۔'' وہ کہہ کر تیزی سے باہر کی طرف بڑھا اور ابھی دروازے سے باہر نکلنے ہی والا تھا کہ سامنے کھڑے اعزاز شاہ کو دیکھ کر چونک گیا۔

''ارے بھئی تم جارہے ہو تو سوچا تمہارے ساتھ ایک کپ چائے پی لوں۔'' وہ ریبال کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے ساتھ اندر لے آئے اس وقت اسے اعزاز شاہ کا آنا گراں گزر رہا تھا لیکن مجبوری تھی اس لیے کمپنی دے رہا تھا۔

''میرا تو جرمنی آنا جانا رہتا ہے۔'' اعزاز شاہ ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بجائے ٹی وی لاؤنج میں آبیٹھے تھے۔ ریبال، امی کو چائے کا کہتا اعزاز شاہ کے سامنے آبیٹھا تھا۔

''ابھی چار ماہ پہلے بھی میں وہیں تھا بہت خوب صورتی ہے وہاں......'' وہ ایک آنکھ دبا کر شرارت سے بولے تو ریبال مسکرا کر رہ گیا

''تمہارا ٹور کب تک کا ہے؟''

''تین سال کے لیے جارہا ہوں۔''

''تو ہوسکتا ہے اس دوران میں تم سے ملنے آؤں تو اپنے ساتھ ماں جی کو بھی لیتا آؤں۔''

''نہیں بیٹا، مجھے انگریزوں کا ملک دیکھنے کا کوئی شوق نہیں۔'' وہ چائے کی ٹرے لیے کچن سے نکلیں اور دونوں کو کپ تھما کر خود بھی صوفے پر بیٹھ گئیں۔ ''میری تو بس ایک ہی خواہش ہے کہ میں اب اپنے رب کے گھر کا دیدار کروں۔''

''انشاء اللہ ضرور......اور یہ خواہش میں آپ کی ضرور پوری کروں گا۔'' ریبال نے کہا تو اعزاز شاہ کچھ سوچنے کے انداز میں اسے دیکھنے لگے وہ یہاں آتے جاتے تھے لیکن نہ جانے کیوں انہیں کچھ عجیب سا لگتا تھا ایک عجیب سی کیفیت طاری رہتی جسے وہ کوئی نام نہیں دے سکے تھے لیکن ایک سکون سا ان کے دل و روح کو ملتا تھا۔

''چلو تمہاری فلائٹ کا ٹائم ہونے والا ہے۔'' اعزاز شاہ چائے کا کپ رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ ان سے ملتا ہوا اندر کمرے سے اپنا سامان اٹھا لایا۔ امی اسے مسلسل دعائیں دے رہی تھیں۔

''بس بھی کریں ماں جی، کچھ دعائیں میرے لیے بھی رکھ لیں۔'' اعزاز شاہ نے مسکرا کر کہا تو امی کی جگہ ریبال فوراً بولا۔

''آپ کے لیے تو ہم دونوں ہی ہر وقت دعا کرتے رہتے ہیں۔''

''بس اسی کی ضرورت ہے مجھے، شاید آپ لوگوں کی دعائیں ہی مجھے...'' وہ کچھ کہتے، کہتے خاموش ہوگئے۔ اور فوراً ہی بات بدلتے ہوئے بولے۔ ''ماں جی کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو آپ مجھ سے بلا جھجک کہہ سکتی ہیں اور کسی بھی وقت ویسے تو میں روز ہی آپ کے ہاتھ کی چائے اور صبح کا ناشتا کرنے ضرور آؤں گا۔''

''ہاں تم بھی میرے بیٹے جیسے ہی ہو۔'' امی نے کہتے ہوئے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا تو ریبال کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آگئی تھی جس بات کی اسے اتنی فکر تھی اللہ نے کس خوب صورتی سے اسے اس فکر سے آزاد کردیا تھا۔ اعزاز شاہ اس کی نظر میں کسی فرشتے سے کم نہیں تھے۔ وہ ابھی انہی سوچوں میں... گم تھا کہ اچانک موبائل فون بجنے لگا۔ اس نے چونک کر

موبائل جیب سے نکالا اور کال ریسیو کی تھی۔
''میں تمہارے گھر کے باہر کھڑی ہوں۔''
دوسری طرف سے تشمیرہ کی آواز ابھری تھی۔ ''لیکن یہاں تو کوئی اور لوگ آ گئے ہیں۔''
''ہاں۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔
''پھر تم کہاں ہو؟''
''میں اس وقت ائرپورٹ کے لیے اپنے گھر سے نکل رہا ہوں۔'' اس نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔
کتنی دیر سے وہ انتظار کر رہا تھا اسی کے آنے کا یا اس کے فون کا اور اب۔ ایک دم ہی سے کٹھور بن گیا تھا امی جی کے ساتھ اعزاز شاہ نے بھی اسے دیکھا۔
''چلیں۔'' اس نے فوراً کہا اور ساتھ ہی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ وہ جلد از جلد یہاں سے چلے جانا چاہتا تھا، نہ جانے اسے کیا ہو گیا تھا وہ خود نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ ایک طرف دل اس سے ملنے کو اور بات کرنے کو مچل رہا تھا تو دوسری طرف وہ خود اس پر بند باندھ رہا تھا، اسی کی نظر میں اگر وہ ابھی کمزور پڑا تو پھر کچھ اور نہیں کر پائے گا جبکہ ابھی اس نے زندگی میں بہت کچھ کرنا تھا۔ یہی سوچ اسے کٹھور اور خودغرض بنا رہی تھی۔

☆☆☆

تشمیرہ نے حیرت سے موبائل کو دیکھا تھا، وہ ریبال کے اس رویّے کو سمجھنے سے قاصر تھی، نہ جانے وہ ایسا کیوں کر رہا تھا۔ وہ یہ سوچ کر واپسی کے لیے مڑی تھی اگر اس کی وجہ اس کا پچھلا رویّہ تھا تو اس نے اب ایک دوست کھو دیا تھا۔ دکھ نے بہت خاموشی سے اس کے دل میں گھر کر لیا اور وہ افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ ایک طرف چل دی۔
''زندگی کیا ہے اشخاص کا مجمع اور ان کی کہانیاں...... یا پھر غم و جبر کا ایک گہوارہ ہے۔'' اس کے اپنے ہی الفاظ اس کی سماعتوں میں گونجنے لگے تھے۔ ''لیکن ان سب کے بیچ تنہائی بھی ہے جو سب پر بھاری ہے اور یہ ہر انسان کو آہستہ آہستہ دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔'' آنسو اس کی پلکوں سے بھاگنے لگے۔ ''ہر کسی کے پاس کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے لیکن پھر وہ اپنی کوتاہی کی وجہ سے اس سے دست بردار ہو جاتا ہے جیسے کہ میں......'' وہ خود کلامی کر رہی تھی۔ وہ ایک جگہ فٹ پاتھ پر بیٹھ گئی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ فاطر اس کا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آ گیا تھا اور اب اس کے فٹ پاتھ پر بیٹھنے سے کچھ خائف ہوا تھا۔
''کیا بات ہے یہاں کیوں بیٹھ گئیں؟'' فاطر کی

## ملن

دسمبر کی چمکتی سرد رات ہے
چاروں اور یادوں کی بارات ہے
تم نہ آئے آ گیا بام پر چاند
اک سلسلۂ ضوفشاں ہے ہجر کی سیاہ رات میں
سمیٹے ہوئے ستاروں کی قطار
کاش ہوتا پہلو میں یار
دیکھتا کہکشاں روشنی کی مٹھی میں ہے
سبزے نے اوڑھ رکھی ہے جگنوؤں کی شال
اے میرے ہم نفس!
سجائی ہے آنسوؤں نے شب وصال
فراق کے طویل تر ہوتے موسموں میں
خواب بنجر ہو رہے ہیں
سپنے کھنک کے سو رہے ہیں
ذرا دیکھو تو......!
میں اور دسمبر کے آخری پل
مل کے
باہم رو رہے ہیں
شاعرہ: فصیحہ آصف خان، ملتان

آواز پر وہ بری طرح سے چونکی تھی اور تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
''کچھ نہیں۔ ایک دوست سے ملنے آئی تھی۔''
''میل یا فی میل......؟'' اس کا انداز چبھتا ہوا تھا' وہ نظریں چرا گئی۔
''فی میل......آپ یہاں کیا کرنے آئے تھے؟''
''کچھ نہیں، ایک کام سے نکلا تھا پھر تمہیں دیکھا تو یہاں آ گیا۔'' وہ کچھ نہیں بولی خاموشی سے کھڑی نہ جانے کس بات کا انتظار کر رہی تھی۔
''گھر چلیں۔'' اس نے پوچھا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر اس کے ساتھ گاڑی میں پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی جبکہ وہ ڈرائیو کرنے لگا یہ پہلا موقع تھا کہ وہ مزید کچھ نہیں بولا تھا۔ گھر کے سامنے گاڑی رکتے ہی وہ گاڑی سے اتر کر تیزی سے گھر کے اندر داخل ہو گئی تھی۔
''میں نے تشمیرہ کو بہت نازوں سے پالا ہے، مجھے امید ہے کہ اسے آپ لوگ کوئی تکلیف نہیں دیں گے۔'' اسے لاؤنج سے گزرتے ہوئے تایا جی کی آواز سنائی دی۔ نہ جانے وہ کس سے کہہ رہے تھے، وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سننے لگی۔
''آپ بے فکر رہیں بھائی صاحب! ہم اسے اپنی بیٹی ہی سمجھیں گے اور اسے مان بھی ویسا ہی دیں گے۔''
''ٹھیک ہے ابھی اس کی تعلیم جاری ہے اس لیے ہم فی الحال منگنی کی رسم کر لیتے ہیں۔''
اس پر دکھ کے ساتھ سکتہ طاری ہو گیا تھا اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ تایا جی اس کی زندگی کا فیصلہ کرنے جا رہے تھے، وہ بھی اس کی مرضی کے بغیر ......وہ جہاں کھڑی تھی وہیں بیٹھتی چلی گئی جبکہ پیچھے آتے فاطر نے اسے تھامنے کی کوشش کی تھی مگر وہ اس سے پہلے ہی ہوش وخرد سے بیگانہ ہو چکی تھی۔

☆☆☆

جب اسے ہوش آیا تو تایا جی اس کے سرہانے بیٹھے تھے، وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی اور نہ جانے رات کا کون سا پہر تھا' تایا جی بھی غنودگی میں تھے اس لیے اس کے ہوش میں آنے سے بے خبر تھے اس نے سر اٹھا کر تایا جی کو دیکھا اس وقت وہ کہیں زیادہ بوڑھے لگ رہے تھے۔ ان چند دنوں میں انہوں نے اپنا خیال رکھنا بالکل ہی چھوڑ دیا تھا۔ تشمیرہ نے ایک دم ہی ان کا ہاتھ تھام لیا تو وہ ذرا سی آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگے۔
''کیا ہوا بیٹا، کچھ چاہیے؟''
''نہیں تایا جی۔'' وہ رونے لگی۔
''روتی کیوں ہو، ابھی تو میں زندہ ہوں۔''
''آپ کو میری عمر بھی لگ جائے۔'' وہ فوراً بولی اور بہ مشکل اٹھ کر ان کے گھٹنوں کے پاس بیٹھ گئی۔
''میں یہ منگنی نہیں کر سکتی۔''
''کیوں؟''
''آپ سب جانتے ہیں پھر بھی مجھے ایسے شخص سے منسوب کر رہے ہیں۔''
''ابھی صرف نسبت طے ہو رہی ہے تاکہ اسے لگام دے سکوں اور اس کے ساتھ تمہاری تائی جی کو بھی......باقی وقت پر چھوڑ دو۔'' تایا جی اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے بولے تو وہ ذرا سا سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا، بس اپنا آپ بے مایہ لگ رہا تھا۔
''مجھ پر بھروسا رکھو جلد ہی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا بس تم میرا ساتھ دو۔'' تایا جی کی اس بات کے دوران فجر کی اذان کی آواز آنے لگی تو اس نے چند لمحے سوچنے کے بعد اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ تایا جی کے چہرے پر مطمئن سی مسکراہٹ آ کر ٹھہر گئی وہ اس کا سر تھپکتے ہوئے نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

(باقی آئندہ)

# خوش قسمت سی ہے

نور عین




''عشا! ذرا نوین کی طرف تو دیکھو کتنے پیارے ایررنگز پہنے ہوئے ہیں۔ ہلکے، ہلکے میک اپ اور کھلے ہوئے سلکی بالوں کے ساتھ کتنی پیاری لگ رہی ہے اور ایک ہمیں دیکھو، دھلے، دھلائے چہرے اور کسی ہوئی چٹیا کے ساتھ ہم ضرور کسی گاؤں کی پروردہ لگ رہے ہوں گے تم دیکھنا میں بھی کل ایسے ہی تیار شیار ہو کر کالج آؤں گی۔'' واصفہ نے اپنے آگے کھڑی عشا کے کان میں گھستے ہوئے سرگوشی کی۔

"کالج آنے کے لیے اتنی لیپا پوتی کی ضرورت نہیں ہوتی، خاموشی سے پرنسپل صاحبہ کی بات سنو اس مسئلے پر ہم لوگ اسمبلی کے بعد بات کریں گے۔" عشا نے رخ موڑ کر تیزی سے کہا۔

عشا اور واصفہ میں بچپن سے گہری دوستی تھی۔ گھر، اسکول، کالج ان تینوں جگہوں پر ان کا بیشتر وقت ایک ساتھ ہی گزرتا تھا۔ واصفہ لوگوں سے جلد متاثر ہو جانے والی جذباتی سی لڑکی تھی جبکہ عشا اس کے برعکس دھیمے مزاج کی سمجھدار لڑکی تھی۔ پہلے پہل تو عشا، واصفہ کو اکثر نصیحتیں کیا کرتی تھی مگر ڈھاک کے وہی تین پات اب تو عشا نے بھی واصفہ کی اول جلول شخصیت سے سمجھوتا کر لیا تھا لیکن اکثر ایسی صورتِ حال پیدا ہو جاتی تھی کہ وہ واصفہ کی باتوں پر جھنجلا جاتی جیسے آج بھی وہ دونوں حسبِ معمول اسمبلی اٹینڈ کر رہی تھیں کہ عین پرنسپل صاحبہ کے خطاب کے وقت بے دلی سے اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی واصفہ کی نظر نوین پر پڑ گئی اور پچھلے پانچ منٹ سے وہ مسلسل اس کے کانوں میں نوین نامہ انڈیل رہی تھی۔

"ایکسکیوزمی فورتھ ائیر! آپ سینئر ہیں کچھ تو خیال کریں جونیئرز نے بھی آپ سے ہی سیکھنا ہے، آپ ڈسٹربنس کری ایٹ مت کیجیے ورنہ میں آپ دونوں کو پرنسپل صاحبہ کے پاس لے جاؤں گی۔" جس وقت عشا، واصفہ کو گھرک رہی تھی اسی وقت ایک مستعد سی گرل گائڈ نے ان دونوں کو تنبیہہ کی، مارے خفت اور شرمندگی کے عشا کا چہرہ لال سرخ ہو گیا جبکہ واصفہ سر جھٹک کر دوبارہ سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ وہ گرل گائڈ اب ان دونوں کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی تاکہ وہ دونوں پھر سے اپنے مشغلے میں مصروف نہ ہو جائیں۔

"دیکھو عشا پلیز ناراض مت ہو، آئی پرامس کہ آئندہ کبھی اسمبلی میں بات نہیں کروں گی، پلیز عشا مجھ سے بات تو کرو۔" تیز، تیز قدموں سے چلتی ہوئی عشا کے ساتھ قدم ملانے کی کوشش میں وہ ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔

"کیا بات کروں میں تم سے...... یہی کہ تم بھی کل نوین کی طرح ہی بج دھج کر کالج آنا اور پھر ٹھیک اسی طرح بھاری فائن اور گرل گائڈز کی بے عزتی کا شکار ہونا۔ آخر تم سمجھتی کیوں نہیں واصفہ کہ دوسروں کی اندھی تقلید ہمیں بھی ویسے ہی اندھے کنویں میں دھکیل دیتی ہے جس میں وہ لوگ خود گر رہے ہوتے ہیں، تمہاری بے وقوفی کی وجہ سے آج ہمیں کتنی انسلٹ کا سامنا کرنا پڑا۔ کم از کم مجھے تو بہت برا لگا ہے۔" عشا نے رک کر درشت لہجے میں کہا۔

"آئی ایم سوری...... آئی ایم ایکسٹریملی سوری، یہ لو میں نے کان پکڑے اب آئندہ ایسی بات نہیں ہو گی۔" واصفہ نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ انہوں نے دیکھا اسمبلی کے بعد نوین کو پھنکارتے ہوئے پرنسپل کے آفس لے جایا گیا تھا اور پرسے بھاری فائن، واصفہ کے بھی ہوش ٹھکانے آگئے تھے سو ایسی بات سے پیچھے ہٹنے میں ہی عافیت جانی کوئی اور موقع ہوتا تو واصفہ اپنے دلائل سے کالج اور فیشن کے درمیان کوئی نہ کوئی کنکشن ضرور دریافت کر لیتی۔

"ٹھیک ہے اب جلدی چلو ورنہ میڈم شگفتہ دیر سے آنے پر ہمیں کلاس کے باہر ہی کھڑا کر دیں گی۔" عشا نے مسکراتے ہوئے قدم بڑھائے تو واصفہ نے بھی سکھ کی سانس لیتے ہوئے اس کی تقلید کی۔

☆☆☆

انہوں نے ہلکی آنچ پر رکھے بڑے سے توے پر پڑا ڈھکن اٹھایا تو بکرے کی بھنی ہوئی کلیجی کی خوشبو نے پورے ماحول کو مہکا دیا، پاس دھری کونڈی میں موجود لہسن کے پانی کا چھینٹا دینے پر کلیجی یوں مہکی کہ آس پاس موجود نفوس کے منہ میں پانی بھر آیا۔

"جا عشا جلدی سے چٹنی کی پلیٹ لے آ، میں سب سے پہلے واصفہ پتر کو کلیجی دوں گی۔" زہرہ بیگم نے باریک کٹی ہری مرچیں اور ہرا دھنیا کلیجی پر چھڑکتے ہوئے عشا کو ہدایت کی جو جھٹ سے کمرے میں موجود بڑے سے شوکیس سے سفید اور نیلے رنگ کی بھاری

پلیٹ باہر لے آئی۔

''واہ بھئی واہ عشا، تمہاری تو موجیں ہیں، قسم سے ایسی مزیدار کلیجی تو میں نے زندگی بھر نہیں کھائی، میری ماما تو کلیجی کا بھرکس نکال دیتی ہیں، اس دن زہرہ آنٹی نے مکئی کی روٹیاں اور ساگ بنایا تھا۔ سچ بہت مزیدار تھا۔ کاش زہرہ آنٹی میری ماما ہوتیں۔'' واصفہ نے حسرت بھرے انداز میں کہتے ہوئے کلیجی کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈالا۔

''بھئی وہ اس لیے کہ میری امی گاؤں میں پلی بڑھی ہیں ایسی چیزیں پکانا ان کا معمول ہے اور تمہاری ماما نامی گرامی لیکچرار ہیں، کھانا پکانا ان کی پریکٹس میں نہیں ہے، ویسے وہ فروٹ ٹرائفل اور لزانیہ بہت مزے کا بناتی ہیں، میری امی نے تو ان چیزوں کو کبھی دیکھا بھی نہیں۔'' عشا نے متانت سے کہتے ہوئے پانی کا گلاس منہ سے لگایا۔

''کچھ بھی کہو عشا تمہاری زندگی بہت پُرسکون اور آرام دہ ہے۔ میری ماما کے پاس تو ہمارے لیے وقت ہی نہیں ہوتا۔'' واصفہ نے ہولے سے کہا تو عشا نے اس کے نئے جدید ماڈل کے موبائل کو غور سے دیکھا جو واصفہ کی ماما نے اسے تھرڈ ائیر کے ایگزامز میں سیکنڈ پوزیشن لینے پر گفٹ کیا تھا۔ عشا بھی کافی ٹائم سے نیا موبائل لینے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ہاشم صاحب کی تنخواہ میں گھر کا خرچ تو خوش اسلوبی سے چل رہا تھا لیکن وہ اپنے بچوں کو ایسی آسائشیں مہیا کرنا... فی الحال افورڈ نہیں کر سکتے تھے۔ عشا نے ایک گہری سانس لے کر برتن سمیٹنے شروع کر دیے۔

☆☆☆

''ارے واہ بھئی عشا، تمہاری سسرال والے تو بڑے ہی آرٹسٹک مزاج رکھتے ہیں۔ ذرا مہندی کا تھال تو دیکھو کتنے منفرد انداز میں سجایا ہے ورنہ لوگ تو خشک مہندی کے دو تین پیکٹ بہو کے ہاتھ میں تھما کر یہ جا وہ جا......'' عشا کے بالوں سے پھول اور پراندہ اتارتی ہوئی واصفہ نے ستائشی انداز میں قریب پڑے بڑے سے تھال کو دیکھا جس کے بالکل درمیان میں ایک پیالے میں گھلی ہوئی مہندی کی باقیات موجود تھیں کہ تقریباً ساری مہندی رسم کے دوران استعمال ہو گئی تھی۔ گلیٹر سے سجے چمچماتے ہوئے پیالے کے گرد مہندی کی دو درجن کونز اس ترتیب سے رکھی گئی تھیں کہ ان کے نوکیلے سروں کا رخ تھال کے بیچوں بیچ موجود لشکارے مارتے ہوئے پیالے کی طرف تھا۔ تھال میں کونز رکھنے سے پہلے تھال میں پان کے گہرے سبز پتے بچھائے گئے تھے۔ عشا کا جوڑا اور چوڑیاں بھی یونہی تھال میں رکھ کر لائی گئی تھیں۔ عشا نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''ویسے مہندی کے فنکشن میں بہت مزہ آیا، تم پر بہت روپ آیا ہے، تم نے اتنی مٹھائی کیسے کھالی میں تو دیکھ دیکھ کر ہولتی رہی، ہوں، یاد آیا تم نے اپنی کھائی ہوئی مٹھائی مجھے کیوں کھلائی؟ مصروفیت میں تم سے پوچھنا یاد ہی نہیں رہا۔'' واصفہ اب عشا کے مقابل آ بیٹھی۔

''تاکہ تم بھی جلدی سے سسرال والی ہو جاؤ، تم نے سنا نہیں۔ مہندی کی دلہن کی جھوٹی مٹھائی کھانے سے کنواری لڑکیاں جلدی بیاہتا ہو جاتی ہیں خیر چھوڑ، تم یہ چائے پیو۔'' عشا نے تھرماس میں بھری چائے کپ میں انڈیلی۔

''تم بھی ناں...... تمہیں کس نے کہا کہ مجھے اتنی جلدی بیاہے جانے کا شوق ہے۔'' واصفہ نے شرمیلی ہنسی ہنستے ہوئے چائے کا کپ تھاما۔

''ذرار کو ابھی چائے مت پینا۔'' عشا کے اچانک زور سے کہنے پر واصفہ نے گھبرا کر کپ ٹیبل پر رکھا تو عشا نے جھٹ سے اس کی کمر پر ایک جھانپڑ جمایا۔

''دلہن کا مارا ہوا تھپڑ بھی کنواری لڑکی کو بیاہتا بنا دیتا ہے۔ ذرا تیار رہنا تمہارے دل میں دبے ارمان پورے ہونے کو ہیں۔'' واصفہ کی سوالیہ نظروں کے جواب میں عشا نے قہقہہ لگاتے ہوئے شرارتی انداز میں کہا جواباً واصفہ نے اسے غصے سے گھورتے ہوئے

چائے کا کپ اٹھالیا اس کا مصنوعی غصہ چند لمحوں میں قہقہے کا روپ دھار چکا تھا۔

☆☆☆

''واصفہ بیٹا، عشا آئی ہے جلدی سے باہر آؤ۔''

جس وقت عشا، واصفہ کے گھر پہنچی نازیہ بیگم صحن میں رکھے گملوں کو پانی دے رہی تھیں عشا کو گلے سے لگاتے ہوئے انہوں نے واصفہ کو آواز دی' اگلے ہی لمحے واصفہ بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوگئی۔

''بڑی گھنی میسنی اور بے وفا ہو تم، ابھی شادی کو دو ہفتے ہی ہوئے ہیں اور تم نے مجھے بھلا ہی دیا، نہ کوئی فون نہ میسج۔'' واصفہ نے شکایتوں کی پٹاری کھولی۔

''آئی ایم سوری واصفہ لیکن مصروفیت ہی اتنی تھی کہ موقع نہیں ملا۔ اب پکا وعدہ کہ تمہیں ہر ہفتے کال کروں گی اور جب بھی میکے آؤں گی تمہاری طرف ضرور چکر لگاؤں گی۔'' عشا نے واصفہ کے ہاتھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر نرمی سے کہا۔ اسی وقت نازیہ بیگم چائے کی ٹرے لے کر اندر داخل ہوئیں تو وہ دونوں خاموش ہوگئیں۔

''ہاں لیکن حیدر بھائی برا تو نہیں مانیں گے، میں نے سنا ہے کہ شادی کے بعد شوہر اپنی بیوی کے میکے والوں اور سہیلیوں کا تذکرہ سننا بھی پسند نہیں کرتے۔'' باتیں کرتے، کرتے واصفہ کو ایک نئی فکر نے آگھیرا۔

''ارے نہیں بھئی ایسی کوئی بات نہیں' حیدر بہت اچھے اور نائس انسان ہیں، انہیں میرا تم سے رابطہ کرنا... ہرگز برا نہیں لگے گا بلکہ وہ تو مجھ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے ساتھ مجھ سے زیادہ عزت اور محبت کے ساتھ پیش آتے ہیں، یقین کرو جب سے آئی ہوں وہ امی، ابو کے ساتھ باتوں میں مصروف ہیں، مجھے تمہاری طرف وہی تو ڈراپ کر کے گئے ہیں۔ حامد کو بھی ساتھ لے لیا مجھ سے کہہ رہے تھے کہ میں جتنی دیر چاہوں تمہاری طرف رک سکتی ہوں وہ تب تک حامد کو سیر کروالائیں گے، تم ہی بتاؤ بھلا کون سا بہنوئی اپنے سالے صاحب کے اتنے ناز اٹھاتا ہے۔'' عشا نے مسکراتے ہوئے کہا انداز میں فخر خود بخود ہی در آیا تھا۔

''اور وہ بھی اتنے چھوٹے سے سالے صاحب جو بازار جا کر ان سے ڈھیروں فرمائشیں کریں گے۔'' واصفہ کے ذہن میں نٹ کھٹ شرارتی سے نو سالہ حامد کی شبیہہ لہرائی۔

''ویسے جب بیگم اتنی حسین ہو تو شوہر کو دیوانہ ہونے سے کوئی بچا نہیں سکتا۔'' واصفہ نے دلچسپی سے عشا کو دیکھا جس کی سنہری رنگت اورنج اور آف وائٹ کنٹراسٹ کے اسٹائلش سوٹ میں خوب دمک رہی تھی چہرے پر ایسا ٹوٹ کر روپ آیا تھا کہ واصفہ کی نظر اس پر سے ہٹ ہی نہیں پا رہی تھی۔

''اچھا اب چھوڑو بھی، تم یہ بتاؤ کہ تم ہمارے گھر کب آؤ گی میں کل صبح سسرال واپس چلی جاؤں گی پھر ڈیڑھ دو مہینے سے پہلے آنا مشکل ہے۔'' عشا نے جھینپتے ہوئے موضوع بدلا۔ ''ویسے بھی ایک تو میری سسرال دوسرے شہر میں ہے، دوسرے میری دونوں نندیں بھی دو چار دنوں میں اپنی، اپنی سسرال واپس چلی جائیں گی۔ میرے ساس، سسر تمہیں پتا ہے ہیں نہیں کوئی دیور اور جیٹھ بھی نہیں...... بس گھر کی پوری ذمے داری مجھ پر ہی ہوگی ایسے میں روز، روز میکے آنا مشکل ہوگا ناں......'' وہ کافی سمجھداری سے بات کر رہی تھی۔

''ہائے، اب تک تو حامد نے حیدر کو خوب تنگ کرلیا ہوگا۔'' باتوں، باتوں میں عشا کی نظر گھڑی پر پڑی تو بے اختیار ہی اس کی گفتگو کا رخ بدل گیا۔

''میں حیدر سے کہتی ہوں کہ مجھے آدھے گھنٹے میں پک کرلیں، وہ بھوک کے بڑے کچے ہیں امی نے کھانا تیار کرلیا ہوگا۔'' عشا نے موبائل اٹھاتے ہوئے کہا۔

''تم حیدر بھائی کو کال کرو، میں ماما سے بات کرتی ہوں، وہ ان کے لیے بیکری سے کچھ سامان منگوالیں۔ اب میں اپنی عزیز ترین سہیلی کے شوہر کو بنا کچھ کھلائے پلائے تو جانے نہیں دوں گی ناں، چائے تو انہیں پینی ہی پڑے گی اور خبردار تم انکار کرنے کی کوشش نہ کرنا ویسے بھی مجھے دولہا بھائی سے ڈھیروں باتیں

کرنی ہیں۔ اور کھانے میں تو ابھی ٹائم ہے۔'' عشا کو انکار کی جانب مائل دیکھ کر واصفہ مان بھری سختی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

''سچ واصفہ مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ تمہارا رشتہ میرے سسرالی شہر میں طے ہو گیا ہے، میں نے جب سے سنا ہے، بہت خوش ہوں' اب ہم دونوں کو ملنے کے لیے مہینوں انتظار نہیں کرنا پڑے گا، ویسے موصوف کیا کرتے ہیں' سسرال والے کیسے ہیں۔'' انتہائی جوش و خروش سے بات کرتی ہوئی عشا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ موبائل کے ذریعے واصفہ تک جا پہنچے۔

''اشعر سافٹ ویئر انجینئر ہیں، میری ساس اور سسر تو اپنے بڑے بیٹے کے ساتھ جرمنی میں مقیم ہیں' نند تو کوئی ہے نہیں یہ دونوں بھائی ہی ہیں۔'' واصفہ کے لہجے میں شرمیلی سی کھنک موجود تھی۔

''ہائیں، تم واقعی سچ بول رہی ہو واصفہ یعنی تم بھی میری طرح اکیلی ہی اپنا گھر بار سنبھالو گی ہم دونوں کی قسمت میں اتنی زیادہ مماثلت مجھے تو بہت حیرت ہو رہی ہے۔'' عشا سچ مچ بے حد حیران تھی۔

''مجھے لگتا ہے کہ یہ سب تمہاری جھوٹی مٹھائی اور مجھے مارے گئے تھپڑ کا اعجاز ہے، اچھا اگلے مہینے کی بیس تاریخ کو شادی ہے، تمہیں تیاری کرنے کے لیے تقریباً پینتیس دن تو مل ہی جائیں گے بس جلدی سے اپنی تیاری مکمل کرو اور ہاں شادی سے ایک ہفتہ پہلے آ جانا۔ تمہارے ساتھ بھی کچھ شاپنگ کروں گی۔'' واصفہ نے پیاری بھری دھونس سے کہا تو عشا ہنس دی۔

اور پھر وہ شادی سے سات دن پہلے نہیں دس دن پہلے آ پہنچی تھی۔ اس نے اپنی بہن جیسی دوست کی شادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور رخصتی میں وہ واصفہ کے ساتھ، ساتھ ہی واپس اپنی سسرال آ گئی تھی۔

☆☆☆

واصفہ لاؤنج میں بیٹھی اپنی ساس کے ساتھ چائے پی رہی تھی۔ جب اگلے دن عشا کی معیت میں بڑی سی ٹوکری ہاتھ میں اٹھائے حیدر لاؤنج میں داخل ہوا۔

''کیسی ہو تم، خوش تو ہو ناں!' ہاتھ میں پکڑے شاپرز اور ٹوکری میز پر رکھنے کے بعد اس کی ساس کو ادب سے سلام کر کے وہ واصفہ کی طرف متوجہ ہوئی جو گولڈن کلر کے بھاری گاؤن میں ملبوس بے حد نکھری، نکھری اور خوب صورت لگ رہی تھی۔ جواباً واصفہ کی جاندار مسکراہٹ نے بنا بولے ہی اسے اپنی خوشی کی نوید دے دی۔

''نازیہ آنٹی نے آپ سب کے لیے ناشتا بھجوایا ہے۔ آج واصفہ کا اپنی سسرال میں پہلا دن ہے تو رسم کے مطابق میں میکے والوں کی طرف سے ناشتا لے کر آئی ہوں کیونکہ میں اسی شہر میں رہتی ہوں، اس لیے آپ تک یہ ناشتا بھجوانے کی ذمے داری نازیہ آنٹی نے مجھے سونپی تھی۔'' عشا نے بڑے سبھاؤ سے کہا۔

''لیکن بیٹا اس کی کیا ضرورت تھی، انہوں نے اپنی اتنی قیمتی بیٹی ہمیں دے دی۔ ہمیں اور کچھ بھی نہیں چاہیے۔'' ناعمہ بیگم نے اپنے قریب بیٹھی بہو کو گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔

''ارے آنٹی یہ تو ہماری میٹھی سی روایت ہے ویسے بھی اگر آپ نے ہم سے ہماری قیمتی بیٹی لی ہے تو بدلے میں ہمارے ساتھ اپنا قیمتی بیٹا بھی تو شیئر کیا ہے ناں۔ لہٰذا ہمیں بھی تو اپنی خدمت کا موقع دیں۔'' حیدر نے اتنے خلوص اور متانت سے کہا کہ وہ پھر کچھ بول ہی نہیں پائیں سر ہلا کر مسکراتے ہوئے انہوں نے ملازمہ کو سامان کچن میں لے جانے کی ہدایت کی۔

''آنٹی اشعر بھائی کہاں ہیں، نظر نہیں آ رہے۔'' عشا نے اِدھر اُدھر نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

''وہ ذرا فریش ہو رہا ہے بس آتا ہی ہوگا، سناؤ آتے ہوئے کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی۔'' انہوں نے باتوں کی ابتدا کی۔

''ارے آنٹی آپ کی کالونی تو بہت ہی مشہور ہے، ہمیں بھلا کہاں کوئی مسئلہ ہو سکتا تھا۔'' عشا کے بجائے حیدر نے خوش دلی سے جواب دیا تو واصفہ کو

ایک فخر یہ احساس نے آگھیرا اگر اس کا کوئی بھائی ہوتا تو وہ بھی بالکل حیدر کی ہی طرح اس کے سسرال والوں سے خندہ پیشانی سے پیش آتا۔ حیدر نے اس کے بھائی کی کمی پوری کردی تھی۔ باتوں کے دوران ملازمہ نے انہیں ناشتا لگ جانے کا عندیہ دیا تو وہ سبھی ہنستے مسکراتے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے۔

''السلام علیکم......'' ان سبھی نے ابھی اپنی، اپنی کرسیاں سنبھالی ہی تھیں کہ نہائے دھوئے خوشبوؤں میں بسے ہینڈسم سے اشعر نے سب کو باآواز بلند سلام کرتے ہوئے واصفہ کے برابر اپنی نشست سنبھالی۔

''اور بھئی اشعر سنائیں کیا حال ہیں؟ کتنے دن کی چھٹیاں لی ہیں آپ نے آفس سے...... بھئی میں نے تو شادی کے بعد پورے ایک مہینے کی چھٹیاں لی تھیں یہی تو گولڈن پیریڈ ہوتا ہے پھر تو زندگی روٹین میں آہی جاتی ہے۔'' حیدر نے دوستانہ انداز میں کہا۔

''ابھی تو آفس سے ایک ہفتے کی چھٹیاں ہی ملی ہیں۔'' اس نے بھی دوستانہ انداز میں جواب دیا۔

''امی، ابو اور شہروز بھائی کہاں ہیں انہوں نے ناشتا نہیں کرنا کیا؟'' حیدر کی بات کا مختصر سا جواب دے کر وہ ماں سے مخاطب ہوا۔

''تمہارے ابو اور بھائی ائر پورٹ گئے ہیں اصل میں کل رات کو ناہید کا فون آیا تھا، اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے ہمیں آج رات ولیمے کی تقریب کے بعد جرمنی واپس جانا ہوگا تمہارے ابو اور بھائی سیٹس ریزرو کروانے گئے ہیں، اللہ کرے مل جائیں ویسے بھی ایک ہفتے بعد تو ہمیں جانا ہی تھا۔'' انہوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں رات کو اس لیے نہیں بتایا کہ تم ڈسٹرب ہوگے۔ خیر تم فکرمند نہ ہونا اب اس کا بخار کنٹرول میں ہے باقی جاکر ہم سنبھال لیں گے تم اطمینان سے ناشتا کرو۔'' ناعمہ بیگم نے بڑی شائستگی سے کہا۔

ناہید ان کی چہیتی بڑی بہو تھی اشعر کی شادی سے ہفتہ دس دن پہلے اسے ٹائیفائڈ جیسے موذی بخار نے آگھیرا تو چاہنے کے باوجود وہ شادی میں شرکت کے لیے پاکستان نہیں آپائی۔ ناعمہ بیگم اور درانی صاحب تو اشعر کی شادی سے ایک مہینہ پہلے پاکستان آگئے تھے جبکہ شہروز، ناہید کو وہیں جرمنی میں مقیم اس کی بہن کے سپرد کرکے دو روز پہلے ہی پاکستان آیا تھا۔ اور اب شادی کرکے وہ سبھی افراتفری میں واپس جرمنی جارہے تھے۔ اتنی جلدی اسے اپنی ذمّے داریاں سنبھالنی پڑیں گی ابھی تو وہ پوری طرح اشعر کے مزاج سے واقف بھی نہیں ہوپائی تھیں اس خیال کے آتے ہی واصفہ... بے چین ہو اٹھی۔

نہاری، نان، چنے، سری، پائے، حلوا پوری اور سینڈوچز ناشتے کی ٹیبل لوازمات سے بھری ہوئی تھی لیکن عشا کے بے حد اصرار کے باوجود اشعر نے صرف دو سینڈوچز اور چائے کے ایک کپ پر اکتفا کیا تھا۔ حیدر نے تو اشعر کے روکھے پھیکے رویّے کو محسوس کرنے کے بعد دوبارہ کوئی بات ہی نہیں کی تھی واصفہ کو تو یہ کوئی اور ہی اشعر لگ رہا تھا۔ اکھڑ، مغرور، بدتمیز اور بدلحاظ...... وہ رات والا باغ و بہار شخصیت رکھنے والا، بے تحاشا باتیں کرنے والا اشعر تو نہ جانے کہاں کھو گیا تھا اور پھر وہ اشعر کے مزاج کے پیچ و خم میں الجھتی چلی گئی۔

☆☆☆

''اتنی صبح کون آگیا، ارے بھئی ذرا صبر تو کرو اب میں کیا دروازے سے جڑ کر بیٹھی ہوئی ہوں کہ پہلی گھنٹی پر ہی دروازہ کھول دوں۔'' نقاہت سے بولتی ہوئی عشا نے گیٹ کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ گیٹ کی دوسری جانب موجود وجود میں شاید ذرا بھی برداشت نہیں تھی جو بیل پر انگلی رکھ کر بھول گیا۔

دروازہ کھولنے سے پہلے عشا جتنے غصے میں تھی دروازہ کھولتے ہی سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ دروازے پر واصفہ کھڑی تھی، اجڑی، اجڑی سی لٹی پٹی حالت میں بال بکھرائے، ملگجے کپڑے پہنے بڑا سا بیگ ہاتھ میں پکڑے یہ اس کی بہن کھٹ سی نک سک سے تیار رہنے والی واصفہ تو کہیں سے بھی

نہیں لگ رہی تھی۔

☆☆☆

''وہ بالکل بے حس ہے، بے رحم ہے، سنگ دل ہے، میرے ساتھ جڑے رشتے اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتے، تمہیں پتا ہے عشا کل صبح ماما آئی تھیں مجھ سے ملنے میرے پاس رہنے لیکن اشعر نے میری ماما کے پاس دو منٹ بیٹھنا بھی گوارا نہیں کیا اب سے نہیں وہ شادی کے بعد سے ایسا ہی کر رہا ہے، میری ماما ہوں یا پاپا یا پھر میرے عزیز رشتے دار وہ سب سے چڑتا ہے۔ ان کے پاس بیٹھنا تو اس کے لیے عذاب ہو جاتا ہے، میں نے اسے اتنی بار سمجھایا، حیدر بھائی کی مثالیں دیں لیکن وہ سمجھنے کے بجائے بھڑک اٹھتا ہے وہ کہتا ہے کہ وہ تنہائی پسند ہے، وہ کسی کو اپنے گھر میں ایک گھنٹے سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتا۔ اسے شور اچھا نہیں لگتا میں اس کی موجودگی میں ٹی وی تک نہیں دیکھ سکتی پھر بھی برداشت کر رہی ہوں لیکن کل تو اس نے کوئی لحاظ رکھا ہی نہیں، ماما سے ان کا حال چال بھی نہیں پوچھا وہ کوئی غیر تو نہیں تھیں آخر اس کی ساس تھیں بس پھر کیا تھا میں نے ماما کو ساری حقیقت بتادی یہ سب کچھ سن کر ماما اتنی دکھی ہوئیں کہ حد نہیں اور پھر میری بیچاری ماما جو میرے پاس دو تین دن رکنے کے لیے آئی تھیں آنسو بہاتی دو گھنٹے بعد ہی واپس لوٹ گئیں اور اشعر انہوں نے تو ماما کو روکنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ میں اسے بتا آئی ہوں کہ اگر میرے رشتے داروں کی اس کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں تو پھر اس کی حیثیت بھی میرے نزدیک صفر ہے میں اسے کہہ آئی ہوں کہ اب مجھے بھی لوٹ کر واپس اس کے پاس نہیں جانا۔ تم حیدر بھائی سے کہو کہ میرے لیے ٹکٹ کا بندوبست کردیں۔'' زارو قطار روتی ہوئی واصفہ کسی طرح سنبھلنے میں نہیں آرہی تھی۔

''اُف میرے خدا! یہ تم نے کیا کردیا۔ واصفہ گھر چھوڑ کر آگئی ہو اشعر بھائی تنہائی پسند ہیں انہیں شور اچھا نہیں لگتا یا پھر انہیں قریبی عزیزوں سے رابطہ رکھنا بھی مشکل لگتا ہے، تم ان کی بیوی ہو اگر یہ سب باتیں جانتی

## صلِ علیٰ محمدؐ

دل پکارے صلِ علیٰ محمدؐ
نبیؐ ہمارے صلِ علیٰ محمدؐ

نام محمدؐ روشنی ہی روشنی
فلک کے ستارے صلِ علیٰ محمدؐ

مدد گار ہیں وہ سب کے
سبھی کے سہارے صلِ علیٰ محمدؐ

کلام ان کا قرآن
خدا کے دلارے صلِ علیٰ محمدؐ

وہ چاند ہیں عرب کا
نور کے ستارے صلِ علیٰ محمدؐ

قربان ان پہ ہم ہیں
جاں سے پیارے صلِ علیٰ محمدؐ

از: فصیحہ آصف خان، ملتان

بھی تھیں تب بھی تمہیں یہ ساری باتیں آنٹی کو نہیں بتانی چاہیے تھیں اور پھر حد کہ تم اشعر بھائی کو حیدر کی اچھائی کی مثالیں دیتی رہیں حد ہے بے وقوفی کی.... بھلا کوئی شوہر ایسے بھی سمجھتا ہے، تم بیوی ہو تمہیں اپنے شوہر کا بھرم رکھنا چاہیے تھا، تمہاری بے عقلی کی وجہ سے نازیہ آنٹی کتنی دکھی ہوئی ہوں گی......'' عشا نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا تو واصفہ رونا دھونا بھول کر حیرت بھری نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگی وہ توقع کر رہی تھی کہ عشا اس کے ساتھ ہمدردی کرے گی اشعر کو برا بھلا کہے گی مگر عشا کی باتیں اس کی توقع کے بالکل خلاف تھیں۔ نتیجتاً وہ بھڑک اٹھی۔

''تم تو میری بیسٹ فرینڈ ہو، میرا ساتھ دوگی

بس یہی سوچ کر تمہاری طرف چلی آئی اور تم بجائے میرا ساتھ دینے کے اس ظالم شخص کی حمایت کر رہی ہو لیکن تم میرے احساسات کو کیسے سمجھ سکتی ہو، تمہیں میری تکلیف کا اندازہ ہونا ویسے بھی ناممکن ہے، تم تو نوازی گئی ہو ناں حیدر بھائی کتنے اچھے ہیں تم سے جڑے لوگوں کو خیال انہیں تم سے زیادہ ہوتا ہے، تم کیا جانو عشا جب میرا شوہر میرے ہی دل کے ٹکڑوں کی بے قدری کرتا ہے، میرے سامنے ان سے ناگواری کا اظہار کرتا ہے تو میرا دل کرچی، کرچی ہو کر کتنے ٹکڑوں میں بکھر جاتا ہے، تم کہتی تھی ناں کہ ہم دونوں کا نصیب ایک جیسا ہے، غلط کہتی تھیں میرے اور تمہارے نصیب میں مماثلت کہاں...... تم اتنی خوش نصیب اور میں اتنی ہی... بدقسمت...... بس تم اپنی نصیحتیں اپنے پاس رکھو، میں خود ہی جانے کا انتظام کرلوں گی۔'' غصے اور بے بسی سے سرخ ہوتے چہرے اور گھومتے ہوئے سر کے ساتھ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی تو عشا نے اسے سمجھانے کا ارادہ فی الفور موخر کر دیا۔

''اچھا بابا، اچھا کول ڈاؤن، اگر تمہیں میری باتیں بری لگیں تو آئی ایم سوری۔ شاید میں ہی کچھ الٹا سیدھا بول گئی اصل میں کل رات سے نزلہ زکام نے سر گھما رکھا ہے، اوپر سے بخار نے رہی سہی کسر بھی نکال دی، تم فکر نہیں کرو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا میں تمہارے لیے چائے لے کر آتی ہوں اور تم نے ناشتا بھی نہیں کیا ہوگا؟'' عشا نے اس کے ہاتھ کو تھام کر اسے نرمی سے واپس بٹھایا۔

''اب معاف بھی کر دو یا تمہارے پاؤں پکڑوں۔'' عشا نے روتی ہوئی واصفہ کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا تو وہ آنسو پونچھتے ہوئے مسکرا دی۔

''اف عشا تمہیں تو کتنا تیز بخار ہے، چلو تم کچھ کھالو پھر میں تمہیں ٹیبلیٹ دیتی ہوں۔'' دوپہر تک عشا کو اچھا خاصا تیز بخار ہو چکا تھا واصفہ اپنا غم بھلائے اس کی تیمارداری میں مصروف تھی۔

وہ دوا کھا کر کچھ دیر سو گئی تھی۔ واصفہ لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی کچھ دیر بعد عشا اٹھ کر باہر آ گئی تھی۔

''ارے صرف ایک گھنٹا حیدر کے آنے میں ہے اور ابھی مجھے کھانا بھی بنانا ہے۔ اسی طرح لیٹی رہی تو کھانا کون بنائے گا۔'' عشا کے لہجے سے تفکر جھلک رہا تھا اور واصفہ اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

''کھانا میں بنالوں گی عشا...... تم آرام کرو کام کرو گی تو بخار اور تیز ہو جائے گا۔''

''نہیں، نہیں میں اب ٹھیک ہوں۔'' وہ کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

اور پھر عشا کے نہ، نہ کرنے کے باوجود واصفہ نے پینتالیس منٹ کے قلیل وقت میں چکن کڑاہی، روٹیاں اور سلاد بنالیا اور حیدر کے آنے تک عشا کا بخار بھی قدرے کم ہو چکا تھا۔

''ارے ہماری واصفہ بہن آئی ہوئی ہیں، زہے نصیب، زہے نصیب، ارے بھئی عشا واصفہ شادی کے بعد پہلی بار ہمارے گھر آئی ہے کوئی خدمت شدمت بھی کی یا نہیں...... اشعر کہاں ہے، نظر نہیں آ رہا۔'' حیدر نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہی عشا کے ساتھ باتیں کرتی واصفہ کو دیکھا تو خوشگوار حیرت میں گھر کر بولا۔

''وہ اشعر بھائی، واصفہ کو ہماری طرف چھوڑ کر آفس چلے گئے تھے ان کی کوئی ضروری میٹنگ تھی۔ نازیہ آنٹی کی طبیعت خراب ہے واصفہ کو لاہور جانا ہے، آپ اس کی سیٹ بک کروا دیں گے اشعر بھائی ریکویسٹ کر کے گئے ہیں اور آپ فکر نہیں کریں۔ واصفہ کا اپنا گھر ہے یہ کوئی مہمان تھوڑی ہے، جس چیز کی ضرورت ہوگی مجھ سے کہہ دے گی۔'' واصفہ کے بولنے سے پہلے ہی عشا نے تیزی سے بات مکمل کی تو واصفہ اس کے سفید جھوٹ پر بس اسے گھور کر رہ گئی۔

''ارے بھئی واصفہ صرف تمہاری دوست نہیں میری بہن بھی ہے، میں کھانا کھا کر اس کے لیے ٹکٹ بک کرواتا ہوں تم جلدی سے کھانا لگاؤ۔'' حیدر تیزی سے واش روم کی طرف بڑھا تو وہ دونوں کچن

کی جانب لپکیں۔

''آج تو بیگم صاحبہ نے بڑا اہتمام کیا ہے۔'' خوش ذائقہ اور خوش رنگ چکن کڑاہی کھاتے ہوئے حیدر نے خوشگوار انداز میں کہا۔

''وہ دراصل کھانا آج میں نے بنایا ہے حیدر بھائی۔'' کھانا کھاتے، کھاتے عشا کا رنگ اچانک ہی متغیر ہوا کچھ ہی دیر میں حیدر کھانے کی میز چھوڑ کر جا چکا تھا۔ موڈ تو ٹھیک تھا البتہ انداز میں گرمجوشی مفقود تھی۔

''حیدر بھائی کو کیا ہوا؟'' واصفہ نے حیرت سے پوچھا۔

''پتا نہیں شاید سر میں درد ہو' ان کے سر میں اچانک ہی درد شروع ہو جاتا ہے تب ہی یوں اچانک چپ کر جاتے ہیں، میں دیکھ کر آتی ہوں۔'' عشا نے عجلت میں کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''نخرے باز، کام چور عورت ہو تم، جب تم جانتی ہو کہ مجھے اپنے گھر میں تمہارے علاوہ کسی کے ہاتھ کا پکا کھانا نہیں کھانا تو تم نے واصفہ کو پکانے ہی کیوں دیا، میں نے تم پر پہلے ہی واضح کر دیا تھا کہ گھر کے باہر کے کام میری ڈیوٹی ہیں جبکہ گھر سنبھالنا تمہاری ڈیوٹی ہے۔ اپنی، اپنی ذمے داریاں نبھائیں گے تو گھر خوش اسلوبی سے چلے گا تو پھر تم کیوں اپنی ذمے داری نبھانے سے چوک جاتی ہو جس گھر میں گھر کی مالکہ کھانا نہ بنائے وہاں سے برکت اٹھ جاتی ہے اور میں یہ ہی نہیں چاہتا کہ ہمارے گھر سے برکت اٹھے لیکن تم اتنی پھوہڑ اور کام چور ہو کہ گھر آئے مہمانوں کو بھی نہیں بخشتی، اس دن زارا آپی آئی ہوئی تھیں۔ تم نے تب بھی ان سے کھانا بنوایا اور آج کھانا واصفہ نے بنایا، کل بھی ساتھ والی خالہ نے آ کر تمہیں نہاری بنا کر دکھائی تھی۔ آخر تم اس گھر میں بے برکتی کو دعوت کیوں دے رہی ہو۔'' حیدر کا لہجہ اور انداز دونوں ہی آگ لگانے والے تھے۔

''اس دن میرے پیٹ میں درد تھا اور آج بخار تھا ورنہ مجھے تو کھانا پکانے پر یا گھر سنبھالنے پر کبھی کوئی اعتراض نہیں ہوا حیدر۔'' وضاحت دیتے، دیتے عشا کا لہجہ بھیگ گیا۔

''میں بھی تو بیمار ہوتا ہوں، میں نے کبھی اپنی ڈیوٹی سے غفلت برتی ہے، دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔'' حیدر دھاڑا تو واصفہ کے پورے جسم میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ حیدر، عشا سے ایسے پیش آ سکتا ہے یہ بات اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچی تھی وہ تو یونہی ٹہلتی، ٹہلتی گھر کی پچھلی طرف آ گئی تھی جہاں چھوٹی سی کیاری اور طوطے کا پنجرہ موجود تھا وہ دلچسپی سے کیاری میں لگے لیموں دیکھ رہی تھی جب حیدر کی غصیلی آواز اسے ان کے کمرے کی کھڑکی کے پاس کھینچ لائی جو گھر کے پچھلے حصے میں کھلتی تھی کھڑکی نیم وا تھی لیکن اس پر پڑے پردے نے عشا کی زندگی پر پڑے پردے کو ہٹا دیا تھا۔

''آپ نے ٹھیک سے کھانا نہیں کھایا میں آپ کے لیے آملیٹ اور روٹیاں بنا کر لاتی ہوں۔'' عشا نے نقاہت بھری آواز میں کہا۔ بنا لڑے بنا جھگڑے، باہر کھڑی واصفہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جواب میں مکمل خاموشی اسے دہلا گئی۔ حیدر شاید مردوں کے اس قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جو بیوی کو گوشت پوست کا انسان سمجھتے ہی نہیں جنہیں اپنی شریک حیات کی تکلیف ذرا برابر بھی نہیں تڑپاتی۔ کچھ یادیں آپ ہی آپ ذہن کے دریچے پر ابھرنے لگیں۔

''ارے اشعر آپ خود چائے کیوں بنا رہے ہیں اب میں اتنی بھی بیمار نہیں کہ دو کپ چائے بھی نہ بنا سکوں۔ آپ نے تو مجھے ہتھیلی کا چھالا ہی بنا چھوڑا ہے۔'' اشعر کپوں میں چائے انڈیل رہا تھا جب واصفہ کچن میں تیز، تیز بولتی داخل ہوئی۔

''ارے جناب اگر آپ کو یاد ہو تو ابھی کل صبح ہی آپ کا ہاتھ گرم گرم چائے سے جلا تھا' اور میں اتنا ظالم شوہر نہیں کہ آپ کو پھر سے کچن کے کاموں میں مصروف کر دوں، بھئی آپ ٹھیک رہیں گی تو مجھ ناچیز کی زندگی کی بہار سدا بہار رہے گی۔'' اشعر نے مسکراتے ہوئے

چائے کا کپ واصفہ کی طرف بڑھایا۔

''ہاں لیکن وہ چائے اتنی بھی گرم نہیں تھی، میں اب بالکل ٹھیک ہوں آپ نے کل سے لے کر آج تک کا کھانا بھی خود ہی بنایا ہے۔ یہ میری ڈیوٹی ہے مجھے آپ کا کچن میں کام کرنا اچھا نہیں لگتا۔'' واصفہ نے چائے کا کپ شیلف پر رکھتے ہوئے کہا۔

''ارے بھئی ہم دونوں کی ڈیوٹی ایک دوسرے کا خیال رکھنا ہے اور آپ مجھے میری ڈیوٹی کرنے سے منع نہیں کرسکتیں۔'' اشعر نے شیلف پر رکھا کپ اٹھا کر اس کے ہاتھ میں تھمایا۔

''تمہارے ہاتھ سے بنا آملیٹ تو ساری دنیا کے لذیذ کھانوں سے بڑھ کر ہے، عشا میری باتوں کو دل پر لینے کی ضرورت نہیں، تمہیں تو پتا ہے ناں کہ غصے میں میرا خود پر سے کنٹرول ختم ہوجاتا ہے، ایسا کرو تم فٹافٹ تیار ہوجاؤ، ہم دونوں باہر کھانا کھانے چلتے ہیں۔ تمہیں ڈاکٹر کے پاس بھی لے جاؤں گا اور ساتھ ہی واصفہ کی ٹکٹ بھی بک کروا آئیں گے۔'' حیدر کا میٹھا لہجہ کھڑکی کے باہر کھڑی اشعر کی یادوں میں ڈوبی واصفہ کو سرتا پا سلگا گیا۔ اپنی بات پوری کروا کر حیدر کی جھوٹی عزتِ نفس کی تسکین ہوچکی تھی سو اب وہ بالکل نارمل تھا۔

''واصفہ، حیدر فریش ہورہے ہیں، ہم لوگ ذرا باہر جارہے ہیں۔ واپسی پر تمہاری سیٹ بھی ریزرو کروا آئیں گے تم نازیہ آنٹی کو بتادو۔ اچانک جاؤ گی تو وہ پریشان ہوجائیں گی۔'' لیمن کلر کا نفیس کڑھائی سے مزین خوب صورت سا سوٹ پہنے عشا، واصفہ کو ہدایت دینے کے بعد واپس مڑنے کو تھی کہ جب واصفہ کی کمزور آواز پر وہ کرنٹ کھا کر پلٹی۔

''مجھے لاہور نہیں جانا عشا، واپس اپنے شوہر کے گھر جانا ہے اور ہاں رات کا کھانا تم خود ہی بنالینا ورنہ حیدر بھائی کو پھر سے برا لگے گا۔''

''کک...... کیا مطلب کہیں تم نے حیدر کی ساری باتیں تو نہیں سن لیں؟'' عشا نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا تو واصفہ کے اثبات میں سر ہلانے پر اس کے... بدترین خدشے کی تصدیق ہوگئی وہ نڈھال سی بے جان انداز میں پاس پڑے صوفے پر ڈھے سی گئی تبھی واصفہ اس کے ٹھنڈے ہوتے وجود کے پاس آبیٹھی۔

''تم نے جو بھرم رکھا ہے، وہ کبھی نہیں ٹوٹے گا میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی کیونکہ اب سے تمہیں بھی تو میرا بھرم رکھنا ہے ناں، ہاں عشا، میں ماما کو جھوٹی سچی باتوں سے بہلا ہی لوں گی کیونکہ میں نے جان لیا ہے کہ انسان کی قسمت میں کہیں نہ کہیں خوش قسمتی ضرور موجود ہوتی ہے بس اسے ڈھونڈنا پڑتا ہے انسان صرف خوبیوں سے ہی تو گندھا نہیں ہوتا اس کے خمیر میں کہیں نہ کہیں ضد، بغاوت، سرکشی یا نا سمجھی کا مادہ ضرور موجود ہوتا ہے۔ ایک اچھی بیوی اپنے شوہر کی خامیوں کو چھپا کر اس کی خوبیوں کو ہائی لائٹ کرتی ہے، اس کا بھرم رکھتی ہے اور یہ بھرم خود اسے بھی معتبر کردیتا ہے اس کا شوہر ٹھنڈے، میٹھے پانی کا ایک چشمہ بن جاتا ہے ایسا چشمہ جس کی تہ میں پڑے پتھروں کا نوکیلا پن کوئی محسوس ہی نہیں کرپاتا۔ آج سے میرے پاس جو ہے جیسا ہے، میں اس پر شاکر رہنے کی پوری کوشش کروں گی اور تمہاری طرح اپنی قسمت میں چھپی خوش قسمتی کو کھوجوں گی ضرور تاکہ تمہاری طرح ہی مطمئن رہ سکوں اور سچی بات تو یہ ہے کہ میرے پاس جو ہے اس میں اتنی خامیاں بھی نہیں کہ میں اس سے دستبردار ہوجاؤں۔'' واصفہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ایک اور بات بتاؤں واصفہ، منظر چاہے جتنے ہی دھندلے اور سوگوار یت لیے ہوئے ہوں مطلع صاف ہونے کے بعد ویسے ہی صاف، خوب صورت اور واضح نظر آتے ہیں جیسے انہیں کبھی تاریکی نے چھوا ہی نہیں ہو۔'' عشا نے بڑی گہری بات آسان زبان میں کی تھی۔ واصفہ نے کھل کر ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا کہ آنے والی صبح بڑی روشن چمکیلی اور صاف تھی اسے اس بات کا پورا یقین تھا۔

# چھوٹی

تنزیلہ زاہرہ افضل

''چھوٹی، چھوٹی بات سننا!'' سیما باجی نے اسے آواز دی تو وہ یک دم چونکی۔

''جی کیا بات ہے؟'' اس نے مڑ کر پوچھا۔

''تمہارے گھر میں کوئی فالتو پرانے اخبار ہیں؟ اگر ہیں تو لا دو، میں نے الماریوں میں ڈالنے ہیں۔'' سیما باجی نے معمول کے مطابق تیز، تیز بولتے ہوئے کہا۔ چھوٹی نے اثبات میں سرہلایا۔

''ہاں ہیں تو...... رکیں میں لا کر دیتی ہوں۔''

اس نے دھیمے سے لہجے میں کہا اور سبزی والا شاپر پکڑے چھوٹے، چھوٹے قدم اٹھاتی گھر کی طرف چلی گئی۔ سیما باجی نے اسے گلی میں جاتے دیکھا پھر کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد خود بھی واپس اندر چلی گئیں۔

☆☆☆

وہ عمر میں تو ایسی چھوٹی نہ تھی مگر قد میں کم رہ گئی تو سب نے نام ہی چھوٹی رکھ دیا، اصل نام غزالہ تھا اور عمر کوئی یہی اکتیس برس، اماں نے بچپن میں بھی لاڈ سے چھوٹی کہا تو سب ارد گرد محلے والوں نے بھی یہی کہنا شروع کر دیا تھا پھر بچپن چھوڑ کر لڑکپن میں داخل ہوئی تو قدرت نے بھی گویا مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔ اس کا قد تین فٹ آٹھ انچ پہ جو رکا تو پھر ذرہ بھر بھی نہ بڑھ سکا تھا بس پھر کیا تھا اصل نام غزالہ کہیں دھول میں چھپ گیا اور وہ سب کے لیے ''چھوٹی'' بن کر رہ گئی۔ چھوٹی یہ..... چھوٹی وہ..... چھوٹی یہاں گئی ہے، چھوٹی وہاں گئی ہے۔

اماں، ابا نے لاکھ جتن کیے..... ڈاکٹروں، حکیموں، پیروں، فقیروں تقریباً سب ہی کو دکھایا مگر شاید اس کا قد بڑھنا قدرت کو منظور نہ تھا اس لیے سات، آٹھ برس کی کوششوں کے بعد دونوں تھک کر بیٹھ گئے۔

''حنیفاں اب اللہ کی مرضی.....'' ایک روز ابا نے کہا تو اماں اس انداز سے روئیں کہ ابا کا دل بھی دہل گیا مگر یہ شکر ہوا کہ اس وقت گھر میں کوئی دوسرا فرد نہیں تھا ورنہ بچے تو اماں کے یوں رونے پر یقیناً بے حد خوفزدہ ہو جاتے۔

''ہائے غزالہ کے ابا..... میری بچی کیا کرے گی؟ وہ لڑکی ذات..... یا اللہ یہ کس امتحان میں ڈال دیا تو نے؟'' وہ بے ربط انداز میں آسمان کی طرف دیکھ کر مسلسل کہہ رہی تھیں اور ساتھ، ساتھ روتی بھی جا رہی تھیں۔ ابا سر جھکائے گم صم سے چارپائی پر بیٹھے تھے۔

پھر وقت گزرتا گیا، سال پہ سال بیتتے رہے، اماں نے ابتدا میں بہتیری منتیں مانگیں مگر ہر منت پوری ہو جانے کے لیے تھوڑی ہوتی ہے، کوئی دل میں کسک بن کر رہ جانے کے لیے بھی تو ہوتی ہے اور پھر یہی ہوا تھا۔ مختلف درباروں کی جالیوں پر رنگین دھاگوں کی تعداد بڑھتی گئی مگر بس چھوٹی کا قد ہی نہ بڑھ سکا۔ غزالہ کے بعد پیدا ہونے والی صالحہ، شازیہ ہاتھ، ہاتھ بھر اونچی ہو گئی تھیں مگر وہ وہیں کی وہیں رہی پھر کچھ اور سال سرکے تو دونوں چھوٹی بہنیں بیاہی بھی گئیں اور ساتھ ہی غزالہ سے بڑے ارشد بھیا بھی..... ارشد کی شادی کے لیے اماں نے البتہ بڑے غور و خوض کے بعد جیٹھانی کی بڑی بیٹی بشریٰ کا رشتہ چُنا تھا۔ خیال یہی تھا کہ چلو کوئی اپنی ہوگی تو کل کو میری غزالہ کا خیال تو رکھے گی مگر یہ بشریٰ تب تک ہی اپنی رہی جب تک ساس، سسر زندہ رہے..... جس روز اماں کا انتقال ہوا اس روز یہ اپنی بھی یک دم ہی پرائی ہو گئی۔

☆☆☆

''کیا ڈھونڈ رہی ہو چھوٹی؟'' بشریٰ بھابی نے بلند آواز میں پوچھا تھا چھوٹی وہیں کی وہیں گم صم کھڑی رہ گئی۔

''کچھ نہیں بھابی، بس ذرا پرانے اخبار ڈھونڈ رہی ہوں..... وہ سیما باجی کہہ رہی تھیں کہ اگر ہیں تو دے جاؤ دو تین.....'' اس نے منمناتے ہوئے کہا تو بشریٰ نے یک دم تیوری چڑھائی۔

''ارے بی بی اتنی دوستیاں نبھانے کی ضرورت نہیں..... اخبار چاہیے تھا تو اپنے لڑکے کو بھیجتی۔'' بھابی نے ماتھے پر بل ڈال کر کہا پھر دوبارہ پلٹیں۔ ''جاؤ دے آؤ جا کر مگر وہیں نہ بیٹھی رہنا۔ جلدی آجانا۔ بڑے کام پڑے ہیں ابھی کرنے والے۔'' کہہ کر وہ رکی نہیں بلکہ سیدھی اپنے کمرے میں گھس گئی تھیں۔ چھوٹی نے شکر ادا کیا اور موقع غنیمت جان کر فوراً اخبار بازو کے نیچے دبائے اور تیز، تیز چلتی باہر نکل گئی۔

سیما باجی کا گھر چونکہ چار گھروں کے فاصلے پر گلی کے نکڑ پر ہی تھا اس لیے وہ چند لحموں میں وہاں تک پہنچ گئی پھر باہر ہی سے دستک دے کر اخبار ان کے ہاتھ میں دیا اور واپس جانے کو مڑی۔

''چھوٹی اندر نہیں آؤ گی؟'' سیما باجی نے پوچھا تھا مگر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں...... پھر کسی دن چکر لگاؤں گی، ابھی بہت کام ہیں کرنے کو۔'' اس نے جلدی، جلدی میں کہا اور واپس پلٹ گئی۔ سیما باجی معمول کے مطابق کچھ دیر کھڑی اسے جاتا دیکھتی رہیں پھر انہوں نے بھی دروازہ بند کرلیا۔

☆☆☆

سیما کا گھر وہ واحد گھر تھا جہاں وہ اکثر چلی جایا کرتی تھی۔ سیما باجی چونکہ ہمیشہ خاصی محبت سے پیش آتی تھیں اس لیے وہاں جاتے اسے جھجک محسوس نہ ہوتی تھی ورنہ اماں کی وفات کے بعد تو اس کا کہیں بھی جانا تقریباً متروک ہوگیا۔ دوسرے وہ خود بھی احتراز ہی کرتی کہ کسی محلے دار کے گھر جا کر اس نے کرنا بھی کیا تھا۔ سوائے اپنا مذاق اڑوانے کے۔ اسے یاد تھا کہ کئی برس پہلے ایک بار اماں نے جب اس کی ہمجولیوں کو جھڑکا کہ وہ سب اسے اب چھوٹی نہ کہا کریں بلکہ اس کا نام لیا کریں کیونکہ وہ بچی نہیں رہی تھی بڑی ہوگئی تھی تو سب لڑکیاں دانتوں تلے دوپٹے دبا کر ہنس پڑی تھیں۔

''ہائے خالہ وہ بڑی کب ہوئی...... چھوٹی کی چھوٹی ہی تو ہے۔'' انہوں نے کچھ اس انداز سے کہا کہ اماں یک دم شرمندہ ہوگئیں پھر اس روز کے بعد نہ تو انہوں نے کسی لڑکی کو نصیحت کی نہ ہی اسے کسی کے گھر جانے دیا۔

بس وہ گھر کی ہی ہو کر رہ گئی اور اس کا حلقہ احباب ابھی بے حد محدود...... محلے میں ہونے والے شادی بیاہ یا کوئی اور تقریب وہ کہیں بھی نہیں جاتی تھی، بس خاندان میں کوئی فنکشن ہوتا تو اماں کے ساتھ چلی جاتی۔ پھر رفتہ، رفتہ وہاں بھی جانا کم کردیا...... اسے یاد تھا کہ آخری بار جب اپنے چچا کی بیٹی کی شادی پر گئی تو بالشت، بالشت بھر لڑکیوں نے اس کا وہ ریکارڈ لگایا کہ اس نے آئندہ کہیں بھی جانے سے مکمل توبہ کرلی۔

''چھوٹی آپا آئینے سے ایک طرف ہٹ جاؤ اور کچھ ہمیں بھی دیکھنے دو...... ویسے بھی آپ نے اتنا بن سنور کر دکھانا ہی کس کو ہے؟'' منجھلی پھپو کی عاتکہ نے اسے سنگار میز کے سامنے کھڑے دیکھا تو سہیلیوں کی طرف رخ کرکے آنکھ میچی تھی۔ غزالہ گویا وہیں زمین میں گڑ گئی۔ واقعی اس نے دکھانا کس کو تھا؟ ضرورت تو ان طرحدار، بے باک لڑکیوں کو تھی جن پر فریفتہ ہونے کے لیے کئی دل مچل رہے تھے۔

وہ ساری شام چپ چاپ رہی اور پھر اسی

خاموشی کے ساتھ شادی والے گھر سے واپس آگئی۔

☆☆☆

پھر کچھ اور سال بیت گئے۔ اس کی عمر اب پینتیس برس ہونے کو آئی تھی اور جسم کئی بیماریوں کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ ریڑھ کی ہڈی کا درد بڑھتا جارہا تھا اور گردے کا مسئلہ اکثر ہی ہوجاتا تھا۔ اس کی دونوں بھتیجیاں ربیعہ اور رازکی بالترتیب سولہ اور اٹھارہ سال کی ہوچکی تھیں اور بھتیجا قاسم ان دونوں سے چھوٹا تقریباً چودہ برس کا تھا۔

اس شام وہ سیما باجی کے گھر سے واپس آئی تو بھتیجی کو یونہی مخاطب کربیٹھی۔

''ربیعہ، سیما باجی نے گلاب کے نئے پودے خریدے ہیں، پورا گھر ان کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔'' اس نے چاؤ سے کہا...... واقعی اسے پودوں سے شغف تو شروع ہی سے تھا اور اب بھتیجوں میں بھی یہ شوق پوری طرح سے منتقل ہو چکا تھا۔ ربیعہ نے سنا تو مچل گئی۔

''ہائے اللہ ہم بھی دو نئے گملے منگوالیں...... پرانے پھولوں سے تو اب خوشبو ہی نہیں اٹھتی۔'' اس نے کچھ اس اشتیاق سے کہا کہ رازکی نے بھی فوراً اس کی تائید کی تھی۔

''ہاں ہم ضرور منگوائیں گے۔'' اور واقعی اس شام انہوں نے اپنے باپ سے کہہ کر دو تین نئے پھولوں کے گملے منگوا ہی لیے۔ سامنے والے برآمدے کے ستون کے پاس خود بڑے چاؤ سے رکھے اور کھاد اور پانی بھی فوراً ہی ڈال دیا گیا۔

غزالہ کے ہاتھ اب ایک نیا مشغلہ آگیا تھا۔ وہ جب بھی کام سے فارغ ہوتی جھٹ گلابوں کے پاس جا کھڑی ہوتی۔ خوشبو سے سانسیں معطر ہونے لگتیں تو اس کا اندر تک نہال ہوجاتا۔ وہ پودوں کو دیکھ، دیکھ کر مسکراتی رہتی اور بشریٰ اسے دیکھ، دیکھ کر سلگتی۔

☆☆☆

اس صبح نہ جانے کیا ہوا کہ اس نے ایک غلطی کردی تھی۔ گوالا سویرے ہی سویرے دودھ دے کر گیا تو اس نے دیگچی چولھے پر چڑھائی اور خود جا کر پودوں کے پاس کھڑی ہوگئی۔ کچھ لمحوں تک تو اس کو یاد رہا کہ دودھ اوپر رکھ کر آئی ہوں ابھی جا کر دیکھتا ہے مگر پھر ٹہنیوں کے پرانے پتے چننے اور گملے صاف کرنے میں کچھ ایسی مصروف ہوگئی کہ دھیان دودھ کی طرف سے ہٹ گیا۔ وہ اب پوری طرح سے پودوں کے ساتھ مشغول تھی پھر ہوش اسے اس وقت آیا جب بشریٰ بھابی کی چیختی ہوئی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

''چھوٹی کہاں مرگئی...... دیکھ تو آکر دودھ سارا ابل گیا۔'' انہوں نے کچھ اس انداز سے کہا کہ غزالہ کے ہاتھ سے کھرپی چھوٹ کر دور جا گری۔ وہ بھاگم بھاگ کچن میں گئی تو سامنے کا منظر دیکھ کر اسے اندازہ ہوا کہ دودھ واقعی خاصا بہہ چکا تھا۔

''دیکھ لیا؟ ڈوب مراس میں اب۔'' بشریٰ نے چلاتے ہوئے کہا۔ اسے لڑائی کے لیے نیا موضوع مل گیا تھا اس لیے اب بلند آواز سے بول رہی تھی اور چھوٹی سر جھکائے خاموشی سے سن رہی تھی۔

''تجھے حیا نہیں آتی؟ بچوں کے ساتھ بچی بنی رہتی ہے...... ارے گھٹیا وہ تو بچیاں ہیں اپنے شوق پورے کررہی ہیں مگر تجھے تو شرم آنی چاہیے۔ قد تو چھوٹا رہا مگر عقل کی بھی چھوٹی کی چھوٹی ہی رہی۔'' شدید غصے کے عالم میں ربیعہ اور رازکی ماں کو چپ کروانے کے لیے آئیں مگر اس نے انہیں جھڑک کر ایک طرف کردیا اور خود بولتی چلی گئی۔

''ارے تیرے سارے خرچے برداشت کرتے ہیں، ناز نخرے اٹھاتے ہیں مگر تجھ سے دو چار کام بھی نہیں ہو پاتے...... تف ہے تجھ پر۔'' بشریٰ کو اب کون چپ کرواتا، میاں تو بیچارہ ویسے ہی اس کے سامنے خاموش بیٹھا رہتا تھا۔ اب پچھلے دو دنوں سے شہر سے باہر گیا ہوا تھا تو وہ کچھ اور شیر ہوگئی تھی۔

غزالہ کچھ لمحے خاموشی سے سنتی رہی پھر بالآخر ہمت کرکے بول ہی پڑی۔

''بھابی سارے کام تو کرتی ہوں......'' مگر شاید

بولنا ہی اس کی فاش غلطی ثابت ہوا تھا بشریٰ کا پارہ یک دم مزید بلند ہو گیا۔

”تو کیا احسان کرتی ہے؟ ارے کھاتی نہیں یہاں سے...... تجھے کھانے کو دیتی ہوں، پہننے کو دیتی ہوں اور کیا چاہیے؟ غزالہ بیگم یہ میں ہی ہوں جس نے تجھے اپنے ہاں رکھا ہوا ہے سمجھی؟ اگر میں نہ رکھتی تو تجھے بھلا اور کون رکھتا...... ارے پتا ہے تو کہاں ہوتی؟ کسی سرکس میں ہوتی سرکس میں...... یہاں وہاں پھدکتی پھرتی اور لوگوں کی سیٹیاں اور تالیاں سنتی......“ وہ بولتی چلی جارہی تھی اور چھوٹی چپ چاپ آنسو بہاتی جارہی تھی۔ جب بشریٰ چیخ، چیخ کر تھک گئی تو بالآخر اپنے کمرے میں غائب ہو گئی، چھوٹی نے خاموشی سے کچن صاف کیا اور پھر سے معمول کے کاموں میں جت گئی۔

☆☆☆

اس رات وہ اپنے کمرے میں آکر خوب روئی...... اماں کے مرنے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ آنسو اس بے اختیاری سے بہہ رہے تھے اور کوئی چپ کروانے والا نہیں تھا۔ وہ تھی ہی ایسی کوتاہ قامت، باعثِ ندامت...... جس راہ سے گزر جاتی پیچھے قہقہوں کے نشان چھوڑ جاتی۔ روتے بچے ہنسنے لگتے لوگ، باگ مسکراتے اور وہ خاموشی سے چلتی چلی جاتی، چلتی چلی جاتی، رک کر احتجاج کرتی بھی تو کیا اور کس، کس سے؟ وہ دیو قامت انسانوں کے درمیان ایک ٹھگنا سا وجود تھا...... خدا کی پیدا کردہ اس کی رضا...... جسم اگرچہ چھوٹا تھا مگر روح تو مکمل تھی مگر کوئی سوچتا تو تب ناں...... وہ زندگی بھر بس مذاق کا نشانہ ہی بنی رہی۔

اس رات خود ہی روئی اور پھر خود ہی اپنے آپ کو چپ کروایا تھا واقعی کوئی دوسرا آسرا تو تھا نہیں اس لیے یہیں رہنا تھا۔ بشریٰ سے بگاڑ کر جاتی بھی کہاں......؟

اگلی صبح اس نے جلدی، جلدی اٹھ کر دودھ گرم کیا پھر رات کے جھوٹے برتن دھوئے۔ دل میں یہی سوچ رہی تھی کہ بھاوج کے اٹھنے سے پہلے، پہلے کچن کے سارے کام نپٹالے گی تاکہ اس کے مزید غصے سے بچ سکے۔ پھر برتنوں کو ٹوکری میں رکھا اور ہاتھ پونچھتی نسلی سے باہر آگئی۔

صحن پار کر کے سامنے والے برآمدے کے قریب آئی تو آگے کا منظر دیکھ کر دل دھک سے رہ گیا تھا۔ وہ گلابوں کی خوشبو سونگھنے کے لیے آئی تھی مگر ان کی خوشبو تو اس کی پہنچ سے بہت دور کر دی گئی تھی۔

اس نے آنکھیں مل کر دیکھا مگر منظر پھر بھی نہ بدل سکا۔ بشریٰ نے رات ہی وہ سارے گملے اٹھا کر کھڑکی کے شیڈ پر رکھ دیے تھے اور شیڈ اتنا اونچا تھا کہ وہ کرسی رکھ کر بھی کوشش کرتی تو وہاں تک نہ پہنچ پاتی۔

وہ کئی منٹ چپ چاپ حسرت بھری بے یقین نظروں سے ان پودوں کی طرف دیکھتی رہی، دیکھتی رہی پھر جب تھک گئی تو ایک شکایت آمیز نگاہ آسمان کی طرف ڈالی اور اپنے کمرے میں پلٹ آئی۔

وہ اس دن بالکل نہ روئی...... ایک آنسو نہ بہایا۔

سورج چڑھنے تک البتہ محلے میں شور مچ چکا تھا کہ چھوٹی مر گئی۔ سیما ننگے پاؤں ان کے گھر کی طرف دوڑی اور دروازے کی دہلیز بھاگ کر پار کی تھی۔

”کیا ہوا......؟“ اس نے سراسیمگی میں پوچھا تھا بشریٰ اور دونوں لڑکیاں اونچی آواز میں رو رہی تھیں اور محلے کی بہت ساری خواتین ان کے گرد ہجوم بنائے بیٹھی تھیں۔

”چھوٹی مر گئی۔“ کہیں سے آواز آئی تھی۔ سیما نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔

”نہیں، کیسے؟“ اسے بالکل یقین نہیں آیا تھا، کسی کو بھی یقین نہیں آرہا تھا وہ کل تک تو بالکل ٹھیک تھی...... بھلی چنگی...... پھر ایک دم سے کیا ہوا تھا۔

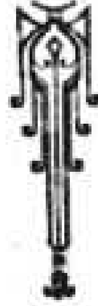
واقعی ایک دم سے کیا ہوا تھا؟ کئی آوازیں پوچھ رہی تھیں مگر جواب کوئی نہیں تھا۔ پھر کوئی بھی نہ جان پایا کہ چھوٹی کیسے مری تھی، یہ راز سوائے بشریٰ کے کسی کو معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ چھوٹی سی تھی اور چھوٹی سی بات پر ہی مر گئی تھی۔



ناولٹ

# سنہری دھوپ میں برستی بارش

فاطمہ چوہدری



دوسرا اور آخری حصہ



سید منہاج شاہ نے پیاروں سے دور رہ کر اپنا جنون پالیا تھا۔ لندن سے قانون کی اعلیٰ ترین ڈگری حاصل کر کے ساہیوال شہر میں آبسے تھے اور درس و تدریس کے شعبے سے منسلک ہو چکے تھے۔ بیوی کو احترام اور پیار دیتے تو اپنی بیٹی کو بھی کسی اور رشتے کی کمی محسوس نہیں ہونے دیتے۔ وہ اکثر اسکول سے واپسی پر پوچھتی کہ میرے دادا، دادو یا نانا، نانو کیوں نہیں ہیں لیکن وہ اسے چاکلیٹس یا کوئی کھلونا دلا کر چپ



کروا دیتے لیکن اپنے دل میں بہت درد محسوس کرتے تھے۔ اپنوں سے دور رہنا بہت برداشت کا کام ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ وہ زندہ ہوں، سانس لیتے ہوں، رشتے انسان کو توڑ دیتے ہیں، بڑھاپے کی دہلیز پار کرتے ہوئے یہ رشتے نئے سرے سے انسان پر وار کرتے ہیں۔ اس عمر میں انسان رشتوں کو ترستا ہے لیکن پھر انا آڑے آجاتی ہے۔

منہاج شاہ بھی اب ترستے تھے لیکن کس منہ سے گھر جاتے۔ وہ خود ہی تو سب کچھ چھوڑ آئے تھے۔ ان گزرے حالات کو سوچ کر منہاج شاہ دل مسوس کر رہ جاتے' اپنے ساتھ، ساتھ انہوں نے اپنی بیگم کو بھی رشتوں سے دور کر دیا تھا۔ اکثر انہیں اپنی بیوی کی گلابی، گلابی آنکھیں یہ باور کرا جاتی تھیں کہ وہ غلط تھے لیکن گیا وقت کب ہاتھ آتا ہے۔ اب وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے' انہیں باقی ماندہ زندگی بھی اپنے پیاروں کے رشتوں کے بغیر غیروں میں ہی گزارنا تھی۔

☆☆☆

''سر! آپ سے ملنے کوئی زید حسن صاحب آئے ہیں۔'' زمان شاہ فائلز دیکھنے میں مصروف تھا کہ اس کی سیکرٹری سے اسے کسی کے آنے کی اطلاع دی۔ سیکرٹری کو ہاں کرتے ہی زمان شاہ نے فائلز کو سائڈ پر رکھ دیا۔ اندر آنے والے کو دیکھ کر وہ بے ساختہ کھڑا ہو گیا اور آگے جا کر گلے ملنے لگا۔

''کہاں چلے گئے تھے یار! اتنے عرصے بعد اب نظر آ رہے ہو۔'' زمان شاہ اور زید حسن بچپن کے دوست تھے پھر زید حسن اپنی فیملی کے ساتھ ابروڈ (بیرونِ ملک)... شفٹ ہو گیا تھا تو رابطہ بالکل ختم ہو کر رہ گیا تھا اور اب اچانک چار سال بعد زید حسن سے ملاقات ہو رہی تھی۔

''بس کیا بتاؤں، پاکستان آتے ہی دادا جی نے زبردستی ساہیوال شفٹ ہونے کا حکم دے دیا تو اب ساری فیملی ساہیوال میں ہوتی ہے۔''

''تو تم انتظام تو کر سکتے تھے..... ساہیوال اتنا دور تو نہیں اور میرے گھر کا راستہ تو تم یقیناً نہیں بھولے ہو گے۔'' زمان شاہ نے منہ بنا کر زید حسن سے ناراضی ظاہر کی۔

''بس گھر کے مسائل اور پھر کاروبار میں ایسے الجھا کہ کچھ ٹائم ہی نہیں ملا...... خیر اب آ تو گیا ہوں...... پلیز بیٹھنے کو تو کہو اور پھر کچھ کھانے پینے کا بھی بندوبست کرو...... سیدھا تمہارے آفس آ رہا ہوں......'' زمان شاہ دوست کی بات سن کر مسکرا دیا۔ وہ اپنے دوست کی عادت اچھی طرح سے جانتا تھا، اسے بھوک بالکل برداشت نہیں تھی۔

''جی مس عائزہ دو لوگوں کے کھانے کا آرڈر کر دیں اور پلیز جلدی۔'' اپنی سیکریٹری کو آرڈر کر کے وہ زید حسن کو لیے ٹیبل کے سامنے دیوار کے ساتھ رکھے آرام دہ صوفوں پر آ کر بیٹھ گیا۔

''ہاں تو بتا کیا چل رہا ہے آج کل؟'' زید حسن نے آفس پر تفصیلی نظر دوڑائی۔

''کچھ خاص نہیں......بس گھر اور کاروبار......''

''ہاں، کاروبار تو دیکھ ہی چکا ہوں تو قدم جما چکا ہے، اب گھر بسانے کا نہیں سوچا؟''

''میں نے کیا سوچنا ہے، گھر والوں نے سوچ لیا ہے اور چند ماہ تک شادی متوقع ہے۔'' زمان شاہ نے بتایا۔

''ارے واہ' میرا دوست گھوڑی چڑھنے والا ہے۔ شکر ہے میں بروقت پہنچ گیا ورنہ تو نے کہاں بلانا تھا مجھے۔'' زید حسن اس کے کندے پر ہاتھ رکھ کر خوشی سے بولا۔

''اچھا یہ چھوڑ اور تو بتا مجھے کہ تجھے بھی کوئی پسند آئی کہ نہیں؟'' چھیڑنے میں تو کوئی زمان شاہ کا ثانی نہیں تھا۔ اس کی بات سنتے ہی زید حسن کے ذہن نے ایک پری پیکر کے چہرے کا طواف کیا تھا۔ آنکھوں میں ایک چمک آئی تھی جسے زمان شاہ بھانپ گیا۔

''ہاں...... ہاں...... بتا تو سہی!''

''آں ہاں...... ہے یار ایک پری...... لیکن بہت

دور ہے۔''

''واہ، موصوف عشق کی وادی میں قدم رکھ چکے ہیں۔'' زمان شاہ نے لطیف سا طنز کیا۔

''ارے نہیں یار، عشق کہاں؟ جسٹ لائک نیس...... اینڈ تھنکنگ ایلز......'' زید حسن کو وہ اچھی لگتی تھی، ہنستی ہوئی، دل کے تار چھیڑتی ہوئی۔

''تو اب گھامڑ بات کرناں اس سے۔'' زمان شاہ نے اپنے بھولے دوست کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے اسے مشورے سے نوازا۔

''نہیں یار، وہ میرے بہت ہی محترم استاد...... سر منہاج شاہ کی بیٹی ہے اور میں ایسا چاہ کر بھی نہیں سوچ سکتا کہ میرے استاد کو میری وجہ سے پریشانی لاحق ہو۔ اس لیے ایک پراپر طریقے سے رشتہ لے کر جانا چاہ رہا تھا لیکن......''

زید حسن تو اپنی دُھن میں بولے جا رہا تھا لیکن زمان شاہ کا ذہن تو زید حسن کے استادِ محترم کے نام پر ہی اٹک گیا تھا۔ اس نے زید کی بات مکمل نہ ہونے دی۔

''کیا بولا تو؟''

''کیا......؟'' زید حسن کو محسوس ہوا کہ شاید زمان شاہ اس کی بات غائب دماغی سے سن رہا تھا۔

''تیرے استاد کا نام؟''

''منہاج شاہ......''

''کیا کرتے ہیں...... او آئی مین ان کی فیملی؟''

''تو جانتا ہے انہیں؟'' زید حسن کو لگا کہ زمان شاہ انہیں جانتا ہے۔

''تو ان کی فیملی کا پتا تو سہی؟''

''نہیں، ان کی کوئی فیملی نہیں ہے، صرف اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ رہتے تھے۔'' لیکن زمان شاہ کو لگا جیسے کوئی تالے کی چابی حاصل ہو گئی ہو۔

''وہیں ساہیوال میں رہتے ہیں کیا؟'' زمان شاہ نے اب بھی اس کی مکمل بات نہیں سنی۔

''ہاں ساہیوال میں ہی لیکن وہاں رہتے ہیں

نہیں...... رہتے تھے۔'' زید حسن کی بات پر زمان شاہ کو لگا کہ اگر جو بات اس کو کلک کر گئی ہے سچ ہوئی تو بہت سی زندگیوں میں خلا آ جائے گا...... ٹوٹ جائیں گے سب ایک بار پھر سے بکھر جائیں گے۔ امیدیں دم توڑ جائیں گی۔

''دراصل سر اور ان کی مسز کا پچھلے دنوں ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا۔''

زمان شاہ کو لگا کہ کمرے کی خوب صورت فالس سیلنگ اس پر گر پڑی ہے۔ قدموں تلے سے زمین کھینچی جا چکی ہے۔

☆☆☆

زید حسن کا آنا ان سب کے لیے خوشخبری کے ساتھ صدمہ بھی لایا تھا۔ پھر شاہ ہاؤس کے مکین اپنا غم بھلا کر اپنی امانت یعنی اپنی ڈول کو لینے چل دیے تھے۔

اماں جان کو بیٹے اور بہو سے بڑھ کر پوتی کی فکر تھی جو اب اکیلی تھی۔ صبر تو آہستہ آہستہ آ ہی جاتا تھا۔

سب کی پیاری ڈول اتنے پیارے رشتوں کے ہمراہ لاہور آ گئی تھی۔ اور پھر اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارا بھی نہیں تھا۔ ساہیوال میں کوئی اپنا نہیں تھا اب جب اپنے ملے تھے تو کس حال میں...... لیکن ایک عرصہ وہ ان رشتوں کو ترسی تھی۔ اب یہ تشنگی ختم ہونے کے قریب تھی کہ ایک اور خلا نے زندگی میں جگہ بنالی تھی۔ اس کے پیارے پاپا جانی اور ماما جانی اس سے کچھ کہے...... کچھ سنے بغیر منہ موڑ گئے تھے۔

یہ دکھ اسے راتوں کو سونے نہیں دیتا تھا۔ جب سے لاہور آئی تھی...... اس نے سب کو اپنے اوپر پیار نچھاور کرتے ہی پایا تھا۔ باپ سے زیادہ شفیق تایا ابو...... جو اسے بیٹی بنا کر لائے تھے اور اپنا دیا ہوا مان پورا کر رہے تھے۔ آفس جاتے ہوئے خود اپنی نگرانی میں ناشتا کراتے اور آفس سے واپسی پر ڈھیروں چیزیں ہمراہ لاتے تھے پھر تائی جان تھیں، جن کے گلے لگتے ہی اسے اپنی ماما جانی کی خوشبو محسوس ہوتی تھی جو دن بھر اس کا خیال رکھتی تھیں۔ کھانا اس کی پسند کا بناتیں، نت

نئے ڈریسز اس کی وارڈ روب میں سج گئے تھے' اس کے ساتھ، ساتھ باقاعدہ وہ اس کے لاڈ کرتیں۔ اس کے دراز اور چمک دار بالوں کو خود آئل لگاتیں اور ضعیف اور پُرخلوص سی دادو اس کے حصے کی ساری محبتیں اب اسے لوٹا رہی تھیں۔ رات کو دادو اسے اپنی آغوش میں پناہ دیتیں۔ صبح اٹھتے ہی اس پر مختلف تسبیحات پڑھ کر پھونک مارتیں۔

اس گھر کے دو مکین اور بھی تھے...... زمان شاہ اور امان شاہ...... دونوں نے اس کے بھائی نہ ہونے کی کمی کو پورا کر دیا تھا۔ اس کے لیے ڈھیروں تحائف لاتے اور اکثر رات کو آئس کریم کھلانے باہر لے جاتے اور تو اور اس کے ساتھ بچوں کی طرح چھیڑ چھاڑ کرتے تھے۔ غرضیکہ انہیں عرصے بعد اپنی بچھڑی بہن ملی تھی تو کیوں نہ بھرپور ناز اٹھاتے۔ اس کا غم غلط کرنے میں زیادہ ہاتھ عرشیہ کا بھی تھا جو روز اپنی ہاؤس جاب سے واپسی پر اسے پک کرلیتی اور لاہور شہر اسے گھماتی۔ ان سب کی محبتوں میں رات میں اسے ایک شخص بڑی شدت سے یاد آتا تھا۔

''نہ جانے وہ کہاں ہوگا؟ اسے احساس بھی ہوگا کہ اس نے میرے ساتھ کیا، کیا ہے؟ زندگی سے کھیل گیا وہ میری اور میں، میں اسے بھول کیسے سکتی ہوں۔ اتنا بڑا سانحہ ہی تو گزرا ہے میرے اوپر۔ پر وہ تو قاتل ہے میرے خوابوں کا...... میرے اپنوں کا قاتل...... میں کیسے اسے اپنے دل میں جگہ دے سکتی ہوں۔''

کبھی، کبھی ہوتا ہے ایسا...... ہم جسے دل کی سب سے اونچی مسند پر جگہ دیتے ہیں، وہ خود اس مقام پر براجمان ہو کر ہمیں دھکا دے دیتا ہے اور ہم لڑھکتے ہوئے منہ کے بل ایسے نیچے گرتے ہیں کہ خود کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے۔

رابیل شاہ کو تو اس شخص سے پہلے دن سے ہی چڑ تھی لیکن چڑ کے پیچھے چھپی محبت کا ادراک اسے اب ہو رہا تھا۔ ہاں اس نے یونیورسٹی کے اولین دنوں میں اسے سوچا تھا۔ اسے سوچنا، خوابوں کے سفر میں اس کے سنگ چلنا بہت خوب صورت لگتا تھا۔ ہزاروں لڑکیاں اس پر مرتی تھیں...... وہ بھی اسے چاہنے لگی تھی لیکن اپنی چاہت کو چھپانے یا پھر ختم کرنے کے لیے اس نے اسے اگنور کرنا شروع کر دیا اور اس بے وجہ کی چڑ نے ہی رابیل شاہ کو اس شخص کے نام کر دیا۔

ہاں مگر اب وہ بدظن تھی اس سے...... اگر وہ اس کی سچی محبت تھا تو اس نے رابیل شاہ سے اس کی دو،دو محبتیں چھین لی تھیں۔

وقت کا کام ہے گزرنا...... اب اسے شاہ ہاؤس میں آئے ایک سال ہو گیا تھا۔ پڑھائی سے تو وہ دل پھیر ہی چکی تھی۔ اب گھر میں تائی جان کا ہاتھ بٹاتی اور اماں جان (دادو) کی خدمت کرتی اور تو اور زمان شاہ، امان شاہ سے اپنے ناز نخرے اٹھواتی اور وہ دونوں بھی بہن کے لاڈوں سے خوش ہوتے تھے۔

تایا جان کے سب سے چھوٹے نورِ چشم سے وہ شرفِ ملاقات حاصل نہیں کر پائی تھی۔ کیونکہ وہ اس کے یہاں آنے سے کچھ دنوں پہلے ہی پڑھنے کی غرض سے بیرون ملک گیا تھا۔ ہاں اب سنا تھا کہ وہ اپنے بھائی کی شادی پر آرہا ہے۔

زمان بھائی کی شادی کی تیاریوں میں اس نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تائی جان نے اسے بھاری، بھاری کام والے سوٹ تیار کروا دیے۔ اس نے کبھی اتنے کام والے سوٹ زیب تن نہیں کیے تھے لیکن تائی جان نے زبردستی لے کر دیے تھے۔ ہاں اسے مہندی اور چوڑیوں کا بھی بہت شوق تھا، وہ اس نے بہت شوق سے خریدی تھیں۔

☆☆☆

ایک سال ہو گیا تھا اسے دیارِ غیر آئے ہوئے، یہاں کی تیز رفتار زندگی میں اپنوں کی یاد بہت ستاتی تھی لیکن ایک اور ہستی بھی تھی جو دل میں بڑی شان سے براجمان تھی۔ سوچوں کو جھٹکنے کے باوجود بھی دماغ اسی کو سوچتا تھا۔

ہاں وہ ہی حسین آنکھیں...... جن میں جھیل کی سی گہرائی تھی۔ وہ ہی زردی مائل گلابی چہرہ........ اور بے داغ روشن پیشانی...... ہاں وہ حسین تھی پھر کیوں نہ دل میں گھر کرتی۔ اس نے تو بچپن سے اپنی ڈول کے بارے میں سوچا تھا پھر یہ کون تھی جو ڈول کی جگہ لے گئی تھی؟

اب اسے احساس ہوتا تھا کہ وہ انجانے میں بہت برا کر آیا تھا لیکن تب غصے اور انتقام کے ملے جلے جذبات میں تھا...... جب احساس ہوا تب وہ اس سے بہت دور آ گیا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ اس کی زندگی اپنے نام لکھ کر اسے قید میں ڈال آیا ہو۔ جب وہ اسے اپنی سوچوں سے نکالنے میں ناکام رہا تو احساسِ محبت پوری شان سے جگمگایا...... اور پھر اسے لگا کہ جو کچھ ہوا چاہے غلط یا صحیح اس کے لیے تسکینِ روح و جان ہوتا جا رہا تھا۔ پھر اس کے والدین کی خبر بھی کانوں میں پڑی...... افسوس ہوا...... دل چاہا کہ ابھی جا کر اسے خود میں بھینچ لے اور اس کا ہر غم غلط کر دے لیکن مجبور تھا۔ وہ جلد از جلد اپنے پیپرز سے فارغ ہو کر پاکستان جانا چاہتا تھا۔ اسے اپنی زندگی میں شامل کرکے ... بے قراریوں کی داستانیں رقم کرنا چاہتا تھا۔ اور آج وہ اپنے وطن کی سرزمین پر قدم رکھنے والا تھا۔

☆☆☆

دانی سے ڈول کے مل جانے کی خبر کو مخفی رکھا گیا تھا سب اسے سرپرائز دینا چاہتے تھے۔ ڈول جانتی تھی کہ آج تایا جان کا چھوٹا سپوت آ رہا ہے۔ دادو اسے کبھی کبھی بتاتی تھیں۔

"دانی کو تم سے بڑا پیار تھا، ہر وقت تمہارے آگے پیچھے رہتا تھا۔ تمہارے جانے کے بعد ایک ماہ تک بخار میں مبتلا رہا تھا اور پاکستان سے جانے سے پہلے تک کہتا رہا تھا کہ ایک نہ ایک دن میری ڈول ضرور آئے گی۔ تبھی تو تمہارا آنا اس سے چھپایا...... اب آ کر دیکھے گا وہ۔"

☆☆☆

آج زمان شاہ کی مہندی کا فنکشن تھا اس نے بہت کام کیا تھا اب تائی جان نے اسے زبردستی آرام کرنے کے لیے کمرے میں بھیجا تھا۔ کوئی ایک گھنٹا ہی گزرا ہوگا کہ عرشیہ اسے بلانے آگئی۔

''اماں جان بلا رہی ہیں...... دانی آ گیا ہے۔''

''اوہ تو اب چھوٹے صاحب پہنچ ہی گئے... چلو رابیل شاہ اپنے بچپن کے عاشق کو دیکھ لو......'' رابیل سوچ کر مسکرائی۔ اپنا حلیہ درست کر کے وہ دادو کے روم کی طرف چل دی۔ وہیں سب جمع تھے۔

دادو کے کمرے میں قدم رکھتے ہی سامنے دادو کے ساتھ بیٹھے جس شخص کو اس نے دیکھا تھا وہ اس لمحے اس کے اوسان خطا کرنے کے لیے کافی تھا۔

اسے کسی کی موجودگی کا خیال نہیں رہا بس اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اور دوسری طرف بھی کچھ مختلف صورت حال نہیں...... وہ بھی بیڈ سے اتر کر رابیل کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا اور اس کی نظریں رابیل کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی دعا اتنی جلدی قبول ہو جائے گی۔ جس چہرے کو اس نے پچھلے ایک سال سے خوابوں میں دیکھا تھا...... وہ چہرہ آج مجسم سامنے کھڑا تھا۔ وہ اسے چھونا چاہتا تھا، اس کی موجودگی کا یقین کر لینا چاہتا تھا۔ رابیل بھی بت بنی کھڑی تھی، جس شخص کا اس نے ایک سال انتظار کیا تھا اور وہ بھی یہ سوچتے ہوئے کہ انتظار لاحاصل ہی ٹھہرے گا......

لاحاصل انتظار تو بہت ظالم ہوتا ہے...... انسان کو اندر ہی اندر مار دیتا ہے...... لاحاصل سوچوں کا سفر انسان کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ جو اپنے بندوں کے دلوں کا بھید جانتا ہے وہ ناامیدی میں امید پیدا کرتا ہے سو رابیل کے لیے ناامیدی سے امید کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔

''دانی...... دیکھو تمہاری ڈول کتنی بڑی ہو گئی ہے۔'' دادو نے رابیل کو نظروں میں لے کر پیار سے کہا کہ

''اماں جان......! یہ...... یہ میری ڈول ہے؟ کیا آپ سچ کہہ رہی ہیں؟''

''ارے لڑکے اور میں جھوٹ بولوں گی کیا؟'' دادو نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ دانی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے بچپن کا خواب یوں جوانی کی محبت بن کر تعبیر پا جائے گا۔

''یہی تمہاری باربی ڈول ہے، رابیل...... میرے منہاج کی نشانی......'' پھر انہوں نے اس کی جانب دیکھا۔

''اور رابیل یہ تمہارا دیوانہ، تمہارے تایا جان کا لاڈلا بیٹا حمدان ہے......''

اور رابیل شاہ کو بھی دادو کے الفاظ سے یقین آ گیا تھا کہ یہ اسی کا حمدان ہے اس کی محبت...... اللہ نے اسے حمدان شاہ سے نواز دیا تھا۔ اور وہ الٹے قدموں اپنے کمرے کی طرف بھاگی تھی۔ سب سمجھے تھے کہ وہ شرما گئی ہے لیکن وہ شکرانے کے نفل ادا کرنے گئی تھی کہ اس کے رب نے اسے بن مانگے ہی عطا کر دیا تھا...... اسے تہی دامن نہیں لوٹایا تھا۔

''کیسا لگا ہمارا سرپرائز......؟'' شافیہ بیگم نے حمدان کو گلے لگاتے ہوئے پوچھا۔

''پرفیکٹ...... امیزنگ...... لو یو ماما جان......''

حمدان فرطِ مسرت سے بول رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا لیکن اسے اپنے چاچو اور چاچی کا بھی بہت دکھ تھا جو امید اُن سے ملاقات کی تھی اس امید کا دیا بجھ گیا تھا۔

☆☆☆

محبت کرتی تھی وہ حمدان شاہ سے...... یہ بات وہ تسلیم بھی کر چکی تھی لیکن اندر دل کے ایک کونے میں خوف کا عالم تھا جو خواب اس نے ابھی اپنی جاگتی آنکھوں سے دیکھا تھا بڑا طاقتور تھا۔ اس کے دل و دماغ پر غالب آ گیا تھا۔

خواب میں رابیل نے ماما جانی اور پاپا جانی کو روتے دیکھا تھا۔ وہ دونوں روتے ہوئے رابیل کو پیچھے دھکیل رہے تھے۔ وہ بار، بار ان کے قریب جانے

کی کوشش کررہی تھی لیکن وہ اسے خود سے دور کررہے تھے۔

جانے کیسا خواب تھا لیکن خواب رابیل کے اعصاب پر سوار ہوگیا تھا۔ رابیل کو لگ رہا تھا کہ ماما جانی اور پاپا جانی اسے حمدان کے ملنے کی خوشی میں خوش ہوتا نہیں دیکھنا چاہ رہے......اور ایسا تو رابیل شاہ نے سوچا اور محسوس کرنا ہی تھا کیونکہ ذہن کا ایک گوشہ اب بھی حمدان کو قصور وار ٹھہرا رہا تھا اور وہ گوشہ پھر سے سبقت لے گیا تھا۔ وہ پھر سے اسی نہج پر سوچنے لگی تھی وہ جو دل میں انجانی سی خوشی کا بسیرا ہوا تھا وہ ختم ہوگئی تھی۔ اسے ایک مرتبہ پھر حمدان سے چڑ ہورہی تھی۔

☆☆☆

بیوٹیشن کے ماہر ہاتھوں نے اس کے ملکوتی حسن کو چار چاند لگادیے تھے تائی جان نے اسے خاص طور پر تیار کروایا تھا۔ اس نے ریڈ بنارسی شرٹ کے اوپر اورنج شیفون گاؤن پہن رکھا تھا جس پر کورے اور اسٹون کا نازک کام تھا اور ساتھ میں اورنج ہی سلک شیفون کا ہلکے کام والا شرارہ تھا۔ گوری گوری کلائیوں میں بھر بھر کر چوڑیاں پہنی تھیں۔ لمبے بالوں کو مجوری چٹیا کی شکل دے دی تھی جس پر کہیں، کہیں موتیے کی کلیاں اٹکائی گئی تھیں۔

بیوٹیشن کے ہاتھوں تیار ہوکر دوپٹے کو سیٹ کرتی وہ کمرے سے باہر نکلی ہی تھی کہ اسے لگا سر کسی سخت شے سے مار بیٹھی ہے......جب نظریں اٹھا کر دیکھا تو کرنٹ کھا کر دو قدم پیچھے ہٹی لیکن درد کی شدت سے کاجل لگی حسین آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں اور یہ منظر حمدان کے دل کو روشن کر گیا تھا۔

حمدان کو رابیل کا یہ روپ بہت بھلا اور حسین لگ رہا تھا کسی کے آجانے کے ڈر سے حمدان نے رابیل کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچ کر سامنے اپنے روم میں لے گیا اور وہ بھی بغیر کسی مزاحمت کے اس کے ساتھ آگئی تھی......دل میں کہیں اس ظالم کی چاہت کے دیپ جلے تھے لیکن تب گھبراہٹ ہوئی جب حمدان اس کے قریب سے قریب تر آتا گیا۔

ویسے تو وہ اس کا محبوب شوہر تھا......حق رکھتا تھا لیکن ابھی قریب آنا کچھ ٹھیک نہیں تھا۔ لیکن حمدان کو کون سمجھاتا...... وہ تو بس اس کے حسن سے اپنی آنکھوں کو......دل کو......روح کو سیراب کررہا تھا۔ رابیل کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

رابیل کی آنکھوں سے پانی چھلک پڑا تھا جسے حمدان نے اپنی انگلیوں کی پوروں سے صاف کرنا چاہا لیکن رابیل کی جان اٹک گئی تھی......حیا سے چہرہ بوجھل ہوگیا تھا تب اس نے قریب میز پر رکھا ٹشو باکس اس کی طرف بڑھایا۔

”پلیز مجھے جانے دیں۔“ رابیل آنسو نزاکت سے ٹشو میں جذب کرتی منمنائی۔

”ٹھیک ہے...... لیکن اگر دوبارہ اپنی حسین آنکھوں کو یہ دردناک زحمت دی تو میں انہیں چننے میں کسی کی موجودگی کا بھی احساس نہیں کروں گا۔“ کتنا خوب صورت اعتراف تھا......رابیل کی روح تک سرشار ہوگئی تھی۔ اس کے آنسوؤں پر چوٹ کرتے......اس کی کیئر کرتے کتنا اچھا لگ رہا تھا۔ رابیل کمرے سے جاچکی تھی لیکن اس کی خوشبو حمدان شاہ محسوس کررہا تھا۔

”اُف......یہ محبت......کیا ہو تم رابیل شاہ......میری باربی ڈول۔“ رابیل کو سوچتے ہوئے وہ مسکرادیا۔

☆☆☆

بارات کے دن بھی رابیل بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ پلم اور فان کلر کی کامدار لانگ شرٹ کے ساتھ چوڑی دار پاجامہ پہنے حمدان شاہ کی یعنی دانی کی ڈول ہی لگ رہی تھی۔

وہ مسلسل حمدان کی نظریں خود پر محسوس کررہی تھی لیکن اس بات سے انجان تھی کہ کسی اور کی نظریں بھی کب سے اس کے وجود سے لپٹی ہوئی ہیں۔ رات گئے تک بارات لوٹی تھی۔ رسموں سے فارغ ہوتے ہوئے

خاصا وقت ہو گیا تھا...... وہ بھی کپڑے تبدیل کر کے بھاری جیولری جو تائی اماں نے اسے پہننے کو دی تھی واپس کرنے ان کے کمرے میں جا رہی تھی کہ کاریڈور میں زید حسن کو کھڑا پایا، وہ کچھ پزل ہوئی کیونکہ وہ صرف بھائی کا دوست تھا۔ رابیل اس کے پاس سے نکلنا چاہتی تھی لیکن زید کا لمبا چوڑا وجود راہداری میں اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔

''ایکسکیوزمی ......'' مجال ہے جو زید صاحب کے کان پر جوں تک رینگی ہو۔ وہیں کا وہیں کھڑا رابیل کو یک ٹک گھورنے میں مصروفِ عمل......اور وہی ہوا جس کے ڈر سے رابیل کو یہاں سے نکلنے کی جلدی تھی۔ حمدان کا چہرہ ایک دم زید کے پیچھے سے نظر آیا۔

''زید بھائی کچھ چاہیے تھا کیا آپ کو؟'' حمدان کے بولنے پر زید حال میں لوٹا اور کچھ ڈرا بھی ......

''ہاں......وہ......میں پانی لینے جا رہا تھا۔'' زید اس کی طرف مڑ کر بولا۔ حمدان کے اعصاب تن گئے تھے۔ زید تو پانی لینے چلتا بنا پر رابیل کی تو جان پر بن آئی تھی۔ حمدان جن نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا وہ اسے درگور کرنے کے لیے کافی تھیں۔

''اور تم......اس وقت یہاں کیا کر رہی تھیں؟'' حمدان کی انگلیاں رابیل کے بازو میں پیوست ہو کر رہ گئی تھیں۔

''وہ میں......میں یہ زیور تائی جان کو دینے جا رہی تھی۔'' حمدان کے خوف سے رابیل کے منہ سے بے ربط جملہ ادا ہوا۔ نگاہیں نیچے تھیں، پلکیں لرز رہی تھیں۔

''اور راستے میں گپ شپ کرنے کھڑی ہو گئیں؟'' اس سے پہلے کہ رابیل کوئی جواب دے پاتی حمدان نے اسے ایک جھٹکے سے چھوڑا کہ اس کا سر دیوار سے ٹکرا گیا تھا۔ شدید ٹیس اٹھی تھی لیکن حمدان کے خوف سے منہ بند تھا۔ آنکھیں چھلکنے کو تھیں کہ حمدان کا کہا گیا حکم یاد آ گیا۔

''اب جاؤ اور دوبارہ کبھی مجھے اس طرح دندناتی ہوئی نظر آئیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا......اور یہ تم اچھے سے جان چکی ہو اور یہ زیور مجھے دو......میں خود امی کو دے دوں گا۔'' اس کے ہاتھ سے زیور تقریباً چھینتے ہوئے وہ دہاڑا تھا۔

حکم سنتے ہی وہ اپنے کمرے کی طرف بھاگی تھی۔ اور اندر آتے ہی بیڈ پر اوندھے منہ لیٹ کر رونے کا شغل شروع کر چکی تھی۔

ڈانٹ پر درد اور دکھ اتنا نہیں ہوا جتنا حمدان کی سوچ اور لہجے پر ہو رہا تھا۔

☆☆☆

شادی کے ہنگامے ختم ہوئے تو سب اپنی، اپنی روٹین پر واپس آ گئے تھے۔ حمدان نے ابھی واپس جانے کا ارادہ ترک کر کے آفس جوائن کر لیا تھا۔ زندگی رواں دواں تھی کہ ایک دن فضا میں ارتعاش سا پیدا ہوا جو رابیل اور حمدان کو اپنی لپیٹ میں لے گیا۔

زید حسن کے والدین رابیل کے لیے زید کا رشتہ لے کر آ پہنچے۔ اتفاق سے سب ہی گھر پر تھے سوائے حمدان کے۔

زید حسن کے والدین کا سوال سن کر سب ہی چپ ہو گئے تھے۔ دادو نے تو رابیل کے لیے حمدان کو چن رکھا تھا۔ تایا جان اور تائی جان کی بھی یہی خواہش رکھتے تھے اور زمان شاہ، امان شاہ بھی بچھڑی بہن کو اب خود سے دور بھیجنا نہیں چاہتے تھے۔

☆☆☆

''دیکھیں اماں بی......ہمیں جواب ہاں میں چاہیے...... ہمارے زید کو تو آپ سب جانتے ہی ہیں۔'' مسز حسن نے اماں جان سے اپنائیت بھرے لہجے میں خواہش کا اظہار کیا۔

''ایکسکیوزمی ایوری ون، رابیل...... پہلے رابیل منہاج شاہ تھی لیکن اب وہ مسز رابیل حمدان شاہ ہے۔'' حمدان کے انکشاف پر سب ہکا بکا ہو گئے۔ گھر میں قدم رکھتے ہی حمدان کو معاملے کی بھنک پڑ گئی تھی اس نے سب بتانے کا فیصلہ کر لیا تھا تا کہ مزید کوئی پیش

رفت نہ ہو۔

زید کے والدین تو شرمندہ ہو کر چل دیے تھے۔ جبکہ باقی گھر والے اس انکشاف پر حمدان کو گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ کوئی چاہ کر بھی یقین نہیں کر پا رہا تھا کہ یہ سب کب اور کیسے ہوا اگرچہ دل میں تو یہی خواہش تھی۔

سب کی نظروں کو خود پر مرکوز دیکھ کر حمدان نے آرام سے بیٹھ کر دادو کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر سب سچ، سچ کہہ سنایا سب نے ٹھنڈے دماغ سے سنا تھا ویسے تو سب ٹھیک لگا تھا بس انداز درست نہیں تھا۔

خیر...... کسی نے اس بات کو لے کر ناراضی ظاہر نہیں کی تھی بلکہ کھلے دل سے سب کچھ قبول کیا تھا۔

اچانک خیال آنے پر دادو نے رابیل کو بلانے کے لیے شازمہ (زمان کی بیوی) کو بھیجا...... دروازہ کھولتے ہی شازمہ کی چیخ نکل گئی۔ رابیل اوندھے منہ کارپٹ پر پڑی تھی اور سر سے خون جاری تھا۔

شازمہ کی چیخ سن کر سب سے پہلے حمدان اور پھر پیچھے سب بھاگے تھے۔ اندر کا منظر سب کے لیے دل گرفتہ تھا۔ حمدان نے آگے بڑھ کر رابیل کا چہرہ تھپتھپایا تھا لیکن رابیل نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ رابیل کی رنگت بھی زرد ہو رہی تھی۔ حمدان نے اسے بانہوں میں لیا اور گاڑی کی طرف دوڑ لگا دی۔

☆☆☆

زید حسن کے پروپوزل کا سن کر رابیل کے کان سائیں، سائیں کی آوازوں سے گونج اٹھے تھے...... وہ تو کپڑے پریس کرنے کے لیے گیلری کی طرف آئی تھی۔ جب کانوں میں یہ بات پڑی...... قدم تھم گئے تھے۔ وہ دروازے کی اوٹ میں کھڑی بات سن رہی تھی جب حمدان کو آتے دیکھا۔ وجود سے جان نکلتی محسوس ہوئی۔ ٹانگیں کھڑے، کھڑے جواب دینے لگی تھیں۔ اور پھر سب کے سامنے حمدان کا انکشاف...... الٹے قدموں روم کی طرف بھاگی تھی۔ آنکھوں سے ایک دریا رواں ہو گیا تھا۔

سب کیا کہیں گے...... کیا اب اس سے بھی سوال جواب ہوں گے۔ عدالت لگائی جائے گی...... ایک بار پھر محبتوں سے دست بردار ہونا پڑے گا لیکن اب ان محبتوں، اپنوں کے بنا جینا ناممکن ہے۔ اور پھر رابیل کی آنکھوں میں تاریکی اتر آئی تھی...... وہ اپنے حواس کھو چکی تھی اور اسی حالت میں گرتے ہوئے اس کا سر اس مضبوط کارنس کے کونے سے ٹکرایا تھا۔

☆☆☆

گھر کے سب افراد اسپتال کے کاریڈور میں کھڑے ڈاکٹر کا انتظار کر رہے تھے جو اپنی ٹیم کے ساتھ رابیل کو چیک کر رہا تھا۔

اماں جان ایک کونے میں بیٹھی اپنی پوتی کے لیے آنسو بہا رہی تھیں تو تائی جان بھی اپنی لاڈلی کے لیے پریشان تھیں۔ زمان اور امان شاہ بے بسی سے بیٹھے تھے جبکہ حمدان علی شاہ خوف اور اذیت کے عالم میں کاریڈور کے چکر کاٹ رہا تھا۔

حمدان کو سمجھ آ گئی تھی کہ رابیل کیسے اور کیوں اس حال کو پہنچی ہے۔ وہ گھر میں داخل ہوتے ہی رابیل کو گیلری میں دیکھ چکا تھا۔ سوچا تھا کہ چلو رابیل کو سب کے سامنے اپنا کہہ دینے سے رابیل کو سکون حاصل ہو جائے گا۔ لیکن رابیل کا ری ایکشن بالکل مختلف تھا جو اسے پریشان کیے دے رہا تھا۔ ڈاکٹر کو آئی سی یو سے نکلتے دیکھ کر حمدان کے قدم تھم گئے تھے جبکہ باقی سب افراد بھی اٹھ کر ڈاکٹر کے قریب آ گئے تھے۔

”ڈاکٹر صاحب کیسی ہے رابیل......؟“ سب سے پہلے حمدان نے بے چینی سے استفسار کیا۔

”کیا ریلیشن ہے آپ کا پیشنٹ سے؟“

”وہ میری وائف ہیں۔“

”او کے فائن......! تو پھر آپ میرے روم میں آ کر میری بات سنیں۔“ سب تو ڈاکٹر کے روم میں جا نہیں سکتے تھے تو حمدان، امان اور زمان ہی ڈاکٹر کے روم میں چلے گئے۔

سب ڈاکٹر صاحب کے بولنے کا انتظار کرنے

لگے جو ایک کال پر بزی تھے۔ ڈاکٹر صاحب کال ختم کر کے ان تینوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

''جی تو مسٹر حمدان! کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ پیشنٹ کے ساتھ کیا پرابلم ہے جو انہیں مسلسل ڈسٹرب کر رہا تھا؟''

''جی...... جہاں تک میرا خیال ہے ایسا تو کوئی پرابلم نہیں ہے۔''

''لیکن پیشنٹ نے بہت ٹینشن لی ہے کسی چیز کی اور مسلسل ٹینشن لی ہے جس سے انہیں نروس بریک ڈاؤن ہوا اور گرتے ہوئے سر میں شدید چوٹ بھی لگی۔''

ڈاکٹر صاحب کا انکشاف سن کر سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے کیونکہ زمان شاہ اور امان شاہ کو تو کوئی ایسی بات یاد نہیں آرہی تھی جو رابیل کے لیے ٹینشن کا باعث بنتی...... ہاں حمدان جانتا تھا سو نظریں نیچی کر گیا۔

''ابھی پیشنٹ کی حالت کچھ زیادہ بہتر نہیں ہے...... اگلے چھتیس گھنٹے انتہائی اہم ہیں۔ شکر ہے زخم زیادہ گہرا نہیں ہے۔'' سب کے چہروں کے رنگ یک دم اُڑ گئے تھے۔

''پریشان مت ہوں...... بس اس ذات سے دعا مانگیں۔''

''کیا ہم اسے دیکھ سکتے ہیں؟'' حمدان کی...... بے چینی کسی طور کم نہیں ہو رہی تھی۔

''آں، ہاں...... او کے لیکن صرف آپ دیکھ سکتے ہیں کیونکہ آپ ان کے ہزبینڈ ہیں۔''

رابیل کے ماتھے پر پٹی بندھی تھی۔ ایک ہاتھ پر ڈرپ لگی تھی اور دوسرے ہاتھ کی نبض میں خون کی ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ ہوش و حواس سے بیگانہ، زرد چہرہ لیے وہ حمدان شاہ کے دل میں اتر رہی تھی۔

کتنی پیاری ہے وہ حمدان شاہ کو...... اس کی زندگی کا حاصل ہے رابیل کی ذات...... پچھلے دو سالوں میں کتنا چاہا تھا حمدان شاہ نے اسے۔

''کاش رابیل تم جان پاؤ کہ تم کتنی عزیز ہو مجھے......'' حمدان اس کا ہاتھ تھامے اس پر جھکا اسے داستانِ دل سنا رہا تھا۔

''تم سے بدلہ لیا تھا لیکن دیکھو تم نے بدلہ لینے کی سزا بھی دے ڈالی۔ اپنے پیار کی بیڑیاں میرے قدموں میں ڈال دیں، اسیر کر لیا مجھے۔ پچھلے دو سال تمہیں سوچتے، تمہیں چاہنے میں گزار دیے...... اور دیکھو قدرت نے تمہیں مجھ سے ملا دیا...... میری باربی ڈول کی صورت میں...... مگر پھر......'' حمدان کے آنسو رابیل کے ہاتھ بھگو رہے تھے...... حمدان کی آنکھیں شدتِ غم اور درد سے سرخ ہو گئی تھیں۔

''اور اب جب اپنا بنانے کا ٹائم آیا ہے تو تم روٹھ گئی ہو۔''

ابھی تو حمدان بہت کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن ڈاکٹر صاحب کا ہاتھ اپنے کاندھے پر محسوس کر کے وہ سیدھا کھڑا ہوا۔ لیکن جاتے سمے دروازے سے پھر رابیل کی سمت بڑھا۔

اس کی بے داغ پیشانی پر بکھرے بالوں کو سمیٹ کر بڑی نرمی سے اپنے لب اس کی جلتی پیشانی پر رکھ دیے۔ پیشانی پر لب رکھتے ہی حمدان کے آنسو پھر بند توڑ چکے تھے۔

اور پھر امان شاہ نے اندر آ کر اسے بازوؤں کے گھیرے میں لیا تھا اور خود بھی اپنی بہن کے لیے رونے لگے تھے۔

دونوں نے کتنی خوب صورت محبت کی تھی پاکیزہ محبت...... حمدان کی حماقت نے اس محبت کو داغ دار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن شاید قدرت کو ان دونوں کو ایسے ہی ملانا تھا۔

رابیل کے لیے تو حمدان شاہ اس کی پہلی نظر کی محبت تھا جسے اس نے سینت، سینت کر رکھا تھا۔ خود اپنے دل تک کو بھنک نہ پڑنے دی تھی۔

حمدان شاہ کی ذات اسے ہمیشہ سے ہی ہرٹ کرتی آئی تھی لیکن اب اس نے محبت کے جذبے پر ایمان لا کر سب کچھ بھلا دیا تھا۔ بس وہ حمدان شاہ کی توجہ اور محبت

میں زندگی کی طرف قدم بڑھانا چاہتی تھی لیکن پھر اپنوں سے جدائی کا خوف اسے بستر سے لگا گیا تھا۔

حمدان شاہ نے بھی اس سے محبت کی تھی۔ بہت شدید محبت...... لیکن اس محبت کا ادراک اسے بعد میں ہوا تھا۔ جب وہ خود سے لڑ، لڑ کر تھک گیا تو اس نے تمام ہتھیار ڈال دیے۔ محبت کے آگے اپنی شکست تسلیم کرلی۔ رابیل کو سوچ کر زندگی خوب صورت لگنے لگی لیکن اندر ایک خوف کنڈلی مارے بیٹھا تھا کہ رابیل کہیں اس سے کھو نہ جائے اور پھر اپنی حماقت پر شرمندگی بھی ہوتی تھی۔ سوچتا تھا کہ اسے پا کر اس سے معافی کی درخواست کرلے گا پاکستان آتے ہی خوشیاں اس کا مقدر بنی تھیں لیکن پھر رابیل سے ناتا مضبوط ہونے کے بجائے کمزور ہوتا گیا۔ حمدان جتنا اسے سمیٹنا چاہتا تھا، وہ اتنا ہی بکھر گئی تھی اور اب بچھڑنا چاہتی تھی لیکن حمدان صرف مر کر ہی اسے جدا کر سکتا تھا۔

ہمیشہ سے ہی اس نے رابیل کو اپنے سخت لہجے کا عادی بنا دیا تھا لیکن اب اسے اپنی محبت کا یقین بڑی نرمی اور پیار سے دلاتا تھا۔

جانے کب دونوں کا ہجر تمام ہو...... جانے کب ملن رُت بہار بن کر زندگی میں آئے اور دونوں کو پیار کی بارش میں بھگو جائے۔

☆☆☆

اماں جان نے حمدان کی حالت دیکھتے ہوئے اسے زبردستی گھر بھیج دیا تھا تاکہ کچھ دیر کی نیند اسے تکلیف دہ سوچوں سے دور لے جائے لیکن اپنی زندگی کو اپنے ہی ہاتھوں اس حال میں دیکھ کر نیند کب کسی کی آنکھوں کا مقدر بنتی ہے...... گھر پہنچتے ہی وہ رابیل کے کمرے میں گیا۔ پاکستان آنے کے بعد آج صحیح طور پر وہ اس کے کمرے کی ایک، ایک چیز کا جائزہ لے رہا تھا۔

اس کی ڈریسنگ ٹیبل پرفیومز اور دیگر اشیا سے بھری پڑی تھی ساتھ ہی ایک بریسلیٹ پڑا تھا۔ اسے ہتھیلی پر رکھ کر حمدان نے بے ساختہ چوما تھا۔ اب وہ بیڈ پر بیٹھ کر تکیے کو درست کرنے لگا جبھی اسے ایک ڈائری نظر

## غزل

بے شک نہ میرے ساتھ سفر اختیار کر
اے میرے بدگمان میرا اعتبار کر
وہ خود تو تتلیوں کو لیے گھومتا رہا
اور مجھ کو خط میں لکھتا رہا انتظار کر
اب ان کے قافلے تو کہیں دور جا چکے
جن کی طلب میں آئے تھے صحرا گزار کر
میں نے تو تیرے ہجر کا دکھ جھیل ہی لیا
اب تو بھی خود کو وقفِ رہِ انتظار کر
کب ہو سکی ہے ان کی سمندر سے دوستی
مٹی کے ان گھروندوں پہ کم انحصار کر
فرصت ملے تو دیکھ میرے دل کے آئینے میں
آنکھوں سے اپنے کاغذی پردے اتار کر

مرسلہ: امینہ عندلیب، سلانوالی

## گونگی ہوگئی زبان

گونگی ہوگئی آج کچھ زبان کہتے کہتے
ہچکچا گیا میں خود کو مسلمان کہتے کہتے
یہ بات نہیں کہ مجھ کو اس پر یقین نہیں
بس ڈر گیا خود کو مسلمان کہتے کہتے
توفیق نہ ہوئی مجھے اِک وقت کی نماز کی
اور چپ ہوا موذن اذان کہتے کہتے
کسی کافر نے پوچھا یہ کیا ہے مہینہ
شرم سے پانی ہاتھ سے گر گیا رمضاں کہتے کہتے
میری الماری میں گرد سے اٹی کتاب کا پوچھا
میں گڑ گیا زمین میں قرآن کہتے کہتے
یہ سن کر چپ سادھ لی اقبال اس نے
یوں لگا رک گیا وہ مجھے حیوان کہتے کہتے

شاعر: علامہ اقبال
انتخاب: زرینہ خانم لغاری، مظفر گڑھ

آئی...... بڑی نفیس ڈیپ ریڈ اور سلور رنگ کے امتزاج کی ڈائری...... جس سے اس نے ڈائری کھول لی۔

''رابیل حمدان علی شاہ......'' جلی حروف میں لکھے یہ الفاظ اس کی آنکھیں بھگو گئے۔ نام کے ساتھ ہی سرخ مارکر سے دو دل بنے ہوئے تھے جو بنانے والے کا سب سے خوب صورت شاہکار لگ رہے تھے۔

''ڈائری لکھنے کی کبھی عادت نہیں تھی لیکن تمہاری یاد، تمہاری چاہت اور اب تمہاری محبت نے مجبور کر دیا ہے کہ اپنے دل کی باتیں تم سے شیئر کروں۔ تم پاس نہیں ہو ناں...... جانے تم کہاں ہو، تمہیں کہاں ڈھونڈوں میری منزل......؟ تم سے میرا ملنا کبھی یادگار نہیں رہا تو پھر یہ چاہت اور محبت کے جذبے کیسے میرے اندر پنپنے لگے۔ ماضی کی تلخ یادوں کو پیچھے چھوڑ کر تمہاری چاہ میں بہت آگے نکل آئی ہوں، تمہیں اپنے درد کا درماں بنانا چاہتی ہوں۔ لوٹ آؤ، دیکھو میں اب تمہاری رابیل ہوں، صرف تمہاری...... میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ جس روز تمہیں دیکھا تھا اسی روز سے تم میرے خوابوں میں آ بسے تھے۔ میں تمہارے ساتھ پرستان کا سفر کر آئی ہوں حمدان شاہ......! کیا میری چاہت میں کوئی کمی ہے جو تم نے پلٹ کر دیکھنا گوارا نہیں کیا۔ ایک لڑکی کے لیے عزت ہی تو سب کچھ ہوتی ہے۔ کردار ہوتا ہے بس کردار کی حفاظت کی خاطر تم سے برا سلوک کر گئی اور تم نے کتنی حسین سزا دی کہ اپنا بنا ڈالا۔ اے میرے اللہ! حمدان کو ملا دے مجھ سے، میں تجھ سے کچھ نہیں مانگوں گی بس حمدان شاہ کو واپس لوٹا دے...... اس کے دل میں میری چاہت ڈال دے۔'' اتنی شدت تھی رابیل کی محبت میں...... حمدان پھوٹ، پھوٹ کر رو دیا۔ رابیل کی دعا قبولیت کے درجے کو پہنچ گئی تھی...... جس لمحے وہ دعا کر رہی تھی اسی لمحے حمدان کا دل اسے رابیل کی طرف کھینچ رہا تھا۔ حمدان نے آگے پڑھنے کو جلدی، جلدی صفحے پلٹتے تھے۔

''اور حمدان شاہ تم مجھے زندگی کے کس موڑ پر ملے اور وہ بھی کس روپ میں...... آج مجھے لگتا ہے زندگی مکمل ہو گئی...... میری وہ سوچیں جو ادھوری تھیں، آج مکمل ہو جائیں گی...... میں خوش گمان ہوں...... مجھے کیوں لگتا ہے کہ تمہیں صرف میری چاہت کھینچ لائی ہے۔ تم میرے وہ دوست تھے بچپن سے جسے میرا درد برداشت نہیں ہوتا تھا۔ حمدان شاہ مجھے لگتا ہے کہ ہم اس دنیا میں ایک دوسرے کے لیے ہی اتارے گئے ہیں۔ میرے اللہ نے تمہیں لوٹا دیا حمدان بس اب ہمارا ملن ہو جائے تو میں تمہارے ساتھ اس رب سوہنے کے در پر حاضری لگاؤں گی اس کا شکر ادا کرنے کو۔''

تو گویا رابیل اسے حد سے زیادہ چاہنے لگی تھی۔ اس کی چاہت اور محبت کا اندازہ تو اب ہو رہا تھا حمدان کو...... وہ تو سمجھتا تھا کہ شاید رابیل ناراض ہوگی...... کوئی گلہ، کوئی شکوہ تو ضرور کرے گی یہاں تو رابیل نے محبت کے آگے باقی سب ناراضیاں بھلا ڈالی تھیں۔

''حمدان شاہ...... تم نے اچھا نہیں کیا...... تم نے مجھے غلط سمجھا۔ میں بری لگتی ہوں ناں، اسی لیے تم ہر موقع پر مجھے جھڑک دیتے ہو۔ حمدان میں تمہارے ساتھ زندگی کے لمحات کو خوب صورت بنانا چاہتی ہوں۔'' الفاظ تھے کہ دو دھاری تلوار...... حمدان شاہ پل، پل کٹ رہا تھا۔

''رابیل شاہ اب میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا، تمہاری محبتوں اور شدتوں کا اندازہ ہو چکا ہے...... مجھے بس اب تمہیں اپنی محبت کا یقینِ کامل دلانا ہے۔'' آنسو صاف کرتے ہوئے ڈائری کو سینے سے لگائے وہ رابیل کے کمرے سے باہر آ گیا تھا۔ اب اسے بڑوں کو درخواست پیش کرنا تھی اب اسے زیادہ دیر رابیل کو خود سے الگ نہیں رکھنا تھا۔ اسے اپنی زندگی میں باضابطہ طور پر شامل کر کے محبتوں پر اس کا یقین قائم کرنا تھا۔ اسے اپنی ذات کا مان بخشنا تھا۔

☆☆☆

سب کی دعائیں، حمدان شاہ کی محبت اور بے انتہا خیال رابیل کو دنیا میں واپس لے آئی تھی۔ وہ زندگی کی طرف لوٹ آئی تھی۔ اسے اپنوں نے بے اماں نہیں کیا

تھا سب اسے پہلے سے بھی زیادہ چاہ رہے تھے۔
گھر آتے ہی دادو نے اسے اس کی رخصتی کا بتایا تھا جس سے رابیل پر شادیِ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ خوشی تھی کہ صحرا میں بھٹکتے، بھٹکتے اب منزل پر قدم دھرنے کا وقت آ گیا تھا۔ اور غم تھا کہ اس کے پیارے ماں، باپ اس موقع پر ساتھ نہیں تھے لیکن باقی محبتوں کو دیکھتے ہوئے اس نے یہ رضائے الٰہی سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔ آج وہ مسز حمدان علی شاہ بنی پورے استحقاق کے ساتھ حجلۂ عروسی میں بیٹھی تھی۔

آف وائٹ لانگ شرٹ اور اورنج، ریڈ امتزاج کا لہنگا پہنے، ڈیپ ریڈ اور آف وائٹ کلر کا بھاری کام کا دوپٹا اوڑھے...... حسین اور قیمتی زیورات پہنے...... حنا لگے ہاتھوں سمیت وہ کسی پرستان سے آئی پری لگ رہی تھی۔ یہ سب حمدان شاہ نے خود اپنی پسند سے لیا تھا۔ شادی تک وہ اس کے سامنے تو نہیں آیا تھا لیکن عرشیہ کے ہاتھ سب بھجوا دیا تھا۔ رابیل کو بہت اچھا لگا تھا کہ سب کچھ حمدان کی پسند کا تھا۔ آج سب نے ان کی جوڑی کو بلاشبہ سراہا تھا۔ حمدان شاہ بھی کامدار کالر کی بلیک شیروانی پہنے، کوئی سا کسی شہزادے سے کم لگ رہا تھا۔ دادو تو دونوں کے صدقے واری جا رہی تھیں...... اگر رابیل ان کی جان تھی تو حمدان ان کی آن بان ...... تایا جان اور تائی جان نے ساس، سسر یا تایا، تائی سے بڑھ کر ماما جانی اور پاپا جانی کا کردار نبھایا تھا۔ رابیل کو اپنی نیک تمناؤں اور دعاؤں کے سائے میں رخصت کیا تھا حالانکہ آنا تو رابیل نے ان کے گھر ہی تھا لیکن انہوں نے یہ سب اس کی محبت میں کیا تھا کہ اسے آج ماما جانی اور پاپا جانی کی یاد نہ آئے۔

عرشیہ اسے بار، بار مذاق سے تنگ کر رہی تھی کہ ”تمہارا نمبر پہلے لگ گیا چھپی رستم...... میں آہیں بھرتی رہ گئی......“ حمدان کی جلدی پر سب رخصتی کو راضی ہو گئے تھے نمبر تو پہلے امان شاہ کا تھا لیکن پھر عرشیہ کی جاب اور امان شاہ کی ڈگری...... اس لیے پھر ان کی شادی بعد میں طے کر دی گئی۔

رابیل کو بہت اچھا لگ رہا تھا...... وہ کمرے کی ایک، ایک چیز کا جائزہ لے رہی تھی کہ دروازہ کھلنے کی آواز پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

حمدان نے آہستہ قدموں سے آ کر بیڈ پر رابیل کے برابر بیٹھتے ہی اس کا مہندی سے بھرا ہوا مرمریں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ رابیل نے مزاحمت تو نہیں کی تھی لیکن ایک ڈر اب بھی اندر کہیں تھا کہ حمدان شاہ پھر نہ کچھ کہہ دے۔ اس لیے ہاتھ کانپ رہے تھے، گھنی پلکیں لرز رہی تھیں، گال دہک رہے تھے اور حمدان کو یہ منظر دنیا کا خوب صورت ترین منظر لگ رہا تھا۔ وہ اس کی کیفیت سے بھرپور لطف اندوز ہو رہا تھا۔

”رابیل اِدھر دیکھو میری طرف۔“ یہ کہنے کی دیر تھی کہ رابیل اور گردن جھکا گئی۔ حمدان نے کچھ پل انتظار کیا اور پھر اپنی انگلی سے اس کی ٹھوڑی کو اوپر اٹھایا اور اٹھنے کی دیر تھی کہ رابیل کے گالوں پر آنسو لڑھک گئے۔

”ارے، ارے یہ کیا...... تمہیں یاد ہوگا ناں میں نے کیا کہا تھا کہ اب اگر تم روئیں تو یہ آنسو کیسے چنوں گا؟“ اور رابیل اٹھ کھڑی ہوئی...... ہاتھ چھڑاتے ہی وہ گلاس ونڈو کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ حمدان نے ایک نظر رابیل کو دیکھا اور پھر وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

”ناراض ہے میری باربی ڈول۔“ رابیل کی کمر کے گرد اپنی بانہوں کا گھیرا بنا کر اپنی ٹھوڑی رابیل کے کاندھے پر ٹکائے بولا۔

یہ کہنے کی دیر تھی کہ وہ بے تحاشا رونے لگی...... حمدان نے اسے رونے دیا تھا۔

”جانتا ہوں، تمہیں مجھ سے بہت سی شکایتیں ہوں گی لیکن تمہارے دل میں چھپی اپنی محبت کو بھی جانتا ہوں میں۔“

رابیل نے حیرانی سے بھیگی پلکیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ حمدان نے اپنی انگلیاں اس کے لرزتے ہونٹوں پر رکھ دیں۔

”نہیں، ابھی نہیں...... جو کچھ کہنا ہے تمہیں وہ

بعد میں...... اس وقت صرف میری سنو...... اور مجھے یقین ہے کہ میری بات سننے کے بعد کچھ کہنے کو باقی نہیں رہے گا۔'' وہ بات کرتے کرتے اسے تھام کر بیڈ تک لے آیا تھا۔

''تم آرام سے بیٹھو...... بالکل ریلیکس رہو باتیں بھی کرلیں گے۔'' وہ تکیے بیڈ کراؤن سے لگاتے ہوئے اسے اس طرح بٹھا رہا تھا جیسے وہ بہت کوئی نازک کانچ کی گڑیا ہو۔ اب وہ اس سے اپنی محبت اور چاہت کی بے قراریوں کی داستانیں سنا رہا تھا اور ساتھ ہی اپنے رویے کی اور زبردستی نکاح والی حرکت کی ڈھیروں معافی بھی مانگ رہا تھا۔

''اگرچہ بدلہ تو میں نے اپنی بے عزتی کا لے لیا تھا لیکن تم سے جان چھڑانا میرے بس میں نہیں رہا تھا۔ جب یونیورسٹی سے تھکا ہارا آتا تو تم شدت سے یاد آتیں۔ رات کو خوابوں کے سفر میں تم میرے ساتھ ہوتیں اور پھر پتا نہیں کیسے ایک سال گزر گیا اور اب اس یقین بھری دعا کے ساتھ پاکستان آیا کہ اے میرے اللہ رابیل شاہ جہاں کہیں بھی ہو...... مجھ سے آملے اور دیکھو تم مجھے مل گئیں اور میں بہت خوش ہوا یہ جان کر کہ تم ہی میری بچھڑی باربی ڈول ہو۔ بچپن سے ڈول کے ساتھ خود کو سوچتا آیا تھا...... پھر تم نے اپنا اسیر کرلیا۔ سوچتا تھا کہ اگر ڈول واپس آئی تو میں اسے کیسے بتاؤں گا کہ تمہیں سوچنے کے باوجود کوئی بڑے استحقاق سے میری سوچوں میں آبسا ہے لیکن اللہ نے مجھے شرمندہ ہونے سے بچالیا اور آج میں تمہارا ہوں صرف اور صرف رابیل شاہ کا......'' بات ختم کرتے ہی حمدان نے اسے خود سے اور قریب کرتے ہوئے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔

''اور یہ پاکستان آنے کے بعد جو مجھے ڈانٹتے رہتے تھے، وہ کیا تھا؟'' رابیل نے بھی آج ہی کلاس لینے کی ٹھان رکھی تھی۔

''ارے یار! وہ بھی ہمارے پیار کا ایک انداز تھا۔'' حمدان نے اس کی جانب جھکتے ہوئے کہا۔ رابیل نے منہ دوسری طرف کرلیا۔

''اور وہ جو تھپڑ مارا تھا اور پھر جو کہا تھا کہ مجھے تو تمہارے وجود سے بھی نفرت ہے۔'' آنکھیں ایک بار پھر سے چھلکنے کو تیار تھیں۔

''تب بے وقوف تھا، پاگل تھا، جنگلی تھا، معاف کردو یار......'' حمدان نے شرمندہ ہوکر ہاتھ جوڑے تو جھٹ رابیل نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''اور میرا تحفہ؟'' ایک دم کچھ یاد آنے پر رابیل نے سر اٹھا کر پوچھا۔

''کون سا......؟'' حمدان جانتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے لیکن جان بوجھ کر انجان بن رہا تھا۔ بس یہ کہنے کی دیر تھی کہ حمدان شاہ کی حسینہ ناراض ہوکر پھر سے ونڈو پر جا کھڑی ہوئی تھی۔

حمدان مسکرایا اور سائڈ ٹیبل کی دراز سے ایک مخملی کیس نکال کر چپکے سے اس کے پیچھے جا کر کھڑا ہوا۔

پھر کیس میں سے خوب صورت نازک سی چین نکال کر رابیل کے کاندھوں کے اوپر سے ہاتھ بڑھا کر اس کے دوپٹے کو پیچھے کرتے ہوئے وہ چین اس کی گردن میں پہنادی۔ اور پھر اسے کاندھوں سے پکڑ کر شیشے کے سامنے لاکھڑا کیا۔

جب رابیل نے شیشے پر نظر ڈالی تو مارے خوشی کے چیخ نکل گئی۔ چین کے پنڈولم میں اس کا نام رابیل حمدان لکھا ہوا تھا۔ اتنا حسین تحفہ...... رابیل کے سب گلے شکوے دور کرگیا تھا۔

''رابیل میں چاہتا ہوں کہ تم ہر بات بلا جھجک مجھ سے کہہ ڈالو...... کوئی خوشی ہو یا کوئی پریشانی...... میں ہر پل تمہارے ساتھ رہوں گا۔ تمہیں ہر لمحہ خوش رکھنے کی کوشش کروں گا۔ ہاں بس تم مجھ سے بدگمان نہ ہونا اور میں تمہارے لیے پیار میں کمی نہیں آنے دوں گا۔'' اب یہ سب باتیں اس کی آنکھیں اس سے کہہ رہی تھیں...... اور وہ سرشاری اسے دیکھے چلے جارہی تھی۔ بالکل کسی باربی ڈول کی طرح......





# کھیل کھیل میں

ز مسرت نعیم

دسمبر کا مہینہ اپنے جوبن پر تھا اور ساتھ ہی سردی بھی۔ رات کے وقت جھینگروں کی جھنکار اور مینڈکوں کا ٹرٹرانا ماحول کو اور دہشت زدہ بنا رہا تھا۔ ہاں اس سے ماحول پر چھائی خاموشی دم ضرور توڑ جاتی۔

یہ شہر کے مضافات سے بھی کافی دور ایک پسماندہ گاؤں تھا۔ یہاں کوئی سہولت نہیں تھی۔ غریب لوگ اپنی چند مرلہ زمینوں پر کاشت کاری کر کے اپنے لیے گندم اگا لیتے تھے تو ایسے خوش ہوتے تھے گویا ان کو

ہفت اقلیم میسر آ گئی ہو۔
اس گاؤں میں ایک واحد کریمو تھا جو ناچ گانے سے آخر کار اکتا کر ''دوستی اور شاندار حجامت، صرف کریمو سے '' نام کے ایک ڈھابے پر کام کر کے اپنی زندگی گزار رہا تھا۔ اول تو اس کی نیند پوری ہونے میں نہ آتی تھی، شام تک جو بھی سو دو سو کماتا، اپنی شلوار کی جیب میں اُڑس کر گھر کی راہ لیتا۔ اس کی بیوی... صغریٰ بھلی مانس تھی۔ وہ دو ناکارہ بھینسوں کو دیکھتی ما بھتی، جن سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ دودھ تو دیتی نہ تھیں اور اگر غلطی سے کبھی کوئی بچہ دے دیتیں تو دودھ کی کمی اور اس علاقے میں پڑتی شدید ٹھنڈ سے وہ اول تو بھوکا اور... بالآخر اکڑ کر مر جاتا۔
اس گاؤں کے مکینوں کے لیے خوشی اور مسرت کا صرف ایک ماہ تھا یعنی ''مارچ'' کا جس میں گاؤں میں شادیوں کا موسم چھا جاتا کہ دوسرے تمام ماہ شدید سردیوں یا گرمیوں کے تھے اور ان کی نظر میں شادیاں کرنے کے لیے قطعی ناموزوں۔
کریم محمد اور صغریٰ کے تین بچے تھے۔ بڑا بیٹا نزدیکی شہر سے بی اے کر کے فارغ تھا اور نوکری کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ درمیان میں بیٹی علینہ، نہم جماعت کی طالبہ تھی جبکہ سب سے چھوٹا تیمور، چوتھی کلاس میں پڑھتا تھا۔ بڑا شہر میں رہنے کی وجہ سے ٹی وی اور فلموں کا رسیا تھا اور اب اس پسماندہ گاؤں میں رہنے کے باوجود اس کے خواب آسمان سے باتیں کرتے تھے۔ لیکن ہائے رے افسوس...... بلی کے خواب میں چھیچھڑے...... چھوٹی علینہ پڑوس کے ٹیلی ویژن پر پروگرام دیکھتے، دیکھتے بیوٹیشن بننا چاہتی تھی۔ وہ شادیوں میں سج لدی پھندی ہوا کرتی تھی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ دنیا جہاں کی تمام آلائشیں اپنے گندے ہاتھوں، بھدے منہ اور میلے کچیلے گلے میں پھندے کی طرح لٹکا لے۔ چھوٹا تیمور شکار کا شوق رکھتا تھا۔ اکثر اس نے غلیل سے کئی چڑیوں اور کوؤں کو اگلے جہاں خالقِ حقیقی سے ملا کر شاید اپنا فرض ادا کیا تھا۔ ایک دفعہ یہ فرض ادا کرنے کے دوران غلیل کے کنکر کا ماسی ہاجراں جو پورے گاؤں میں شور کرنے کے لحاظ سے کافی مشہور تھی، نشانہ بنی، اس نے پھر خوب مرچ مسالے لگا کر کریمو کو جتایا۔ کریم محمد نے تیمور کے وہ لتے لیے کہ اس نے غلیل کو ترک کر دیا۔
ماسی ہاجراں، صغریٰ کی سگی خالہ تھیں ان کا ایک ہی بیٹا تھا جو زمانے سے آئرلینڈ میں مقیم تھا۔ بیوی بھی وہیں کی لے کر آیا تھا پچیس سالوں سے بیٹے کے واپس نہ آنے کی وجہ سے ماسی تھوڑا دماغی امراض کا شکار ہو گئی تھی۔
صغریٰ اور کریم محمد، تعلیم یافتہ نہ تھے لیکن وہ اپنے بچوں کو تھوڑا بہت تعلیم یافتہ دیکھنے کی خواہش دل میں رکھتے تھے۔ سلیم نے بی اے کے بعد پڑھنے سے انکار کر دیا تھا کہ مزید تعلیم کے اخراجات اس کے گھر والے نہیں اٹھا سکتے تھے بس ان میں ایک شدید خامی تھی کہ دونوں ہر وقت لڑائی جھگڑے میں مصروف رہتے، اس بات سے قطع نظر کہ ان کے لڑائی جھگڑوں کا ان کے بچوں کی نفسیات پر کیا اثر پڑ رہا ہے۔

☆☆☆

''کہاں سے آ رہی ہے تو......؟'' علینہ چپکے، چپکے چادر کے نیچے کچھ چھپائے اندر لیے جا رہی تھی۔ کریم محمد آج جلدی گھر آ گیا تھا کہ آج جمعہ تھا اور جمعہ کے بعد دیہاڑی بہت کم ہی لگتی تھی سو وہ آرام کرتا تھا۔ صغریٰ رات کا کھانا پانچ بجے ہی بنا دیتی کہ پھر اندھیرا بڑھ جاتا۔
''جی...... وہ...... کہیں سے بھی نہیں۔'' علینہ کی تو گویا سانس رک گئی۔
''اِدھر آ......'' کریم محمد نے غصے سے اسے اپنے پاس بلایا۔ وہ مزید سہم گئی۔
''وہ...... وہ...... کچھ نہیں...... ابا وہ شہناز سے اپنی کتاب لینے گئی تھی۔''
وہ ایک دم اٹھا اور علینہ کی چادر اٹھا کر اس کے

ہاتھ میں مضبوطی سے گرفتہ چیز کو زور سے اس کے ہاتھوں سے کھینچا۔ علینہ کی سانس رک گئی۔

''نی......کی مسئلہ ہو یا اے......'' (کیا مسئلہ ہوا ہے؟) صغریٰ پیڑا ہاتھ میں لیے دھواں، دھواں ہوتی کمرے سے باہر نکلی۔

''دیکھ......دیکھ اپنی بیٹی کے کارنامے......اور ڈھیل دے سب کو......دیکھ کیسی تصویروں کا رسالہ اٹھایا ہوا ہے اس نے......اسی لیے میری دیہاڑی صحیح نہیں لگ رہی۔ وجہ یہی منحوس تصویریں ہیں......دیکھ صغریٰ تیری تربیت......''

''اچھا، نی......کی ہویا......ساڈے گراں کی بالیاں بڑی چنگیاں نے......کج وی نئیں لکھیا بس ویکھ کنی سوہنی تصویراں نے۔'' صغریٰ نے پیڑا اسی طرح ایک ہاتھ میں اٹھایا۔ دوسرے سے ہاتھ نچا، نچا کر بات کر رہی تھی۔

''اور بول اور شہ دے ان کم بختوں کو......بے عقل عورت کون سی منحوس گھڑیاں تھیں جب میں نے تجھ سے نکاح کیا تھا۔'' کریمو ذرا سی بات پر آگ بگولا ہوا تھا اب نے مڑ کر بیٹی کی طرف دیکھا جو دھواں دھار رو رہی تھی۔

''چل دفع ہو......اندر......منحوس کہیں کی......جیسی ماں ویسی بیٹی......تیری ماں بھی لڑکوں سے بڑی اکھ مٹکیاں کیا کرتی تھی، سارے کس بل نکال دیے ہیں اس کے......آئندہ میں یہ منحوس رسالے نہ دیکھوں......دفع ہو اندر......'' کریمو نے کہا اور پاس رکھے موڑھے کو ٹھوکر لگائی۔

''تجھ کو اللہ پوچھے......کریمو، کیوں معصوموں کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔'' صغریٰ حیران سی کمرے میں چل پڑی۔ مزید بحث فضول تھی۔ علینہ دوسرے کمرے میں آ گئی تھی۔ کریمو نے ''لعنت ہو ان (گالی) پر۔'' کہتے ہوئے رسالہ تندور میں جھونک دیا۔ رسالہ دھڑ دھڑ جلنے لگا۔ ساتھ، ساتھ علینہ کا دل بھی......

''باپ ہے کہ جلاد......'' اس کی سوچوں کا محور

اس فقرے پر ٹوٹا۔

☆☆☆

مارچ کا مہینہ آیا چاہتا تھا۔ کریم محمد اور صغریٰ دونوں نے سلیم کی شادی کا سوچا...... وہ اب کچھ محنت مزدوری کرنے لگا تھا۔ اس کو صغریٰ کی بہن کی بیٹی ناعمہ اپنے سلیم کے لیے موزوں لگی۔ صغریٰ بھی خوش ہوگئی...... بیٹے نے تھوڑا احتجاج کیا کہ پہلے اسے کوئی اچھی نوکری ڈھونڈنے دی جائے لیکن ہمیشہ کی طرح اس گھر کا قانون...... اُف...... نہ بدلنے والا...... نہ کچھ سننے والا چنانچہ مارچ کے دوسرے ہفتے ناعمہ، سلیم کی دلہن بن کر کریم محمد کے گھر پہنچ چکی تھی۔

☆☆☆

موسم گرما کا آغاز ہو چکا تھا۔ آج آسمان نیلگوں تھا۔ کئی دن سے بارش نہ ہوئی تھی تو سورج نے گرمی دکھانا شروع کردی تھی...... مئی کا مہینہ میدانی علاقوں کے لوگوں کے لیے تو واقعی ایک امتحان ہوتا ہے مگر یہاں تین اطراف پہاڑ تھے اور سال کے تقریباً سات ماہ ٹھنڈ اور بارش میں ہی گزر جاتے، اس لیے گرمی اس علاقے کے لوگ کم ہی برداشت کرتے تھے۔ اس وقت آسمان پر شفق رنگ بھلا لگ رہا تھا۔

آج پھر صغریٰ اور کریمو کی کھٹ پٹ ہوگئی تھی جس کی وجہ سے کریمو روٹی کھائے بغیر اور صغریٰ کو دوزخی عورت کہہ کر چلا گیا تھا...... ناعمہ جب سے آئی تھی ان کی لڑائیاں ہی دیکھ رہی تھی، سلیم سخت پریشان تھا کہ ان حالات کو کیسے بہتر بنایا جاسکتا ہے۔

''دفع ہوجا...... نہیں کھانی میں نے تیرے ہاتھ کی روٹی منحوس عورت......'' سلیم نے غصے سے روٹی کی چنگیر پلٹی اور بکتا جھکتا اندر چلا گیا۔

''اے ہے کیا ہوا...... اس کو...... تمانے نے ٹورا نہ کھاندا۔'' ماں نے افسوس سے کہا۔ ناعمہ رونے لگی۔ سلیم کا پچھلے پانچ دن سے یہی وتیرہ تھا افسوس سے کہا وہ اس سے لڑتا جھگڑتا اور نوبت ہاتھا پائی تک آجاتی۔ صغریٰ اسی پر کافی پریشان ہوئی......

''تو کیا سلیم اور ناعمہ...... کریمو اور صغریٰ بنیں گے، نہیں میں یہ نہیں ہونے دوں گی۔'' صغریٰ نے کریمو کو بتایا۔ وہ بھی علیحدہ پریشان ہوا۔ اس کو دل سے ناعمہ اچھی لگی تھی جو اُن کے لیے ایک بہترین بہو ثابت بھی ہوئی تھی۔ پر بیٹے کے اس رویے نے ان کو ڈرا دیا۔ انہوں نے سلیم سے اس بابت پوچھا تو...... وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔

''میں اس عورت کو برداشت نہیں کرسکتا...... چلتا کر اسے ابا، منحوس ہے یہ...... زندگی عذاب کردی ہے اس نے...... بک، بک کرتی رہتی ہے۔ کالی زبان ...... کالی نیت والی...... میرے لیے ہی رہ گئی تھی...... ابا تو نے مجھ پر یہ ظلم کیوں کیا...... اور تو مجھ سے کیوں پوچھتا ہے۔ اپنا تو کیا تجھے کچھ پتا نہیں...... میری ماں بھی تو تیرے ساتھ اچھی نہ رہی...... تم نے کبھی پوچھا؟ تو بھی مجھ سے نہ پوچھ...... میں تیرے آگے پابند نہیں...... یہ میری ذمے داری ہے، میں جو کچھ مرضی کروں تو درمیان میں نہ بول...... میں اسے کچھ ہی دنوں میں طلاق......'' کریمو نے ایک زوردار طمانچہ گھما کر سلیم کے منہ پر رسید کیا اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی تھی۔

''خبردار جو اب کبھی اس طرح کی بکواس کی۔'' کریمو، جذباتی ہوگیا۔

علینہ الگ رو رہی تھی۔ صغریٰ علیحدہ ہائے، ہائے کررہی تھی۔ تیمور حیران تھا...... لیکن ان کو کیا پتا یہ ان کی پریشانیوں کا آخری دن تھا۔

سلیم غصے میں کمرے کی طرف بڑھ گیا، ناعمہ روتی ہوئی پیچھے لپکی...... دونوں کمرے میں گھس کر ہنسنے لگے۔ انہوں نے واقعی وہ کام کر دکھایا تھا جو کوئی اور نہ کرسکتا تھا۔

شام کا ستارہ ان کے اس منصوبے پر مسکرا رہا تھا اور آسمان پر چمکتا چاند ان کو خوب داد دے رہا تھا۔ کریم محمد اور صغریٰ کو سمجھانے کا بیٹا، بہو نے اچھا کھیل کھیلا۔







ناولٹ

# اک ذراسی لغزش سے

فرحین اظفر

''روحیہ اب آرہی ہو...... یہ ٹائم ہے آنے کا۔'' راحیلہ بیگم نے بیٹی کی شکل دیکھتے ہی دبی آواز میں برہمی ظاہر کردی۔

''امی، ارسل کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آنے سے پہلے بہت رورہا تھا۔'' وہ جو عبایا اتار کر اسکارف کی پن کھول رہی تھی۔ ایک لمحے کو رکی۔

''کیوں، اب اسے کیا ہوا؟'' انہیں مزید کوفت نے گھیرا۔

''ہونا کیا ہے، وہی معمولی نزلہ، زکام......مگر بچے چڑ چڑے ہو ہی جاتے ہیں۔'' اس نے بات کرتے ہوئے امی کے پیچھے نظر آتے چہرے کو دیکھا اور مسکرائی۔

''اچھا اب جلدی سے چلو......ماموں سے ملو......کب سے سب لوگ تمہارا پوچھ رہے ہیں۔''

راحیلہ بیگم کے بھائی کے نئے گھر کی خوشی میں تقریب تھی۔ تقریباً تمام خاندان ہی جمع تھا۔ دونوں ماموں، چچا، تایا کی فیملیز......وہ بھی ریں ریں کرتے ارسل کو گود میں اٹھائے خوش دلی سے سب سے ملتی رہی۔ ارسل سے بڑی ابیہ اس کی قمیص کا دامن پکڑے خاموش ساتھ ساتھ تھی۔

''امی، زونا کہاں ہے نظر نہیں آرہی؟'' سب سے ملنے کے بعد ایک طرف سکون سے بیٹھ کر اسے اپنی بہن کا خیال آیا۔

''اوپر ہے، کچھ دیر پہلے گئی تھی مائرہ کے ساتھ۔''

''اوپر؟ سب لوگ تو یہاں ہیں، وہ اوپر کیا کرنے گئی ہے۔''

''گھر دکھانے لے گئی تھی مائرہ، گھوم پھر رہی ہوگی۔'' راحیلہ بے پروائی سے بول کر اس کا جائزہ لینے لگیں۔ انہیں مستقل روبحہ کی گود میں چڑھے ارسل سے بھی چڑ ہو رہی تھی۔ روبحہ جو ماموں کے گھر کی تعریف کرتے والی تھی۔ ان کے اس طرح دیکھنے سے ایک دم جز بز سی ہوگئی۔ اسے اپنی ماں کی ان تنقیدی نگاہوں سے ہمیشہ خوف سا آتا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ہمیشہ کی طرح اسے کسی بات پر ٹوکتیں اس نے وہاں سے اٹھنا چاہا۔

''میں زونا اور مائرہ سے مل کر آتی ہوں۔''

''اوہو......دو گھڑی ماں کے پاس بھی بیٹھ جاؤ۔'' وہ واپس بیٹھ گئی جانتی تھی کہ امی اس کی محبت میں مجبور ہو کر نہیں بلکہ اپنے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے بٹھا رہی ہیں۔

''یہ بتاؤ لے کے کیا آئی ہو؟'' سب لوگ خوش گپیوں میں مگن تھے۔ اس نے محفل پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال کر سانس بھری۔

''ٹی سیٹ ہے ایک......اور......'' وہ جھجک سی گئی......''مامی کے لیے ایک رسٹ واچ ہے۔''

''اور......'' امی اب بھی منتظر تھیں۔

''اور کیا......کچھ اور بھی لینا تھا کیا؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے راحیلہ بیگم پر نظر ڈالی۔

''لو بھول گئیں، میں نے کہا تھا ناں کہ گولڈ کا لاکٹ یا بریسلیٹ لے لینا۔ وہی کیا ناں، یہ فضول چیزیں اٹھا کر لے آئیں، جس کی کوئی اوقات نہیں۔ کیا ٹھہریں گے ماموں کی نظر میں یہ ٹی سیٹ اور وہ معمولی گھڑی......ہونہہ۔''

''اوقات تو ان سے پوچھیں ناں......جن کے پاس یہ بھی نہیں۔'' وہ آواز دبا کر بڑبڑائی۔

''جن کو ان معمولی چیزوں سے فرق نہیں پڑتا انہیں بھلا گولڈ کے بوند برابر لاکٹ سے کیا فرق پڑ جانا ہے۔'' وہ صرف سوچ رہی تھی۔ یہ بات امی سے بولنے کا رسک لے لیتی ابھی وہ اتنی عقل سے پیدل نہیں ہوئی تھی۔

راحیلہ بیگم کے چہرے پر اب بھی غصے کے آثار نظر آرہے تھے۔ قبل اس کے کہ وہ ایک بار پھر اس پر چڑھائی کرتیں۔ صدف مامی ان کے نزدیک آگئیں۔

''آئیں راحیلہ آپا، کھانا لگ گیا ہے۔ آؤ روبحہ تم بھی۔'' وہ فوراً سے بیشتر اٹھ کھڑی ہوئی کیونکہ ماں کی نظروں کا سامنا کرنا مشکل ہوا جا رہا تھا۔

''یہ سامنے جو بیڈ روم ہے، میں بچوں کو لے کر وہاں جا رہی ہوں، اکیلے میں ذرا ایزی ہو کر کھلا دوں گی۔'' وہ جلدی، جلدی بول کر امی کے جواب سے پہلے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

کھانے کا دور ختم ہوا۔ زیادہ تر لوگ واپسی کے لیے پر تولتے صدف مامی سے اجازت طلب کر رہے تھے۔ اس نے گود میں لیٹے ارسل کو تھپکتے ہوئے کمرے کے کھلے دروازے سے راحیلہ بیگم کو دیکھا جو صدف مامی سے ہنس،

ہنس کر باتیں کر رہی تھیں۔ اسے حیرت سی ہوئی۔

راحیلہ اپنی نندوں اور بھاوجوں سے وہی روایتی چپقلش رکھتی تھیں۔ جو سسرالی رشتوں میں نہ چاہتے ہوئے بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ کم از کم اس کا اپنا یہی خیال تھا۔ کیونکہ وہ اپنے سسرالی رشتوں میں جان بوجھ کر دراڑیں نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔

جیسی وہ خود صاف شفاف ذہن و دل کی مالک تھی۔ ویسے ہی اپنی ماں اور بہن کو بھی سمجھتی تھی۔ یہی اس کی سادگی بھی تھی اور یہی اس کی غلطی بھی۔ نہ تو اس کی امی راحیلہ بیگم اتنی صاف نیت اور ستھرا مزاج رکھتی تھیں، نہ بہن......

''زونیرہ نظر ہی نہیں آئی۔'' اسے اپنی بہن کا خیال آیا۔ اسے دعوت میں آئے ڈیڑھ گھنٹا ہو چکا تھا۔ دعوت بھی قریب الختتم تھی اور زونیرہ کا کہیں پتا نہیں تھا۔

''کمال ہے، اتنی بے خبری اور لاتعلقی۔'' اسے امی کی بے خبری پر غصہ آیا۔ گود میں سوتے ہوئے ارسل کو بیڈ پر لٹا کر بیٹی کو اس کا خیال رکھنے کو کہا اور خود زونیرہ کی تلاش میں نکلی...... راحیلہ بیگم کو اس نے خود نہیں بتایا تھا۔ ورنہ وہ پھر اسے پکڑ لیتیں، یوں بھی اس نے ابھی تک ماموں کا گھر ہی نہیں دیکھا تھا۔ جس کی خوشی میں یہ دعوت ہوئی تھی۔ وہ گھر کی سجاوٹ اور بناوٹ دیکھتی اوپر چلی آئی۔

اوپر والے حصے میں سامنے والے کمرے کا دروازہ غالباً بند تھا۔ باقی پورشن میں زونیرہ اور مائرہ کہیں نہیں تھیں۔ اسے یوں بلا اجازت کسی کے بیڈ روم میں گھسنے میں جھجک سی محسوس ہوئی۔ جبھی اندر سے زونا کی دبی، دبی ہنسی کی آواز آئی۔ زونا یقیناً اندر تھی، وہ نزدیک گئی تو دروازے کو ایک جھری کھلا پایا۔

اس نے زونیرہ کی آواز سن کر دروازے کو دھکیلا تو وہ پورا کھلتا چلا گیا۔ نیت تو اس کی بہن سے مل کر خوش ہونے کی ہی تھی مگر وہ خوش ہونے کے بجائے ششدر رہ گئی۔ کمرے میں زونا کے ساتھ مائرہ نہیں شہریار تھا اور وہ لوگ جس انداز میں بیٹھے تھے انہیں ایک نظر دیکھ کر ہی صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ لوگ وہاں باتیں کرنے نہیں بیٹھے تھے۔

زونیرہ کی نظر روبیحہ پر پڑنے کی دیر تھی کہ وہ اسپرنگ کی طرح بیڈ سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

''روی تم...... تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' زونا کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

وہ کچھ دیر ملامتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ شہریار جو اٹھ کر بے پروائی سے اپنے سیل سے کھیل رہا تھا، روبیحہ اس پر ایک نگاہ غلط ڈالے بغیر سیڑھیاں اتر گئی۔ اس نے جاننے کی کوشش نہیں کی کہ زونیرہ اس کے پیچھے آ رہی ہے یا نہیں۔

☆☆☆

روبیحہ اور زونیرہ، احتشام صدیقی کی دو ہی بیٹیاں تھیں۔ ان سے بڑا ایک بیٹا راحیل تھا۔ راحیلہ بیگم نے اپنے تینوں بچوں کی تربیت اس انداز میں کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ ہر لحاظ سے اپر کلاس کا پرتو نظر آئیں۔ فیشن ایبل، ماڈرن اور ساتھ ہی ساتھ ویل ایجوکیٹڈ اور ویل مینرڈ بھی۔

اپنے بیٹے راحیل اور زونیرہ تک تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہی تھیں۔ راحیل ان کی خواہش کے عین مطابق لندن سے ڈگری لے کر لوٹ آیا تھا اور وہ بھی کسی گوری میم کے اضافے کے بغیر...... اور زونیرہ بھی ان ہی کی خواہش پر ماسٹرز کے بعد فیشن ڈیزائننگ سیکھ رہی تھی۔

ان کے یہ دونوں بچے، فیشن، امارت اور ماڈرن ازم کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ راحیلہ بیگم کی فیملی کا شمار بہت اچھے کھاتے، پیتے گھرانوں میں ہوتا تھا۔ راحیل اپنے والد احتشام صدیقی کے ساتھ مل کر کاروبار کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے رہا تھا۔

زونیرہ ہر فیشن کو اپنانے اور نت نئے طریقوں کے پہناوے ایجاد کرنے میں سب سے آگے تھی۔ سب سے پہلے ہر عجیب و غریب ڈیزائن کا اطلاق خود کرتی پھر اسے اپنے بوتیک کی زینت بنا دیتی۔ جسے

وقت گزاری کے لیے محض راحیلہ بیگم کی خواہش پر گھر ہی کے ایک پورشن میں احتشام صاحب نے بنوا کر دیا تھا۔ مگر روبحہ...... یہاں آکر راحیلہ بیگم کے تمام خواب، آرزوئیں اور ارمان اپنی موت آپ کئی سال پہلے ہی مر چکے تھے۔ جب اس کی دو سال لگاتار نویں اور دسویں کلاس میں سپلی آگئی۔

''امی مجھے آرٹس لینی ہے، مجھ سے نہیں رٹے جاتے یہ کیمسٹری اور فزکس کے مشکل فارمولے۔''

لاؤنج میں اخبار کو گھورتی غم و الم کی تصویر بنی راحیلہ بیگم کے لیے یہ بات کتنی شرمندگی کا باعث بن سکتی تھی۔ اس حقیقت سے بے خبر اس نے ٹھنک کر فرمائش کر دی۔

''کیا...... کیا کہا تم نے...... آرٹس پڑھو گی تم؟'' ان کا دل ایک نئے صدمے سے دوچار ہو گیا۔

''تمہیں پتا ہے کہ آرٹس کون لوگ پڑھتے ہیں، جن کو کچھ پڑھنا لکھنا نہیں آتا، جو مارے باندھے مجبوری میں تعلیم مکمل کرنا چاہتے ہیں، وہ پڑھتے ہیں آرٹس۔''

''کیا ہو گیا ہے امی آپ کو۔ اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔'' وہ بے حد اکتائی ہوئی تھی۔

''ایسی ہی بات ہے۔'' وہ غصے میں چلائیں۔

''آنے دو اپنے پاپا اور اس ٹیوٹر کو...... جسے ہر مہینے ہزاروں روپے تمہاری ٹیوشنز کے لیے دے رہی ہوں، آخر کس حساب میں بھئی۔ یہاں تو وہی رزلٹ ہے، ایک پرسنٹ بھی زیادہ مارکس نہیں لیے تم نے اور کیمسٹری کلیئر ہے تو میتھس...... او مائی گاڈ۔'' انہیں اپنا بلڈ پریشر بڑھتا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر صوفے پر گر سی گئیں۔

''امی......'' اس نے بیچارگی سے دہائی دی۔

انہوں نے دانت کچکچا کر اسے دیکھا۔ انہیں یوں گنواروں کی طرح ''امی'' بلائے جانے سے بھی چڑ تھی۔

وہ چاہتی تھیں روبحہ انہیں زونا اور راحیل کی طرح مما یا ماما کہہ کر بلائے مگر آگے بھی روبحہ تھی۔ جسے وہ خود تو اپنی مرضی سے روبی کہہ لیتی تھیں مگر اس نے آج تک خود کوئی مصنوعی تکلف نہیں کیا تھا۔

''میں تو خود چاہتی ہوں کہ آپ پاپا سے بات کریں۔ مجھے سائنس نہیں پڑھنی۔ آرٹس پڑھنی ہے فائن آرٹس۔''

''کیا بکواس کر رہی ہو، بچوں کی طرح ڈرائنگ اور کلرنگ کرو گی تم۔ ارے اپنے بہن، بھائی سے ہی کوئی سبق سیکھ لو۔ ہر کلاس میں اے پلس لے رہی ہے، زونا اور تم......؟'' ان کا لیکچر لمبا چلتا تھا۔ وہ بے بسی سے سننے پر مجبور تھی۔

☆☆☆

راحیلہ بیگم نے اس کے لاکھ منع کرنے پر بھی اسے احتشام صاحب کی سفارش اور رشوت کے بل بوتے پر شہر کے بہترین کالج میں داخلہ دلوایا۔ مگر سائنس فیکلٹی میں پری میڈیکل مضامین کے ساتھ۔ وہ اداس نظروں سے اسکیچ بک پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھی۔

''ہئے بے بی، وٹس اپ۔'' زونا کی آواز نے اسے مایوس کن سوچوں سے چونکا دیا۔

''اتنا اسٹریس کیوں لے رہی ہو یار...... میرے ساتھ کوچنگ جوائن کر لو۔ جم جایا کرو اوری تھنگ ول بی آل رائٹ یار...... کم آن، کیپ اٹ اپ۔''

اس نے مڑ کر آئینے میں خود کو گھوم، گھوم کر دیکھتی زونا کو بجھے دل سے دیکھا۔

''میں کیسے بتاؤں امی کو۔ میرا دل ان کتابوں میں نہیں لگتا۔'' اس نے زونا پر سے نظریں ہٹائیں، جس نے بے حد مختصر آستینوں والا ٹاپ پہن رکھا تھا اور اس کے اوپر اور بھی مختصر اسکارف کو یوں اسٹائل سے پن اپ کر رہی تھی کہ وہ داہنے کندھے سے نیچے ڈھلکا ہوا تھا۔ کندے سے جڑی چھوٹی سی آستین اور اسکارف کے درمیان سے اس کا دودھیا بازو جھانک رہا تھا۔ جبکہ بائیں بازو کو ڈھانپنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔

''ویل اٹس ناٹ مائی ہیڈک......'' (یہ میرا دردِ سر نہیں ہے) چست جینز میں اس کی سڈول ٹانگیں

بہت نمایاں ہو رہی تھیں۔ وہ بے پروائی سے کندھے اچکا کر اپنے سلکی براؤن بال جھلاتی اپنی بکس اٹھا کر باہر نکل گئی۔

''کوئی میرا مسئلہ کیوں نہیں سمجھتا۔'' اس نے.... بے دلی سے اسکیچ بک اٹھا کر دور پھینکی۔

☆☆☆

روبجہ پڑھائی میں کمزور ضرور تھی مگر کند ذہن نہیں تھی۔ اس کا دل جن چیزوں میں لگتا، وہ راحیلہ بیگم کے نزدیک بیکار اور فضولیات تھیں۔ ڈرائنگ، پینٹنگ، اور اسکیچنگ......

''اوہ...... ربش......''

وہ بچپن میں روبجہ کو ڈاکٹر بنانے کا خواب دیکھا کرتی تھیں۔ مگر بڑے ہوتے، ہوتے جب روبجہ کی تعلیمی کارکردگی سامنے آئی تو یہ خواب نیند والا خواب بن کر رہ گیا۔ جو آنکھ کھلنے پر یاد ہی نہیں آتا اور آنکھ کھلتے ہی غائب ہو جاتا ہے۔ انہیں لگتا روبی عزت سے گریجویشن کر لے یہی کافی ہے مگر انہیں اس سے صرف یہی شکایتیں تو نہیں تھیں۔ وہ گندمی رنگت اور بہت ہی دبلے پتلے جسم کی مالک تھی۔

''کوئی فکر نہیں ہے، کامپلیکشن ہے تو وہ بھی بس...... کالے سے ذرا صاف......'' وہ مبالغہ آرائی کی حد کر دیتیں اور جو اُن کا مایوس انداز اور لب ولہجہ روبجہ سن لیتی تو ان کا غم غلط کرنے کے لیے آئندہ کئی دنوں تک صبح شام رنگ گورا کرنے والی کریمیں لگاتی رہتی۔

''اور پڑھائی میں تو بالکل نل ہے نل...... زیرو اور بلک زیرو۔ ڈریسز دیکھے ہیں یہ لمبے۔ لمبے دوپٹے اور میچنگ اسکارف...... مائی گاڈ......'' ان کی جان کو لاحق غموں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔

''کس نے کہا ہے اتنی سلیس اردو بولنے کے لیے۔ گھر میں نہ سہی کسی پارٹی میں، کسی گیسٹ کے سامنے اپنی پرسنیلٹی بنانے کے لیے تھوڑا بہت شو آف کرنا ہی پڑتا ہے۔'' کبھی وہ بری طرح جھلا کر کہتیں، ایسے میں اگر زونا پاس ہوتی تو فقط یہ کہتی۔

''اوہ مما...... اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔'' راحیلہ سے بس یہی نہیں ہوتا تھا۔ وہ اسے اس کے حال پر ہی تو نہیں چھوڑ سکتی تھیں۔ آخر کو وہ بھی ان کی اپنی اولاد تھی۔

ایسے ہی دنوں میں جب وہ انٹر میں بھی فیل ہو چکی تھی اور سپلی آجانے والا پیپر دوبارہ دینے کے لیے بالکل تیار نہ تھی۔ اس کی زندگی بلکہ یوں کہیں کہ راحیلہ بیگم کی زندگی میں اچانک ہی ٹوئسٹ آگیا۔

ان کی کسی جاننے والی کے توسط سے روبجہ کے لیے اسفندیار کا پروپوزل آگیا۔ گو کہ وہ لڑکیوں کو اتنی جلد بیاہنے کے حق میں نہیں تھیں مگر روبجہ کو بٹھاتی بھی تو کس آس اس نے تو انہیں مکمل طور پر مایوس کر دیا تھا۔ پڑھائی میں تو وہ تھی ہی صفر...... مگر انہوں نے اپنی ایک دوست کے مشورے پر جب اسے بیوٹیشن کا کورس کروانا چاہا تو وہ ٹریننگ سینٹر جا کر بیوٹیشن کے بجائے کوکنگ اور بیکنگ کی کلاسز لینے لگی۔

انہیں تو کورس کمپلیٹ ہونے سے پہلے پتا ہی نہیں چلتا اگر جو اچانک ان کے پاس اس بیوٹیشن کا فون نہ آجاتا۔ جس سے وہ روبی کے ایڈمیشن کی بات کر کے آئی تھیں۔ وہ شہر کی جانی مانی بیوٹی ایکسپرٹ تھی اور بہت مشکل سے روبی کے ایڈمیشن کے لیے مانی تھی کیونکہ ایڈمیشن کی ڈیٹس نکل چکی تھیں۔ راحیلہ کو جب اس کی اس حرکت کا پتا چلا تو انہوں نے سر پیٹ لیا۔

''میں پوچھتی ہوں تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟''

''امی جب میں خود اپنے ہی فیس پر کچھ نہیں لگاتی، نہ میں میک اپ کرتی ہوں نہ کوئی ہیئر کٹ لیتی ہوں تو میں یہ سب کچھ سیکھ کر کیا کروں گی۔''

''اُف...... میں ہی غلطی پر تھی۔ میں نے سوچا تھا تمہیں ڈرائنگ اور کلرنگ پسند ہے تو میک اپ بھی پسند ہوگا۔ اور تم جب کورس کر لو گی تو آٹومیٹکلی اس پروفیشن میں آنے کے بعد خود ہی ذرا ڈھنگ سیکھ لوگی کہ پرسنیلٹی کو کیسے گروم کیا جاتا ہے فگر کو کیسے مینٹین کرتے ہیں مگر تم......''

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



وہ چپ کر کے سنے گئی۔ راحیلہ خود ہی بول، بول کر چپ کر گئیں۔

''ٹھیک کہہ رہی تھیں سہیل آرا، مجھے تمہارے لیے اسفند کے پروپوزل پر غور کر ہی لینا چاہیے۔'' وہ بہت دیر سے ان کی بات سن رہی تھی۔ آخر میں اچھل کر رہ گئی۔

☆☆☆

''پاپا...... آپ سمجھائیں ناں امی کو...... وہ کیوں میری شادی کر رہی ہیں اتنی جلدی۔'' وہ تو آج بڑی ہمت کر کے پاپا کے سامنے آئی تھی۔

''آپ نے کبھی تو پڑھ کر نہیں دیا۔ آپ کو پتا ہے مما آپ سے کیا چاہتی تھیں مگر آپ نے ان کی expectations کی کوئی پروا نہیں کی۔ اب وہ آپ کی بات نہیں مان رہیں۔''

''وہ میرے بس میں نہیں تھا پاپا...... آپ جانتے ہیں اچھی طرح......''

''مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بہت سی چیزیں اور باتیں آپ کے بس میں تھیں جو آپ کی مما نے آپ سے کہیں مگر آپ نے انہیں فالو نہیں کیا...... جب آپ کا ٹائم تھا آپ نے من مانی کی۔ اب ان کا ٹائم ہے، وہ کریں گی۔ آپ احتجاج کرنے کا حق کھو چکی ہیں۔''

پاپا بات ختم کر کے اپنی کتاب میں گم ہو گئے اور زندگی میں پہلی بار اسے احساس ہوا کہ گھر میں اس کی حیثیت صرف ایک لاینحل مسئلے کی سی ہو گئی ہے۔

''مما مجھ سے اس حد تک پریشان ہیں کہ اب وہ باعزت طریقے سے مجھے گھر سے نکال دینا چاہتی ہیں۔'' تکلیف دہ، پریشان کن سوچوں نے اس کے اپنے ہی گھر میں اس کا پیچھا پکڑ لیا۔ مایوسی اور دکھ کے عفریت اس کے گرد اپنے الجھے ہوئے جال بننے لگے۔

''زویا اور راحیل امی اور پاپا کی آنکھوں کے تارا ہیں اور میں...... میں غلطی سے آنکھ میں پڑ جانے والا کنکر......؟ جسے جب تک آنکھ مسل، مسل کر باہر نہ نکال دیا جائے۔ انسان کو چین ہی نہیں ملتا۔'' وہ خاموش رہتی اور ابھی، الجھی نظروں سے امی کو خوش اور مگن شادی کی تیاریاں کرتے دیکھتی رہتی۔

''اور امی خود بھی تو کتنی ضدی نکلیں۔'' اس کے ذہن میں کسی کے خلاف شکایت نہیں تھی۔ وہ تھی ہی اتنی شفاف دل کی مالک۔

''بجائے اس کے کہ مجھے کسی آرٹ اکیڈمی میں جوائننگ دلوا دیتیں۔ الٹا کے میری شادی کرنے کی پڑ گئی انہیں۔''

اسے شادی کے نام سے اکتاہٹ اور بیزاری محسوس ہونے لگی۔

☆☆☆

سنا تو تھا چند ایک لوگوں سے کہ اس کا پہلا ہی پروپوزل اتنا شاندار آیا کہ راحیلہ بیگم سے انکار نہ ہو سکا۔ اسفند کی تعریفیں اور اس کے سسرال کی مداح...... مگر اسے کسی بات سے دلچسپی ہوتی تو وہ کان دھرتی ناں۔

اسے تو اس بندے سے بھی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ کمرا بند کر کے پھولوں سے سجی سیج پر اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اور کیا کہہ رہا تھا بھلا......

''آپ...... پلیز برا مت منائیے گا۔ میں بہت تھک گئی ہوں اور یہ جو آپ کام کر رہے ہیں ناں میری تعریفوں والا...... تو یہ کل کر لیجیے گا۔ ابھی...... ابھی میں سو جاؤں؟'' اس نے التجا آمیز انداز میں یوں اسفند کی طرف دیکھا کہ اسے اپنا دل سینے کی دیواروں سے ٹکراتا محسوس ہوا۔ بہ مشکل خود کو سمجھا بجھا کر اس کی بات ماننے پر راضی کیا۔ پھر بھی...... روکتے روکتے......

''یہ آپ کی رونمائی کا تحفہ......'' نازک سی انگوٹھی اس کی حنائی انگلی میں پہنا کر اس نے ہاتھ پشت سے چوم لیا۔

''اُف...... ف...... ف......'' رویحہ تو وہیں فریز ہو گئی۔

اسفند اس کی حالت سے حظ اٹھاتا پیش قدمی کرتا چلا گیا۔

☆☆☆

زندگی ایک نئے روپ میں اس پر وارد ہو رہی تھی۔ وہ جتنا حیران ہوتی کم تھا اور جتنا خوش ہوتی بہت تھوڑا...... اتنی محبتیں، اتنی چاہت، اتنی اہمیت......

''اللہ اسفند، یہ شادی بھی ناں......'' کبھی کبھی وہ اسفند کی سنگت میں محبت اور خوشی سے سرشار چہکار اسا بھرتی۔

''بہت مزے کی چیز ہے۔'' بالی عمر کا بانکپن اور اس پر یہ انجان معصومیت......

''اچھا...... اچھا...... اچھا۔'' اسفند اس پر نثار ہو جاتا۔ اسے بانہوں میں بھر کر گھما ڈالتا اور وہ کھلکھلائے چلی جاتی۔

ہنی مون سے واپسی پر اس کی گندمی رنگت کھل کر گلابی ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر قوسِ قزح کی سی دھنک تھی اور اتنی جھلملاہٹ کہ نظر کا ٹھہرنا مشکل تھا۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے۔'' بے ساختہ اسے دیکھ کر راحیلہ بیگم کے لبوں سے شکر کے کلمات نکل گئے۔ روبجہ کو یوں ہنستا مسکراتا خوش باش دیکھ کر، پچھلے کئی دن سے دل میں پلنے والے خدشات کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

راحیل نے اسے اتنا ہنستے دیکھ کر اس کی ہنسی پر کمنٹ دیا اور وہ جواباً پھر سے ہنستی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا بس...... امی میں چلوں، اسفی کا میسج آیا ہے، وہ مجھے لینے آ رہے ہیں۔'' ہلکے گلابی رنگ کے زرتار سوٹ میں وہ خود بھی گلاب کا پھول تھی۔

''یہ کیا روبی...... یہ تم کیا لاد کر آئی تھیں۔'' راحیلہ کی پیشانی پر اسے عبایا پہنتے دیکھ کر بل نمایاں ہو گئے۔

''عبایا ہے، انہوں نے ہی کہا تھا کہ گھر سے باہر جاتے وقت......'' اسے امی کی ناراضی اور ناپسندیدگی کا علم تھا مگر جانے کیوں اسفند کی بات رد کرنے کو دل نہیں چاہا۔

''بس اس نے کہہ دیا اور تم نے مان لیا۔'' راحیلہ بیگم نے ناگواری کا اظہار کرنے میں لمحہ نہیں لگایا۔

''اُف اللہ اتنی گرمی میں کیسے...... مجھے تو تمہیں دیکھ کر پسینے آ رہے ہیں۔''

''اب تو عادت ہو گئی ہے امی، آپ نے فرسٹ ٹائم دیکھا ہے ناں اس لیے۔ اب تو میں خود بھی بہت کمفرٹیبل فیل کرتی ہوں۔'' پھیکی پڑتی مسکراہٹ کے ساتھ کچھ تو اسے کہنا ہی تھا۔

زونیرہ اور راحیل کے سو سو نخرے اٹھانے والی راحیلہ بیگم، روبجہ کی ماں بن کر پتا نہیں کیوں اتنی...... بے مروت ہو جاتی تھیں۔ وہ زندگی بھر سے محسوس کر رہی تھی۔

☆☆☆

زندگی کے سفر کو سہل اور دشوار راستوں پر چلانا قسمت سے زیادہ خود اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے، اس نے بھی سیکھ ہی لیے دشوار راستوں کو سہل کرنے کے چند سنہری اصول...... کبھی یوں بھی ہوتا کہ کوئی معاملہ دیانت، نظر اندازی اور سمجھوتے کی محدود پالیسیوں سے نکلتا ہوا محسوس ہوتا تو یوں لگتا زندگی...... زندگی بھر حکمتِ عملیاں مرتب کرتے اور ان پر عمل درآمد کی کوشش میں نڈھال ہوتے ہی گزرے گی۔

بھرے پُرے سسرال میں بنا ماتھے پر سلوٹیں ڈالے گزارہ کرنا آسان نہیں تھا۔ مگر اس نے کر دکھایا۔ ماں غیر مطمئن تھی۔ اس نے ساس کو گرویدہ بنا لیا۔ بہن اس کا مذاق اڑاتی تھی اور نند اس کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتی تھی۔ اور اسفند تو تھا ہی محبت اور وفا کی دوسری تصویر۔

تھوڑے بہت اسپیڈ بریکرز کو چھوڑ کر اس کی زندگی کچی مٹی کے اس آنگن کی طرح ہو چلی تھی۔ جس کے آدھے حصے پر سکھ چین کے درخت کی سایہ دار حکومت تھی اور کچی مٹی پر جب محبت کی بوندیں برستیں تو ایک سنہری مقدس خوشبو سے اس کی روح تک معطر ہو جاتی لیکن امی...... مسز راحیلہ احتشام...... انہیں کیسے مطمئن کر پاتی وہ۔

''اتنی جلدی...... او مائی گاڈ......!''

''جلدی کہاں امی، یہ تو بہت نارمل سی بات ہے۔'' وہ شادی کے پانچ ماہ بعد جب امید سے ہوئی تو راحیلہ کو اعتراض تھا اور دوسری بار لیبہ چھ ماہ کی تھی

تب...... انہیں تو غش آنے لگے۔

''کچھ تو اپنے فگر کا خیال کرلو میری جان۔''

رویحہ کو لگا اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے، یقیناً امی نے صحت کہا ہوگا فگر نہیں۔ اسے سننے میں مغالطہ ہوا تھا نہ ان کو کہنے میں کوئی عار تھا۔

''اتنی جلدی، جلدی بچے پیدا کرو گی...... تو فٹ بال بن کر رہ جاؤ گی، یاد رکھو مرد کو اسمارٹ بیویاں پسند ہوتی ہیں، بھدی اور بے ڈھنگی نہیں۔''

اپنی طرف سے وہ اسے خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے کے بہترین اصول سکھاتی تھیں مگر رویحہ جانتی تھی ان سنہرے اصولوں پر عمل نہ کرنا ہی اس کی ازدواجی زندگی کی بقا کے لیے بہتر تھا۔

شادی کے بعد تین سالوں میں وہ دو بچوں کی ماں بن چکی تھی۔ جبکہ زونیرہ کیے بعد دیگرے کامیابی کی منازل طے کرتی ہوئی ڈریس ڈیزائنر کی حیثیت سے اپنا بوتیک کامیابی سے چلا رہی تھی اور راحیلہ بیگم اس کے لیے آج کل کسی اچھے لڑکے کی تلاش میں تھیں مگر خود زونیرہ کا دل اپنے منیر ماموں کے بیٹے شہریار میں جا اٹکے گا یہ تو رویحہ کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔

زندگی بھر خاندان والوں کو لفٹ نہ کروانے والی اور ہمیشہ سے اسٹیٹس کے راگ الاپنے والی راحیلہ بیگم نے اگر اپنے بھائی سے راہ ورسم بڑھائے تھے تو اس کی وجہ یقیناً زونیرہ کی پسند نہیں بلکہ ان کا تیزی سے اوپر جاتا اسٹیٹس ہی تھا۔

زونیرہ کے اندر کوئی کمی نہیں تھی کہ اسے یوں کسی کے سامنے خود کو نمایاں کرنے کی ضرورت پڑے پھر جانے کیوں اس نے یہ راستہ اختیار کیا۔

وہ جب سے ماموں کے گھر سے واپس آئی تھی اپنا دل ودماغ، دھیان سب کچھ جیسے زونا کے پاس ہی چھوڑ آئی تھی، ذرا ذرا سی دیر کے بعد اسے کمرے کا منظر یاد آتا اور نئے سرے سے شرمندگی کے احساس سے اس کا چہرہ تپنے لگتا۔

''میں ضرور امی سے اس بارے میں بات کروں گی۔'' وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

☆☆☆

''اے ہٹو، تم اپنے یہ دقیانوسی خیالات اپنے پاس رکھو۔'' امی کا ردعمل اس کی توقع سے سو فیصد الٹ نکلا۔ وہ ہکا بکا ان کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

''وہ اگر کچھ کر رہی ہے تو اپنی بہتری کے لیے ہی ناں۔''

''امی......'' اس نے بے حد حیرانی اور تاسف سے انہیں دیکھا۔

''تو آپ کے خیال میں زونا ٹھیک کر رہی ہے، آپ کو کوئی شرمندگی نہیں۔''

''شرمندگی کیسی بھئی...... سوسائٹی میں ہر ملنے جلنے والا شہریار کو اپنا داماد بنانا چاہتا ہے، منیر کی ڈھیروں ڈھیر جائداد کا... اکلوتا وارث ہے وہ آخر...... ایسے میں اگر زونا نے گھر کی لڑکی ہونے کے ناتے تھوڑے ہاتھ پاؤں مار لیے تو کیا غلط کیا اور تم......'' انہوں نے بے حد بیزاری سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔ ''تم تو بس رہنے ہی دو، تم کیا جانو آج کل کی ڈیمانڈز، ریکوائرمنٹس...... اور ہائی سوسائٹی میں موو کرنے کے طریقے۔ تم تو اپنا یہ تنبو سنبھال کر بیٹھو بس۔'' راحیلہ بیگم نے بے حد طنزیہ انداز میں بول کر اس کی بولتی بند کروادی۔

گھر سے واپسی پر وہ بے حد دل گرفتہ تھی۔

''کیا بات ہے، اتنی چپ، چپ کیوں ہو؟'' اسفند ہمیشہ کی طرح اس کی پریشانی جاننے کے لیے موجود تھا۔ مگر وہ اسے کیا بتاتی، چپ چاپ ارسل کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی۔

''اچھا سنو...... وہ ثمیر ہے ناں، وہ پاکستان آرہا ہے۔'' اسفند نے اس کا ردعمل دیکھنا چاہا۔ وہ گہری سانس بھر کر سیدھی ہوئی۔

''مجھے بھلا اس کے آنے نہ آنے سے کیا فرق پڑے گا اسفی۔''

''فرق تو پڑ ہی جائے گا کیونکہ وہ جتنے دن یہاں رہے گا...... اِدھر ہمارے گھر میں ہی ٹھہرے گا۔''

''اچھا کوئی مسئلہ نہیں ہے، جب آئے گا تو دیکھی

جائے گی۔"

وہ ثمیر جیسے دوست کے لیے اسفند کی محبت اور اس کے خلوص کی شدت سے واقف تھی مگر اس وقت بے دھیانی سے ہوں، ہاں کر کے رہ گئی۔ کیونکہ دل اور دماغ تو امی کے ساتھ ہونے والی گفتگو میں ہی پھنسے ہوئے تھے۔

"زونا اپنی بہتری کے لیے خود کوششیں کیوں کر رہی ہے، آپ اسے سمجھاتی کیوں نہیں، ابھی اس کے ماں، باپ زندہ ہیں جو سوچنا ہے آپ لوگ سوچیں۔"

"ہم ہی سوچ رہے ہیں، جب ہی اسے لے کر گئے تھے وہاں پر۔" راحیلہ بیگم پر تو جیسے کسی بات کا اثر ہی نہیں تھا۔

"جو لڑکیاں اپنے آپ کو پلیٹ میں سجا کر دوسروں کے آگے پیش کر دیتی ہیں کوئی ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔" یہ آخری بات تھی جو وہ راحیلہ بیگم سے کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہ سکی تھی۔

اس نے تو اتنی لمبی بحث بھی صرف زونا کے لیے فکر مند ہونے کی وجہ سے کی تھی۔ ورنہ اسے ان کے آگے اپنی چلانے کی عادت نہیں تھی ،نہ وہ اسے اچھی بات گردانتی تھی۔

☆☆☆

موسم ابر آلود تھا۔ صبح سے دو تین بار ہلکی بوندا باندی بھی ہو چکی تھی۔ وہ بہت احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ یہ ڈرائیونگ کی سہولت اسے اسفند ہی کی مہربانی سے حاصل ہوئی تھی۔

گو کہ اسفند عورتوں کو حد درجہ آزادی دینے کا حامی نہیں تھا۔ مگر اتنا قدامت پرست بھی نہیں تھا کہ اسے گھر بٹھا دیتا۔ اسے ہر کام اعتدال میں رہ کر کرنے کی عادت تھی۔ جیسے اس نے رویحہ کو ڈرائیونگ سکھائی تھی مگر اسے اپنے میکے کے سوا اور کہیں اکیلے جانے کی اجازت نہیں تھی۔ کیونکہ امی کے گھر کا راستہ نہ تو بہت لمبا تھا نہ اتنا مصروف کہ رویحہ انجانے میں کوئی نقصان کر بیٹھتی۔ وہ اس میں بھی خوش تھی۔

"کنویں کی مینڈک......" راحیلہ نے اسے ٹھیک ہی خطاب دیا تھا۔ باپ کے گھر کے بڑے سے سیاہ گیٹ کے آگے رک کر ہارن بجاتے ہوئے اس نے سوچا۔

"آ گئی رویحہ...... میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔" امی اسے لاؤنج میں ہی مل گئیں۔

"زونا کہاں ہے؟"

"کہاں ہو گی۔" وہ جتنی بے تابی سے اس کی طرف بڑھی تھیں اب اتنی ہی سست روی سے واپس جا بیٹھیں۔

"کل سے کمرے میں بند ہے۔" اسے بھی سن کر افسوس ہوا۔

"تم سناؤ، بچے تو اسکول گئے ہوں گے۔" بیٹی کے تین سال کے ہوتے ہی اس نے دونوں کو ایک ساتھ اسکول میں ڈلوا دیا تھا۔

"جی امی...... پر زنیرہ کو پتا کیسے چلا؟"

"ارے کیسے بھی بس...... پتا تو چل گیا ناں۔ اور یہ باتیں کوئی چھپنے کی ہوتی ہیں۔" امی خود بھی بھری بیٹھی تھیں۔

"اچھی دیدہ دلیری ہے...... بھئی جب اسے کرنی ہی نہیں تھی تو زونا کو سبز باغ دکھانے کی ضرورت کیا تھی۔" وہ سر جھکائے بیٹھی سوچتی رہی۔

"جو لڑکی خود سے سبز باغوں کی سیر کرنا چاہے تو کون پاگل ہے جو اسے مایوس کر کے اتنا اچھا موقع گنوائے۔" اس نے سوچا پر بولی کچھ نہیں۔

"زونا تو کسی بات کو اتنا سر پر سوار نہیں کرتی تھی پھر اب......؟"

"کچھ ایموشنل اٹیچمنٹ تو ہو ہی جاتی ہے ناں۔" امی نے گہری سانس لی۔

"خیر چھوڑو تھوڑا ٹائم لگے گا پھر نارمل ہو جائے گی خود ہی...... یہ بتاؤ تم نے ناشتا کیا۔" اس نے بنا کچھ کہے نفی میں سر ہلایا۔

"تو چلو پہلے ناشتا کر لو پھر اس پاگل سے مل کر حل

سمجھانا۔" ناشتے کے بعد راحیلہ بیگم نے پھر موضوع چھیڑ ڈالا۔
"ارے وہ کوئی آخری لڑکا تو نہیں تھا ناں دنیا کا......" وہ خود ہی زور سے بولیں پھر چونکیں۔
"آخری لڑکے سے یاد آیا تمہارا کوئی دیور، ویور آیا ہوا ہے امریکا سے۔"
"جی، ہمارے یہاں ہی ٹھہرا ہے۔" وہ بہت بے پروائی سے بولی۔
چائے پی کر گھر جانے سے پہلے وہ زونا کے کمرے کی طرف آئی۔ حالانکہ جانتی تھی بیکار ہی ہوگا۔ اس کے سمجھانے کی نوبت تو دور زونا اسے دیکھنا اور بات تک کرنا پسند نہیں کرے گی۔ آف موڈ میں فیملی ممبرز میں سب سے برے سلوک کی حقدار ہمیشہ وہی ٹھہرتی تھی جانے کیوں۔ اس کا اندازہ غلط نہیں نکلا......زونا نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولے بغیر اسے واپس کر دیا۔

☆☆☆

گھر آتے وقت اگر وہ پریشان تھی تو واپسی پر دل گرفتہ......
سارا راستہ وہ امی کی باتوں کو سوچ کر دکھی ہوتی رہی۔ تبھی اسے یاد آیا کہ اس کے سیل میں کریڈٹ ختم ہو چکا ہے، اس نے قریبی جنرل اسٹور پر ایزی لوڈ کا بورڈ لگا دیکھ کر گاڑی روکی۔ مگر گاڑی سے اتر نہ سکی۔
اس نے قریبی سڑک پر کھڑی گاڑی میں اسفند کے دوست ثمیر کو شہریار کے ساتھ دیکھا۔ وہ حیرت سے وہیں رک گئی۔
وہ گاڑی شاید نہیں بلکہ یقیناً شہریار کی تھی جو اسے حال ہی میں منیر ماموں نے دلائی تھی۔
سگنل گرین ہوا تو گاڑی آگے بڑھ گئی۔ وہ بھی موبائل کریڈٹ بھول بھال کر گم صم ذہن کے ساتھ گھر کی طرف ہو لی۔

☆☆☆

"ارے روی میری جان کیسی ہو تم؟" امی کی شہد ٹپکاتی آواز کو سن کر اس نے تعجب سے ریسیور کو گھورا۔ اسے یاد نہیں تھا کہ امی نے بغیر مطلب کے کبھی اس سے اس درجہ مٹھاس بھرے لہجے میں بات کی ہو۔
"امی کیا بات ہے...... خیریت تو ہے؟" وہ بجائے خوش ہونے کے پریشان ہو اٹھی۔
"ارے ہاں، ہاں سب خیریت ہے، خیریت نہ ہوتی تو میں تمہیں اتنا ہنس، ہنس کر فون کرتی کیا۔" وہ ہنس دیں۔
"ہاں یہ تو ہے۔"
"ارے پاگل، راحیل کی انگیجمنٹ کر دی ہے میں نے۔"
"ہیں؟" اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔
"امی! کب، کیسے؟ اتنی اچانک، مجھے بتائے بغیر......"
"ارے اچانک کہاں......دو ہفتوں سے سلسلہ چل رہا تھا۔ اس کی اتنی مصروفیت تھی کہ تمہیں بتانے کا موقع ہی نہیں ملا۔ ابھی کل رات ہی تو وہ لوگ بات فائنل کر کے گئے ہیں تو میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ آج تو تمہیں بتا ہی دینا ہے۔ تم آنا ناں...... ماشاء اللہ سے خوب مٹھائی، پھل اور سب گھر والوں کے لیے جوڑے اور تحائف دے کر گئے ہیں۔ بھئی ہیں بھی بہت پیسے والے اونچے لوگ۔" راحیلہ بیگم اپنی خوشی میں اس قدر مگن تھیں کہ رویحہ کی خاموشی کو محسوس ہی نہیں کیا۔
"پھر تم آ رہی ہو ناں......آج ہی چکر لگا لو...... بلکہ ایسا کرو، ابھی آجاؤ۔"
"جی......" اس کے حلق سے بہ مشکل آواز نکل سکی۔
"ہاں ناں اور کیا بچے تو اسکول میں ہوں گے ناں......میں تو کل بھی تمہیں بلانے کا سوچ رہی تھی مگر راحیل اور زونا نہیں مانے اور تمہارے پاپا کو تم جانتی ہو، کسی معاملے میں نہیں بولتے۔"
"راحیل اور زونا...... کیوں نہیں مانے؟"
"ارے تمہیں پتا تو ہے، تمہارے بچے کتنے شریر ہیں، زونا اور راحیل دونوں ہی کہنے لگے کہ وہ گیدرنگ خراب کر دیں گے۔ تم تو ویسے بھی ان پر گنواروں کی

طرح چیختی چلاتی آس پاس سب بھول جاتی ہو۔'' انہوں نے بات کے آخر میں ٹھٹا لگایا۔

''اور پلیز ڈونٹ مائنڈ...... تم وہاں دیر سے پہنچتیں تو ان لوگوں کے سامنے تمہارا وہ بوا جیسا گیٹ اپ کم از کم مجھ سے تو برداشت نہیں ہوتا۔ اتنا بڑا اتنبو جیسا تو برقع پہنتی ہو تم اور پھر تمہارا وہ چوبیس گھنٹے لپٹا رہنے والا اسکارف۔'' وہ بہت بیزاری سے بولتے، بولتے چونک پڑیں۔

''اچھا سنو! وہ تمہارا دیور پاکستان میں ہی ہے ناں ابھی۔'' اس نے بہ مشکل حلق میں اٹکتے آنسوؤں کو پیا۔

''جی...... جی ابھی ہے۔'' اس سے بات نہیں کی جا رہی تھی۔ پتا نہیں وہ امی کے اس غیروں والے رویے کی عادی کیوں نہیں ہو گئی تھی۔

''ہاں تو کسی دن اسے لے کر آؤ ناں ڈنر پر۔''

''ہیں؟'' وہ تو ابھی پہلے جملے سے ہی نہیں سنبھلی تھی۔

''ہاں، ہاں اور کیا...... اور اپنی زونا کی بات اس کے کان میں ڈال دو۔ لو تم نے مجھے بتایا ہی نہیں۔ امریکا پلٹ بزنس مین، اتنی شاندار پرسنالٹی والا دیور بغل میں دبائے گھوم رہی ہو اور اپنی بہن کا خیال نہیں آیا تمہیں۔''

امی بہت لاڈ سے اس سے شکوہ کر رہی تھیں۔ کبھی، کبھی اسے محسوس ہوتا جیسے وہ ان کی سگی اولاد ہی نہیں۔ اس وقت بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہونے لگا تھا اسے۔ ابھی انہوں نے اسے بنا بتائے سگے بھائی کی منگنی کی خبر دی تھی اور اب اچانک وہ اس سے بہن کے اتنے ذاتی معاملے میں دلچسپی نہ لینے کا شکوہ کر رہی تھیں۔

☆☆☆

''اسفند ...... اسفی......'' اس نے سوئے ہوئے اسفند کو شانے سے ہلایا۔

''اب آ رہی ہو...... میں کب سے انتظار کرتے، کرتے سو گیا۔'' اس نے مندی آنکھیں کھول کر خفگی سے جتایا۔

''امی کی ٹانگوں میں بہت درد تھا۔ مالش کر رہی تھی۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔

''تو اب بھی کیوں آ گئیں۔'' وہ ناراضی سے کہہ کر کروٹ لینے لگا۔

''اسفند خدا کے لیے مجھ سے ناراض مت ہو، میں آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گی پلیز۔'' وہ بری طرح بلک اٹھی۔

''ارے، ارے ریلیکس...... کیا ہو گیا؟'' اسفند اس کے یوں رو پڑنے پر ایک دم گھبرا سا گیا۔ وہ روتی چلی گئی۔

''کیا ہو گیا ہے روبیہ جانو...... کیوں مجھے پریشان کر رہی ہو۔'' وہ اسے خود سے لگا کر تھپکنے لگا۔

''طبیعت ٹھیک ہے، کوئی بات کی ہے کسی نے...... امی نے...... آنٹی نے؟'' وہ نفی میں سر ہلاتی رہی۔

''پھر......؟''

''امی نے راحیل کی منگنی کر دی۔ مجھے کسی بات میں شامل نہیں کیا۔ اور بتایا تک نہیں۔'' اسفند گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

''ابھی کس نے بتایا۔''

''امی نے ہی کیا تھا فون صبح۔''

وہ چپ ہو گیا۔ کوئی بات ہی نہیں بچی تھی کرنے کے لیے۔

''چلو اچھا منہ دھو آ جا کے...... صبح بات کرنا ابھی بہت رات ہو گئی ہے سو جاؤ۔'' وہ اٹھنے لگی پھر رک گئی۔

''کل آپ کا اور شمیر کا کہیں جانے کا ارادہ تو نہیں۔''

''کیوں......؟''

''وہ امی اس کی دعوت کرنا چاہ رہی ہیں۔'' وہ پھر سے بے چینی سے انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ ''وہ امی اسے زونا کے لیے بلانا چاہ رہی تھیں۔''

''ہاں تو چلے چلیں گے کیا مسئلہ ہے۔'' اسفند رضا مند تھا مگر وہ خود نہیں (بے بسی سی بے بسی تھی) اس کا ایک فی صد بھی دل نہیں تھا کہ وہ اس دعوت میں شریک ہو مگر شریک ہونے یا نہ ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ اسے ہی تو شمیر کو لے کر جانا تھا۔ پھر شمیر کوئی

بچہ نہیں تھا کہ اس قسم کی دعوتوں کی نوعیت کو سمجھ نہ پاتا۔

خاندان میں سب ہی کو پتا چل چکا تھا کہ وہ یہاں شادی کی غرض سے آیا ہے۔ لہٰذا خاندان میں وہ تمام لوگ جو اپنی بیٹیوں کے لیے اچھے رشتوں کی تلاش میں تھے دعوتیں کر رہے تھے۔

بس اب فرق یہ تھا کہ یہ دعوت رویحہ کے سسرال کے بجائے اس کے میکے کی طرف سے ملی تھی۔ اور غیر متوقع طور پر بالواسطہ ثمیر نے زونا کو دیکھنے کے لیے اسفند کے سامنے دلچسپی کا اظہار بھی کر ڈالا تھا۔ یہ الگ بات کہ اس کی دلچسپی کے بارے میں جان کر رویحہ کو ایک فیصد بھی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ سچ تو یہ تھا کہ راحیلہ بیگم کی یوں چپ چپاتے راحیل کی منگنی والی حرکت نے اس کا دل میکے والوں کی طرف سے کھٹا کر دیا تھا۔

دعوت ٹھیک رہی۔

راحیل، زونیرہ، راحیلہ بیگم اور احتشام صدیقی سب ہی موجود تھے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا اپنا رویہ نہ صرف اپنے ماں، باپ بلکہ راحیل اور زونا سے بھی روکھا ہی رہا۔ اوپر سے زونا کا حلیہ......

وہ خود کا ڈیزائن کیا ہوا سلیولیس ٹاپ اور ہمیشہ کی طرح بے حد چست جینز پر ڈھیروں عجیب عجیب طرح، طرح کے موٹے، موٹے کڑے کلائی میں ڈالے ہوئے تھی۔ بالوں کو کرل کر کے اونچا باندھا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی دودھیا گردن اور سفید بازو محفل میں الگ ہی نظر آ رہے تھے۔

"کم از کم آج تو شلوار سوٹ پہن لیتیں، اسٹوپڈ۔" رویحہ نے کوفت سے سوچا۔ اس کی انٹری کے وقت ثمیر کی آنکھوں میں اُمڈتی حیرانی اس کی نگاہوں سے مخفی نہ رہ سکی اور یہ بھی کہ بعد کا سارا وقت ثمیر نے نظریں جھکا کر گزارا۔

☆☆☆

"میں جب بھی پوچھتی ہوں تم بات کو آئیں بائیں شائیں کر دیتی ہو۔ آخر صاف، صاف بتاتی کیوں نہیں؟"

"آپ سمجھ جائیں ناں اس نے منع کر دیا ہے۔"

وہ امی کے اصرار سے تنگ آ گئی تھی۔

ایک نئی مصیبت ثمیر اور زونیرہ کے چکر میں اس کے گلے پڑ چکی تھی۔ امی روز اس سے ثمیر کی رائے جاننے کی کوشش کرتیں، وہ خود ثمیر سے ڈائریکٹ بات نہیں کر رہی تھی۔ اور ثمیر' اسفند کو کوئی واضح جواب نہیں دیتا تھا۔ کتنے دن اس نے یہ کہہ کر گزار دیے کہ وہ ابھی سوچ رہا ہے۔

"ارے وہ کوئی لڑکی کا باپ ہے جو سوچنے اور چھان بین کرنے میں وقت لگائے۔ یہ کام تو ہمارا ہے بھئی۔"

شروع میں راحیلہ، زونا کو لے کر زیادہ ہی... پُراعتماد تھیں۔ جبھی بے فکری سے بات کرتی رہیں۔ مگر جب رویحہ کی طرف سے کوئی واضح جواب نہیں آیا تو انہیں اپنے انداز کی طرف پلٹنا ہی پڑا۔

"میں سمجھ کیوں جاؤں آخر...... جو اس نے کہا ہے وہ بتاؤ ناں۔" رویحہ چپ ہو گئی۔

"جو اس نے کہا ہے وہ آپ کو بتا تو دوں۔ مگر آپ کی شرمندہ صورت کیسے دیکھ پاؤں گی۔" وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔ بات اتنی بھی معمولی نہیں تھی۔ اس دن روڈ پر اس نے ثمیر اور شہریار کو ساتھ دیکھا تھا مگر خاص نوٹس نہیں لیا تھا اور بات ذہن سے نکل گئی تھی۔

ثمیر، شہریار کا بھی دوست تھا۔ اسفند کی طرح قریبی نہ سہی...... مگر دوستانہ بہرحال تھا۔ اور وہ اتنے عرصے بعد پاکستان آیا تھا کہ قریب و دور کے سبھی تعلق رکھنے والوں سے میل ملاقات کرتا پھر رہا تھا۔ اس نے خود ہی زونیرہ کا ذکر شہریار کے سامنے کیا ہوگا۔ جواباً شہریار نے زونیرہ کے بارے میں بہت کچھ کہا۔ مزید اپنے سیل میں موجود زونیرہ کی تصاویر اور ماضی میں اس کے ساتھ اپنے تعلق کو بھی ظاہر کر دیا۔ اب اس نے کن الفاظ میں زونیرہ کی کردار کشی کی تھی یہ تو وہ خود ہی جانتا تھا یا پھر ثمیر......

اسے یہ تمام تفصیل اسفند سے بے حد اصرار کے

بعد پتا تو چل گئی تھی مگر اس کے بعد اس نے خود کو ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں اترتا محسوس کیا۔

اس کے دل پر کیا گزری' اس کی اپنی عزت کس بری طرح مٹی ہوئی یہ تو بس وہ خود ہی جانتی تھی۔

اسفند کو بھی شہریار کی یہ حرکت پسند نہیں آئی تھی اور نہ اسے اس گھٹیا پن کی امید تھی مگر اسے موقع تو... بہر حال زونا نے ہی دیا تھا ناں...... اس نے رویحہ سے انکار کہلوانے کے لیے یہی بہانہ بنایا تھا کہ زونا چونکہ رویحہ کی بہن ہونے کے باوجود اس جیسی نہیں اس لیے وہ زونیرہ کے بارے میں سنجیدہ نہیں۔ اور رویحہ...... اس کے اندر اسفند کا سامنا کرنے کی بھی ہمت نہیں بچی تھی۔ شمیر تو پھر ابھی یہیں تھا۔

''اوہ میرے خدا......!'' اس نے اذیت سے اپنا سر تھام لیا تھا۔

اب راحیلہ بیگم اس کے سر ہو گئی تھیں۔

''امی وہ کہہ رہا تھا کہ اسے میرے جیسی لڑکیاں پسند ہیں ایسٹرن لک اور ایسٹرن لائف اسٹائل والی اور زونا جیسی لڑکیاں تو امریکا میں بھی بہت ہیں، اسے یہاں آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اگر زونا جیسی لڑکی سے شادی کرنی ہوتی۔''

یہی بات تھی اور یہی اسے کہنا تھی۔ اور وہ جانتی تھی کہ میرے جیسی اور زونا جیسی کی تکرار اسے مہنگی پڑے گی۔

''کیا...... کیا بات کر رہی ہو تم...... ایسا کیسے ہو سکتا ہے اتنا ویل مینرڈ، ایجوکیٹڈ، ماڈرن شخص تم جیسی اولڈ اسٹائل لڑکی کو پسند کرے۔ مجھے یقین نہیں آرہا۔''

''اس میں یقین نہ کرنے والی کیا بات ہے امی۔'' وہ نرمی سے ان کا انداز دیکھ رہی تھی۔

''تو اس میں یقین کرنے والی بھی کون سی بات ہے، ابھی کل ہی تو زونا نے خود بات کی ہے شمیر سے فون پر۔ اس کے انداز سے تو کہیں سے......''

''کیا...... کیا کہا آپ نے؟'' اس نے تیزی سے بات کاٹی۔

''زونا نے فون پر شمیر سے بات کی ہے؟''

''ہاں، آ...... آں...... مجھ سے پوچھ کر ہی کی تھی۔''

''اسی لیے...... اسی لیے اس نے زونا کو ریجیکٹ کر دیا۔''

''ارے کہیں پاگل تو نہیں ہو گئیں تم...... وہ کیوں...... اوہ! اب سمجھی میں...'' وہ تیز ہو کر بولیں۔ پھر یوں دھیمی پڑ گئیں جیسے ان کے ذہن نے کہیں کوئی کڑی ملائی ہو۔

''تمہاری اپنی نند بھی تو رشتوں کے انتظار میں بیٹھی بوڑھی ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے اب اسفند اپنی گھر بیٹھی بہن کو چھوڑ کر کسی دوسری لڑکی کے لیے تو راستہ صاف کرنے سے رہا...... ہم م م...... تو یہ تم دونوں میاں بیوی کی ملی بھگت ہے...... میں پوچھتی ہوں روی...... تمہیں اپنی بہن کا ذرا خیال نہیں آرہا؟''

راحیلہ بیگم نے جو بولنا شروع کیا تو بولتی ہی چلی گئیں۔

''خدا کے لیے خاموش ہو جائیں امی، آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں، مجھے زونا کا خیال تھا تبھی میں نے اسے شہریار کے پاس جانے اور ہر ایک کے لیے تر نوالہ بننے سے روکا تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میں یہ سب آپ کو بتاؤں۔ کیونکہ میں آپ کی دل آزاری نہیں کرنا چاہتی تھی مگر جو بدگمانی آپ میری طرف سے اپنے دل میں پالے بیٹھی ہیں اسے ختم کرنے کے لیے میرا بولنا ضروری ہے۔'' اس نے گہری سانس بھر کر تاسف سے سر ہلایا۔

راحیلہ بیگم نے پہلی بار اسے اس قدر غصے میں دیکھا تھا۔

''یہ سچ ہے کہ شمیر نے زونا کو ریجیکٹ کرنے کے لیے مجھ سے جو بہانہ بنایا ہے وہ جھوٹ ہے۔'' راحیلہ بیگم نے طنزیہ انداز میں سر جھٹکا۔

''میں تو پہلے ہی جانتی تھی کہ یہ جھوٹ ہے اور جھوٹ بھی تمہارا اپنا بنایا ہوا ہے بھونڈا اور لنگڑا بہانہ......''

''یہ بہانا۔ بھونڈا اور لنگڑا ہی سہی مگر سچائی اتنی ہی قد آور اور بھیانک ہے امی۔'' زونیرہ بھی ان کی آواز سن

کر کمرے سے نکل آئی تھی وہ امی اور رویحہ کی باتیں اپنے کمرے میں بیٹھی سن رہی تھی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا...... میں بھی تو سنوں وہ سچائی۔'' اس نے ناگواری سے سینے پر بازو لپیٹے۔

''مطلب یہ کہ شہریار سے تم پہلے ہی تنہائی میں ملتی رہی ہو۔'' اس نے بم پھوڑا۔

''واٹ......؟'' راحیلہ اچھل پڑیں پھر سوالیہ انداز میں زنیرہ کو دیکھا۔

''سب جھوٹ بکواس ہے۔'' وہ ذرا کی ذرا... گڑبڑا گئی۔

''یہ جھوٹ، بکواس نہیں ہے، شہریار نے خود شمیر کو اپنا خلوص جتانے کے لیے تمہاری پکس (تصویریں) دکھائی ہیں، اس نے ہر، ہر بات بتائی ہے شمیر کو۔ تمہارا ملنا، محبت بھرے میسجز کرنا اور شمیر کو خاص طور پر اس سے دور رہنے کے لیے کہا ہے امی۔'' آخر میں وہ امی کی طرف مڑی تو اس کا گلا رندھ چکا تھا۔

''کیا...... کیا بکواس کر رہی ہو رویحہ...... کہیں تم جھوٹ تو نہیں بول رہیں۔'' اس کا بے یقین لہجہ سن کر رویحہ کا دل دکھ سے بھر گیا۔

''افسوس ہو رہا ہے مجھے تمہاری ذہنیت پر زونا...... میں بہن ہوں تمہاری، کیا میں تمہیں کسی کی نظروں میں، چاہے وہ امی ہی کیوں نہ ہوں، اتنا ڈی گریڈ کر سکتی ہوں کہ تمہارے کردار پر کیچڑ اچھالوں مگر افسوس صد افسوس تم نے اپنے کردار کی خود ہی حفاظت نہیں کی......اور شہریار کی طرح شمیر کے آگے بھی بچھنے کے لیے تیار ہو گئیں اور اسے فون کر کے تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک دی۔''

''اسے ......اسے یہ سب شہریار نے کہا؟'' راحیلہ اب تک بے یقین سی تھیں۔

''جی امی، یقین کریں شہریار نے......آپ کے اپنے بھائی کے بیٹے نے آپ کے گھر کی عزت اچھالتے وقت ذرا نہیں سوچا۔ معلوم ہے کیوں...... کیونکہ اسے۔'' اس نے انگلی سے زونا کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ کی اپنی بیٹی کو عزت کی کبھی پروا نہیں رہی اگر اسے اپنی اور آپ کی عزت کا ذرا بھی خیال ہوتا ناں تو یہ کبھی شمیر کو خود سے فون نہ کرتی...... بلکہ یہ تو...... یہ تو شہریار جیسے جھوٹے اور فلرٹی شخص پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی۔'' بات کے آخر میں غصے کی شدت میں چلاتے کی وجہ سے اس کی آواز پھٹ سی گئی۔

راحیلہ بیگم بے دم ہو گئیں اور زونیرہ واپس کمرے میں بند......اس نے تیزی سے عبایا پہنا اور اسکارف لپیٹ کر سیفٹی پن لگائی۔

''یہی آپ کی تربیت تھی ناں......جس پر آپ کو بہت مان تھا، یہی لائف اسٹائل تھا جس پر آپ بہت فخر کرتی تھیں آج یہی تربیت پورے خاندان والوں کے لیے تماشا بن گئی ہے۔ کس، کس کا منہ بند کریں گی آپ، سوچیں بیٹھ کر...... میں چلتی ہوں۔'' اس نے گہری سانس بھر کر اپنے آنسو گرائے۔

''یہ عبایا، یہ اسکارف، یہ پردہ جس پر آپ کو جی بھر کر اعتراض تھا یہی اسکارف یہی پردہ آج پورے خاندان میں میرے صاف ستھرے کردار کی نشانی اور میری عزت کا ضامن ہے۔'' اس کی آنکھیں پھر بھر رہی تھیں۔

''راحیل کی شادی میں مجھے بلانے سے پہلے سوچ لیجیے گا اچھی طرح...... کہیں آپ کی دقیانوسی بیٹی کی وجہ سے آپ کے سمدھیانے میں آپ کی عزت......'' اس سے بات مکمل نہیں کی گئی وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔ اس کے کانوں میں اس کی اپنی آواز گونج رہی تھی۔

''یاد رکھنا زونا......عورت صرف ایک کنواری لڑکی نہیں ایک ماں، بہن اور بیٹی کا روپ ہوتی ہے اور اس کا کردار کانچ کے مانند نازک اور شفاف ہوتا ہے۔ اس میں کسی لغزش کے بال تو کیا شک کی معمولی سی گرد بھی پڑ جائے تو پھر دوبارہ کبھی صاف نہیں ہوتی۔'' ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس کے آنسو بہہ رہے تھے ہاتھ کانپ رہے تھے مگر دل بہت مطمئن تھا۔



# پہلی محبت!

سلمیٰ غزل

نیند سے مخمور پلکیں گویا زمانے بھر کا بوجھ لیے جھکی ہوئی تھیں۔ سجے سجائے کمرے میں ماورا کا وجود درباریوں کے جھرمٹ میں عظیم المرتبت شہنشاہ کی سی حیثیت لیے ہوئے تھا۔ اس کمرے میں اس کا ڈرا سہا وجود بے مقصد نہیں تھا، آج وہ یہاں ڈاکٹر ارمغان کی بیوی کی حیثیت سے لائی گئی تھی اور ان کی بے مثال قابلیت کا سن، سن کر ہی مرعوب ہوگئی تھی۔ اسے نہ اس گھر سے دلچسپی تھی نہ پروفیسر ڈاکٹر ارمغان سے کیونکہ

ان کے بارے میں اس کی معلومات صرف اس حد تک ہی تھیں جتنا گھر میں ذکر ہوتا تھا کہ وہ بہت ڈیشنگ، قابل اور خوش اخلاق ہیں، بڑے سے گھر میں ایک چھوٹی بہن اور ماں کے ساتھ رہتے ہیں۔امی کی سارے دن کی نصیحتیں یاد آرہی تھیں۔

''چھوٹی عمر ہے خود کو سسرال اور شوہر کے رنگ میں رنگ لینا، خود سری مت دکھانا۔ بڑی عمر ہو تو لڑکیوں میں خود مختاری آجاتی ہے' ہر معاملے میں اپنی مرضی چلاتی ہیں خود کو عقلِ کل سمجھنے لگتی ہیں۔اب فروا کو ہی دیکھ لو پڑھ لکھ کر اپنا گھر اجاڑ لیا اور گھر آبیٹھی کہ نوکری نہیں چھوڑوں گی، کیا اس لیے اتنا پڑھا لکھا ہے کہ گھر داری کروں اور بچے پالوں بھلا سوچو تعلیم کیا گھر داری کرنے یا بچے پالنے سے روکتی ہے؟ کیا پڑھے لکھے لوگوں کے بچے نہیں ہوتے۔اور نہ ہوں تو پھر روتی ہیں۔'' امی جان بجیا کے رونے سے سخت نالاں اور شاکی تھیں' اس لیے انہوں نے انٹر کا امتحان دیتے ہی ماورا کو گھر بٹھالیا اور اس کا تو ابھی انٹر کا رزلٹ بھی نہیں آیا تھا کہ اس کی شادی طے کردی گئی اس نے لاکھ احتجاج کیا مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز...... کوئی سنوائی نہ ہوئی حالانکہ ڈاکٹر بننا اس کا خواب تھا اور اسے یقین تھا اس کے خواب حقیقت کا روپ ضرور دھاریں گے کیونکہ وہ ذہین بھی تھی اور محنتی بھی ہمیشہ کلاس میں اول آنے والی مگر امی اسے سگھڑ، ہنر مند اور ماہر باورچن بنانے پر تلی ہوئی تھیں۔ ان کے ایک غلط فیصلے نے اس کے خوابوں کو ملیا میٹ کردیا تھا اور نتیجے میں وہ آج دلہن بنی، سیج پر اپنے خوابوں کے ٹوٹ جانے پر نوحہ کناں تھی۔ آخری وقت تک امی اطاعت اور فرمانبرداری کے درس دیتی رہیں اور وہ جھکی پلکوں اور ہونٹوں پر جامد سکوت سے سب کچھ سنتی رہی۔ سسرال میں پہلا قدم رکھا تو ساس نے نصیحتوں کے پلندے کھول دیے اور شوہر کو مٹھی میں لینے اور اس کا دل جیتنے کے ہزاروں گُر بتائے جس میں سب سے زیادہ زور فرمانبرداری اور اطاعت شعاری پر دیا گیا تھا۔لیکن

وہ یہ گُر کس پر آزمائے؟ رات کے جانے کتنے پہر بیت گئے، بیٹھے بیٹھے کمر تختہ ہوگئی بھاری زیور اور ریشمی کپڑے جسم اور روح کو کاٹنے لگے، نیند سے برا حال ہوگیا مگر اس نے سب کچھ سہنے اور افشا کرنے کا خود سے عہد کیا تھا اس لیے آنکھیں پھاڑ، پھاڑ کر نیند بھگانے کے لیے کمرے کی سجاوٹ اور زیبائش دیکھنے لگی۔تب ہی بھاری قدموں کی آواز سے کمرا گونج اٹھا، وہ جانے کیوں سہم گئی تب ہی بارعب آواز سے خاموشی کا سکوت ٹوٹ گیا۔

''تم سمجھ رہی ہوگی کہ بھاری بھر کم جہیز سے تم اپنی امارت کا رعب ڈالنے میں کامیاب ہوجاؤ گی تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ مجھے نہ تم سے محبت ہے نہ دلچسپی یوں سمجھو اس کمرے کی دیگر اشیا کی طرح تم بھی ایک چیز ہو جو کمرے کی سجاوٹ بڑھانے کے لیے لائی گئی ہے۔امی نے مجھ سے میری محبت چھین کر تمہیں مجھ پر مسلط کردیا، اس کا دکھ ضرور ہے ورنہ تم امی کی مرضی سے آئی ہو سو ان کے ساتھ رہو میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔'' وہ انہی قدموں سے واپس پلٹ گئے اور ماورا کی آنکھیں پھٹ جانے کی حد تک چر گئیں۔

''یہ کون تھا؟ میرا شوہر جس کے اخلاق کے چرچے چہار دانگ عالم میں تھے شاید کچھ بھی نہیں ایک سایہ یا ایک خواب......''

نیند آنکھوں سے اڑ گئی اور صبح سویرے جب ساس کی آمد ہوئی تو آنکھوں میں تیرتے گلابی ڈورے اور ہرنی کی طرح متوحش چہرہ.... ساس جانے کیوں اسے گلے لگا کر رو پڑیں۔

''بیٹی میں تم سے بہت شرمندہ ہوں مگر تمہاری تربیت، اخلاق اور اطاعت شعاری سے وفاداری کی امید ہے، ارمغان ایک بچے کی طرح ہے، اس کی تربیت اب تمہارے ہاتھ میں ہے چاہو تو سنوار لو چاہو تو بگاڑ دو۔''

''امی اولاد کی تربیت تو مائیں کرتی ہیں......'' مگر وہی لحاظ و مروت اور امی کی نصیحت آڑے آگئی کچھ بھی

نہ کہہ سکی۔ پھر وہ تربیت کی منتظر رہی مگر کس کی کرتی؟

☆☆☆

ارمغان جو گئے تو پھر پلٹ کر نہیں آئے ساس اور چھوٹی دس برس کی نند اس طرح اس پر نچھاور ہو رہے تھے جیسے کوئی پری بھولے سے بچوں کے دیس میں آ گئی ہو اور بچے اس کے جانے سے خوف زدہ ہوں، وہ کہاں جانے والی تھی۔ ہر راستہ بجیا نے مسدود کر دیا تھا۔ اس کے قدموں میں نا دیدہ زنجیریں تھیں اور ارمغان اس کے وجود سے یوں لاتعلق تھے جیسے وہ اس گھر میں ہو ہی نہیں......

رات وہ ڈھیلا ڈھالا پنک نائٹ سوٹ پہن کر باہر نکلی تو وہ اسے بغور دیکھ رہے تھے، اس کا معصوم اور سوگوار حسن کپڑوں کے شیڈ میں گلابی ہو رہا تھا لیکن ان نگاہوں میں شوق و اشتیاق نہیں تندی، تلخی اور جھنجلاہٹ نمایاں تھی وہ کپکپا گئی اور گھبرا کر پلکیں جھکا لیں۔ کمبل میں گھستے ہی اسے احساس ہوا آج سردی زیادہ ہے، اجنبی لوگوں کے درمیان کیا سردی کیا گرمی...... اپنے گھر ہوتی تو امی فوراً ہیٹر آن کر دیتیں، بجیا جلدی سے موزے دستانے لے آتیں۔ ابا فوراً کافی بنانے کا حکم صادر کر دیتے، چھوٹی ہونے کی وجہ سے وہ پورے گھر کی لاڈلی تھی۔ پرانی یادوں نے بے ساختہ لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی، آنکھوں میں کوئی چیز جھلملائی پھر پلکوں کی نوک پر آ کر ٹک گئی دوسرے ہی لمحے تو اتر سے آنسو اس کے رخساروں پر پھسلتے جا رہے تھے، اپنے چاہنے والوں کو چھوڑ کر غیروں میں بسنا کتنا دشوار ہے۔

''یہ ٹسوے کس لیے بہائے جا رہے ہیں؟'' درشت لہجے میں سوال کیا گیا اور وہ خوف سے کانپ اٹھی۔ گلابی چہرہ پیلا پڑ گیا۔

''جواب کیوں نہیں دے رہیں، میں کیا بکواس کر رہا ہوں۔'' وہ اب اور بھی سختی سے باز پرس کر رہے تھے۔

''وہ امی یاد آ رہی ہیں۔'' اس نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔

''صبح یونیورسٹی جاتے ہوئے چھوڑ جاؤں گا تیار رہنا۔'' وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے اسٹڈی روم کی طرف بڑھ گئے اور اس کے لیے صبح پکڑنی مشکل ہو گئی۔ وہ صبح ان کے اٹھنے سے پہلے تیار ہو چکی تھی بغیر میک اپ کے بھی اس کی رنگت نکھری، نکھری اور شفاف لگ رہی تھی معصومیت کا بھی ایک اپنا حسن ہوتا ہے۔ ڈھیر ساری کلیوں کا سفید سوٹ اس پر خوب اٹھ رہا تھا۔

''یہ کیا پہن لیا؟'' ارمغان غصے سے دہاڑے۔ ''ابھی میں زندہ ہوں میرے مرنے پر سفید لباس پہننا۔ اپنی ماں کو بتانا چاہتی ہو کہ تم خوش نہیں۔''

''دراصل، مجھے سفید رنگ بہت پسند ہے۔'' وہ ہکلا کر ڈرتے، ڈرتے بولی۔ ''میں ابھی بدل لیتی ہوں۔'' اس نے جلدی سے کہا اسی لمحے دھڑ سے دروازہ کھلا اور ساس اندر آ گئیں۔

''یہ کیا شور مچا رکھا ہے یہ شریفوں کا گھر ہے یہاں چیخ پکار نہیں ہوتی اور یہ تم نے کیا پہن لیا ارمغان کی مرضی سے کپڑے پہنا کرو تا کہ اسے غصہ نہ آئے جاؤ دوسرے کپڑے بدلو۔'' وہ آنسوؤں سے تر چہرہ لے کر ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی اس کا جسم ہولے، ہولے لرزنے لگا اس کا دل چاہا اس قدر چیخ، چیخ کر روئے کہ عرش ہل جائے۔ ارمغان کے کان بہرے ہو جائیں اور اس گھر کی بنیادیں اپنی جگہ سے ہل جائیں۔ اس نے تمام آرزوؤں کا گلا گھونٹ دیا اور شوخ کلر پہن کر باہر آ گئی اچھی طرح خوب جما کر میک اپ کیا تا کہ آنکھیں دل کا راز افشاں نہ کر دیں۔ راستے سے ارمغان نے ڈھیر سارے پھل اور مٹھائیاں خریدی، ماور اسے وہ یوں لاتعلق تھے جیسے واسطہ ہی نہیں ہو۔ اور اب گھر کے سب افراد سے وہ بڑی انکساری اور عاجزی سے مل رہے تھے۔

''خوش ہو......'' بجیا نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''بہت......'' اس نے بہ مشکل تمام آنسوؤں کو روکا۔

''کیوں نہیں ہوگی، ارمغان ہے ہی اتنا پیارا

اور خوش مزاج بھی بھلا تمہاری خوشی میں کسی کو شک ہو سکتا ہے؟'' وہ شوخی سے مسکرائیں اور اس کا دل چاہا ان کے سینے سے لگ کر دہاڑیں مار، مار کر رونے لگے۔

''میں چلتا ہوں یونیورسٹی سے دیر ہو رہی ہے، شام کو ماورا کو لے لوں گا......'' وہ یونیورسٹی میں پروفیسر تھے۔

''بیٹا جب ماورا کو لینے آؤ گے تو رات کا کھانا کھا کر ہی جانا......'' ابو نے شفقت سے کہا۔

''انکل معذرت خواہ ہوں، امی گھر میں اکیلی ہوتی ہیں اس لیے میں رک نہیں سکتا پھر کبھی سہی۔'' وہ عاجزی سے بولے پھر ماورا سے مخاطب ہوئے۔

''میں ہارن دوں گا تو فوراً چلی آنا......'' ان کے لہجے میں تحکم اور رعب تھا ماورا نے اثبات میں سر ہلایا پھر امی کے لاکھ پوچھنے پر بھی وہ سب اچھا ہے کا سگنل دیتی رہی اور کھلکھلا کر ہنستی رہی۔

☆☆☆

واپسی میں انہوں نے خود ہی گفتگو کا آغاز کیا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ شادی میری نہیں امی کی مرضی سے ہوئی ہے اس لیے تمہیں بھابھی ان سے کرنا ہے مجھ سے نہیں کیونکہ امی پڑھی لکھی لڑکیوں کے سخت خلاف ہیں۔۔۔۔ میری نظر میں تو انٹر پاس ان پڑھ ہی ہوا اور میں phd مگر امی کو کون سمجھاتا، میری محبت حمنیٰ تھی، اس کا تعلق ایک غریب فیملی سے تھا وہ امی کو تمہارے ابا کی طرح نہ ہیروں کا سیٹ دے سکتی تھی نہ ٹرک بھر کر جہیز لا سکتی تھی اس لیے امی نے ایک جاہل لڑکی میرے پلے باندھ دی یہ سوچے بغیر کہ میں تم سے محبت نہیں کر سکوں گا۔ تم میری خوشیوں کی قاتل ہو......خون کیا ہے تم نے میرے ارمانوں اور آرزوؤں کا......تڑپا، تڑپا کر ماردوں گا تمہیں اور کبھی خوش نہیں رہنے دوں گا۔'' ان کی نگاہوں میں قہر اور لہجے میں آگ کی سی تپش تھی۔

''تم سمجھتی ہو تم اپنے بھولے بھالے چہرے اور معصوم اداؤں سے مجھے تسخیر کر لوگی، اپنا اسیر بنا لوگی تو کان کھول کر سن لو کہ میں اتنا ارزاں اور سستا نہیں کہ آسانی سے لوٹ لیا جاؤں۔ میں تو تمہیں اتنا رُلاؤں گا کہ عبرت کا نشان بن جاؤ گی اور خود ہی مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی کیونکہ حمنیٰ کو کوئی میرے دل سے نہیں نکال سکتا اگر وہ میری نہ بن سکی تو میں بھی کبھی تمہیں نہیں اپناؤں گا۔ زندگی بھر تنہائی کی آگ میں جلتی رہوگی۔'' ماورا کا چہرہ سفید پڑ گیا نگاہوں میں خوف اور وحشت تھی وہ دروازے سے چپک گئی اور بہ مشکل اس نے اپنی سسکیوں کو روکا اور اندر ہی اندر اپنی چیخوں کا گلا گھونٹتی رہی اور وہ پوری رفتار سے گاڑی اڑا رہے تھے۔

گھر کے دروازے پر چھوڑ کر وہ واپس چلے گئے رات بھر کی صحرانوردی کے بعد بھی وہ واپس نہ لوٹے۔ صبح جب وہ بستر سے اتر رہی تھی تو ساس اندر آ گئیں۔

''ارمغان کہاں ہے، بہو؟''

''معلوم نہیں......'' ماورا نے بے بسی سے جواب دیا۔

''رات بھر کہاں رہتا ہے؟'' دوسرا سوال داغا پھر خود ہی ٹھنڈی سانس بھر کر گویا ہوئیں۔ ''میں جانتی ہوں بیٹی تمہاری زندگی بڑی کٹھن ہے، ارمغان تم سے شادی کا خواہاں نہیں تھا کیونکہ اس کی چاہت ایک ڈاکٹر لڑکی تھی اور ڈاکٹروں سے مجھے سخت نفرت ہے شاید ارمغان نے تمہیں نہیں بتایا۔ ارمغان سے بڑا میرا ایک بیٹا فیضان بھی تھا اس کی خواہش پر میں ڈاکٹر ہانیہ کو بیاہ لائی جو کسی اور کو پسند کرتی تھی ماں، باپ بھی کبھی، کبھی اولاد کی راہ میں کانٹے بو دیتے ہیں یہ سوچے بغیر کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ ہانیہ نے ماں، باپ کے دباؤ میں آ کر شادی تو کر لی مگر وہ عورت ہونے کا بھرم نہ رکھ سکی اور ایک دن بغیر کسی کو بتائے اپنے عاشق کے ساتھ بیرون ملک فرار ہو گئی اور فیضان یہ ذلت اور جگ ہنسائی برداشت نہیں کر سکا اور اس نے خودکشی کر لی۔'' وہ یہ سب بتاتے ہوئے بری طرح رونے لگیں۔

''ارمغان سمجھتا ہے کہ اس کے بھائی کی وجہ سے مجھے ڈاکٹروں سے نفرت ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ پہلے ہی دن مجھے وہ ماں اور بیٹی پسند نہیں آئی تھیں۔ غریبی کوئی جرم نہیں مگر شکل ہی سے وہ دونوں بے حد عیار اور چالاک لگیں، محلے میں بھی ان کی ریپوٹیشن کچھ اچھی نہیں

تھی مگر ارمغان کی آنکھوں پر محبت کی ایسی پٹی بندھی کہ اسے کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا، میں ایک بیٹا کھو چکی تھی اب دوسرا بیٹا گنوانے کی مجھ میں ہمت نہیں......تب ہی میں نے جذباتی طور پر ارمغان کو بلیک میل کر کے تم سے شادی پر آمادہ کیا کیونکہ مجھے تم میں وہ تمام خوبیاں نظر آ رہی تھیں جس کی میں خواہاں تھی۔ مجھے یقین ہے تم میرا مان رکھو گی اور میرے اعتماد اور بھروسے کو ٹھیس نہیں پہنچاؤ گی۔'' ماورا ان کی زبانی ان کے بیٹوں کی کہانی سنتی رہی مگر بولی کچھ نہیں؟

''کیا عورت کی زندگی میں صرف خسارہ ہی لکھا ہے؟ کبھی وفا کے نام پر تو کبھی نسوانیت کی لاج کے نام پر کب تک یوں عورت کا استحصال ہوتا رہے گا۔'' ساس کے جانے کے بعد وہ تکیے میں منہ دیے یہی سب سوچتی رہی۔ اور نہ جانے ...کب تک گھور اندھیروں میں ڈوبی رہی تب اچانک ارمغان کمرے میں آ گئے اور کپڑے چینج کر کے بستر پر ڈھیر ہو گئے۔

''یہ آپ رات بھر کہاں رہتے ہیں؟'' وہ کچھ دیر دیکھتی رہی پھر ہمت کر کے بولی۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئے اور ان کا چہرہ سرخ ہو گیا لال ڈوروں والی آنکھیں، دو خوب صورت اور معصوم آنکھوں سے الجھ کر رہ گئیں۔

''آپ کو یہ پوچھنے کا حق کس نے دیا ہے۔'' وہ بھپر کر بولے۔

''میرے خدا نے......'' نہ جانے آج ماورا میں ہمت کہاں سے آ گئی اور پھر اس نے ڈر کے مارے آنکھیں بند کر لیں۔

''پھر اس سوال کا جواب بھی اپنے خدا سے مانگو، میں تمہارے کسی بھی سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں، اپنی حد میں رہو۔'' وہ غصے سے دہاڑے پھر وہ بن کہے اٹھی اور واش روم میں گھس کر آنسوؤں کے ذریعے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے لگی، وہ باہر نکل رہی تھی تو ٹھٹک کر رک گئی وہ اپنی ماں سے الجھ رہے تھے، دونوں میں گرما گرمی ہو رہی تھی۔

''تم اپنی بیوی سے اس قدر درشت لہجے میں کیوں بات کرتے ہو، محلے والے سنیں گے تو کیا کہیں گے؟''

''میں کسی سے ڈرتا نہیں ہوں، سن لیں محلے والے اچھی طرح اور جان لیں کہ مجھے آپ کی بہو سے شدید نفرت ہے، آپ کی خاطر شادی کر لی، آپ کے لیے یہ کافی نہیں میرا اس سے آج واسطہ ہے نہ کل ہوگا۔'' وہ دونوں بکتے جھکتے باہر نکل گئے تو اس کی نند انعمتا کمرے میں آ گئی، وہ بے حد معصوم اور بھولی بھالی تھی۔

''دیکھیں بھابی میری گڑیا کے ہاتھ میں گڑھا پڑ گیا بیچاری، ڈاکٹر ہے مگر اپنا علاج خود نہیں کر سکتی۔'' اس کے لہجے میں اتنی مٹھاس تھی کہ ماورا کے آنسو ایک مرتبہ پھر بہہ نکلے۔

''آپ رو رہی ہیں؟'' اس کی نند نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے معصومیت سے پوچھا۔

''بھائی بہت گندے ہیں سارا دن آپ کو ڈانٹتے رہتے ہیں میں ان سے بالکل بات نہیں کروں گی۔'' ماورا کا دل چاہا دہاڑیں مار، مار کر روئے۔ ڈاکٹر بننا اس کا خواب تھا اور اس خواب کی تعبیر کے لیے اس نے دن، رات محنت کی تھی مگر رزلٹ نکلنے سے پہلے اس کی بلی چڑھا دی گئی۔

☆☆☆

بجیا کے فون نے لمحے میں اسے آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا اخبار میں تو رزلٹ نہیں آیا تھا لیکن بورڈ سے گھر میں فون آیا تھا اس نے انٹر کے امتحان میں فرسٹ پوزیشن لی تھی اور اب اخبار والے اس کا انٹرویو لینا چاہ رہے تھے، اس نے بجیا کو جواب دیے بغیر فون رکھ دیا اور پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔ پھر شاید بجیا نے ہی ساس کو بتا دیا تھا اس لیے ساس اور نند خوش ہوئیں مگر ارمغان نے پلٹ کر مبارک باد تک نہیں دی۔ شام کو امی، ابو اور بجیا لدے پھندے آئے تو ماورا کے زخم ہرے ہو گئے لیکن وہ دل پر صبر کر کے مسکراتی رہی۔

''تمہارا اب کیا کرنے کا ارادہ ہے؟'' رات

کمرے میں اچانک ارمغان نے پوچھا۔

''میرا ارادہ......؟'' اس کے ہونٹوں پر استہزائیہ ہنسی تھی۔

''بجیا بتا رہی تھیں کہ تم ڈاکٹر بننا چاہتی تھیں اور میٹرک میں بھی تمہارا اے ون گریڈ تھا۔''

''جی......'' اس کے گلے میں پھندے پڑنے لگے، دم جیسے گھٹنے لگا اب ان سوالوں کا کیا فائدہ......؟ ماورا نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخوں کا گلا گھونٹا۔

''تم چاہو تو اب بھی پڑھ سکتی ہو۔'' پہلی مرتبہ وہ نرمی سے بولے، ماورا کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

''یہ تو طے ہے کہ میں اس نام نہاد رشتے کو امی کی وجہ سے برداشت کر رہا ہوں اور شاید تم بھی اپنے والدین کے دباؤ میں ہو تو کیا بہتر نہیں ہوگا کہ تم اس راستے پر قدم رکھ دو جو تمہیں تمہاری منزل تک پہنچا دے۔ تم انٹری ٹیسٹ کی تیاری کر لو ساتھ ہی پرائیویٹ کالج کا بھی دے لینا۔'' وہ کہہ کر اٹھ گئے اور کتنی دیر تک ماورا خوشی کے آنسو بہاتی رہی۔

☆☆☆

ساس نے سنا تو انہوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔

''یہ ہرگز نہیں ہوگا، ایک ڈاکٹر بیٹا کھا گئی دوسرے نے جوگ لے لیا اب اسے بھی ڈاکٹر بنا کر کیا تم فیضان کی کہانی دُہرانا چاہتے ہو جس دن ڈاکٹر بنی یہ بھی ہانیہ کی طرح تمہیں لات مار کر چلی جائے گی۔''

البتہ انعمتا بہت خوش ہوئی اور پھر بالآخر اس کے شوہر کے تعاون اور اس کی محنت سے اس کا داخلہ میڈیکل کالج میں ہو گیا۔ اب ماورا کو نہ ارمغان کی نفرت بری لگتی تھی نہ ساس کے طعنے......وہ تھی اور اس کی پڑھائی۔ زندگی بہت مصروف ہو گئی تھی، اب اسے کسی سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ اتنی مصروفیت کے باوجود بھی جب وہ بستر پر لیٹتی تو سوچ کے در وا ہو جاتے۔

''شاید کبھی کوئی انہونی ہو جائے، شاید کوئی رات امید کے اجلے سویروں میں ڈھل جائے۔'' کیونکہ دل سرکشی اور بغاوت پر آمادہ تھا ارمغان کی کج ادائیوں،

نفرت اور بیگانگی کے باوجود دل اس کا طلبگار تھا۔ وہ دشمنِ جاں اس کی رگ رگ میں سما گیا تھا۔ اس کی سانسوں میں بس گیا تھا، ماورا کو خود بھی دل کی اس گستاخی پر حیرت تھی۔ اس بڑے سے گھر میں کسی کو اس کے ہونے نہ ہونے کا احساس تک نہیں تھا سوائے انعمتا کے جو اب او لیول کی تیاری کر رہی تھی اور آج بھی اس گھر میں ماورا کی ڈھال تھی۔ کبھی اسے خیال آتا شادی کے بعد ماں، باپ کس طرح پرائے بن جاتے ہیں، آج بھی امی اس کے ڈاکٹر بننے پر خوش نہیں، وہ سمجھتی تھیں وہ بھی بجیا کی طرح کسی دن آ کر بیٹھ جائے گی مگر اس نے سوچ لیا تھا کہ کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لائے گی۔

☆☆☆

کبھی، کبھی ماورا کو اپنے صبر اور ضبط پر خود بھی حیرت ہوتی تھی، تلخ سوچوں کے زخمی کانٹوں سے اس کے ذہن سے خون رسنے لگتا۔ جانے کہاں سے دل سے ہوک اٹھتی اور پلکیں بھیگ کر ساری کائنات کو دھندلا کر دیتیں...اپنے زخموں کو سہلاتے اور احساسِ محرومی کے شعلوں سے جھلستے ہوئے بھی وہ بڑے وقار سے زندگی گزار رہی تھی کیونکہ اب وہ دبی، دبی سہمی ہوئی، جھینپو قسم کی ڈرپوک اور بزدل لڑکی نہیں تھی جو اپنے شوہر کے سامنے خول میں بند ہو جاتی تھی اور اس کی بارعب آوازیں سن کر اس پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ یہ ایک نئی ماورا تھی ......پُر اعتماد، سر اٹھا کر جینے والی......تعلیم نے اسے شعور ہی نہیں جینے کا حوصلہ بھی دیا تھا کم از کم ارمغان نے اس معاملے میں تو اس کا پورا ساتھ دیا تھا۔ مگر کبھی، کبھی ساس کی باتیں اس کا جگر چھلنی کر دیتیں اور اسے لگتا ضبط کی طنابیں ٹوٹنے لگی ہیں۔

اب انہوں نے اٹھتے بیٹھتے بچے کی رٹ لگانی شروع کر دی تھی انہیں پوتا، پوتی کی خواہش تھی جس کے لیے وہ موردِ الزام ماورا کو ہی ٹھہراتیں۔ اور پھر اچانک بجیا کے فون نے خوشی کی لہر دوڑا دی۔

''ماورا میں اپنے گھر جا رہی ہوں۔ عالیان کل

مجھے لینے آرہے ہیں۔'' خوشی ان کی آواز سے چھلک رہی تھی۔

''سچ بجیا......؟'' اس نے بے تابی سے پوچھا۔

''ہاں ماورا، مجھے احساس ہوا کہ میں غلطی پر تھی، عورت کا اصل گھر تو اس کے شوہر کا گھر ہوتا ہے۔ شادی کے بعد تو میکا سرائے ہوتا ہے جہاں لڑکیاں عارضی طور پر پڑاؤ ڈالتی ہیں۔ ہم دونوں میاں بیوی کے درمیان وجۂ تنازع میری ملازمت تھی مگر اتنے سال خودمختاری اور آزادی سے نوکری کر کے بھی میں خوش نہ رہ سکی۔ جب کولیگ اپنے شوہر اور بچوں کی باتیں کرتیں، روٹھنے منانے کے قصے سنائے جاتے، خلوت اور جلوت کے تذکرے ہوتے تو مجھے خالی پن کا احساس ہونے لگتا گھر کے در و دیوار کاٹنے کو دوڑتے، رات کروٹیں بدلتے گزر جاتی اور مجھے کسی چیز کی کمی کا احساس ہونے لگتا۔ وہ جب اپنے بچوں، شوہر اور سسرال کی اچھائیاں، برائیاں بیان کرتیں تو میں سب کا منہ تکا کرتی کہ میرے پاس تو کچھ کہنے کو تھا ہی نہیں۔ عورت کی تکمیل اولاد سے ہوتی ہے اور میں اس سے بھی محروم ہوں۔ میں اپنی روٹین لائف سے تھک گئی ہوں، زندگی کا مقصد سمجھ میں نہیں آرہا تھا انا اور خودداری آڑے آرہی تھی ورنہ اب میں گھر جانے کو بے قرار تھی۔ پھر عالیان نے ہی یہ کہہ کر دل بڑا کیا کہ اسے میری ملازمت پر کوئی اعتراض نہیں اور ماورا یقین کرو اب میں بہت خوش ہوں۔''

ماورا کا خوشی سے برا حال ہو گیا اس نے بہن کے لیے ڈھیر ساری نیک تمناؤں اور خواہشات کا اظہار کیا۔

☆☆☆

پتا نہیں لوگ زندگی کے خوب صورت ہنگاموں سے کٹ کر تنہائیوں میں کس طرح جی لیتے ہیں اور وہ دونوں ہی جی رہے تھے.... ماورا کو ارمغان سے ہمدردی بھی تھی، ایک ناپسندیدہ شخصیت کے ساتھ وہ کس طرح صبر سے وقت گزار رہا تھا۔ ماورا اب فورتھ ایئر میں تھی اور اب اس کی نائٹس بھی لگ رہی تھیں جس پر سب سے

## ایک قابل ذکر مشاعرہ

لکھنؤ میں ایک مشاعرہ ہو رہا تھا نامور شعرا اس میں شرکت کر رہے تھے۔ مصرعِ طرح یہ تھا۔

ناتواں ہوں کفن بھی ہلکا ہو

ایک شاعر آئے اور یوں گویا ہوئے۔

ڈال دینا دوپٹا ململ کا
ناتواں ہوں کفن بھی ہلکا ہو

یہ شعر سنتے ہی واہ، واہ کے نعرے گونج اٹھے اور انہوں نے کافی داد و تحسین سمیٹی...... اتنے میں ایک دبلے پتلے سے شاعر آئے ایک لمبی غزل پڑھی اور آخر میں جسم کو ڈھیلا چھوڑ کر یہ شعر پڑھا۔

ڈال دو سایہ اپنے آنچل کا
ناتواں ہوں کفن بھی ہلکا ہو

اس شعر کا پڑھنا تھا، مشاعرے کی چھتیں اڑ گئیں اور سب شعرا نے اپنے، اپنے کلام پھاڑ ڈالے۔

مرسلہ: سیدہ غزالہ عالم، کراچی

بڑا اعتراض اماں کو تھا اس دن بھی وہ نائٹ کر کے تھکی ماندی گھر آئی تو ماں، بیٹے میں تکرار ہو رہی تھی۔

''بیٹا! تو سمجھتا کیوں نہیں، میں تیری دوسری شادی کرنا چاہتی ہوں، ماورا کو گھر سے، بچوں سے اور تجھ سے کوئی دلچسپی نہیں، کیا پتا کالج میں اس نے اپنی دلچسپی کا کوئی سامان ڈھونڈ لیا ہو اتنی نیک پارسا لگتی نہیں پتا نہیں رات بھر کہاں، کہاں گلچھرے اڑاتی پھرتی ہوگی۔''

''اماں......!'' ارمغان کی دہاڑ سے ان کی بولتی بند ہو گئی اور وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

''اماں پلیز! اس حد تک نہ جائیں کہ میں ضبط کھو بیٹھوں، پہلے ہی آپ لوگوں نے نہ صرف مجھ پہ بلکہ اس

مظلوم لڑکی پر بھی ظلم کیا۔کم عمر، خوابوں کی دنیا میں رہنے والی ایک فرمانبردار اور شریف لڑکی جو آپ کی اور اپنے والدین کی خواہشات کی بھینٹ چڑھ گئی۔ آپ لوگوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ عمر میں مجھ سے کتنی چھوٹی ہے۔ آج کل تو اس عمر کی لڑکیاں ہلا گلا کر کے خوش رہتی ہیں، لاکھ مجھے اس سے دلچسپی نہیں مگر میرے ضمیر کا بوجھ مجھے چین سے جینے نہیں دیتا، اس کی پارسائی پر بھی شک مت کیجیے گا ورنہ عرش ہل جائے گا۔'' ماورا کے قدم بھاری ہو گئے، دل گداز ہوا تو آنکھیں بھر آئیں اور وہ واش روم میں گھس کر دل کا بوجھ ہلکا کرنے لگی۔

☆☆☆

ارمغان کا رویہ سسرال کے ساتھ اتنا اچھا اور مہذب تھا کہ اب تو ماورا کی امی نے بھی بچے کی رٹ لگالی تھی ان کا اصرار تھا کہ اسے اپنا چیک اپ کرانا چاہیے کیونکہ فروا بھی اب ماں بننے والی تھی لیکن ماورا کو اپنا بھرم عزیز تھا وہ اپنا تماشا نہیں بنانا چاہتی تھی۔ اسے ساری زندگی اسی طرح اپنے خوابوں کے ساتھ رہنا تھا وہ خوش تھی، ارمغان اس کی عزت کرتا تھا اس کی نظروں میں اس کے لیے محبت واحترام ضرور تھا۔

پھر اچانک ارمغان کو ایک کانفرنس میں لندن جانا پڑ گیا تب ماورا کو احساس ہوا کہ وہ اس کے لیے کیا تھا وہ انجانے میں اس کی موجودگی کی عادی ہو گئی تھی، اسے لگتا تھا صدیاں بیت گئیں۔ رات کی تاریکی میں ارمغان کی یاد کی گرفت اور نگاہوں میں دشمنِ جاں کی تصویر...... آنکھوں میں اس کا پیار اور ہونٹوں پر اس کا نام...... ہر دھڑکن میں اس کا احساس اور ہر احساس میں محبت کی سوختہ آنچ...... وہ سوچتی ''کیا نکاح کے دو بولوں میں اتنی طاقت ہے کہ وہ ساری زندگی اسی طرح اس کے نام پر گزار دے گی؟'' یہ کیسی یک طرفہ محبت تھی جس میں اس کا تن من جل اٹھا تھا اور وہ پور، پور ان کی محبت میں ڈوبتی چلی جا رہی تھی ''وہ تو اپنے نرم گرم بستر میں محو خواب ہوں گے اور میں یادوں کی مالا پرو پرو کر تھک گئی ہوں۔'' اس بے قراری میں ایک لذت بھی تھی اور خالی پن بھی...... ہاتھوں میں وہ منہ چھپا کر رونے لگی اور نہ جانے کب اس کی روتے، روتے آنکھ لگ گئی اور اماں کی چیخوں سے آنکھ کھلی تو وہ ننگے پاؤں دوڑی باہر نکل کر کیا دیکھا کہ انعمتا سیڑھیوں سے گر کر بے ہوش ہو گئی ہے اور اس کے چاروں طرف خون کا دریا سا بن گیا تھا۔ اماں اپنے ہوش وحواس کھو چکی تھیں اور بے سدھ پڑی تھیں، ماورا نے اپنے اعصاب کافی مضبوط رکھے اس نے فوری ایمبولینس بلائی۔ اماں کو ملازمہ کے حوالے کیا اور اسے لے کر ایمرجنسی پہنچ گئی زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے اس کی حالت نازک تھی اور اسے فوری خون کی ضرورت تھی۔ بلا تامل ماورا نے اپنا خون پیش کر دیا کیونکہ اس کا بلڈ گروپ O positive تھا انعمتا کے سر میں بارہ ٹانکے آئے تھے۔ ماورا خود بھی کافی دھان پان سی تھی۔ خون دینے کے بعد مسلسل چکر آ رہے تھے لیکن وہ خوش تھی کہ اپنی بہن جیسی نند کو زندگی کی طرف لانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ ایک دم ساس کا خیال آیا، تین گھنٹے گزر چکے تھے اس نے فون کیا تو انہوں نے اس کی آواز سنتے ہی چیخنا شروع کر دیا۔

''کہاں لے گئیں میری بچی کو اگر کچھ ہو گیا تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔'' ان پر ہسٹریائی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

''اماں......'' ماورا نے تحمل اور برداشت سے کہا۔ ''آپ پریشان نہ ہوں، انعمتا اب خطرے سے باہر ہے۔ خون چڑھا دیا گیا ہے رات زیادہ ہو گئی ہے، میں صبح آپ کو لینے آؤں گی۔''

صبح اماں اسپتال پہنچیں تو بیٹی کو دیکھ کر زار و قطار رونے لگیں اس کا رنگ زرد ہو گیا تھا مگر ہمت سے تکیوں کے سہارے بیٹھی ہوئی تھی۔

''دیکھا اماں آپ نے۔'' وہ نقاہت زدہ آواز میں بولی۔ ''انہیں سارا دن آپ برا بھلا کہتی رہتی تھیں طنز وطعنوں سے جس کا کلیجا چھلنی کر دیتی تھیں آج انہی کے خون نے مجھے نئی زندگی دی ہے آپ تو ان کے ڈاکٹر

بننے پر بھی معترض تھیں ناں لیکن ان کے ڈاکٹر ہونے کی وجہ سے ہی مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اگر بھابی بر وقت خون نہ دیتیں تو کچھ بھی ہوسکتا تھا اور پھر ساری رات میرے سرہانے بیٹھ کر دعائیں کرتی رہیں، یہ مجھے نرس نے بتایا۔ ساری زندگی آپ نے انہیں ہانیہ بھابی اور حمنیٰ کی کسوٹی پر ہی پرکھا۔ انہی کے آئینے میں دیکھا کبھی انہیں اہمیت نہیں دی، کبھی ان کے جذبات سمجھنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔'' اُدھر اماں احساسِ ندامت سے سر اٹھانے کے قابل نہیں رہی تھیں جسے کھوٹا سکہ سمجھا رہی تھیں آج ان کے کام آیا۔ انعمتا انہیں آئینہ دکھا رہی تھی۔ ماورا چونکہ ڈاکٹر تھی اور انعمتا کی بہتر دیکھ بھال کرسکتی تھی اس لیے تین دن بعد اسے گھر جانے کی اجازت مل گئی تھی لیکن ارمغان کو اطلاع دینے سے خود ماورا نے منع کر دیا تھا۔ اماں اسے گلے لگا کر کئی مرتبہ اپنے نازیبا رویے کی معافی مانگ چکی تھیں لیکن ماورا نے ان سے صاف کہہ دیا تھا کہ اسے ان سے کوئی شکایت نہیں پھر معافی تلافی کیسی۔

☆☆☆

آج اس کی نائٹ تھی، وہ تھکی ہاری گھر آئی تو گھر میں سناٹے کا راج تھا ویسے بھی کسی سے بات کرنے کا موڈ نہیں تھا سو خاموشی سے اپنے کمرے میں آگئی لیکن دروازے میں ہی ٹھٹک کر رک گئی غالباً ارمغان آچکے تھے کیونکہ ان کا سامان بستر پر پھیلا ہوا تھا۔ وہ کمرے سے نکلنے کا ارادہ ہی کر رہی تھی کہ ارمغان واش روم سے نکل آئے اور... بڑی گرم جوشی سے السلام علیکم کہا۔ ماورا نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا اُن کے انداز بدلے، بدلے سے تھے آنکھوں میں چمک اور چہرے پر ایک الوہی خوشی ہویدا تھی۔

''میرا خیال ہے سلام کا جواب دینے سے بھی دس نیکیاں ملتی ہیں۔''

''وعلیکم السلام۔'' ماورا نے جلدی سے جوب دیا اور باہر کی طرف قدم بڑھائے۔

''ماورا آپ کہاں جا رہی ہیں میں اتنے دن بعد آیا ہوں کچھ دیر تو میرے پاس بیٹھیں۔'' انہوں نے التجا کی۔ ماورا کے قدم جیسے زمین میں گڑ سے گئے۔

''میرا اور آپ کا ایسا کوئی تعلق نہیں ہے کہ میں بیٹھنے پر مجبور ہوں۔'' ماورا کا لہجہ روکھا اور خشک تھا۔

''تعلق نہ صحیح رشتہ تو ہے ناں میاں بیوی کا۔''

ماورا کا دل چاہا منہ توڑ جواب دے مگر ازلی بزدلی اور مروت آڑے آگئی۔

''سب سے پہلے تو میں آپ کا بے حد مشکور ہوں کہ آپ نے میری غیر موجودگی میں میری ذمے داریاں احسن طریقے سے نبھائیں۔ خاص طور پر اماں بتا رہی تھیں جس طرح آپ نے انعمتا کا خیال رکھا ایسا صرف ایک بہن ہی رکھ سکتی ہے۔''

''آپ کو مشکور ہونے کی قطعی ضرورت نہیں کیونکہ اس گھر میں میرا اب زیادہ تعلق صرف انعمتا سے ہی ہے۔ بحیثیت ڈاکٹر مجھے تو یہ کرنا ہی تھا لیکن اس سے زیادہ انعمتا کی محبت نے مجھے یہ سب کرنے پر مجبور کیا۔'' ماورا کا لہجہ خشک تھا۔

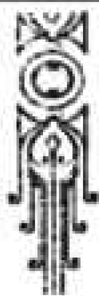
''ماورا کیا ایسا ممکن ہے کہ آپ مجھے معاف کر دیں۔ میں نے جو سلوک آپ کے ساتھ روا رکھا اس کے لیے معافی کا تو لفظ بہت چھوٹا ہے مگر ان سالوں میں جتنا آپ نے اعلیٰ ظرفی، بلند ہمتی اور وضعداری کا مظاہرہ کیا وہ آپ جیسی ایک عورت ہی کرسکتی ہے مجھے یہ کہنے میں اب کوئی عار نہیں کہ آپ نے اپنے کردار اور گفتار سے ساری عورتوں کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے عورت کی عظمت کا مرد سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ مرد بڑبولا، شکی، تنگ مزاج اور تنگ دل ہوتا ہے، وہ کم ظرف ہونے کے ساتھ، ساتھ جذباتی طور پر بھی عورت سے بہت کمزور اور بے حس ہے۔ میں مانتا ہوں میں نے اور امی نے آپ کے ساتھ بہت زیادتی کی لیکن آپ جیسی اعلیٰ ظرف خاتون سے مجھے معافی کی امید ہے۔'' ارمغان کے گڑگڑانے سے ماورا کی آنکھیں بھر آئیں اس نے سوچا کیا ارمغان کی یہ معافی تلافی اس کے گزرے ہوئے ماہ و سال واپس لا سکتی تھی؟

کیا اس کی ویران اور سونی زندگی میں بہار آسکتی ہے؟
''نہیں۔'' دل نے گواہی دی کیونکہ دل اس کا اب طلبگار نہیں رہا تھا، اس کی خاموش محبت اس کی رفاقت کی متمنی نہیں تھی، جذبات سرد ہو گئے تھے دل پر جیسے کائی سی جم گئی ہو لیکن آج پھر وہ ایک مجبور عورت تھی۔
''آپ یقیناً سوچ رہی ہوں گی کہ یہ انقلاب کیسے آیا... تو میں آپ سے بالکل بھی نہیں چھپاؤں گا۔ لندن میں مجھ پر حمنیٰ کی اصلیت کھلی، وہ اپنے دوست کو بتا رہی تھی اور میں پیچھے کھڑا سن رہا تھا۔
''ارے چھوڑو وہ ارمغان ٹٹ پونجیا پروفیسر میں نے مشکل سے ایم بی بی ایس اسی لیے کیا تھا کہ کسی موٹی آسامی کو پھانسوں۔ ارمغان میری منزل نہیں راستے کا پڑاؤ تھا، وہ تو خود اس کی امی نے منع کر دیا ورنہ میں کون سا اس کے لیے مری جا رہی تھی جونہی مجھے سیٹھ لیاقت نے پروپوز کیا میں نے فوراً ہامی بھر لی عمر زیادہ ہے تو کیا عیش بھی تو دیکھو پوری دنیا گھوم چکی ہوں، سیٹھ لیاقت کے سامنے ارمغان کی اوقات ہی کیا ہے۔'' اس نے حقارت سے کہا اور میں خود اپنی نظروں میں گر گیا اور آپ یقین کریں ماورا آپ کی طرف لوٹنے کی وجہ صرف حمنیٰ نہیں بلکہ آپ خود ہیں، آپ کی عظمت کے سامنے میں خود کو بہت چھوٹا محسوس کر رہا ہوں۔ آپ چاہتیں تو میری اصلیت طشت از بام کر دیتیں۔ میں نے آپ کو آپ کے حق سے محروم رکھا لیکن امی کے طعنوں کے باوجود آپ نے زبان نہیں کھولی۔ اپنے میکے میں بھی میرا بھرم رکھا۔ آپ یقین کریں میں غیر ارادی طور پر آپ سے متاثر ہونے لگا تھا۔ آپ سے خاموش محبت کرنے لگا تھا۔ مگر انا آڑے آجاتی تھی لیکن لندن جانے سے پہلے میں تہیہ کر کے گیا تھا آپ کے آگے گھٹنے ٹیک دوں گا اور اپنی کوتاہی، کوتاہ بینی اور کم عقلی کا ضرور اعتراف کرلوں گا۔ ماں، باپ کا تجربہ اولاد سے زیادہ اور صائب ہوتا ہے، میری امی نے حمنیٰ کو اور آپ کو پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ اگر آپ دل بڑا کر کے مجھے معاف کر دیں تو یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی ہوگی لیکن آپ چاہیں تو آپ کے لیے میری طرف سے کوئی پابندی نہیں، آپ کم عمر ہیں، جوان ہیں آج بھی آپ کو اچھے سے اچھا رشتہ مل سکتا ہے میں آپ کو زبردستی اپنے ساتھ رہنے پر مجبور نہیں کروں گا اور خوشی، خوشی آزاد کر دوں گا۔''
''اب رہائی ملے گی تو مر جائیں گے۔'' ماورا کا دل بھر آیا یہ کیا کہہ دیا... مغان نے۔ اس نے کبھی کہیں ایک پیراگراف پڑھا تھا۔ جو اس وقت اس کے ذہن کے پردے پر چمکا تھا۔
''عورت زندگی میں صرف ایک بار محبت کرتی ہے اور زندگی کے آخری لمحوں تک اس پہلی محبت کو فراموش نہیں کرتی، اس کے برعکس مرد کے لیے محبت ایک دلچسپ کھیل ہے جو وہ اپنی زندگی میں بار، بار کھیلنے کی کوشش کرتا ہے۔''
اسے خاموش دیکھ کر ارمغان افسردگی سے بولے۔
''ماورا آپ کی خاموشی کو میں کیا سمجھوں؟ آپ کی عدالت مجھے جو بھی سزا دے، وہ مجھے منظور ہے لیکن آپ کی خاموشی مجھے تکلیف پہنچا رہی ہے۔ آپ چیخیں، چلائیں مجھے برا بھلا کہیں، مجھے آئینہ دکھائیں آپ کا حق ہے مگر خدارا چپ نہ رہیں، یہ آپ کی خاموشی میری روح پر کوڑوں کی طرح لگ رہی ہے۔'' ماورا بری طرح رونے لگی اس کا پورا جسم کانپ رہا تھا ارمغان نے کچھ جھجکتے ہوئے پورے استحقاق سے اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ ''یہ آنسو میرے دل پر گر رہے ہیں ماورا، مجھے یقین ہے آپ نے اس کم ظرف کو معاف کر دیا ہوگا، میں گزرا ہوا وقت تو واپس نہیں لا سکتا لیکن آنے والی زندگی میں آپ کو وہ خوشی دوں گا جس سے اب تک آپ محروم رہی ہیں۔ انشاء اللہ ہمارا مستقبل تابناک ہوگا اور امی کی پوتا، پوتی کی حسرت بھی پوری ہو جائے گی۔'' آخر میں ان کا لہجہ شوخ ہو گیا اور ماورا نے شرماتے ہوئے ان کے سینے میں منہ چھپاتے ہوئے طمانیت سے آنکھیں بند کر لیں۔





## مکمل ناول



# وہی تو ہے

میمونہ صدف

سرخ رنگ کی دھاریوں والی فائل اس کے سامنے کھلی پڑی تھی اور وہ اس میں نتھی کاغذات پر بلامبالغہ تیسری نظر ڈال رہا تھا۔

”یہ کیا ہے؟“ تیسری بار غور سے پڑھ لینے کے بعد اس کے لب وا ہوئے تھے۔ وہ پڑھ چکا تھا کہ وہ کیا ہے...... جان گیا تھا کہ وہ کیا ہو سکتا ہے پھر بھی پوچھ رہا تھا۔ وہ جان کر انجان بن رہا تھا۔ پتا نہیں خواب کی سی کیفیت تھی یا کیا......



''جو دِکھ رہا ہے۔'' وہ اتنی ہی بااعتماد تھی جتنا کہ وہ بلا اعتماد تھا۔

''بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟'' وہ ہنوز خواب کی سی کیفیت میں تھا۔

''آپ کو یقین نہیں آرہا ناں......؟'' وہ مسکرائی۔ ''مجھے بھی نہیں آیا تھا مگر اب آ گیا ہے۔'' وہ خوش نہیں تھی بلکہ بے حد خوش تھی۔ وہ بے یقین نہیں تھی بلکہ پُر یقین تھی۔

''مجھے تو شاید اِک صدی تک نہیں آئے گا۔'' وہ بڑبڑایا تھا اور اس کی بڑبڑاہٹ وہ نہ سن سکی تھی۔ وہ اپنی ہی دُھن میں تھی...... مست، مگن......

''یہ میرے یقین کا یقین ہے...... اچھے گمان کا سامان ...... ہر مترصد (امید رکھنے والا) کو ملنے والا انعام......'' اب اس نے آنکھیں موند لیں اور وہ بادلوں سے گھرے اس ٹیرس پر کھڑی بادلوں کا حصہ بن گئی...... ہلکی پھلکی سی ہو کر ان کے سنگ جیسے اڑنے لگی...... مری کی جانب سے آتی ہوا کی ہمنوا بن کر سفر کرنے لگی۔ دور بہت دور...... پہاڑوں کی چوٹیوں پر......

''میں مترصد...... میں مترشح (ظاہر ہونے والا) میں متوکل (بھروسا کرنے والا) بن کر ہی اس کے در کی مجاور بن گئی اور وہ ملکوں کا مالک کیسے دان کرتا ہے۔ دیکھو، دیکھو آ کر دنیا والو...... وہ یوں دیتا ہے، ایسے نوازتا ہے۔ بالکل ایسے۔''

وہ اب سینے پر پھیلے اپنے دوپٹے کو دونوں بازوؤں پر پھیلا کر آسمان کی جانب نگاہیں اٹھائے گول، گول گھومنے لگی...... کھلے بازوؤں، پھیلے دوپٹے، روشن آنکھوں، شاکر زبان، ذاکر دل اور متبسم لبوں کے سنگ یوں جیسے آسمان سے برسنے والی سبھی رحمت کی پھوار کو اپنے انگ، انگ میں سمیٹنے کا قصد کر لیا ہو...... اسے خود میں جذب کر رہی ہو اور وہ ایک بوند بھی رحمت کی ضائع کر دینے کی متحمل نہ ہو سکتی ہو۔

وہ وہیں بیٹھا ہاتھ میں فائل تھامے پھٹی نگاہوں، ساکت جسم، بے یقین دل اور گنگ زبان لیے اسے دیکھے چلے گیا۔ وہ یہ بات محض اس کی زبان سے سنتا تو سوچتا کہ وہ تخیل حواس سی ہو کر اوٹ پٹانگ ہانک رہی ہے...... اتنے سالوں سے کی گئی ہمت بالآخر ہار گئی ہے مگر اس کے سامنے باقاعدہ کاغذات کا پلندا تھا جس پر نہ چاہتے ہوئے بھی اسے یقین کرنا پڑ رہا تھا۔

''میرا یقین جیت گیا نین، میرا ایمان سرخرو ہوا۔ میری آزمائش ختم ہوئی، میری دعائیں قبول ہوئیں، میری فریادیں سن لی گئیں۔'' وہ ہنوز آنکھیں موندے اسی طرح جھوم رہی تھی، وہ ایک درویش رقص تھا جو اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

☆☆☆

''آج بھی بھابی اور بھائی اتنا کچھ لے آئے ہیں بچوں کے لیے...... مجھے بڑی شرمندگی ہوتی ہے، ہر بار، نہ کرتے ہوئے بھی سات، آٹھ ہزار کے تحفے تحائف تو لے ہی آتے ہیں وہ لوگ۔'' تہمینہ سارا سامان سمیٹ رہی تھی اور ساتھ، ساتھ میاں کو بھی سنا رہی تھی جو لاؤنج میں ہی بیٹھا تھا۔

''تو کیا ہوا بھئی محبت ہے میرے بھائی کی۔'' وہ ہمیشہ کی طرح لاابالی پن اپنائے ہوئے صوفے پر براجمان ٹی وی دیکھنے میں منہمک تھا۔

''بلاشبہ ان کی محبت ہے مگر ہم ان کی محبتوں کے مقروض ہو رہے ہیں۔'' اس کی سیانی سی بیوی ہمیشہ کی طرح اس کی اس فطرت پر سر پکڑ کر رہ گئی۔

''ارے بھئی محبتوں میں کیسا قرض......... محبتیں بلامشروط ہوتی ہیں۔''

''محبتیں ہی تو مقروض کر دیتی ہیں میاں صاحب...... آپ انہیں منع کیا کریں کہ اتنا کریں جتنا ہم افورڈ کر سکیں۔'' وہ اب ڈریسنگ ٹیبل سے لوشن اٹھا کر وہیں لاؤنج میں آ کر فلور کشن پر بیٹھ گئی۔ کشف اور مون سو چکے تھے اور یہ وہ وقت ہوتا تھا جب وہ دونوں میاں، بیوی ساتھ بیٹھ کر کچھ دیر آپس میں بات چیت کرتے تھے ورنہ تو سارا دن وہ دونوں اسے نچائے رکھتے تھے۔ دونوں جڑواں تھے جنہیں سنبھالتے،

سنبھالتے وہ ہلکان ہوجاتی۔

''اور جیسے میرے منع کرنے پر وہ منع ہو جائیں گے اور اگلی بار خالی ہاتھ آئیں گے...... ہے ناں۔'' اس نے خائف نظروں سے بیوی کو دیکھا...... ''وہ آنا تو چھوڑ سکتے ہیں محترمہ مگر لانا نہیں چھوڑ سکتے۔''

''آپ پھر بھی بات تو کیجیے گا ناں۔'' وہ بضد تھی۔

''یار جب کشف، مون پیدا ہوئے تھے تب میں نے دو تین مرتبہ منع کیا تھا بھائی جان کو ایک دو بار صاف الفاظ میں......اور ایک آدھ بار دبے لفظوں میں تب بھائی جان نے ٹھیک ٹھاک برا منایا تھا اب میں پھر سے وہی غلطی نہیں دہرا سکتا۔''

''خود تو ان کے یہ حالات ہیں کہ جب ان کے ہاں تحائف لے کر جاؤ تو واپس لوٹا دیتے ہیں آدھے سے زیادہ تحائف اور ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ تم دونوں چھوٹے ہو اور چھوٹوں کا دینا نہیں بنتا......خود جب بھی آئیں خالی ہاتھ نہیں آتے کچھ نہ کچھ ضرور لاتے ہیں۔'' وہ ٹھیک ٹھاک چڑ کر بولی تو حسن ہنسنے لگا۔

''عجیب خاتون ہے دنیا کی میری بیوی بھی......'' اس نے اوپر دیکھ کر مصنوعی آہ بھری۔ ''اتنی اچھی سسرال ملی ہے، خیال رکھنے والے دیور، نندیں اور ساس، سسر ویسے ہی نہیں ہیں تمہارے کہ جنہیں لوگ جھنجٹ کہتے ہیں۔ اب اتنا پیار کرنے والا میرا کزن اور اس کی بیوی ہے جو اس انجانے شہر میں ہمیں اکیلے پن کا شکار نہیں ہونے دیتے۔ اس پر بھی محترمہ کو اعتراض ہے۔'' وہ باقاعدہ اسے چھیڑ رہا تھا...... وہ بخوبی جانتی تھی اس لیے مسکرادی۔

''بھئی میں باقاعدہ شکر ادا کرتی ہوں میاں صاحب......بس بھابی اور بھائی کے اس قدر التفات پر میں بے حد شرمندہ ہوجاتی ہوں۔ وہ بہت زیادہ کرتے ہیں حسن۔''

''دعا کیا کرو ان کے حق میں، بڑے پیارے دل کے ہیں دونوں۔'' اس نے عجیب طرز سے آہ بھری۔

''حسن یہ پوچھیں کب، کب میں ان کے حق میں دعا نہیں کرتی۔'' وہ کچھ افسردہ سی ہوگئی۔

''اچھا تو بتاؤ کب، کب نہیں کرتیں؟'' اس کے شرارتی سے انداز پر وہ ہنس دی تھی۔ وہ بھی ہنس دیا تھا۔

☆☆☆

وہ سات بہن، بھائیوں میں سب سے بڑا تھا......سب سے زیادہ سمجھدار......سب سے زیادہ ذمے دار......سب سے زیادہ عقلمند اور شاید سب سے زیادہ محنتی۔

ددھیال اور ننھیال کا وہ پہلا بچہ جس نے پانچ سال بلا شرکت دونوں جانب سے خوب، خوب پیار سمیٹا تھا۔ خالاؤں، ماموؤں، چچاؤں اور پھپوؤں سے کہ اس کے ابا جی بہن، بھائیوں میں سب سے بڑے اور اماں بھی۔ ہر طرف سے اور ہر ایک سے اسے واہ، واہ سننے کو ہی ملتی۔ وہ ہر دلعزیز تھا......گھر بھر میں خاندان میں اور اسکول میں بھی...... اور یہ داد و تحسین اسے مغرور نہیں بناتے تھے بلکہ وہ پہلے سے بھی زیادہ اپنی شخصیت کو نکھارنے پر محنت کرنے لگتا......وہ ہمیشہ یہ پزیرائی چاہتا تھا اور اس کے لیے اسے خود کو ایسا بلکہ اس سے بڑھ کر قابل ثابت کرنا تھا۔

جب وہ پانچ سال کا تھا تب اس سے چھوٹے بھائی نے اس دنیا میں قدم رکھا تھا......وہ پانچ سال کا معصوم سا بچہ خود بخود اپنے آپ کو بھائی جان محسوس کرنے لگا تھا۔ اور خود بخود ذمے دار بن گیا تھا۔ اور پھر اس دن سے اِک احساسِ ذمے داری اس کے پلو سے بندھ گیا تھا، اس کی فطرت میں شامل ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے بیشتر کام خود کرنے کے ساتھ، ساتھ بھائی عمر کے بھی چھوٹے موٹے کاموں کی ذمے داری اپنے سر لے لی تھی۔ جب دو سال بعد عدیلہ کی پیدائش ہوئی تو وہ اور بھی ذمے دار بن گیا......پھر اوپر تلے بچوں کی پیدائش نے اماں کو بے حد مصروف کردیا تھا۔ سو اس نے نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ چھوٹے بہن بھائیوں کو بھی خود پالا اور پڑھایا لکھایا تھا۔

وہ گھر کی بھی اہم ذمے داریاں کسی کے کہے بغیر

نبھانے لگا تھا اور خوب، خوب نبھاتا...... ابا اس زمانے کے ہیلتھ سیکرٹری تھے سو گھر میں پیسے کی ریل پیل تھی۔ اماں کو کبھی فکر نہیں ستائی کہ کون سی شے ختم ہے اور کون سی کم...... گھر کے سامان میں سے کیا پڑے، پڑے خراب ہو چلا ہے اور کس شے کو مرمت کی ضرورت ہے۔ کس بچے کو پڑھائی میں مسئلہ ہے اور کس کی صحت خراب ہو چلی ہے، ان سب کاموں کو وہی بخوبی نبھا رہا تھا۔ وہ امی، ابا کے تمام ضروری معاملات میں مشاورت کے لیے لازم و ملزوم سمجھا جاتا...... ہاں ان سب فرائض کو نبھاتے، نبھاتے وہ بچپن میں ہی جوان ہو گیا تھا اور بے حد سنجیدہ بھی...... مگر وہ قابل تھا اور ایک دنیا اس کی قابلیت کی گواہ تھی۔

وہ جتنا ذمے دار تھا پڑھائی اور کھیلوں میں بھی اتنا ہی ہوشیار تھا...... اس کے اساتذہ اس کے مداح تھے۔ وہ ناقابلِ فراموش کیے جانے والے شاگردوں میں سے تھا۔

کالج سے فارغ التحصیل ہو کر جب اس نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو اماں کو اس کے سر پر سہرا سجانے کی فکر ستانے لگی اور اماں ہی کیوں اس کی خالائیں اور پھپیاں بھی بہت شوق اور ارمان رکھتی تھیں اس کی شادی کے...... جب خاندان کی کوئی تقریب ہوتی موضوعِ گفتگو اس کی شادی ہی ہوتی۔

''ارے ابھی میری عمر ہی کیا ہے...... پڑھ رہا ہوں میں، پھر اور پڑھوں گا اور نوکری کروں گا۔'' وہ خالاؤں کے نرغے سے خود کو بچاتا تو پھپیاں گھیر لیتیں۔

''ابھی سے لڑکی ڈھونڈنا شروع کریں گے تو تین، چار سال بعد کہیں جا کر کسی پر نظر ٹکے گی ناں۔'' اور وہ معصومیت سے حیرت کا اظہار کرتا۔

''اتنی لمبی کھوج وہ بھی ایک لڑکی کے لیے۔''

''ہاں تو اور پری ڈھونڈنی ہے اپنے راج کمار کے لیے۔'' مامیاں کیوں پیچھے رہتیں۔

''نہ، نہ پری ڈھونڈنے تو پرستان جانا پڑے گا اس میں تو صدیاں بیت جائیں گی اور پھر پری کا کیا بھروسا پر لگا کر اڑ جائے بس عام سی لڑکی ڈھونڈیں جو انسانوں کی قوم سے ہو۔'' وہ کانوں کو ہاتھ لگاتا استدعا کرتا۔

''ہوں ں ں...... تو گویا لڑکا رضامند ہے۔'' بڑی خالہ نے کان پکڑ لیا اس کا۔

''ارے نہیں خالہ ابھی تو مجھے پڑھنا ہے بہت سارا۔'' وہ کان چھڑا کر فوراً سے بھاگ کھڑا ہوتا تو سب مل کر قہقہے لگاتیں۔

''سب دکھاوے ہیں شرمانے کے، اندر سے لڈو پھوٹتے ہیں اس کے۔'' منجھلی خالہ کے پیچھے سے آواز ے کسنے پر وہ مسکراہٹ دبا کر انہیں گھورتا ہوا جاتا۔

سو یوں لڑکی ڈھونڈنے کی مہم شروع کی گئی۔ ہر دوسرے روز وچولن تصاویر کا پلندا لیے چلی آتی اور سب کے باہمی مشورے سے ان میں سے ایک دو لڑکیوں کو دیکھنے کی ہامی بھری جاتی۔

پہلے پہل تو اماں، بڑی خالہ اور بڑی پھوپی کو ساتھ لگائے جاتیں اور ناک بھوں چڑھا کر واپس لوٹ آتیں، لڑکی انہیں اپنے ہونہار کے معیار کی نہ لگتی...... کبھی لڑکی کی آنکھیں پسند نہ آتیں تو کبھی ناک کبھی وہ مہذب اور شائستہ نہ لگتی تو کبھی خاندان پر اعتراض ہونے لگتا۔ ہر بار گاڑی خواتین سے لدی پھندی جاتی اور واپسی پر سب کے منہ سوجے ہوتے۔

''کوئی مجھ سے بھی پوچھے گا میری مرضی کیا ہے؟'' روز، روز کی اس کدوکاش سے زچ ہو کر ایک روز وہ بول ہی پڑا۔

''ہائیں، تمہاری بھی کوئی مرضی ہے؟'' اماں کے تو دیدے ہی اس کی دیدہ دلیری پر پھٹے رہ گئے جبکہ دیگر خواتین منہ چھپائے ہنسنے لگیں۔ وہ تھا کہ خجل سا سر کھجانے لگا...... جذباتیت میں زیادہ کہہ گیا تھا۔

''اماں...... خوب صورتی معیار نہ رکھیں، میرا گھرانا بڑا ہے تو بڑے دل والی چاہیے جو سب کے ساتھ چل سکے...... سلیقہ مند ہو اور صابر بھی۔'' وہ نظریں جھکائے، جھکائے بولا۔

اور پھر وہاں اماں سمیت سب کے ہی قہقہے بلند

ہوئے...... وہ ہونقوں کی طرح سب کے چہرے باری، باری تکنے لگا بھلا ایسا بھی کیا چٹکلا چھوڑ دیا تھا۔ اپنے تئیں تو اس نے بڑی سمجھداری کا مظاہرہ کیا تھا۔

''جھلا ہے یہ......ارے پگلے ہم اس بنیاد پر ہی لڑکی کو جانچتے پرکھتے ہیں اور بھلا کیا دیکھنا ہوتا ہے۔'' اور اس دن کے بعد سے اس نے اس معاملے کو سراسر خواتین کا معاملہ قرار دے کر خاموشی اختیار کرلی۔

''ڈھونڈتی رہیں جو دل کرے ان کا...... جب مل جائے گی تو پتا چل ہی جائے گا۔'' اس نے خود کو سمجھا کر پوری توجہ پڑھائی پر لگادی۔

اور پھر ڈھائی سال بعد جا کر کہیں وہ سب خواتین ایک ہی لڑکی پر متفق ہوئیں تب جب .... ''ذوالقرنین'' نے اپنا ایم اے مکمل کر کے نوکری بھی شروع کردی تھی۔

ان سب کی نظر جا کر خزینہ پر ٹھہری تھی جو میجر مشتاق کی سب سے بڑی بیٹی تھی اور اس میں ہر گُر تھا۔ ان خواتین نے بھی اس کا ہر، ہر گُر ٹھونک بجا کر دیکھا تھا تب کہیں جا کر رشتہ پکا کیا تھا۔

''حور ہے حور......'' بڑی خالہ نے گھر پہنچتے ہی نین کو گھیر لیا۔ وہ ہولے سے مسکرادیا۔

''چاند سورج کی جوڑی لگے گی۔'' چھوٹی خالہ نے بلائیں لے ڈالیں اس کی۔

''پورے خاندان میں ایسی حسین لڑکی بیاہ کر نہ کبھی آئی نہ آئے گی۔'' چھوٹی پھپو کی بات پر وہ کھنکھارا۔

''کیوں پھپو، آپ نے اپنے بیٹوں کی دلہنیں نہیں لانا۔'' اور سب خواتین ہنسنے لگیں تو وہ جھینپ گیا۔

''یہ بتاؤ کہ لڑکی دیکھنے چلو گے؟'' بڑی ممانی نے اس کا ہاتھ تھام کر شرارت سے دبایا تو وہ خجل سا ہو گیا۔

''آپ سب نے جو پسند کیا مجھے یقین ہے بہتر ہی ہوگا۔'' اس نے تابعداری کا مظاہرہ کیا اور جان چھڑا کر بھاگ گیا۔

گھر بھر میں کیا...... خاندان بھر میں شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ خاندان میں برسوں بعد کسی کی شادی ہونے چلی تھی...... دوسری نسل کی پہلی شادی......سو کیا کزنز خوش اور کیا چاچیاں، مامیاں، پھپیاں، خالائیں پُرجوش......

''نین بھائی آپ دلہن لائیں گے؟ گھوڑی چڑھیں گے۔'' کبھی بچے اسے براہِ راست مخاطب کر لیتے تو وہ شرما کر سر ہلا دیتا۔ اور کبھی وہ ماؤں سے پوچھنے لگتے۔ ''امی نین بھائی دولہا بنیں گے؟'' سو شادی پر ہر ایک نے جی بھر کر ارمان پورے کیے...... کیا مایوں کیا مہندی...... بارات تو ایسی شاندار کہ سب اش اش کر اٹھے۔

''ارے بھئی سیکرٹری کا پتر ہے یا منسٹر کا؟'' باراتیوں میں سے ہی کسی نے آواز لگائی۔

''پرائم منسٹر کا ہے جناب۔'' کسی منچلے نے آواز لگائی۔ وہ شہزادوں کی سی آن بان لیے اگر بارات لایا تھا تو اگلوں کی جانب سے بھی دربار سجا ملا تھا...... دلہن گھونگٹ گرائے جب شامیانے میں داخل ہوئی تو برابر میں چوبدار بڑی شان سے چلتا تھا گویا واقعی کسی مہارانی کے جلو میں آگے بڑھ رہا ہو۔

رسمیں ہوئیں، نکاح ہوا پھر رخصتی ہوئی اور خیر سے دلہن بیاہ کر نین کے ہمراہ اپنی عشوہ پروری کے ساتھ چلی آئی۔

''ہاں جی برخوردار...... کیسی لگی پھر دلہن!'' اگلے روز خالاؤں نے اسے پھر سے گھیر رکھا تھا۔

''پسند آپ سب نے کی ہے سو جیسی پسند کی ہے ویسی ہی ہوگی۔'' وہ بڑی معصومیت سے کہتا انجان بن رہا تھا مگر تمتماتا چہرہ خوشی کا غماز تھا۔

''ارے بھئی وہی تو پوچھ رہے ہیں کہ بتاؤ کیسی پسند کی ہے ہم نے دلہن؟'' وہ بھی کہاں باز آنے والی تھیں۔ خاص کر چھوٹی خالہ تو اسے خوب زچ کرنے کا ارادہ رکھے ہوئے تھیں۔ دونوں کی عمروں میں تو کچھ خاص فرق نہیں تھا سو بڑی گاڑھی چھنتی تھی ان میں۔

''ارے ماسیو! اب تو مجھے بخش دو۔'' اپنی مسکراہٹ چھپاتا مسکین سی صورت بنائے وہ سب کے

آگے دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا تو سب کے قہقہے بلند ہوتے چلے گئے۔

اماں نے سہولت سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے خالاؤں کے نرغے میں سے یہ کہہ کر نکالا کہ انہیں کچھ کام ہے اس سے...... اپنے کمرے میں لے جا کر دروازہ بند کر دیا۔

''نین، خزینہ کو اس خاندان کی روایات کے متعلق بتایا؟'' وہ جس موضوع سے بچنا چاہتا تھا اماں اسے کھینچ کر اس پر لے آئی تھیں۔ وہ سر جھکائے خاموش رہا۔

''ابھی اور اسی وقت اسے سب سمجھاؤ...... پہلے وہ جو بھی کرتی رہی ہو۔ اب اسے اس خاندان کی روایات اور عقائد کے مطابق چلنا ہوگا...... جانتے ہو ناں تمہارے ابا اس معاملے میں کتنے محتاط ہیں۔''

نہ چاہتے ہوئے بھی اسے سر ہلانا پڑا۔ جن روایات اور عقائد کا درس وہ اسے دے رہی تھیں وہ خود ان کا منکر تھا مگر کبھی علی الاعلان اظہار نہیں کیا تھا۔

خزینہ کو تو وہ تب بتاتا جب انہیں خلوت میسر آتی...... وہ پورا وقت ایک مجمع میں گھری بیٹھی رہی۔

ناشتے کے وقت پراٹھا سالن دیکھ کر اس نے عجیب سا تاثر دیا۔ چھوٹی خالہ نے سرگوشی میں پوچھا۔

''کیا ہوا، کیا قیمہ پسند نہیں؟'' وہ جبراً مسکرا دی۔ خالہ سے اس کی خاصی بے تکلفی ہوگئی تھی۔ جب سے رشتہ پکا ہوا اتنی بار چھوٹی خالہ ان کے ہاں آئی گئی تھیں کہ وہ ہنسوڑ سی خالہ سے اچھی خاصی گانٹھ چکی تھی۔

''میں ناشتے میں انڈے کے سوا کبھی کچھ نہیں کھاتی خالہ۔'' سو اپنی مشکل کہہ ڈالی۔ خالہ پھر یوں چپ ہوئیں کہ اس کا تو دل، دہل گیا تھا تو سسرالی رشتہ، اسے یوں نہیں کہنا چاہیے تھا مگر کرتی بھی تو کیا...... عادات بدلنے میں بھی وقت درکار ہوتا ہے...... ساری زندگی ایک ہی شے کھاتے، کھاتے اب یوں پہلے ہی روز کیسے سالن کھالیتی۔ مشکل عمل تھا۔

خالہ نے آہستگی سے اس کا ہاتھ دبایا۔

''کسی اور سے مت کہہ ڈالنا...... ابھی یہی کھالو...... بعد میں سب پتا چلتا جائے گا اور سمجھتی جاؤ گی۔'' خالہ کا انداز اور الفاظ دونوں سمجھ سے باہر تھے۔

وہ مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق وہی زہر مار کرنے لگی۔

ذوالقرنین سے مڈبھیڑ ہونے پر خالہ اسے ایک طرف لے گئیں۔

''تم نے دلہن کو ابھی تک اس گھر کے ریتی رواج نہیں سمجھائے۔ آج اس نے مجھ سے کہا کہ اسے ناشتے میں انڈا کھانا ہے...... کل کو مزید فرمائشیں ہوں گی اس خاندان کے عقائد نہیں بدلیں گے۔ اسے خود کو بدلنا ہوگا۔'' عقائد وہ بار، بار روایات اور طور طریقوں کو کہہ رہی تھیں کہ وہ اتنی سخت تھیں کہ عقائد کا گمان ہوتا۔

''تو مت رشتہ کرتے ناں اس شاندار خاندان سے باہر...... کر دیتے کسی دور پار کی خالہ، مامی، تائی، پھپھی کی بیٹی سے میری شادی یا رشتہ پکا کرتے ہوئے اس خاندان کی روایات کی ایک فہرست تھما کر آتے ان کو کہ یہ منظور ہیں تو رشتہ بھی منظور ورنہ نامنظور......'' اس نے چبا، چبا کر غصے کی حالت میں یہ سب کہا...... خالہ اسے گھورنے لگیں۔ یہ خاندان کا پہلا رشتہ تھا جو خاندان سے باہر کیا گیا تھا کیونکہ انہیں کوئی اس کے ہم پلہ جوڑ نہیں ملا تھا خاندان میں۔

''اللہ کا خوف کھائیں، خالہ...... اور اس خود ساختہ عقیدت پسندی سے باہر نکلیں۔ آپ لوگوں نے تو ہندوؤں کے مانند خود ساختہ حلال، حرام بنا رکھے ہیں۔ خود تو غلط رستے پر ہیں، آنے والی کو بھی مجبوراً گھسیٹ رہے ہیں کہ بی بی ہماری راہ نہیں اپناؤ گی تو گناہ گار ہو، عذاب نازل ہوگا تم پر، اللہ کی لعنت ہوگی، جہنم میں ڈال دی جاؤ گی ہنہ......'' وہ اکتا کر بولا۔

''اُف خالہ! جب میرا دل اس پیروی کے لیے نہیں مانتا تو میں اسے کیسے کہوں اس سب پر ایمان لانے کو۔'' آخری جملہ اس نے خالہ کا ہاتھ تھام کر بڑی نرمی سے ادا کیا۔

”تمہارا دماغ درست ہے نین...... کیا اول فول بک رہے ہو؟“ خالہ نے غصے سے اسے پرے دھکیلا۔

”سو فیصد درست ہے اور کیا ہیں یہ عقائد...... انڈا نہیں کھانا، مرغی نہیں کھانی...... کالا رنگ نہیں پہننا...... رات سات بجے کے بعد کچھ نہیں کھانا۔ میں پوچھتا ہوں کس شریعت میں ہے یہ سب...... کون سی شریعت کے ماننے والے ہیں ہم؟ کوئی عذاب نہیں اترتا، کوئی لعنت نہیں ہوتی، میں اس پر ایمان نہیں رکھتا اور میں آپ کو آج بتا دوں کہ میں پچھلے سات سال سے یہ سب کر رہا ہوں گھر سے باہر رہ کر۔“ خالہ تو ساکت تھیں اس کے باغیانہ پن پر...... اس کی نافرمانی اور منہ پھٹ پر...... اور اس انکشاف نے تو گویا انہیں پتھر کا کر دیا تھا۔

ایک سکتہ باہر راہداری میں کھڑی خالہ کو ہوا تھا اور دوسرا سکتہ اندر کمرے میں موجود خزینہ کو ہوا یہ سب سن کر جب ذوالقرنین نے موقع جان کر اسے سب بتایا۔

”مطلب......؟“

”ہاں یہی مطلب کہ یہ سب اس خاندان میں ممنوع ہے۔“ اور وہ شوہر کی صورت حیرت سے تکنے لگی۔

☆☆☆

وہ ہیون خاندان کی ساتویں پیڑھی تھی۔ ساتویں نسل جو مسلمان تھی...... سات پیڑھیوں قبل ان کا خاندان جاٹ برادری سے تھا پھر برصغیر کے ایک صوفی منش کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کے خاندان نے اسلام قبول کیا تھا...... دین کی تعلیمات ان سے حاصل کیں...... اسلام پر کیسے کاربند ہونا ہے انہی سے سیکھا۔

صوفی منش اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے جنہوں نے لوگوں کو کبھی اپنی ذات کے گرد اکٹھا نہیں کیا...... ہمیشہ انہیں اللہ سے جوڑتے رہے۔ مگر ان کے عقیدت مند، عقیدت میں ایسے اندھے ہو جاتے کہ انہی کے ہر عمل کو اوڑھنا بچھونا بنا لیتے۔

صوفی منش کو مرغی کا گوشت اور انڈے موافق نہ آتے، طبیعت کی گرانی کا باعث بنتے سو وہ اس کا استعمال نہیں کرتے تھے، کالے رنگ سے جسم پر چھالے سے بننے لگتے سو وہ بھی نہ پہنتے...... رات سات بجے کے بعد کھانے پینے سے دل بوجھل ہونے لگتا سو کھانا ترک کر دیتے۔ رفتہ رفتہ ان کے پیروکاران معاملات میں ان کی پیروی کرنے لگے۔

”اللہ نے جو چیزیں حرام نہیں کیں انہیں بلا کسی عذر کیوں تم خود پر حرام کر رہے ہو، تمہارا دین میری پیروی کرنا نہیں ہے، اللہ کے احکامات کی پیروی کرنا ہے اور اللہ نے یہ سب حرام نہیں کیا۔ سو مت خود کو مشکل میں ڈالو۔“

صوفی منش یہی کہتے، کہتے دنیا سے چلے گئے مگر پیروکاران کے قول کے بجائے عمل کے پیچھے چلتے رہے...... نسل در نسل یہ عقیدت منتقل ہوتی رہی اور ساتھ ہی ساتھ اس عقیدت کے منکرین پر فتوئی جاری ہونے لگے...... جو منکر ہوا عذاب کا مستحق ہوگا...... اللہ کی مار ہوگی اس پر...... اور نہ جانے کیا، کیا...... وہ بچپن سے ہی ان عقائد سے خار کھاتا تھا...... پھر اس نے رفتہ، رفتہ ان روایات کو پرکھنا شروع کیا شریعت کی رو سے...... بہت جلد ہی وہ ان نتائج تک پہنچ گیا کہ اس کا خاندان غلط ہے...... جو حدود وہ خود پر لگائے ہوئے ہیں، وہ ہرگز بھی اللہ کی حدود نہیں بلکہ ان کی اپنی لگائی حدود ہیں...... جب رب نے وہ اشیا حرام نہیں کیں تو انسان کون ہوتا ہے انہیں خود پر حرام کرنے والا......

سو اس نے لڑکپن سے ہی ان اشیا کو چھپ، چھپ کر استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ ہیون خاندان کا پہلا نوجوان جو سب سے زیادہ پڑھا لکھا اور ہونہار تھا...... وہی اس خاندان کا پہلا باغی نکلا تھا...... پہلا منکرِ عقائد...... پہلا مجرم...... پہلا معتوب...... پہلا مفرور......

☆☆☆

خزینہ اپنی ذات میں مخزن تھی۔ اس نے تمام ذمے داریاں ایسے سنبھال لی تھیں کہ وہ محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتا ہی رہ جاتا۔ وہ اپنے خاندان

کی خواتین کے پاؤں دھو دھو بھی پیتا تو اس احسان کا حق ادا نہیں کرسکتا تھا کہ انہوں نے کیسی گنوں والی لڑکی اس کے لیے چنی۔

اس روز کے بعد سے اس نے کبھی ان اشیا کا نام نہ لیا جو اس گھر میں ممنوع تھیں...... وہ اس کی قربانی کا قدر دان تھا۔

شادی کے چھ ماہ بعد ہی اس کی لاہور پوسٹنگ آگئی اور جب تک اسے گھر نہ ملتا وہ خزینہ کو نہیں لے جاسکتا تھا۔

''میری ہرگز فکر نہیں کریں' میں یہاں رہ لوں گی۔ وہاں میں اکیلے کیسے رہوں گی۔ یہاں سب ہیں۔'' دل تو بہت اداس تھا اس کا مگر دل بڑا کرکے شوہر کی دلجوئی کے لیے کہہ گئی۔

''وہاں میرے ساتھ ہوکر اکیلی ہوگی تم اور یہاں میرے بغیر بھی تم اکیلی نہیں ہوگی۔'' وہ جتاتی نگاہوں سے شکوہ کررہا تھا۔

''میرا وہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ لب کچلنے لگی۔

''میں نہیں ہوں گا تو تم رہ لوگی؟'' وہ بڑے دلربانہ انداز سے پوچھ رہا تھا اور وہ اندر ہی اندر اپنے آنسوؤں کا سمندر روک رہی تھی۔ وہ بند سمندر پر باندھ رہی تھی، دریا پر نہیں۔ سو بڑی ہمت درکار تھی۔

''میں اس گھر کی بڑی اور واحد بہو ہوں...... جیسے آپ ہمیشہ اپنی ذمے داریاں نبھاتے آئے ہیں اب مجھے بھی نبھانا ہوں گی ناں۔ میں اتنی جلدی سسرال چھوڑ کر ان ذمے داریوں کو بھول کر آپ کے ساتھ نہیں جاسکتی۔ شاید گھر مل جائے تب بھی نہیں۔''

وہ سولہ آنے سچ کہہ گئی تھی...... وہ جانتا تھا سو خاموش ہوگیا۔ یہ جان کر خوشی بھی ہوئی کہ وہ اپنی ذمے داریوں کو نہ صرف بخوبی سمجھتی ہے بلکہ پورا کرنے کی طاقت بھی رکھتی ہے۔

☆☆☆

پھر وہ چلا گیا...... اور وہ سب کے مابین ہوکر بھی اکیلی رہ گئی۔ مجمع تو وہ ساتھ لے گیا تھا اب محفلیں کہاں سے سجتیں۔

وہ کبھی فون کرتا اور اسے بات کرنے کا اگر موقع مل جاتا تو وہ چند جملوں سے آگے بات نہ ہو پاتی۔

''کیا کرتی ہو؟''

''کام......'' وہ سیدھا سا جواب دے ڈالتی۔

''اور......'' وہ کچھ سننا چاہتا تھا، بہت میٹھا، پیار بھرا کوئی جملہ...... اور وہ اسے کیسے بتاتی کہ وہ اس گھر میں اس کے ڈھیر سارے، بہن، بھائیوں اور ماں، باپ کے ہمراہ رہتی ہے...... گھر کے مرکزی کمرے میں فون لگا تھا اور اس کے ارد گرد ہمیشہ کوئی نہ کوئی موجود رہتا...... ایسے میں وہ کیسے اس کو پیار بھرا جملہ دان کرتی...... پرانا وقت تھا اور اس وقت موبائل فون نہیں تھے کہ اپنے کمرے میں جاکر اکیلے میں بات کرلیتی سو اس فون کے سوا کوئی رابطے کی سبیل نہیں تھی۔

''دعا کرتی ہوں۔''

''کیا دعا کرتی ہو؟'' دوسری طرف سے بھرپور اشتیاق سے سوال کیا گیا۔

''دعا بس اسی کو بتاتے ہیں جس سے کرتے ہیں۔'' وہ اس کی اس سادہ لوح طبیعت پر ہنس دیتا۔

''اور مجھے یاد کرتی ہو یا نہیں۔''

وہ خاموش ہو جاتی تو وہ قدرے شوخی سے پوچھتا۔

''اچھا اب جسے یاد کرتے ہیں کم از کم اسے تو بتاتے ہیں ناں...... یا اسے بھی نہیں بتاتے۔''

اس کی آنکھیں ڈبڈبا جاتیں، کیا جواب دیتی، نہ موقع مناسب ملتا نہ جواب...... خاموشی ایسے میں بہترین جواب ہوتی۔

''تم بہت بے رحم ہو، مجھے یاد تک نہیں کرتیں۔'' وہ روٹھ کر فون رکھ دیتا۔

وہ پھر گھنٹوں اپنے کمرے میں اکیلی پڑی روتی رہتی اور اسے ہی یاد کرتی رہتی...... وہ اسے کہتا تھا کہ وہ بے رحم ہے اور خود اسے خوب رلاتا تھا۔

وقت اسی طرح گزرتا رہا، مہینوں بعد وہ چکر لگا جاتا۔ہر بار اشاروں، کنایوں میں اسے ساتھ لے جانے کا کہتا تو اماں لتاڑتیں۔

''اب اس عمر میں اکیلی میں گھر کے کام کروں گی کیا؟ لوگ بہویں خدمت کے لیے لاتے ہیں، بہنیں تمہاری پڑھ رہی ہیں، بہو کو بھیج دوں تو کام کون کرے گا۔''

وہ خاموش مجرم کی طرح سر جھکائے کام میں جتی رہتی اور ذوالقرنین سمجھدار بن کر سمجھ جاتا۔

ڈیڑھ سال بعد عمر کے لیے رشتہ خاندان سے ہی کیا گیا......اماں کی دور پرے کی رشتے کی بھانجی تھی زینت جو عمر کے لیے پسند کی گئی۔

''شادی تو تب کریں گے جب زرتاب کا کہیں رشتہ پکا ہو......بیٹیاں بھی تو بیاہنی ہیں ہم نے......کیا بیٹے ہی بیاہتے جائیں۔یوں بھی ایک بہو ہے ناں گھر سنبھالنے کو۔'' وہ خاموشی سے اماں کی گفتگو سنتی رہتی۔

☆☆☆

''دو سال بیت گئے اور کوئی خوشخبری نہیں سنائی دلہن نے؟'' بڑی پھپو آئی بیٹھی تھیں، کام میں مصروف خزینہ کو دیکھ کر اماں سے سرگوشیاں کرنے لگیں۔

''ہاں بس اپنا مقدر ہوتا ہے، دیکھو ناں نورینہ کی شادی تین کے سال بعد ہوئی تھی اور اس کی خوش خبری سنے بھی چھ ماہ بیت گئے۔ یہاں تو نصیب ٹھنڈے پڑے ہیں۔''

پھپو بھلے سے آہستہ بولی ہوں مگر اماں نے تو عام آواز سے بھی اونچا جواب دیا تھا، باورچی خانے میں کام کرتی خزینہ کو سردیوں کے اس موسم میں بھی پسینہ آنے لگا......ہتھیلیاں پسیج گئیں اب وہاں سے جانے کے ساتھ، ساتھ ایک اور دعا بھی اس کی دعاؤں میں شامل ہوگئی تھی......گود بھر جانے کی دعا۔دو سال کیا گزرے اسے لگنے لگا تھا کہ بیس برس گزر گئے ہوں جیسے......اماں اکثر اسے باتوں، باتوں میں جتانے لگی تھیں۔

اگلی بار جب ذوالقرنین چھٹی پر آیا تو وہ بضد تھی کہ وہ اسے چیک اپ کے لیے جائے۔

''کیا ہوا ہے ایک دم تمہیں......اتنی ضد پہلے تو تم نے کبھی نہیں کی۔''

''کچھ نہیں ہوا......بس مجھے ڈاکٹر کے لے جائیں، مجھے علاج کروانا ہے ناں......عدیلہ، نورینہ جس، جس کی شادی ہمارے بعد ہوئی سب ماں بن گئیں۔مگر ہمارے ہاں دور، دور تک کوئی امید نہیں۔''

''کیا بات ہے زینہ کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟'' اس نے دونوں شانوں سے اسے تھام کر سیدھا کیا۔

اور اتنے ماہ بعد شوہر کی اتنی محبت اور توجہ پا کر وہ جیسے پگھلتی چلی گئی......بھل، بھل آنسو گرنے لگے۔

وہ خاموشی سے اسے روتا ہوا دیکھتا رہا......پھر اسے خود سے بھینچ لیا۔ وہ شاکی عورتوں میں سے نہیں تھی، وہ صابر عورتوں میں سے تھی، وہ جانتا تھا کبھی سسرال کی کوئی برائی نہیں کی، کسی زیادتی کا ذکر نہیں کیا......بس سب ٹھیک ہے کا ٹیگ لگائے گھومتی رہتی۔

''میں لے جاؤں گا کل، اب تم رونا بند کرو......'' اور وہ جھٹ آنسو پونچھتی اس کے لیے چائے بنانے چلی گئی۔

چیک اپ کروا کر اسے تسلی ہوگئی تھی کہ کہیں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔وہ مطمئن ہوگئی تھی اور اسے مطمئن دیکھ کر وہ بھی پُرسکون ہو کر وہاں سے واپس لوٹا تھا۔

☆☆☆

وقت اسی طرح پر لگا کر اڑتا رہا......زرتاب، مہتاب، سمیرا کی شادیاں ہوگئیں اوپر تلے۔عمر کی دلہن بھی بیاہ کر اس گھر میں آگئی۔ پھر عامر کے لیے لڑکی ڈھونڈنے کی مہم شروع ہوگئی۔

''میرا رشتہ تو میری بھابی ڈھونڈیں گی۔'' وہ بھابی کا لاڈلا دیور تھا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے پلٹن کی پلٹن لے کر جانے کی......یوں بھی اگلی کی قسمت سیاہ ہو تو ٹھوک بجا

کر دیکھنے اور جانچنے سے کون سا سامنے آجائے گی۔"

اور خزینہ کے کام میں جتے ہاتھ تھم سے گئے۔

"شگن کے کام کے لیے جا رہے ہیں، تیری بھابی کو لے جاؤں تو بنا بنایا کام بھی بگڑ جائے گا۔" وہ تڑپ کر رہ گئی اماں کے اس جملے پر۔ اب اماں اس کو چھوڑ کر چھوٹی بہو کے گن گانے لگی تھیں۔ یوں بھی چھوٹی بہو نے تین ماہ میں ہی خوشخبری سنا ڈالی تھی۔ وہ تب سے مہارانی بنی بستر پر بیٹھی حکم جاری کرتی رہتی۔ فرمائشیں پوری کرواتی رہتی۔

وہ دل میں سوچتی کہ اس کا حق بنتا تھا۔ آخر اس گھر کو خوشی دینے جا رہی ہے۔ وہ حاسد نہیں تھی، بس اماں کی باتیں دل کو کچوکے لگاتی تھیں۔

اگلی بار ذوالقرنین چھٹی پر گھر آیا تو امی سے صاف بات کی۔

"اب چھوٹی بہو آگئی ہے تو خزینہ کو میرے ساتھ جانے دیں۔" اس نے ہمت دکھائی تو اماں نے آگے سے آنکھیں دکھائیں۔ پھر کام میں مگن خزینہ کو گھورا کہ یقیناً یہ اس کی پڑھائی پٹی ہے۔

"چھوٹی بہو کا پاؤں بھاری ہے، کام کون کرے گا؟ ماں کرے گی تیری۔"

اب وہ بیچارگی سے بغلیں جھانکنے لگا۔ صحیح کہہ رہی تھیں اماں۔

"اولاد تو دے نہ سکی کم از کم سہولت تو دے دے اس گھر کو۔" اور خزینہ نے پلو سے باندھ لیا کہ اسے بڑی بہو ہونے کی قیمت ابھی چکانی ہے۔ آخر کب تک...؟ یہ وہ نہیں جانتی تھی۔

"زین کہیں ایسا تو نہیں کہ واقعی آپ کی حدود توڑنے کی وجہ سے ہمیں صوفی منش کی بددعا لگی ہو اور ہم بے اولاد ہیں۔" رات کی تاریکی میں وہ دونوں باہر صحن کے کونے میں بیٹھے سرگوشیاں کر رہے تھے۔

"لاحول ولا قوۃ...... حدود اللہ کی توڑنے سے بندہ معتوب ہوتا ہے، بندے کی نہیں اور صوفی منش ساری زندگی اس کام کی تبلیغ کرتے رہے جن کا حکم اللہ نے دیا تھا۔ وہ بھلا کیوں مجھے معتوب ٹھہرائیں گے۔"

"پھر ہمیں اولاد کیوں نہیں ہوتی، پانچ سال گزر گئے؟"

"تم کب سے یہ فضول سوچنے لگی۔ یہ ہماری آزمائش ہے ناں تم خود کہتی تھی تو اسے آزمائش سمجھو...... بددعا یا قہر نہیں۔"

اور اگلے روز ہی گھر میں کہرام مچا ہوا تھا...... صبح سویرے ان کی آنکھ اِک ہنگامے سے کھلی تھی...... ان کے کمرے کا دروازہ پیٹا جا رہا تھا۔ ذوالقرنین نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ اماں باہر کھڑی تھیں۔

"خیر تو ہے اماں کیا ہوا ہے؟" وہ آنکھیں ملتے ہوئے حیرت سے کہیں زیادہ فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔

"چل میرے ساتھ......" اور اس کا ہاتھ درشتی سے تھام کر اسے کھینچتے ہوئے برآمدے تک لے آئیں جہاں ابا جی کے ہمراہ سب موجود تھے۔ وہ سب کی صورتیں تکنے لگا، معاملہ سمجھ سے باہر تھا۔

"کھا میرے سر کی قسم اور بتا سب کو کہ تو ایسا نہیں کر سکتا۔" اماں نے اس کا ہاتھ زبردستی اپنے سر پر رکھ لیا۔

"کیسا اماں...... کیسا نہیں کر سکتا میں؟" خزینہ بھی بڑی سی چادر سے سر ڈھک کر وہیں برآمدے میں اِک ستون کے پیچھے کھڑی تھی۔

"کہ تو نے صوفی منش کی روایات کو نہیں توڑا...... کہ تو نے حدود سے باہر قدم نہیں نکالا...... کھا قسم پتر...... بتا دے اپنے ابا جی کو کہ یہ سب جھوٹ ہے۔"

"یہ سب کس نے کہا آپ سے؟" اس نے کچھ دیر ساکت نظروں سے اماں کو تکا۔

خالہ ایسا نہیں کر سکتی تھیں...... کرنا ہوتا تو پانچ سال پہلے ہی کر چکی ہوتیں۔

"میں نے رات خود اپنے گناہ گار کانوں سے سنا ہے، بھائی جان اور بھابی جی کو باتیں کرتے

اماں..... کیا میں جھوٹی ہوں.....؟'' زینت فوراً جھٹ سے بولی تو اسے اس کے سوال کا جواب مل گیا۔

اس نے گہری آہ بھری..... وہ وقت آن پہنچا تھا جہاں اسے اعتراف کرنا تھا۔ اس نے اماں کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

''زینت سچ کہہ رہی ہے اماں..... میں اپنے لڑکپن میں بھی اس خاندان کی خود ساختہ حدود کو توڑ چکا ہوں۔'' اور اماں کا اٹھتا ہاتھ عمر نے آگے بڑھ کر روک لیا۔

''کیا کر رہی ہیں اماں؟''

''یہ میرے گنوں والا پتر..... جس کی ایک زمانہ تعریف کرتا تھا، یہ ایسا نافرمان نکلا ہے، ہمارے پشتوں کی روایات کا پاس نہ کرسکا۔ اتنی منہ زور تھیں اس کی خواہشات کہ انہیں لگام نہ دے سکا یہ.....''

''میں ہر اس بات کے، عقیدے کے خلاف ہوں جو اللہ کی طرف سے ہم پر رائج نہیں کیا گیا۔''

''او کھوتے دے پتر..... ہمارے مرشد کی سنت تھی..... جنہیں تو نے پامال کیا۔'' اباجی تو گویا ڈھے ہی گئے تھے۔

''کیا مرشد نے کہا تھا آپ کو یہ سب کرنے کے لیے یا آپ سب اندھی تقلید کے مارے ہوئے ہیں؟ مرشد بھی انسان ہوتا ہے..... مرشد بھی غلطی کرسکتا ہے..... وہ گناہوں سے پاک نہیں ہوتا اور جب مرشد نے یہ تعلیمات دی ہی نہیں اور آپ نے خود سے انہیں اپنے اوپر واجب کرلیا تو کیا مرشد اس سے خوش ہوں گے؟''

اماں اس پر پھر سے جھپٹیں تو عمر نے آگے بڑھ کر انہیں روکا۔

''کفر بک رہا ہے، جنہوں نے دین سکھایا انہی سے کفر کر رہا ہے، تبھی تجھے بے اولادی کی بد دعا لگی ہے، سوکھا رہے گا تو ہمیشہ اسی طرح۔'' وہ رونے لگی تھیں۔ ''کبھی نہیں نوازا جائے گا۔ بانجھ رہے گا، بنجر رہے گا صوفی منش کی بد دعا سے۔''

وہ تڑپ اٹھا تھا.....

''اماں دین تو جس ہستی نے سکھایا تھا انہوں نے ایسی کوئی تعلیم نہیں دی کہ جن کی میں نے حدود توڑی ہوں.....اور بے اولادی میری آزمائش ہے، سزا نہیں..... مگر اب جو آپ نے بد دعائیں دی ہیں ناں وہ مجھے ضرور لگ جائیں گی اب۔'' اس نے دکھ سے بس اتنا کہا اور اندر بڑھ گیا..... خزینہ تو جہاں کھڑی تھی وہاں سے کتنی دیر ہل ہی نہیں سکی۔

☆☆☆

نو ماہ اماں نے اسے زینت کے قریب بھی نہ پھٹکنے دیا کہ وہ اپنی کالی قسمت کی چھایا اپنے پاس ہی رکھے۔ اور وہ سوچتی رہی کہ مقدر سنوارنے، بگاڑنے کا اختیار بندے کے ہاتھ میں کب سے دے دیا گیا تھا۔ اسے کیوں خبر نہ ہوئی کہ بندہ اتنا با اختیار کر دیا گیا ہے۔

دعاؤں میں شدت آنے لگی۔ وہ جو شادی سے قبل مارے باندھے نمازیں پڑھتی تھی، پانچ وقت نمازوں کے ساتھ اشراق، چاشت بھی پڑھنے لگی۔

دکھ کی سب سے اچھی بات یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ سے جوڑ دیتا ہے نو ماہ اگر زینت نے اپنی تکلیف میں گزارے تھے تو وہی نو ماہ خزینہ نے اپنی تکلیف میں گزارے تھے۔ مگر بڑا فرق تھا دونوں کی تکلیفوں میں..... ایک کی تکلیف نعمت کے سبب تھی اور دوسری کی محرومی کے سبب..... جس روز دکھ سے اندر گھٹنے لگتا اس دن کبھی وہ حضرت یعقوبؑ کی دعا پڑھتی تو کبھی حضرت ابراہیمؑ کی..... کبھی حضرت زکریاؑ کی پڑھتی تو کبھی حضرت یونسؑ کی.....

اس روز بڑی خالہ آئی بیٹھی تھیں۔ ''کل شام کو لینے آؤں گی خزینہ..... درگاہ چلیں گے، سنا ہے مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ وہاں جانے والوں کی۔''

اس نے صاف منع کر دیا۔

اماں نے اسے گھورا اور دبے، دبے لفظوں میں سمجھایا۔

''چلی جا..... کیا خبر اس وسیلے سے صوفی منش کی

بددعا ئل جائے۔'' مگر وہ نہ گئی۔

''جو دے سکتا ہے اس سے مانگوں گی خالہ...... جسے اختیار نہیں ہے اس سے نہیں کہوں گی۔'' اور خالہ اس کی عقل کو کوسنے لگیں۔

زینت کی گود میں جب آفاق آیا تو اسے پیار کرنے کو اٹھانے کو وہ تڑپ جاتی مگر اماں سمیت زینت اسے قریب بھی نہ پھٹکنے دیتی۔

پھر شادی کے چھ سال بعد جب ذوالقرنین کی گجرات پوسٹنگ ہوئی تو وہ چھٹی پر گھر آیا تھا۔

امی نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور اسے اکساتی رہیں۔

''کب تک یوں رہے گا...... دوسری شادی کا سوچ...... ایک بار ہامی بھر لے تو لائن لگادوں گی لڑکیوں کی۔''

وہ جو چائے کی ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوئی تھی پورے وجود سے کانپ کر رہ گئی۔

''میری بیوی بانجھ نہیں ہے اماں......'' اس نے بڑے تحمل سے کہا اور خزینہ کے آنسو بھل، بھل گرنے لگے جنہیں وہ روک نہ سکی۔ کتنا مان دیا تھا اس کے شوہر نے...... عورت جو واحد شے مرد سے چاہتی ہے وہ تحفظ ہی تو ہوتا ہے۔ کپکپاتے ہاتھوں سے ٹرے میز پر دھر کر اس نے ایک، ایک پیالی شوہر اور ساس کو تھمائی۔ اماں نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

''میری اولاد ہوگی تو خزینہ سے ہی ہوگی...... اماں...... کہیں کوئی مسئلہ نہیں دیر محض اللہ کی جانب سے ہے۔'' وہ چائے کی پیالی آدھی چھوڑ کر اٹھ گیا تھا اور اماں اب اس کے سر ہو گئیں۔

''تو اسے شادی کی اجازت دے، دے گی تو وہ دوسرا بیاہ کرلے گا۔'' خزینہ نے بے بسی سے ساس کی جانب دیکھا۔ اس کی اوقات کیا تھی کہ وہ کسی کو بھی روکتی۔

''میں نے اجازت دی اماں...... وہ آزاد ہیں اپنے فیصلوں میں۔ مان جاتے ہیں تو کروا دیں۔''

اور اماں، ہو کا بھر کر رہ گئیں۔ جانتی تھیں کہ بیٹا ہی نہیں مان کر دے گا۔

اس بار وہ مقدمہ ابا کی عدالت میں براہِ راست لے گیا تھا۔

''اب تو آپ لوگوں کی بہو بھی ہے اور پوتا بھی...... کچھ عرصے تک عامر کی دلہن بھی آجائے گی...... چھ سال تک میں وہاں اور خزینہ یہاں رہی ہے۔ اس نے بہت خدمت کی ہے سب کی...... اب میری بیوی کو اجازت دیں ابا میرے ساتھ جانے کی۔''

اور ابا نے فیصلہ اس کے حق میں دے دیا۔ اماں، ابا کے فیصلے میں مداخلت نہیں کرتی تھیں سو محض کھول کر رہ گئیں۔

وہ جاتے، جاتے سب کے گلے لگ کر روئی تھی۔ اماں نے بڑے بڑے دل سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ زینت کا بھی منہ پھولا ہوا تھا کہ سارے گھر کی ذمے داری اب اس کے سر آئی تھی۔

سو یوں وہ چھ سال کی قیدِ بامشقت کاٹ کر شوہر کے ہمراہ چلی آئی تھی۔

☆☆☆

سفر کافی طویل تھا سو وہ دونوں رات دیر سے گھر پہنچے تھے۔ کھانا راستے سے ہی کھالیا تھا اور اس وقت نیند کی شدید طلب تھی۔

''اس وقت سو جاؤ، صبح تفصیل سے گھر دیکھ لینا۔'' وہ اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے بولا تو وہ مسکرا کر سر ہلاتے ہمیشہ کی طرح اس کی فرمانبردار بیوی بن گئی۔

صبح وہ اس سے پہلے جاگ کر ناشتا تیار کر چکی تھی...... نہ صرف ناشتا تیار کر چکی تھی بلکہ گھر کا بھی تفصیلی جائزہ لے چکی تھی۔ وہ گاہے گاہے اس سے گھر کی آرائش سے متعلق چھوٹی موٹی گفتگو کرتا رہا تھا......

نہ جانے کیوں ذوالقرنین کو وہ معمول سے زیادہ خاموش لگ رہی تھی۔ وہ ٹھیک سے ناشتا بھی نہیں کر رہی تھی۔ اسے لگا تھا کہ وہ تھکی ہوئی ہے مگر کتنی بار کن انکھیوں سے اس کا جائزہ لینے پر اسے اس کے چہرے پر کچھ اور ہی رقم ملا تھا جسے کم از کم وہ تھکن پر معمول نہیں

کر سکتا تھا۔

''لگتا ہے ساس سے جدائی کا بہت دکھ ہے...... سسرالی رشتے دار یاد آرہے ہیں، دل نہیں لگ رہا ان کے بغیر تبھی تو ٹھیک سے ناشتا بھی نہیں کررہیں۔'' وہ اسے چھیڑ کر بولنے پر اکسا رہا تھا۔

وہ جواباً پھیکا سا مسکرادی۔

''ناشتا تو اس لیے نہیں کررہی کہ رات میں کھانا کافی کھالیا تھا...... طبیعت کچھ گراں سی ہے اور خوب کہی آپ نے کہ سسرالی رشتے دار یاد آرہے ہیں، چھ سال گزارے ہیں ان کے درمیان...... عادت سی ہوگئی تھی ان کی...... اب عادت بدلنے میں کچھ وقت تو لگے گا ہی ناں......''

اس کا جواب سن کر وہ محظوظ ہوا تھا۔

''نین......'' اس کے پکارنے کا انداز قدرے عجیب تھا، وہ چونکے بِنا نہ رہ سکا۔

''رات خواب میں بہت خوب صورت بچہ دیکھا میں نے۔'' اور اس کا چائے کی چسکی بھرتا ہاتھ ہوا میں ہی معلق ہوکر رہ گیا۔ وہ چند ثانیے اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

''زینہ...... تم کیوں ہر وقت اس بارے میں سوچتی رہتی ہو۔ تمہاری صحت متاثر ہورہی ہے، ایک دن بیمار پڑ جاؤ گی اگر اسی طرح سوچتی رہو گی تو۔''

''وہ ہمارا بچہ نہیں تھا۔'' اس نے سر جھکائے ہی اس کی ساری بات سنی تھی اور اب اسی طرح سر جھکائے، جھکائے ہی جواب دیا تھا۔

ذوالقرنین نے اسے تاسف سے دیکھا۔

''زینت کیا پھر سے ماں بننے والی ہے؟'' اس کا انداز کھویا، کھویا سا تھا۔ ذوالقرنین پھر سے چونکا تھا...... پھر لاتعلقی سے کندھے اچکا دیے۔ وہ واقعی لاعلم تھا اگر ایسا کچھ تھا بھی تو...... سو کیا کہتا؟

''وہ بچہ زینت کا تھا نین۔''

وہ خاموشی سے چائے پیتا رہا۔ کبھی، کبھی وہ اسے بالکل گونگا کر کے چھوڑ دیتی تھی۔ اتنا گونگا کہ وہ خود کو ہوں، ہاں کرنے کے قابل بھی نہ پاتا۔

''خواب، خواب ہوتے ہیں زینہ...... انہیں حواسوں پر سوار نہیں کرتے......'' قدرے سنجیدگی سے اسے مخاطب کر کے وہ بولا اور پھر موضوع بدل دیا۔

''آج آفس سے میں ایک بندہ بھیجوں گا...... سامان کی لسٹ بنا کر اسے دے دینا اور رات کو زبردست سا ڈنر تیار کرنا۔ آج میں اس گھر میں اپنی بیوی کے ہاتھ کا بنا مزیدار سا کھانا کھانا چاہتا ہوں۔''

وہ مسکرا کر ناشتے کے برتن سمیٹنے لگی۔

''پتا ہے کیا نین، مجھے خواب میں کوئی کہہ رہا تھا کہ حسد مت کرو بس دعا کرو...... جس نے اسے دیا ہے وہ سب کو دے سکتا ہے۔'' اس کی سوئی اب تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

اب کی بار نین سے کچھ بولا ہی نہیں گیا...... وہ تیار ہوکر خاموشی سے آفس چلا گیا تھا۔

پچھلے پندرہ دن چھٹی پر ہونے کی وجہ سے اس کا بہت سا کام جو تاخیر کا شکار تھا توجہ طلب تھا۔ سو اسے آفس میں رات گئے تک رکنا پڑا۔ وہ گھر لوٹا تو کھانا تیار تھا...... اور جب تک وہ تازہ دم ہوکر لوٹا وہ کھانا میز پر چن چکی تھی...... کھانا لگاتے ہوئے وہ اسے زیرِلب کچھ نہ کچھ پڑھتے دیکھ چکا تھا مگر اس نے پوچھا نہیں تھا کہ وہ کیا پڑھ رہی ہے یا کیا پڑھتی رہتی ہے...... وہ ملتان میں بھی اسے مختلف کام انجام دیتے ہوئے یونہی کچھ نہ کچھ پڑھتے ہوئے دیکھا کرتا تھا۔

وہ اتنا جانتا تھا کہ اس میں پہلے کی نسبت عجیب طرح کا بدلاؤ آچکا تھا۔ وہ پہلے کی نسبت زیادہ سنجیدہ ہوگئی تھی۔ پہلے سے زیادہ خاموش...... زیادہ عبادت گزار، زیادہ تحمل مزاج......

کھانا کھانے کے دوران وہ اس سے دن بھر کی مصروفیات کی بابت ہلکے پھلکے سوالات کرتا رہا جن کے وہ بڑے عام سے انداز میں جواب دیتی رہی تھی۔

''نین......'' اس کے انداز میں کچھ تو ایسا تھا کہ وہ ٹھٹکا...... یقیناً وہ پھر کچھ خاص کہنے جارہی تھی۔ کچھ

ایسا جس نے پھر سے اسے گونگا کردیا تھا۔

"میری آج گھر بات ہوئی تھی۔"

"اچھا...... کس سے؟" اس نے بغور اسے سنتے سر ہلایا۔

"عمر سے...... زینت پھر سے ماں بننے والی ہے۔" اور وہ بالکل ساکت سا اسے تکنے لگا تھا۔ وہ بہت نارمل سے انداز میں کھانا کھا کر برتن سمیٹنے لگی تھی۔ نماز پڑھ کر سو بھی گئی اور وہ نہ جانے رات کب سویا۔

رات شدت پیاس کے سبب اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ عموماً وہ بہت گہری نیند لینے کا عادی تھا۔ اور چونکہ وہ کبھی اس طرح سے جاگتا نہیں تھا سو اسے خزینہ کے معمول کا علم نہیں تھا...... اس نے وقت دیکھا۔ رات کے پونے تین ہو رہے تھے اور وہ بستر پر نہیں تھی۔

وہ اسے ڈھونڈتا ہوا برابر والے گیسٹ روم تک آیا جہاں کا بلب آن تھا...... کسی بھی قسم کی آہٹ پیدا کیے بغیر اس نے دروازے کی درز سے اندر جھانکا...... وہ مصلے پر بیٹھی سسک رہی تھی۔ اس وقت وہ اسے اس خزینہ سے مختلف لگی جو دن بھر اس کے سامنے چلتی پھرتی، کام نبٹاتی تھی۔

"میری ذرا، ذرا سی ضرورتوں کا خیال رکھنے والے اللہ مجھے سنبھال کر رکھنے والے اور مجھ پر ہمیشہ مہربان ہونے والے اللہ...... اے وہ رب جو رات کے تہائی حصے کے بعد آسمانِ دنیا پر نزول فرما کر خود پکارتا ہے کہ میں بادشاہ ہوں تو ہے کوئی جو مجھے پکارے تو میں عطا کروں۔ تو میرے رب میں اقرار کرتی ہوں کہ آپ ہی بادشاہ ہیں...... اس لیے میں پکارتی ہوں...... روز پکارتی ہوں...... روز سوال کرتی ہوں...... جب دنیا سو رہی ہوتی ہے تو میں اپنی فریاد سنانے کے لیے آپ کے پاس آتی ہوں...... میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ میں تکلیف میں ہوں، اذیت ہے مجھے تو آپ اسے کم کریں۔ اگر آزمائش کا مقصد سونے کی طرح بھٹی میں تپا کر خالص کرنا ہوتا ہے تو میں تپ کر خالص ہو گئی ہوں میرے اللہ...... اب میری آزمائش کم کردے...... روز مانگتی ہوں کہ کبھی تو دے گا...... کیا کبھی نہیں دے گا؟ میں ناامید نہیں ہو سکتی ابراہیمؑ کے رب سے جو سو سال بعد اولاد سے نوازے گئے، میں مایوس نہیں ہو سکتی۔ ذکریاؑ کے خدا سے جو ایک سو بارہ سال بعد عطا کیے گئے...... دس، بارہ سال تو مانگوں کم از کم...... بنا شکوہ کیے، مایوس ہوئے تو بات بھی ہے۔ شکوہ نہیں کر سکتی میں کہ ابھی تو مجھے مانگتے دس سال بھی نہیں گزرے...... سو سال بعد ابراہیمؑ کی دعا سنی گئی...... کہتے ہیں کہ میرا رب ضرور دعا سنتا ہے تو میں ایسے رب سے کیسے مانگنا چھوڑ دوں کہ وہ سنتا نہیں ہے۔"

وہ اب رو رہی تھی اور کھل کر رو رہی تھی...... جو اس کے سامنے نہیں روتی تھی، جو کسی کے سامنے نہیں روتی تھی، وہ اسی کے سامنے رو رہی تھی جس کے سامنے ایک جہاں روتا ہے۔

وہ نم آنکھوں سے واپس لوٹ گیا تھا...... اس سے زیادہ...... وہ عابد، معبود کے مابین مخل نہیں ہو سکتا تھا۔ عبدیت کے کچھ اصول ہوتے ہیں وہ اسے بے اصول نہیں کرنا چاہتا تھا...... وہ رو دھو کر اپنے رب کے حوالے غموں کو چھوڑ کر بے غم ہو کر سو گئی تھی...... اور وہ...... وہ نہ پھر سو سکا تھا اور نہ ہی رو سکا تھا۔

اگلے روز ناشتے کی میز پر وہ بالکل نارمل تھی اور وہ اس کے اتنے پُرسکون انداز پر جتنا حیران ہوتا کم تھا...... وہ جو اتنی مطمئن سی ناشتا کر رہی تھی اس خزینہ سے بالکل مختلف تھی جو رات کی تاریکی میں مضطرب سی بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑا رہی تھی...... وہ حد کی صابر تھی یا کمال کی اداکار وہ سمجھ نہیں سکا۔

"آج کیا بناؤں ڈنر پر؟"

"کچھ بھی بنا لینا...... تم جو بھی بناؤ گی لاجواب ہی ہوگا؟" وہ ہولے سے مسکرا کر اس کے لیے چائے بنانے لگی۔

"چلیں پھر میں آپ کی پسندیدہ بریانی اور شامی کباب بنا دوں گی۔"

اس نے سر ہلا دیا۔
''تم تہجد بھی پڑھتی ہو؟'' اس کا انداز سرسری سا تھا۔ وہ چونکی، اسے دیکھا اور سر جھکا لیا۔ جیسے کسی جرم پر دھر لی گئی ہو یا کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔
''جی......'' آواز مدھم تھی۔
''کبھی بتایا نہیں تم نے؟'' اس نے گویا شکوہ کیا۔
''اب بھی تو میں نے نہیں بتایا۔'' وہ مبہم سا مسکرا دی۔
''ہاں، بتایا تو تم نے اب بھی نہیں ہے۔'' اس نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ ''مجھے خود ہی پتا لگ گیا۔'' وہ اپنی بے خبری پر حیران تھا اور اسے یوں لگ رہا تھا کہ سامنے بیٹھی اس کی بیوی کی ذات کے بہت سے پہلوؤں سے وہ انجان تھا۔
''نماز تو میں ہمیشہ سے پڑھتی ہوں، اس میں بتانے اور چھپانے کی کیا بات ہے۔''
''نماز میں اور تہجد میں بہت فرق ہے زینہ...... نمازیں بہت لوگ پڑھتے ہیں مگر تہجد ہر کوئی نہیں پڑھتا۔''
''ہاں، یہ اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے۔''
''تم اللہ کا قرب چاہتی ہو؟'' وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔
''میں تو نہ جانے کیا، کیا چاہتی ہوں۔'' وہ ہرگز بھی طنزیہ لہجہ نہیں تھا۔ بے حد ٹھہرے ہوئے لہجے میں وہ بولی تھی۔ ''انسان تو بہت کچھ چاہتا ہے مگر جو چاہتا ہے وہ ملتا نہیں ہے۔''
وہ کتنا بدل گئی تھی...... کب بدلی وہ اتنا...... اسے کیوں خبر نہ ہوئی...... اتنا بے خبر کیسے ہوسکتا تھا وہ؟
''ہم کوئی بچہ اڈاپٹ کر سکتے ہیں زینہ......'' کتنی دیر بعد جب وہ بولا تو خزینہ گنگ رہ گئی۔ یہ پہلی مرتبہ تھا جب وہ کسی بچے کو گود لینے کی بات کر رہا تھا۔
''ہرگز نہیں...... میں بانجھ نہیں ہوں اور نہ مایوس ہوں۔''
''سمجھنے کی کوشش کرو زینہ...... آخر اس میں حرج ہی کیا ہے؟'' وہ زچ ہو کر بولا۔ وہ حد درجے پریکٹیکل ہو رہا تھا اور وہ بے حد جذباتی ہو رہی تھی۔
''حرج ہے نین...... بہت سی قباحتیں ہیں اس میں...... آپ کی فیملی کسی لاوارث بچے کو کیسے اپنائے گی؟''
''میں عمر اور زینت کے ہونے والے بچے کی بات کر رہا ہوں۔'' وہ ایک بار پھر شاکڈ رہ گئی تھی...... زینت اسے منحوس گردان کر اسے اپنے بچے کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتی تھی اور اس کا شوہر اس کا ہونے والا بچہ گود لینا چاہتا تھا مگر وہ یہ سب اپنے شوہر کو سمجھا نہیں سکتی تھی۔
''اس گھر میں جو بھی بچہ ہوگا نین وہ ہمارا خون ہوگا۔'' اس نے دوٹوک کہہ دیا۔
''وہ بھی میرا خون ہوگا زینہ۔''
آپ کا خون ہوگا...... میرا نہیں۔''
ذوالقرنین اسے دیکھ کر رہ گیا...... وہ ضدی نہیں تھی...... اس نے کبھی ضد نہیں کی تھی مگر اس وقت وہ حد درجے ضدی لگ رہی تھی۔
''زینہ ضد چھوڑ دو......'' وہ بے بسی کی انتہا پر تھا۔
''نین جس روز میں مایوس ہو گئی اللہ کی رحمت سے اس دن میں خود ایک بچہ اس گھر میں لے آؤں گی۔'' اس نے گہری سانس بھری۔
''اور وہ دن کس روز آئے گا؟''
''شاید کبھی نہیں۔'' مضبوط پُر یقین لہجہ...... اس کے چٹان لہجے نے ہی اسے پاش، پاش کر دیا تھا۔

☆☆☆

پھر اکثر وہ خواب میں بچہ دیکھنے لگی تھی اور جب، جب وہ خواب میں بچہ دیکھتی اس کے خاندان میں کوئی نہ کوئی عورت امید سے ہوتی ...... کبھی بہنوں کے ہاں سے خبر ملتی تو کبھی نندوں کے ہاں سے، کبھی کسی کزن کے ہاں سے فون آجاتا...... چار سال تک یہ سلسلہ چلتا رہا اور اس کی شادی کا دسواں سال شروع ہو گیا۔

وہ حسد نہیں کرتی تھی، بس دعا کرتی تھی۔ جو کرنے کا اسے کہا گیا تھا۔ وہ حاسد نہیں بنی تھی، صابر بن گئی تھی۔ جب آپ کسی کو ملنے والی نعمت پر حسد کرنے کے بجائے اسے اللہ کا انعام سمجھتے ہیں تو آپ نعمتِ خداوندی کا اقرار کرتے ہیں اور یہیں سے حسد کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔

جب عامر کے ہاں تیسرا بیٹا پیدا ہوا تو اس نے اپنی من چاہی بھابی کی گود میں لا بٹھایا...... وہ اسے مبارک باد دینے خاص طور پر گجرات سے آئی تھی۔

''یہ آج سے آپ کا ہوا بھابی۔'' وہ گنگ سی دیور کو تکتی ہی رہ گئی...... آنکھوں میں کچھ چبھ سا گیا تھا۔ اس نے بچے کے گال چومے، مٹھی میں دبے ہزار کے چند نوٹ اس کے سرہانے رکھے اور اس کی ماں کی گود میں لٹا دیا۔

''اللہ جس کو نعمت سے نوازتا ہے اسے ہی صاحبِ نعمت کہلوانے کا حق ہوتا ہے...... میں غاصب نہیں ہوں۔ ہمارا جب وقت آئے گا تب ہم بھی نوازے جائیں گے۔''

امی اب بہو کی خالی گود دیکھ کر آہیں بھرتی تھیں...... طعنے تشنے دینا کب کا ترک کر دیا تھا...... بیٹے کی کنپٹی پر ابھرتے سفید بالوں کو دیکھ کر دل ڈوبنے لگتا۔ پھر وہ دل ہی دل میں دعائیں دیے چلی جاتیں۔ سب اولادوں کی اولادیں دیکھنا نصیب ہو گئیں سوائے بڑے لاڈلے کے...... بڑی بہو کی صابر طبیعت نے دل موم کر دیا تھا اور کہیں نہ کہیں آبا و اجداد کی اس روایت کا بھی دم گھٹنے لگا تھا جنہیں پہلے دن سے وہ سینے سے لگائے بیٹھی تھیں۔

ملتان سے واپسی پر وہ سارا رستہ خاموش رہا تھا...... خاموش تو وہ بھی تھی مگر آسودہ تھی اور ذوالقرنین مضطرب......

''کس قسم کی عورت ہو تم خزینہ...... کیا ہو جائے گا جو ہم عامر کا بیٹا گود لے لیں گے...... اس نے خود سے اس خواہش کا اظہار کیا ہے، ہم نے تو نہیں کہا

**بھول**

اداس شاموں میں لوٹ کر وہ آنا بھول جاتا ہے
کر کے خفا مجھ کو وہ منانا بھول جاتا ہے

ان ہی عادتوں نے اس کی مجھے بدنام کر دیا
وہ لکھ کے نام دیواروں پر مٹانا بھول جاتا ہے

مت پوچھو محبت میں بے پروائی اس کی
دے کے زخم وہ مرہم لگانا بھول جاتا ہے

کتنا دل نشیں ہوتا ہے اس کی یاد کا منظر
وہ جب بھی یاد آتا ہے زمانہ بھول جاتا ہے

مرسلہ: نگینہ ضیا بخش، کراچی

اسے...... ہمارے ہاں کتنے بچے تایا، چچا، ماموں کے ہاں پرورش پاتے ہیں، آخر حرج ہی کیا ہے اس میں...... تم خواہ مخواہ ضد پر اڑی ہوئی ہو۔''

''میں ضد نہیں کر رہی ہوں۔''

''ضد نہیں تو اور کیا ہے؟'' وہ بے حد بگڑا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کبھی وہ یوں اس پر چلایا نہیں تھا، یہ پہلی مرتبہ تھا۔

''مجھے اللہ پر یقین ہے۔'' وہ بہت دیر بعد بے حد آہستگی سے بولی۔

''بس کرو خزینہ...... میں تھک گیا ہوں تمہارے یقین سے۔ ہمیں اولاد نہیں ہوگی...... بہت رب کی بات کرتی ہو ناں تم تو اسی رب نے کہا ہے کہ وہ کسی کو بیٹا دیتا ہے اور کسی کو بیٹی اور کسی کو دونوں...... اور کسی کو بے اولاد رکھتا ہے۔ مان لو خزینہ کہ ہم دونوں آخری قسم سے ہیں۔''

وہ اب مزید مضبوطی نہیں دکھا سکتا تھا۔ انسان تھا، چٹان نہیں تھا۔ تھک گیا تھا، ٹوٹ گیا تھا، اتنا پہاڑ سا یقین کہاں سے لاتا کہ جس کے بل بوتے پر اگلے بارہ

سال انتظار کرتا رہتا۔ دس سال ہی انتظار کر سکتا تھا جو کرلیا تھا...... مزید دس کا یارا نہیں تھا۔

"میں نہیں مانتی ہوں...... وہ جناب زکریاؑ کا رب ہے، جو ان کی بانجھ بیوی سے اولاد دیتا ہے اور تب زکریاؑ کیا فرماتے ہیں کہ اے رب میں تجھے پکار کر کبھی مایوس نہیں ہوا۔ وہ ایک سو بارہ سالوں میں مایوس نہیں ہوئے اور میں دس سالوں میں مایوس ہو جاؤں؟"

"خدا کا واسطہ ہے خزینہ، وہ پیغمبر تھے...... برگزیدہ بندے تھے اللہ کے...... نہ ہم پیغمبر ہیں اور نہ ہی برگزیدہ...... خود کو ان سے کمپیئر مت کرو......" وہ قریباً چلا اٹھا تھا۔

"ہاں ہم پیغمبر نہیں ہیں...... ہاں ہم برگزیدہ بھی نہیں۔ مگر ہم عبداللہ تو ہیں ناں...... وہ رب ہمارا بھی ہے جو ان پاک ہستیوں کا رب ہے۔ نعوذ باللہ میں خود کو کبھی کسی پیغمبر سے کمپیئر کرنے کی غلطی نہیں کر سکتی نین مگر میں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش نہیں چھوڑ سکتی...... پیغمبر معلم ہوتا ہے، ابراہیمؑ پیغمبر بنائے گئے امام بنائے گئے تھے اور ہمیں ان کے پیروکار کے طور پر ان کے سکھائے طریقے پر چلنا ہے...... پیغمبر پر ایمان میں ان کی تعلیمات پر عمل بھی شامل ہوتا ہے، ایمان اندر کی کیفیت کا نام ہوتا ہے، خالی زبانی دعویٰ نہیں ہوتے۔ وہ آزمائے گئے اور بدلے میں انہیں امامت عطا کی گئی...... مگر انہوں نے دعا کرنی نہیں چھوڑی۔ ہمیں بھی یہی کرنا چاہیے۔ آزمائش ہمیں ستانے کے لیے نہیں آتی ہے بلکہ ہمیں کام کا بنانے کے لیے آتی ہے...... گنا بیلنے میں ڈلے بغیر رس نہیں بنتا تو انسان آزمائے بغیر کیسے مفید بن سکتا ہے...... اور بندے بھلے بدل گئے زمانہ بھی گزر گیا مگر رب آج بھی وہی ہے۔"

اور وہ ایک بار پھر اس کی دلیلوں کے آگے ہار گیا تھا۔

☆☆☆

وہ جب، جب خاندان کی کسی تقریب میں مدعو ہوتی، ذوالقرنین اسے لے جانے سے انکار کر دیتا۔

"تم جاؤ گی تو لوگ ملیں گے، ملیں گے تو سو، سو سوال کریں گے۔ میں خواہ مخواہ تمہیں تکلیف میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔" وہ اس کے پوچھنے پر صاف کہہ دیتا۔

"میں تکلیف میں مبتلا نہیں ہوتی، میں نے قدرت کے فیصلے کو دل سے تسلیم کرلیا ہے۔" وہ خائف نظروں سے اسے دیکھتا۔

"نین یوں لوگوں سے کٹ کر چھپ کر زندگی نہیں گزرتی، مشکلات کا مقابلہ کیا جاتا ہے، ان سے بھاگا نہیں جاتا۔" اور وہ خود بھی جانتی تھی کہ وہ کسی بھی تقریب میں شرکت کرے گی تو سو سوال تو اٹھیں گے ہی......

"کسی اچھے ڈاکٹر سے علاج کروا کر دیکھو۔"

"علاج تو بیمار کا ہوتا ہے، الحمدللہ ہم صحت مند ہیں۔" وہ بھی بڑی رسانیت سے جواب دے ڈالتی۔

"پھر بھی...... علاج سے بڑا فرق پڑتا ہے، کیا پتا علاج سے ہو جائے۔" اگلی کہاں اس کی سننے والی ہوتی...... ہمارے معاشرے کی بڑی بوڑھیاں اپنی سناتی زیادہ ہیں اور اگلے کی سنتی ہی نہیں ہیں۔

"اولاد تو اللہ کے اذن سے ہوتی ہے۔"

"وہ تو ہے مگر اسباب بھی کوئی شے ہیں...... علاج تو سنت ہے۔"

"بجا فرمایا...... اسباب تو سبھی اختیار کرلیے مگر اذنِ الٰہی نہ ہو تو اسباب بیکار ہیں۔" وہ تو بہت ہی آرام سے کہتی مگر اگلی کو نہ جانے کیوں برا لگتا۔

یہ اور اس طرح کی جانے کتنی باتیں...... نصیحتیں......

انہی دنوں ذوالقرنین کی مری کے لیے پوسٹنگ آگئی اور وہ مری شفٹ ہو گئے...... اس نے خود کو معروف رکھنے کے لیے نواحی علاقے کی ایک چھوٹی سی این جی او جوائن کرلی جو لاوارث بچوں کی فلاح کے لیے سرگرم عمل تھی۔ آنے جانے کا بھی مسئلہ نہیں تھا، وہ پیدل ہی بیس منٹ کا فاصلہ طے کرلیتی۔ ہر ماہ وہ ایک خطیر رقم بھی اس ادارے کو دیتی تھی...... ذوالقرنین

نے اسے کبھی منع نہیں کیا تھا۔ اگر وہ اس سب سے خوش تھی تو وہ بھی اسی میں مطمئن تھا کہ وہ خوش رہتی ہے۔

پھر اس نے علاقے کی بلیوں کے لیے اپنے کاٹیج کے باہر ایک جگہ مخصوص کر کے روزانہ وہاں دودھ اور گوشت رکھنا شروع کر دیا...... وہ ہر سوئی ہوئی بلی کو اٹھا کر گھر لے آتی اور اس کی بڑی دیکھ بھال کرتی۔

”یہ جو تم نے دودھ، گوشت ڈالنا شروع کیا ہے ناں...... یہ پھر ادھر رہ جائیں گی اور یہاں سے جائیں گی نہیں۔“ ذوالقرنین اسے اکثر چھیڑتا رہتا۔

”ہاں تو مت جائیں۔“ وہ مٹی کے پیالے دودھ سے بھر، بھر کر رکھتی رہتی۔

”گھر گندا کریں گی...... بچے دیتی رہیں گی یہیں۔“

”تو میں کیوں ہوں بھلا...... میں صفائی کروں گی ناں...... ان کے بچوں کو پالوں گی بھی۔“

”یہ تم نے مصروفیت کے اچھے بہانے ڈھونڈے ہیں...... بلیوں کی دیکھ بھال، بچوں کے ساتھ وقت گزارنا...... اگر خود کو بزی رکھنا چاہتی ہو تو جاب کرلو...... سلائی، کڑھائی کا مرکز کھول لو...... بہت اچھا چلے گا...... یہاں ہنر کی بڑی قدر ہے، لوگ سیکھتے بھی ہیں۔“

وہ ہنس دی۔

”میں خود کو مصروف نہیں رکھنا چاہتی...... آپ نے غلط اندازہ لگایا۔“

”اچھا تو یہ کیا تمہاری ہابی ہے۔“

”یہ خدمت ہے...... اللہ کی محبت مخلوق کی محبت سے ہو کر جاتی ہے۔“

”تو یہ رشوت ہے؟“ وہ پھیکا سا مسکرایا۔

”یہی سمجھ لیں اگر آپ اسے یہی سمجھنا چاہتے ہیں تو...“ پھر اس روز کے بعد سے اس نے کبھی اس کی کسی قسم کی مصروفیت پر کچھ نہیں کہا تھا۔

اس کی مری میں پوسٹنگ کے دوران ہی... ذوالقرنین کے تایازاد کزن حسن کی بھی وہیں تعیناتی ہوئی تھی...... اس کی حال ہی میں شادی ہوئی تھی اور اس کے ہاں اب ننھے مہمان کی آمد متوقع تھی...... وہ دونوں ہر دوسرے ویک اینڈ پر ان سے ملنے چلے جاتے...... پھر جب دونوں کے ہاں جڑواں بچے ہوئے تب سے آنا جانا اور بھی زیادہ ہو گیا۔ کبھی کبھی تو وہ صبح آ کر رات گئے ہی اپنے گھر کا رخ کرتے۔

”ہمارا گھر بڑا بے رونق ہے یار...... وہاں کی خاموشی کاٹتی ہے۔“ ذوالقرنین کو کبھی کبھی احساس ہوتا کہ وہ ضرورت سے زیادہ ان کے ہاں آتے جاتے ہیں تو کھسیا کر خود ہی توجیح پیش کرنے لگتا۔

”میں نے کبھی شکوہ کیا ہے آپ سے نین بھائی جو آپ یوں صفائیاں دے رہے ہیں۔“ حسن خائف سا اسے گھورتا۔

”پھر بھی یار...... تہمینہ تو محسوس کرتی ہو گی ناں۔“

”مخلص لوگوں سے کوئی نہیں اکتاتا بھائی...... تہمینہ بھی اکیلی ہوتی ہے، بھابی کے آجانے سے اسے بڑا حوصلہ ملتا ہے۔“

وہ دونوں ان کے بچوں میں مگن ہو جاتے اور حسن، تہمینہ ان کے دکھ میں۔

”ایک بات پوچھوں بھابی...... مائنڈ تو نہیں کریں گی؟“ اس روز وہ اور تہمینہ باہر ٹیرس پر بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔ وہاں سے فرنچ ونڈوز کے سبب اندر کا منظر صاف دکھ رہا تھا۔ ذوالقرنین کارپٹ پر لیٹا دونوں بچوں کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھا۔

اس نے اپنی مسکراتی نظریں ذوالقرنین سے ہٹا کر تہمینہ پر لگا دیں۔

”تہمینہ اگر میں مائنڈ کرتی رہتی ناں تو زندگی یہاں تک نہ پہنچ سکتی۔ اتنے سالوں میں کس، کس نے کیا، کیا نہیں کہا مجھے...... اب ایسی باتوں پر کڑھنا تو کیا، سوچنا بھی میں نے چھوڑ دیا ہے۔ تم کہو جو بھی کہنا ہے۔“

”آپ کسی بے بی کو اڈاپٹ کیوں نہیں کر لیتے؟“ وہ ہنوز اس کی طرف دیکھ کر مسکراتی

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



## پیارا گھر

ہوم سوئٹ ہوم گھر کسے پیارا نہیں ہوتا، سارا دن باہر رہنے کے بعد شام کو جب گھر آتے ہیں تو پیارا گھر کسی ماں کی گود کی طرح ہمیں اپنی بانہوں میں سمیٹ لیتا ہے۔ کہیں بھی چلے جائیں جو سکون اپنے گھر میں ملتا ہے وہ کہیں بھی نہیں۔ ویسے تو گھر کا ہر فرد ہی گھر کو سجانے اور سنوارنے کا شوق اور خواہش رکھتا ہے لیکن یہ ذمے داری سب سے زیادہ خاتون کی ہوتی ہے کہ وہ گھر کو سجائے، سنوارے، ہر کسی کی خواہش ضرورتوں کا خیال رکھے۔ گھر چھوٹا ہو یا بڑا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بس آرام دہ اور خوب صورت ہو، صاف ستھرا ہو، کچن سمٹا ہوا ہو، ہر چیز اپنی جگہ پر ہو، بچوں کو شروع سے عادت ڈالیں کہ اسکول سے آکر اپنے بیگ، شوز وغیرہ اپنی جگہ پر رکھیں کھیلنے کے بعد کھلونے اور اپنے کپڑے سب الماری میں رکھیں۔ کوشش کریں کہ فرنیچر کی بھر مار نہ ہو زیادہ فرنیچر سے گھر چھوٹا اور گھٹا، گھٹا لگتا ہے۔ کارپٹ سے بھی گرمی کا احساس ہوتا ہے۔ ڈرائنگ روم میں اگر کارپٹ ہے تو لاؤنج میں سینٹر رگ ڈال دیں سائڈ میں کشن رکھیں اگر لاؤنج چھوٹا ہے تو کسی بھی وال پر ایک درمیانہ مرر لگا دیں اس کے نیچے ہینگ ہونے والا ریک سجے گا آپ کی زبردست ڈریسنگ ٹیبل بن گئی اس سے کمرا بڑا بھی لگے گا اور خوب صورت بھی..... ایسی چیزیں یا شوپیس کا انتخاب کریں جس میں چھوٹے، چھوٹے شیشے لگے ہوں اور چاہیں تو خود ہی گھر میں تیار کریں اکثر گھر میں جگ گلاس.. وغیرہ چٹخ جاتے ہیں اور استعمال کے قابل نہیں رہتے۔ آج کل اسپرے کلر ملتے ہیں بڑے چھوٹے ہر طرح کے اپنے پسندیدہ کلر کا اسپرے لیں جو بھی جگ یا گلاس چٹخ گیا ہے اس پر اسپرے کریں خشک ہو جائے تو چھوٹے، چھوٹے شیشے جو بآسانی بازار سے مل جاتے ہیں چپکا دیں یا اکثر بچوں کے ہیئر کلپس یا اور کوئی جیولری پرانی یا بیکار ہو جاتی ہے اس میں لگے ہوئے فلاور وغیرہ الگ کر کے اسپرے کیے ہوئے گلاس پر لگا دیں گولڈ رنگ تو ہر گھر میں آتی ہے اس کی خالی بوتلوں کو پھینکیں نہیں بلکہ اس پر کوئی بھی گفٹ پیپر چڑھا لیں یا کسی خوب صورت کپڑے کا کور بنا لیں اس کے منہ پر اچھی مضبوط ڈوری باندھ لیں پانی ڈالیں اور منی پلانٹ لگا دیں ایک بار لگا کر آپ کو اتنا اچھا لگے گا کہ آپ خود سے مختلف انداز سے سجائیں گے۔ اب میں آپ کو ایک فلاور ارینجمنٹ بتاتی ہوں۔ پیپل کے پتے لے لیں ان کو کم از کم پانچ دن تک پانی میں بھگو دیں اب ان پتوں کو پانی سے نکال لیں ٹوتھ برش سے ہلکے ہلکے رگڑیں ہر پتا الگ، الگ صاف کریں اس کے اوپر سے اسکن صاف

رہی تھی۔

''میں ابھی مایوس نہیں ہوئی تہمینہ..... کبھی ہوگئی تو اس بارے میں ضرور سوچوں گی۔''

''نین بھائی اس کمی کو بہت محسوس کرتے ہیں بھابی.....'' اس نے کچھ، کچھ جتایا۔

اس نے واپس نظریں ذوالقرنین پر مرکوز کرلیں۔

''میں اس سے زیادہ محسوس کرتی ہوں تہمینہ..... اولاد تو عورت کے وجود میں پھوٹتی ہے کسی کونپل کی طرح اور اسے مکمل کردیتی ہے، مرد تو اسے نو ماہ محسوس بھی نہیں کرتا۔''

تہمینہ بغور اسے دیکھ رہی تھی اور وہ ذوالقرنین کو.....

''میں ذوالقرنین کو کب سے دوسری شادی کی اجازت دیے بیٹھی ہوں مگر وہ اس پر بھی تیار نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اولاد اگر نصیب میں ہوئی تو تم سے ہی ملے گی..... مجھے اعتراض اس بات پر ہے کہ اگر اتنا یقین ہے تو اللہ کی رحمت سے پھر نا امید کیوں ہونے لگتے ہیں..... یقین کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ کسی قسم کے شک کی گنجائش باقی نہیں رہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابی مگر نین بھائی کی پچویشن سمجھنے کی کوشش کریں..... وہ مرد ہیں بھابی..... اولاد کے معاملے میں مرد کے جذبات عورت سے مختلف ہوتے ہیں..... وقت کے ساتھ، ساتھ وہ خوفزدہ ہوتے جارہے ہیں کہ شاید آپ لوگوں کو کبھی اولاد نہیں ہوگی۔''

خزینہ اٹھ کر ریلنگ تک آگئی۔ مری کی پہاڑیوں پر اترتی دھوپ کو دیکھا اور اپنے اندر جیسے اس علاقے کی ساری ٹھنڈ سمولی۔

''ایمان تو ہوتا ہی خوف اور امید کے درمیان ہے..... نین کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ محض خوف ہی کھاتا رہتا ہے، امید نہیں رکھتا۔ اور میں ان دونوں کے مابین ڈولتی رہتی ہوں۔''

تہمینہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا..... وہ اس مضبوط قوت ارادی کی حامل خاتون سے شروع دن

ہو جائے گی اور جال رہ جائے گا۔ ان کو خشک کریں کوئی بھی کلر لے لیں کپڑے رنگنے والا بھی چل جائے گا۔ کلر کو پانی میں حل کر کے یہ پتے اس میں ڈبو دیں کچھ دیر بعد نکال کر خشک کر لیں بہت خوب صورت پیپل کے پتے ہوں گے اب آپ جیسے چاہیں ارینجمنٹ کریں۔ پاپ کارن بچے کتنے شوق سے کھاتے ہیں۔ یلو، ریڈ، پرپل، پنک کلر میں پوسٹر کلر سے رنگ لیں یہ کارن اب کانٹوں پر لگائیں، اب دیکھیے آپ کا کتنا زبردست بو کے تیار ہے کسی بھی خوب صورت سے گلدان میں سجائیں اور تعریفیں وصول کریں۔ بھٹے کے چھلکے لے کر کسی بھی بیڈ کے یا بستر کے نیچے دبا دیں ایک ہفتہ بعد ان کو نکال لیں ان کو گہرے زرد کلر کر دیں، اب ایک گتے پر مختلف سائز کی پتیاں کاٹ لیں اب ان گتوں کی مدد سے بھٹوں کے چھلکوں کی پتیاں کاٹیں بلکہ کپڑا لے کر چھوٹی، چھوٹی گول، گول بسکٹ کی طرح کاٹ لیں ان گول کترنوں میں روئی ڈال کر بول بنا لیں اور کسی بھی تار یا دھاگے سے باندھ دیں۔ اب دھاگا جہاں باندھا ہے وہ سرا نیچے کی جانب رکھیں اور اس کے سائڈوں میں بھٹے کی پتیاں لگاتی جائیں مختلف سائز میں لگا دیں اور ان کو باریک تار سے باندھتے رہیں یہ سن فلاور تیار ہیں۔ بلیک کپڑے کے اور خشخاش کو پیلا کلر کر کے گم کی مدد سے چپکا دیں آپ کے سورج مکھی سن فلاور تیار ہیں۔ لال ثابت گول مرچ کھانے میں اور بگھار میں کتنی اچھی لگتی ہیں اب سنیں لال مرچ کا منفرد استعمال، کانٹے والی جھاڑی کی ضرورت پڑے گی۔ لال مرچ پر الگ، الگ کلر کریں۔ پوسٹر کلر سے یہ مرچیں کانٹوں پر لگا دیں کون کہے گا یہ ارینجمنٹ لال مرچ سے بنی ہے۔ پھول جھاڑو لے لیں جھاڑو نئی ہونی چاہیے اب اس کی ٹہنیاں الگ، الگ کر لیں، ٹہنیوں کو پانچ حصے میں تقسیم کریں اور مختلف کلر میں رنگنا ہے۔ رنگنے والے کلر کو کسی بھی برتن میں پانی میں ملا کر ان ٹہنیوں کو بھگو دیں رات بھر بھیگنے دیں پھر نکال کر خشک کریں مٹی کے بڑے گلدان یا کسی چھوٹی مٹکی میں لگا دیں اس کو ڈریسنگ روم کے دروازے کے پاس رکھیں یا لاؤنج میں بچوں کے کھلونے جیسے گھوڑا، ہاتھی بڑے سائز میں لے آئیں پر لز جو ہم کپڑوں پر لگاتے ہیں وہ بھی لے لیں اب ان پر لز کو گم اسٹک کی مدد سے ان ٹوائز پر بہت نفاست سے چپکا دیں اور خشک ہونے دیں اور اب اپنا ہنر دیکھ کر آپ خود ہی دنگ رہ جائیں گی اب آپ پر برسیں گے تعریف کے پھولوں کے ٹوکرے تو آپ یہ پھول سمیٹیں ہم چلے اپنے ہوم سوئٹ ہوم......

مرسلہ: ............................... فہمیدہ غوری کراچی

سے متاثر تھی۔

"عورت تو بڑی کمزور ہوتی ہے، آپ اتنی مضبوط کیسے ہو گئیں۔"

"اولاد کے معاملے میں عورت خود بخود مضبوط ہو جاتی ہے اور یہاں بھی اولاد کا ہی معاملہ ہے۔" وہ زخم خوردہ سی مسکرا دی۔

"اتنے سالوں تک تو انسان ناامید ہو ہی جاتا ہے بھابی...... آپ نے اتنی زبردست قوت کہاں سے حاصل کر لی؟"

"میرے پاس پُرامید رہنے کے علاوہ کوئی دوسرا رستہ نہیں ہے۔" وہ واپس اندر کی جانب پلٹ گئی جہاں اس کا شوہر بچوں کو سینے پر بٹھائے ان سے کھیل رہا تھا۔

☆☆☆

"ہم کل کمپلیٹ چیک اپ کے لیے چل رہے ہیں...... تیار رہنا، میں گاڑی بھجوا دوں گا۔" اس روز وہ آفس جانے سے قبل اسے ہدایت کر رہا تھا۔

"چیک اپ......؟" وہ حیرت سے اس کی ٹائی کی ناٹ باندھتے ہوئے بولی۔

"میں پھر سے ٹریٹمنٹ شروع کروانا چاہتا ہوں۔" وہ خاموشی سے اسے تکنے لگی۔

"نہیں ہم علاج دوبار کروا چکے ہیں ناں......" اس نے بے بسی سے لب کچلے۔

"جب تم دعائیں مانگتی ہو پورا، پورا دن میں نے کبھی روکا......؟ تم تہجد کے لیے رات گئے جاگتی ہو میں نے کبھی منع کیا؟ تم پورا دن بلیوں کے ساتھ لگی رہتی ہو میں نے کبھی کچھ کہا؟ لاوارث بچوں کے ساتھ دن رات گزارتی ہو کبھی میں نے اعتراض کیا...... جب میں نے کبھی تمہیں کسی بات سے منع نہیں کیا تو تم بھی مجھے مت روکو...... جب میں تمہاری ہر خوشی کا خیال رکھتا ہوں تو تم بھی میری خواہش کا احترام کرو۔"

خزینہ پھر کچھ بول نہیں پائی...... وہ اپنے شوہر سے محبت کرتی تھی اور اس کی فرمانبردار بیوی تھی سو اس

کی اتنی سی خوشی کا احترام تو کر سکتی تھی۔

اگلے روز وہ دونوں مری سی ایم ایچ سے تفصیلی معائنہ کروا آئے تھے...... رپورٹس ایک ہفتے کے بعد ملنا تھیں...... وہ جانتی تھی کہ رپورٹس کا حسب معمول وہیں نتیجہ آنا تھا...... سب ٹھیک ایوری تھنگ از او کے...... اور پھر ہفتے بھر اس کے شوہر نے...... چڑچڑے پن کا شکار رہنا تھا...... اور ذوالقرنین کو اس اذیت سے بچانے کے لیے ہی وہ اس چیک اپ سے اعراض برتنا چاہ رہی تھی۔

''ڈرائیور رپورٹس لے آئے گا کل...... اس سے ریسیو کر لینا......'' اس روز آفس جانے سے قبل وہ اس کے سر کو تھپکتے ہوئے بولا...... اس کی آنکھیں بھر آئیں مگر وہ خود کو نارمل رکھے ہوئے تھی۔ وہ اس شخص کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی اور اسے اس شخص کا خیال رہ، رہ کر ستا رہا تھا جس نے پھر اگلے پورا ہفتہ کوفت کا شکار رہنا تھا۔

سہ پہر جب وہ این جی او سے لوٹی تھی تو چوکیدار نے اسے کچھ کاغذات تھمائے جو کچھ دیر قبل ڈرائیور اسے دے کر گیا تھا اس نے بڑی بیزاری سے وہ لا کر ڈائننگ ٹیبل پر پھینکنے کے انداز میں رکھے تھے اور گھر کے کاموں میں جت گئی...... شام سے قبل ہی ذوالقرنین کا فون آ گیا تھا۔

''تم نے رپورٹس چیک کیں؟''

''اوہ!'' کھسیا کر رہ گئی...... ''مجھے یاد نہیں رہا۔''

''حد ہے بے پروائی کی زینہ......'' اسے غصہ آ گیا تھا۔

''میں دیکھتی ہوں نین...... آئی ایم سوری...... بس کاموں میں لگ کر یاد نہیں رہا......''

اس نے سب کام ایک طرف رکھے بے دلی سے لفافے سے رپورٹس نکال کر دیکھیں اور پھر وہ ہل بھی نہ سکی...... رپورٹ پازیٹو آئی تھیں...... سولہ سال بعد سولھویں بار کرائے جانے والے ٹیسٹ کی پہلی رپورٹ جو پازیٹو آئی تھی۔

اللہ نے اس کی نہ صرف سن لی تھی بلکہ اسے نواز بھی دیا تھا۔

☆☆☆

ذوالقرنین نے اس کو خاص طور سے تاکید کی تھی کہ ابھی اس بات کا ہرگز چرچا نہ کیا جائے، وہ خوشی سے زیادہ اضطراب کا شکار تھا۔

''لوگوں کی نظریں کھا جاتی ہیں زینہ...... ہر صاحب نعمت کا کوئی نہ کوئی حاسد ضرور ہوتا ہے اور حاسدین کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے...... ابھی کسی پر ظاہر نہیں کرنا جب تک خود ظاہر نہ ہونے لگ جائے۔''

اور وہ پہلے سے کہیں زیادہ عبادت گزار بن گئی تھی...... گھنٹوں قرآن کی تلاوت کرتی رہتی، حرف حرف سے بندھ جاتی...... شکرانے کے نوافل ادا کرنے لگ جاتی...... روزانہ صدقہ کرتی، نعمت ملنے پر ذکر اور شکر کرنا ہوتا ہے اسی لیے وہ ذاکر اور شاکر بن گئی تھی۔

ذوالقرنین پہلے سے کہیں زیادہ اس کا خیال رکھنے لگا تھا۔ گھر کے کام کاج کے لیے کل وقتی ملازمہ رکھ لی...... آفس سے وقتاً فوقتاً اسے فون کر کے تاکید کرتا رہتا...... یہ کھاؤ، وہ کھاؤ، وہ بھی خاموشی سے اس کی ہر بات مانتی چلی جاتی۔

اگلے چار ماہ وہ ملتان نہیں گئے تھے...... گھر سے فون آتا تو وہ مصروفیت کا بہانہ کر دیتا...... حسن، تہمینہ کی طرف جانا بھی کم کر دیا تھا...... بالآخر پانچویں ماہ اماں خود ہی پہنچ گئی تھیں اور ان کی زیرک نگاہوں سے خزینہ کی حالت چھپی نہ رہ سکی...... روتے روتے انہوں نے بہو کو گلے لگا لیا، بیٹے سے شاکی تھیں کہ انہیں کیوں...... بے خبر رکھا۔ وہ اب کیا بتاتا بھلا...... جو خدشے بیوی کے سامنے ظاہر کرتا تھا، وہ ماں کے سامنے نہیں کر سکتا تھا۔

اماں اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھیں مگر نہ تو خزینہ آمادہ تھی...... جانے کے لیے اور نہ ہی ذوالقرنین رضامند تھا اسے بھیجنے پر۔

''اماں وہ اتنا طویل سفر نہیں کر سکتی...... ڈاکٹر نے منع کیا ہے اور پھر یہاں میں اس کا ہر طرح سے

خیال رکھ سکتا ہوں اور رکھ رہا ہوں۔''

''ایسی حالت میں بڑی بوڑھیوں کی ضرورت ہوتی ہے بیٹا۔تم بھلا کیا جانو۔'' مگر وہ کسی طور آمادہ نہ ہوا۔

اماں مہینہ اس کے پاس ٹھہر کر لوٹ گئیں مگر اس مہینے بھر میں انہوں نے ذوالقرنین کے منع کرنے کے باوجود آدھے خاندان کو مطلع کردیا تھا اور اس آدھے خاندان سے باقی ماندہ خاندان کو بھی خبر ہوگئی تھی......ڈھیروں مبارک باد کے فون آنے لگے......وہ سنتا اور کبھی خوفزدہ ہوتا تو کبھی چھپ، چھپ کر روتا خزینہ اس سب سے بے خبر اپنی ذات میں ہی گم تھی۔

حسن اور تہمینہ مبارک باد دینے آئے تھے۔ دونوں ہی سخت نالاں تھے۔

''میں کبھی اس غلطی کے لیے معاف نہیں کروں گی آپ دونوں کو......اتنا پرایا کردیا آپ نے ہمیں کہ بتانا ہی ضروری نہیں سمجھا۔'' ذوالقرنین سر جھکائے ساری لعنت ملامت سنتا رہا مگر خاموش رہا۔

وہ خاصا شرمندہ تھا۔

''آپ کو کیا لگا تھا بھائی کہ ہم نظر لگادیں گے...... دعا دینے والے کبھی نظر نہیں لگایا کرتے۔''

''کم از کم خاندان کی ان چہ مگوئیوں نے تو دم توڑا کہ صوفی منش کی بددعا سے کبھی آپ باہر نہیں نکلیں گے۔'' ذوالقرنین نے حسن کی جانب دیکھا۔

''ہم کبھی کسی بددعا کے حصار میں تھے ہی نہیں یار......اور مجھے خوشی تب ہوگی جب ہمارا خاندان ان جھوٹی روایات وعقائد سے باہر نکلے گا۔''

''آپ تبدیلی کا آغاز تھے...... یہ تبدیلی اور پھیلے گی اب۔'' حسن مسکرادیا۔ پھر سات ماہ تو پلک جھپکتے گزر گئے اور جب آٹھواں ماہ چڑھا تو یک دم رات کے آخری پہر خزینہ کی حالت بگڑ گئی۔

وہ گاڑی بھگا کر اسے اسپتال لے گیا تھا، بلند فشارِ خون کے سبب اس کی حالت بگڑ گئی تھی۔ جب ڈاکٹرز نے اسے یہ بتایا تو اسے یقین نہیں آیا۔وہ جتنا پُرسکون رہتی تھی، وہ مان ہی نہیں سکتا تھا کہ اس نے کسی بات کی پریشانی لی ہو یا کوئی بھی بات اس کے حواسوں پر سوار رہی ہو۔

''بی پی کنٹرول نہ ہوا تو آپریٹ کرنا ہوگا...... شاید دونوں میں سے ایک جان بچائی جاسکے گی۔''

کتنی دیر تو وہ بول ہی نہیں سکا تھا۔

''میری بیوی کو ہر حال میں بچالیں ڈاکٹر۔'' ساری ہمت مجتمع کرکے اس نے کہہ ڈالا۔

''سولہ سال......سولہ سال بعد جب امید ختم ہوگئی تو، تو نے پروردگار امید پیدا کردی...... میں بےیقین تھا مگر وہ کیسی مجسمۂ یقین بنی رہی...... میں خائف رہتا تو وہ کیسی بے خوف ہوگئی تھی......وہ کہتی تھی کہ اس کا گمان مثبت ہے اور اللہ مومن کے گمان کے مطابق ہوتا ہے......میرا گمان تو منفی رہا ہے تو، مجھے معاف کردے اور تو اس کے گمان کے مطابق ہوجا......'' وہ ہاتھ اٹھائے رب کی بارگاہ میں گڑگڑا رہا تھا۔

پورا دن اور رات وہ وہیں بھوکا پیاسا رہا تھا......اس نے کسی کو مطلع نہیں کیا تھا۔وہ اکیلا یہ تکلیف جھیلتا رہا تھا......اکیلا روتا رہا تھا۔اکیلا ہی ہر پل مرتا رہا تھا۔ ڈاکٹر بی پی کنٹرول کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے مگر پھر انہیں آپریٹ کرنا پڑا۔

چھتیس گھنٹے کے بعد ڈاکٹر نے باہر آکر اس کے شانے تھپکے تھے۔

''مبارک ہو سر......آپ کی بیٹی اور بیوی دونوں محفوظ ہیں۔''

وہ نرس کے ہاتھوں میں تھامے اس زندہ وجود کو بےیقینی سے سینے سے لگائے رو رہا تھا۔وہ جو چالیس سال کا مرد تھا، وہ چالیس منٹ کی اس بچی سے بھی اونچا چیخ رہا تھا......رو رہا تھا۔

اور اسے یقین آگیا کہ زکریا کا رب آج بھی وہی ہے اور صرف وہی ہے۔



شمع ہدایت

اختر شجاعت

# کسبِ حلال...... فضلِ الٰہی

اس ماہ ہمارا موضوع کسبِ حلال ہے۔ آج کے دور میں حصولِ رزق کے لیے لوگ اتنے پریشان ہیں کہ حرام وحلال کی تمیز ختم ہوگئی ہے۔ بس مقصدِ حیات پیسہ کمانا رہ گیا ہے۔ جبکہ ہمارا کام پروردگار کے احکامات کی تابعداری کرنا اور رزق کا معاملہ اپنے رب کے سپرد کر دینا ہے...... جائز طریقے سے جو کوشش اور جدوجہد کی جاسکتی ہے وہ کرنی چاہیے کہ جائز طور پر رزق کے لیے محنت کرنا عبادت میں شامل ہے۔

آج کا معاشرہ جس تیزی سے بگاڑ کی طرف بڑھ رہا ہے انتظامی ڈھانچا جس طرح سے تباہ ہورہا ہے... بدعنوانیوں کا جس طرح فروغ ہورہا ہے ان سب امور کے پس منظر میں صرف ایک ہی بات کارفرما نظر آئے گی اور وہ ہے لوگوں نے حرام اور حلال ذرائع میں تمیز کرنا چھوڑ دی ہے۔ جب دولت حاصل کرنے کی اندھی جدوجہد کی جاتی ہے، راتوں رات امیر بننے کی خواہش ذہن پر غلبہ پالیتی ہے، سچ اور جھوٹ کا فرق مٹ جاتا ہے۔ ایسے میں انسان یہ پروانہیں کرتا کہ جو سرمایہ وہ حاصل کررہا ہے وہ جائز ہے یا ناجائز۔

اسلام کے معاشی نظام کا بنیادی اصول کسبِ حلال ہے اور اس کا حکم مختلف آیات اور حدیث نبویؐ میں دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں، ان میں سے حلال اور پاک چیزیں کھاؤ۔“ (سورۂ بقرہ)

یعنی کرۂ ارض کے وسائل تمہارے استعمال کے لیے ہیں لیکن تمہاری کوشش میں حرام کا عنصر داخل نہ... ہونے پائے۔

حضور اکرمؐ جس دین کو لے کر آئے اس میں انسان کی عزتِ نفس کی سخت حفاظت کی گئی ہے۔ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے مانگنا، کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا، کسی انسان سے حاجت روائی چاہنا انتہائی ناپسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے۔

ایک بار حضور اکرمؐ کے پاس ایک شخص نے آکر اپنی غربت کا ذکر کیا اور بھیک مانگنے کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارے پاس کچھ ہے اس نے جواباً کہا کہ ایک کمبل اور ایک پیالہ ہے۔ آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ انہیں بیچ کر لکڑی کاٹنے کا سامان خریدو اور جنگل جا کر لکڑیاں کاٹ کر فروخت کیا کرو...... جب کچھ دن بعد آکر اس نے اپنے پاس تھوڑا بہت سامان جمع ہوجانے کا ذکر کیا اور ساتھ ہی اپنے ہاتھوں کے نشانات دکھائے جو لکڑیاں کاٹتے، کاٹتے پڑ گئے تھے...... تو آپؐ نے ان داغوں کو چوم لیا...... کیونکہ یہ داغ کسبِ حلال کے حصول کی جدوجہد کے نتیجے میں پڑے تھے۔ غرضیکہ اسلام نے اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے کمانا فرض قرار دیا اور اس ضمن میں صرف ایک پابندی لگائی وہ ہے جائز اور حلال کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ طلبِ حلال مسلمانوں کے لیے فرض ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ عبادت کے دس حصے ہیں جس میں نو حصے کسبِ حلال میں شامل ہیں...... یہی وجہ ہے کہ حلال روزی کی بے حد اہمیت ہے، یہ وہ روزی ہوتی ہے جس کے حاصل کرنے میں اللہ کی نافرمانی نہ ہو طیب وہ ہوتی ہے کہ کھاتے وقت یہ نیت ہو کہ یہ لقمہ محض عبادتِ

خداوندی کی قوت حاصل کرنے کے لیے کھا رہا ہوں لقمۂ حرام قلب و دماغ کو تاریک کر دیتا ہے اور جب قلب تاریک اور زنگ آلود ہو جائے تو عبادت کی قبولیت بھی مشتبہ ہو جاتی ہے۔ پس حیات قلب معرفت اور ذکر و سرور کے لیے اکلِ حلال لازمی چیز ہے حرام سراپا شر ہے اور حلال سراپا خیر ہے اور اس سے مومن پر ذاتِ صفات کے اسرار واضح ہوتے ہیں۔

☆☆☆

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ”اللہ اس مسلمان سے محبت کرتا ہے جو کوئی محنت کر کے روزی کماتا ہے۔“ ایک بار آنحضرتؐ نے کسی کے سوال کرنے پر کہ سب سے بہتر اور افضل کمائی کون سی ہے؟ ارشاد فرمایا۔”تجارت جس میں نافرمانیِ رب کے طریقے نہ اختیار کیے جائیں اور اپنے ہاتھ سے کام کرنا...... یہ دونوں تجارت اور جائز پیشہ روزی حاصل کرنے کے بہترین طریقے ہیں۔“

حضرت کعب بن عجرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرمؐ کے پاس سے ایک آدمی گزرا صحابہؓ نے دیکھا کہ وہ رزق کے حصول میں بہت متحرک ہے اور پوری دلچسپی لے رہا ہے تو حضور اکرمؐ سے عرض کیا۔”اے اللہ کے رسولؐ اگر اس شخص کی یہ دوڑ دھوپ اور دلچسپی اللہ کی راہ میں ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔“ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا۔”اگر وہ اپنے چھوٹے بچوں کی پرورش کے لیے دوڑ دھوپ کر رہا ہے تو یہ اللہ کی راہ ہی میں شمار ہوگی......اور اگر بوڑھے والدین کی پرورش کے لیے کوشش کر رہا ہے تو یہ بھی فی سبیل اللہ ہی شمار ہوگی اور اگر اپنی ذات کے لیے کوشش کر رہا ہے اور مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بچا رہے تو یہ کوشش بھی فی سبیل اللہ شمار ہوگی......البتہ اگر اس کی یہ محنت زیادہ مال حاصل کر کے لوگوں پر برتری جتانے اور لوگوں کو دکھانے کے لیے ہے تو یہ ساری محنت شیطان کی راہ میں شمار ہوگی۔“

☆☆☆

لقمۂ حلال میں احتیاط کے سلسلے میں حضرت نظام الدین اولیاؒ بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت یحییٰ معاذ رازیؒ نے جو کی دو روٹیاں پکا کر حضرت بایزید بسطامیؒ کی خدمت میں بھیجیں اور کہلایا کہ انہیں میں نے آبِ زم زم میں گوندھ کر پکایا ہے۔ مگر حضرت بایزیدؒ نے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا۔ یہ تو کہہ دیا کہ آبِ زم زم سے گوندھ کر پکائی ہے لیکن یہ تو نہیں بتایا کہ آٹا کہاں سے اور کس ذریعے سے آیا تھا۔ جب تک یہ حقیقت معلوم نہ ہو ایسی روٹیاں ہم کیسے کھالیں؟ اللہ اکبر...... یہاں تک تقویٰ اور لقمۂ حلال کے لیے احتیاط...... حضرت ابراہیم ادھمؒ اور حضرت شفیق بلخیؒ کی آپس میں ملاقات مکہ معظمہ میں ہوئی۔ حضرت ابراہیم ادھمؒ نے سوال کیا......اے شفیق تجھے یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک مرتبہ میں جنگل سے گزرا وہاں ایک پرندے کو دیکھا جس کے دونوں بازو یعنی پر ٹوٹ چکے تھے۔ میں یہ دیکھنے کے لیے وہیں بیٹھ گیا کہ دیکھوں اس کو رزق کیسے ملتا ہے؟ اتنے میں ایک پرندہ اپنی چونچ میں ایک ٹڈی لے کر آیا اور اس کے منہ میں اس کو ڈال دیا۔ مجھے خیال پیدا ہوا کہ رزاق اگر اسے رزق پہنچا سکتا ہے تو مجھے کیوں نہیں پہنچائے گا لہٰذا سب کچھ چھوڑ کر عبادت میں مصروف ہو گیا...... اس پر حضرت ابراہیم ادھمؒ نے فرمایا......اے شفیق! تو نے معذور پرندہ بننا گوارا کیا اگر تم تندرست بنتے تو تمہارا مقام کچھ اور ہوتا...... کیا تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان نہیں سنا کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ مومن تو ہمیشہ بلند درجات کا خواہاں ہوتا ہے حتیٰ کہ ابرار کے مقام کو حاصل کر لیتا ہے۔ اس پر حضرت شفیقؒ نے آپ کا ہاتھ چوم کر فرمایا...... بے شک آپ میرے استاد ہیں۔

انسان جب رزق کے حصول کے اسباب مہیا کرے تو اسباب کے بجائے خالق کو اپنا نصب العین بنائے جو اصل میں روزی مہیا کرتا ہے جو سائل کشکولِ گدائی لے کر پھرتا ہے وہ کشکول کو نہیں دینے والے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

☆☆☆

قرآنی آیات نے واضح طور پر حصولِ معاش کی تاکید کی ہے اور اسے فضل اللہ فرمایا ہے۔۔۔۔۔۔اسی لیے نماز سے فارغ ہونے کے بعد حصولِ معاش کا حکم دیتے ہوئے فرمایا۔

"اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو۔" (سورۂ جمعہ)

اسلام نے انسان کو مختلف طریقوں سے محنت، معاشی جدوجہد اور حصولِ رزق کی کوشش پر اکسایا ہے۔ چنانچہ گداگری اور بیروزگاری کو ناپسندیدہ قرار دیا۔ صحیح طریقے پر رزق کے حصول کی ترغیب کی اور اسے ہر مسلمان پر فرض قرار دیا۔۔۔۔۔۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنی روزی کی تلاش سے غافل ہو کر سوتے نہ رہو۔۔۔۔۔۔"

اسلام چاہتا ہے کہ پیداوار میں اضافہ ہو اور معیشت ہر پہلو سے فروغ پائے مگر اس کے ساتھ پابندی بھی عائد کرتا ہے کہ آمدنی جائز ذرائع سے حاصل کی جائے اسی لیے اس نے حرام ذرائع سے حاصل کی جانے والی آمدنی کو دوزخ کی آگ قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "حلال روزی کا طلب کرنا ایسا ہے جیسے خدا کی راہ میں بہادروں سے لڑنا اور جو شخص حلال روزی حاصل کرنے کی کوشش کر کے تھک کر رات کو سو جائے تو خدا اس سے راضی ہے۔"

ترمذی کی روایت ہے کہ بندہ قیامت کے دن میدانِ حشر کو اتنی دیر تک نہیں چھوڑے گا جب تک ان سوالوں کے جواب نہیں دے لیتا۔۔۔۔۔۔عمر کیسے کٹی؟ جوانی کن کاموں میں صرف کی؟ مال کیسے حاصل کیا؟ اور کیسے خرچ کیا اور اپنے علم پر کتنا عمل کیا؟ بیہقی کی حدیث ہے کہ دنیا سرسبز و شیریں اس کے لیے ہے جس نے حلال کمائی سے مال کمایا اور اسے صحیح طریقے سے خرچ کیا، اللہ اسے ثواب دے کر جنت میں داخل کرے گا اور جس نے ناجائز طریقے سے مال کمایا اور ناجائز خرچ کیا اسے جہنم میں بھیجا جائے گا اور وہ جو مال کی محبت میں اللہ اور رسول کو بھول جاتے ہیں قیامت کے دن ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

☆☆☆

ایک روز حضرت امام ابو حنیفہؒ بازار میں جا رہے تھے گرمی کا موسم اور دوپہر کا وقت تھا۔ تیز دھوپ پڑ رہی تھی امام ابو یوسفؒ آپ کے ہمراہ تھے۔ آپؒ کنارے، کنارے دکانوں اور مکانوں کے سایہ میں چل رہے تھے۔ جب ایک بڑی عمارت کے نیچے پہنچے تو آپ کنارے سے ہٹ کر بازار کے بیچ میں تیز دھوپ میں چلنے لگے۔ امام ابو یوسفؒ نے بھی ایسا ہی کیا جب اس عمارت کی حد ختم ہو گئی تو پھر آپؒ کنارے پر آ کر سایہ میں چلنے لگے۔۔۔۔۔۔ اس پر امام ابو یوسفؒ نے دریافت کیا۔۔۔۔۔۔حضرت اس کی وجہ میری سمجھ میں کچھ نہیں آئی کہ آپؒ اس عمارت کے سایہ کو چھوڑ کر تیز دھوپ میں چلے اور پھر کنارے پر آ گئے۔۔۔۔۔۔حضرت امام ابو حنیفہؒ نے جواب دیا۔۔۔۔۔۔کہ اے ابو یوسف تمہیں معلوم نہیں کہ یہ مکان ایک یہودی کا ہے جو اتنے ہزار دینار کا میرا قرض دار ہے کیا تمہیں علم نہیں۔۔۔۔۔۔؟ کہ اسلام میں سود حرام ہے مجھے ڈر تھا کہ اس مقروض کے مکان کے سایہ سے فائدہ اٹھانا کہیں سود میں شامل نہ ہو جائے۔ اس لیے میں نے احتیاط برتی اور اس کے مکان کے سایہ کو چھوڑ دیا۔۔۔۔۔۔اللہ اکبر۔۔۔۔۔۔کیا تقویٰ تھا۔

حضرت عیسیٰؑ نے ایک شخص کو دیکھا اور پوچھا "تو کیا کرتا ہے؟" اس نے کہا "میں عبادت کرتا ہوں۔" آپ نے پوچھا کہ "معاش کی کیا صورت ہے؟" اس نے جواب دیا کہ "ایک بھائی ہے جو میرے معاش کا کفیل ہے۔" حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ "تیرا بھائی تجھ سے زیادہ عابد ہے۔"

☆☆☆

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کسبِ حلال کے لیے جدوجہد فرماتے حالانکہ آقائے دو جہاں کو کیا کمی تھی؟ پھر بھی آپؐ نے بکریاں چرانے کا پیشہ اختیار فرمایا۔۔۔۔۔۔تجارت بھی فرمائی۔۔۔۔۔۔اللہ تعالیٰ کے مقرب انبیا بھی کسبِ حلال کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔۔۔۔۔۔کوئی کپڑے سی کر، کوئی تجارت کر کے تو کوئی بڑھئی کا پیشہ اپنا کر رزقِ حلال حاصل کیا کرتے۔۔۔۔۔۔حضرت آدمؑ کھیتی باڑی کرتے تھے۔ حضرت نوحؑ بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ حضرت ادریسؑ کپڑے سی کر

گزر بسر کرتے تھے۔ حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ تجارت کرتے تھے...... حضرت ابراہیمؑ بھی کھیتی باڑی کرتے تھے۔ حضرت شعیبؑ جانوروں کے بالوں اور اون وغیرہ سے اپنی روزی حاصل کرتے تھے...... حضرت موسیٰؑ بھیڑ بکریاں چراتے رہے۔ حضرت داؤدؑ زرہ بنا کر گزر اوقات کرتے تھے...... حضرت سلیمانؑ جو بادشاہ تھے درختوں کے پتوں اور چھالوں سے پنکھے، بوریاں اور زنبیل (ٹوکریاں) تیار کر کے گزارہ کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ تجارت کیا کرتے تھے۔ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ گھاس جنگل سے کاٹ کر مدینہ منورہ میں لا کر بیچتے...... مزدوری بھی کرتے...... فتح خیبر کے بعد بھی آپ کھیتی باڑی بھی کرتے رہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ چٹائیاں بنا کر بیچتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تیر بنا کر بیچتے تھے۔

☆☆☆

حضرت سیدنا داؤد علیہ اسلام گھر سے لباس بدل کر اجنبی بن کر نکلتے اور جو شخص بھی ملتا اس سے اپنے متعلق سوال کرتے...... ایک دن حضرت جبرائیلؑ آپ کو انسانی صورت میں ملے، آپ نے ان سے پوچھا...... اے نوجوان......! تو داؤد کے متعلق کیا کہتا ہے؟ وہ بولے آدمی تو بہت اچھا ہے مگر اس میں ایک عادت ہے۔ آپ نے پوچھا وہ کیا؟ کہا...... مسلمانوں کے بیت المال سے کھاتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس شخص سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں جو اپنے ہاتھوں کی مشقت سے کھاتا ہو۔ آپ روتے ہوئے واپس آ گئے اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے...... اے اللہ! مجھے کوئی کام سکھا دے کہ میں اپنے ہاتھ سے کام کیا کروں اور لوگوں کے بیت المال سے بے پروا ہو جاؤں...... تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو زرہ لوہے کا لباس جو جنگ کے وقت پہنا جاتا ہے بنانے کا ہنر سکھایا اور لوہے کو آپ کے ہاتھ میں موم کر دیا...... جیسے نرم گندھا ہوا آٹا اور آپ جب امورِ مملکت سے فارغ ہوتے تو زرہیں بنایا کرتے تھے اور انہیں بیچ کر اپنی اور اہل و عیال کی بسر اوقات کیا کرتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ کسی نے اس کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا جو اپنے ہاتھ سے کمایا ہو اور حضرت داؤد السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے لوگوں نے پوچھا آپؒ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو عبادت کے لیے مسجد میں بیٹھ رہے اور کہے کہ اللہ مجھے رزق دے گا...... امام صاحب نے فرمایا۔ ”وہ جاہل ہے شرع نہیں جانتا اس لیے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ اللہ نے میری روزی میرے نیزہ کے سائے میں رکھی ہے۔ (یعنی جہاد کرنے میں) بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے مگر رزقِ حلال کمانا آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔

جہاں کسبِ حلال کے بے شمار فضائل ہیں وہاں رزق حرام کمانے اور کھانے پر بہت ہی سخت وعیدیں بھی ہیں۔ آج کل تاجر حضرات بلا ضرورت جھوٹ بول کر جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا مال فروخت کرتے ہیں، مال میں اگر عیب اور نقص ہے تو اسے ظاہر نہیں کرتے، بے دریغ ملاوٹ کرتے ہیں، رشوت، سود، دھوکا بازی جس میں جس طرح کے بھی گناہ کا سہارا لینا پڑے ضرور لیتے ہیں اور مال کماتے ہیں جبکہ اسلام میں ہے کہ اگر تمہارے مال میں عیب ہے تو خریدنے والے کو ضرور بتاؤ۔

☆☆☆

آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ”کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی پروا بھی نہیں کرے گا کہ اس چیز کو کہاں سے حاصل کیا ہے، حلال ہے یا حرام......“

ایک اور فرمان ہے کہ ”جو بندہ مالِ حرام حاصل کرتا ہے اگر اس کو صدقہ کرے تو مقبول نہیں اور خرچ کرے تو اس کے لیے اس میں برکت نہیں اور چھوڑ کر مرے گا تو جہنم میں جانے کا سامان ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ برائی سے برائی کو نہیں مٹاتا ہاں نیکی سے برائی کو مٹا دیتا ہے۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار غلہ کی ڈھیری کے پاس سے گزرے تو اس میں ہاتھ ڈال دیا انگلیوں میں تری محسوس ہوئی۔ ارشاد فرمایا۔ ”اے غلہ

والے! یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اس پر بارش کا پانی پڑ گیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ تو بھیگے ہوئے غلہ کو اوپر کیوں نہیں کر دیا کہ لوگ دیکھتے...... جو دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں۔"

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "بیچنے کے لیے جو دودھ ہو اس میں پانی نہ ملاؤ۔"

ایک شخص حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا کہ ہم حج کے لیے آئے ہیں۔ راستے میں ہمارا ایک ساتھی مر گیا۔ ہم نے اس کے لیے قبر کھودی تو قبر میں ایک خوفناک سانپ بیٹھا نظر آیا۔ ہم نے وہ جگہ چھوڑ دی اور دوسری جگہ قبر کھودی دیکھا کہ اس میں بھی سانپ بیٹھا ہے۔ پھر ہم نے تیسری قبر کھودی تو اس میں بھی وہی سانپ نظر آیا۔ ہم حیران پریشان ہیں کہ کیا کریں؟

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ "تم سانپ کے پاس ہی اسے دفن کر دو۔ اگر تم ساری زمین بھی اس کے لیے کھود ڈالو گے تب بھی یہ سانپ تمہیں ضرور نظر آئے گا۔"

چنانچہ انہوں نے اس کے لیے ایک قبر کھود کر سانپ کے پاس ہی اسے دفن کر دیا...... پھر واپسی پر اس کی بیوی سے اس کے حالات دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ وہ آٹے کا سوداگر تھا اور آٹے میں لکڑی کا برادہ ملا کر بیچا کرتا تھا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ "تمام کمائیوں میں زیادہ پاکیزہ ان تاجروں کی کمائی ہے کہ جب وہ بات کریں تو جھوٹ نہ بولیں اور جب ان کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت نہ کریں اور جب اپنی چیز بیچیں تو ان کی تعریف میں مبالغہ نہ کریں اور ان پر کسی کا دینا ہو تو دینے میں ڈھیل نہ ڈالیں اور جب ان کا کسی پر نکلتا ہو تو سختی نہ کریں۔"

روایت میں ہے کہ جو شخص ناپ تول میں خیانت کرتا ہے قیامت کے دن اسے دوزخ کی گہرائیوں میں ڈالا جائے گا اور دو آگ کے پہاڑوں کے درمیان بٹھا کر حکم دیا جائے گا۔ ان پہاڑوں کو ناپو اور تولو...... جب تولنے لگے گا تو آگ اس کو جلا دے گی۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جو مال حرام سے صدقہ دیتا ہے اور خیرات کرتا ہے وہ ایسے شخص کی مثل ہے جو ناپاک کپڑے کو پیشاب سے دھوتا ہے۔ اس طرح وہ کپڑا اور بھی زیادہ پلید ہو جاتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جب پہلا دینار بنایا گیا تو شیطان نے اسے آنکھوں سے لگا کر کہا۔ "جو تجھ سے محبت کرے گا وہ میرا غلام ہے۔"

آپ کا فرمان۔ انتہائی غور کے قابل ہے، مال سے جو بھی محبت کرنے والا ہوا وہ کثرت سے گناہوں میں مبتلا نظر آتا ہے۔ اور یہی شیطان کی غلامی ہے۔

حالانکہ غور کریں تو آپ اتنا ہی کھاتے ہیں جتنی آپ کے پیٹ میں گنجائش ہے۔ اسی قدر پہنتے ہیں جس قدر آپ کی جسامت ہے۔ باقی آپ کی کمائی آپ کے اہل و عیال کھاتے ہیں اور وبال آپ پر آئے گا تو خدارا اپنے جسم ناتواں پر رحم کریں اور اسے جہنم کا ایندھن بننے سے بچائیں جس نے آپ کو پیدا کیا ہے وہی رزق بھی عطا کرنے والا ہے۔ اور جو کچھ مقدر میں ہے وہ آپ کو مل کر رہے گا اب یہ آپ پر ہے کہ آپ اسے کس طرح حاصل کرتے ہیں۔

حرف آخر! اپنے رب کی بارگاہ میں دعا کرتی ہوں کہ اے اللہ! اس مضمون کی تیاری میں کہیں دانستہ یا نادانستہ کوئی غلطی، کوئی کوتاہی یا لغزش ہو گئی ہے تو اے کریم رب مجھے معاف فرما دے کہ تو سب سے زیادہ مہربان اور رحم کرنے والا ہے، آمین۔

اللہ تعالیٰ ان عظیم ہستیوں کو بے تحاشا اجر و ثواب عطا فرمائے کہ جن کی کتب سے میں نے مضامین کا انتخاب کیا ہے۔ اور اس مضمون میں تعاون کرنے والوں کو مطالعہ کرنے والوں کو اجر و ثواب عطا کرتے ہوئے اسے ہمارے لیے توشۂ آخرت بنا دے...... آمین۔

**نوٹ**

قارئینِ کرام محترمہ اختر شجاعت بے حد مستند اور قابلِ احترام شخصیات کی کئی، کئی جلدوں پر مشتمل تصانیف سے اس مضمون کے لیے استفادہ کرتی ہیں۔

# وہ آئے بزم میں.....

نزہت اصغر

دھوپ بارش اور سائے



## پاکیزہ کی دیرینہ ساتھی، بے شمار حسین و یادگار تحریروں کی خالق

## مایہ ناز مصنفہ.....نگہت سیما سے دلنشیں گفتگو

ہماری اس پُررونق بزم کو پسند کرنے اور سراہنے والے پیارے قارئین کی خدمت میں ڈھیروں سلام اور دعائیں...... عزیزو! ماہِ گزشتہ آپ نے بہت ہی دلکش تحریروں کی خالق نگہت سیما سے ملاقات کی تھی اور یہ گفتگو اتنی پُرلطف اور معلومات سے پُر تھی کہ صفحات کی تنگی آڑے آئی اور بات مکمل نہ ہو پائی سو اسی لیے ہم اس ہردلعزیز رائٹر کی داستانِ حیات کا سلسلہ وہیں سے جوڑتے ہیں جہاں پر سے ہم نے مختصر وقفہ لیا تھا۔ نگہت

سیما کے اس انٹرویو کو اگر خود نوشت کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ اتنی تفصیلی بات چیت اس سے پہلے ان سے نہیں ہوئی تھی بس ان کی تحریریں ہی ان کی گفتگو تھیں۔ اب جو بزم میں ان کی آمد ہوئی تو بچپن، جوانی کے سب ہی تجربات، مشاہدات اور محسوسات قلم بند ہوئے۔ آپ کے خطوط، میلز اور ٹیلی فونک گفتگو کے توسط سے کیے گئے تبصرے اور آراسر آنکھوں پر...... ان صفحات کی پسندیدگی کا شکریہ...... آئیے آپ کی پسندیدہ اور مسحور کن تحریروں کی خالق سے مزید گفت و شنید کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......ہم بات کر رہے تھے پسندیدہ مصنفین کی تو نگہت آپ اس بارے میں کیا کہیں گی؟

نگہت سیما ✧......میرے تو ہر سوال کا جواب ہی طویل ہوتا جا رہا ہے قارئین کا بے حد شکریہ کہ میری طویل داستانِ حیات سے وہ لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ دیکھیں پسندیدہ مصنف ظاہر ہے اپنے کام کی بنا پر ہی ہوتا ہے ویسے جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ابن صفی، نسیم حجازی اور رشید اختر ندوی وہ ناول نگار ہیں کہ اگر اتفاق سے آج بھی ان کی کوئی کتاب میرے ہاتھ لگ جائے تو اسی شوق سے پڑھوں، ہاں کچھ نام یاد نہیں آرہے ویسے عمیرہ احمد کے پیرِ کامل نے آج تک اپنے سحر سے نکلنے نہیں دیا میں نے ان کی بھی تقریباً ہر تحریر پڑھی ہے...... عمیرہ کے بیان و اسلوب کا جواب نہیں...... گھر کا ادبی ماحول تھا سبھی کو مطالعے کا شوق تھا سو ہمیں موقع بھی ملا۔ مگر پھر بھی سمجھتی ہوں کہ زیادہ مطالعہ نہیں کر پاتی۔ ایمل رضا اور سمیرا حمید بھی اچھا لکھ رہی ہیں۔ (ارے کیا اور بھی کوئی نام رہ گئے ہیں...)

پاکیزہ ✧......اب ذرا بات ہو جائے کچھ شعر و شاعری پر...... نثری گفتگو تو کافی ہو گئی اب یہ بتائیں کہ شاعری سے کس حد تک شناسائی ہے، پسندیدہ شاعر کون ہے، کوئی دل کو چھو جانے والا شعر بھی سنائیں؟

نگہت سیما ✧......پسندیدہ شعرا کی تعداد بھی کافی ہے۔ اقبالؒ کے بعد فیض احمد فیض مجھے پسند ہیں۔ امجد اسلام امجد کی نظمیں دل میں اتر جاتی ہیں، پروین شاکر اور فراز بھی پسند ہیں۔ شاعری سے شناسائی بچپن سے ہے۔ نو کلاس میں تھی تو جاوید بھائی نے اقبال کے شعر یاد کروائے تھے۔ جمیل بھائی اور جاوید بھائی ابو کو اپنا کلام سناتے تو خود بھی شعر کہنے کا شوق چرایا اور ایک نظم "ہوا ہے غل جہاں میں کہ عید آئی ہے۔" اپنی بچگانہ سوچ کے مطابق لکھ کر غنچہ میں بھیج دی جو چھپ گئی۔ قافیہ ردیف کا تو تب پتا نہیں تھا لیکن خود بخود وزن اور ردھم تھا۔ چونکہ غنچہ میں حصہ نظم میں لکھنے والے بڑے نام تھے۔ نظم پر تنقید ہوئی...... غلطیوں کی نشاندہی کی گئی سو کچھ عرصہ شعر کہنے کی جرأت نہیں کی البتہ شاعری سے دلچسپی برقرار رہی اور آج تک ہر اچھا شعر دل میں اتر جاتا ہے اور ڈائری کی زینت بن جاتا ہے۔ مجھے غزل کے مقابلے میں نظم زیادہ پسند ہے۔ بی ایڈ کے دوران کالج میں ہونے والے مشاعروں میں حصہ لیا۔ کالج کے لیے ٹرافی اور اپنے لیے انعام جیتے ان دنوں میں نے کافی نظمیں لکھیں بلکہ ہر صنفِ سخن پر طبع آزمائی کی۔ نظمیں، غزلیں، ہائیکو، ماہیے نظم معرّیٰ وغیرہ۔ کالج میگزین کے علاوہ اخبار کے ادبی اور خواتین کے صفحے پر اور چند ایک چیزیں ڈائجسٹوں میں بھی چھپیں۔ اوراق کے لیے ایک نظم بھیجی تو وزیر آغا صاحب نے لکھا کہ آپ کی نظم میں آزاد نظم کی ساری خوبیاں موجود ہیں۔ لیکن طوالت کی خامی ہے۔ میرا رجحان چونکہ نثر کی طرف تھا اور پھر کہانیوں اور افسانوں کے قاری زیادہ تھے۔ پھر بھی اتنا کچھ ہے کہ ایک مجموعہ بن جائے...... احمد اقبال یا اقبال احمد اپنی کہانیوں میں بہت خوب صورتی کے ساتھ دو تین مصرعے نظم یا غزل کے لگاتے تھے جو کہانی کا حصہ ہی معلوم ہوتے تھے۔ میں نے اور بہن شاہدہ نے بھی اپنی کہانیوں میں اسی طرح مصرعے لگانے شروع کر دیے تھے۔ سیکڑوں اشعار یاد ہونے کی وجہ سے خود بخود ہی دو تین سطریں کہانی کا حصہ بن جاتی تھیں۔ خواتین رائٹرز میں شاہدہ اور میں نے اس طرح نظم کو کہانی میں شامل کرنے کی شاید ابتدا کی تھی (میرے خیال میں) اب تو

خیر پوری، پوری نظمیں ہوتی ہیں تو جب کچھ اچھی چیز یاد نہ آتی تو میں خود ہی لکھ لیتی تھی۔ جیسے پاکیزہ میں چھپنے والی ایک کہانی صبا اس سے کہتا...... میں صبا والی سب نظمیں میری اپنی ہیں۔ (ماشاء اللہ) اس طرح پاکیزہ میں کشمیر کے پس منظر میں لکھی جانے والی کہانی میں کشمیر کے حوالے سے شامل سب (نثری) نظمیں میری تھیں۔ دوسرے پرچوں میں چھپنے والی کئی کہانیوں میں بھی ذاتی نظمیں ہیں۔ یعنی اس خداداد صلاحیت سے ہم نے بہت فائدہ اٹھایا۔ بیت بازی کے مقابلوں میں جہاں اٹکے کھٹ سے شعر بنالیا۔ اسکول میں اردو میں مضمون لکھتے ہوئے گھسے پٹے شعر لکھنے کے بجائے خود شعر یا نظمیں کہہ لیں۔ نظریہ ضرورت کے تحت کہی جانے والی شاعری پتا نہیں آمد تھی یا آورد...... بی ایڈ کی بات ہے میں میگزین ایڈیٹر تھی ایک لڑکی نے مجھے چھپنے کے لیے ایک نظم دی میں نے کہا یہ نظم نہیں نثر ہے۔ وہ بضد ہے کہ نظم ہے۔ یہ بحث اب تو بہت پرانی ہو چکی ہے نثری نظم کو شامل کیا جائے یا نہیں...... بلکہ اب تو شاعری میں ہی شامل کیا جاتا ہے۔ لیکن تب ذاتی طور پر میں نظم اسے ہی سمجھتی تھی جس میں اوزان ہوں ردھم ہوں انہوں نے مجھے کہا کہ جو لوگ خود نہیں لکھ سکتے وہ ایسا ہی کہیں گے اور میں نے انہیں چیلنج کیا کہ میں ایک گھنٹے میں ایسی پچاس نظمیں کہہ دوں تو میں نے اپنے ہاسٹل کے کمرے میں بیٹھ کر ایک گھنٹے میں یہ نظمیں لکھ ڈالیں اور مزے کی بات کہ ہماری میگزین انچارج مسز افضل توصیف جو خود بھی رائٹر اور کالم نگار تھیں انہوں نے انہیں بے حد پسند کیا۔ وہ کہتی تھیں لڑکی یہ کیا لکھ ڈالا ہے ضرور چھپوائیں‘ مذاق میں لکھی جانے والی ان نظموں میں سے کئی میں نے چھپنے کے لیے بھیجیں اور وہ چھپ بھی گئیں طوالت کا ڈر نہ ہوتا تو ایک آدھ آپ کو ضرور سناتی۔ سوری اس سوال کا جواب تو کچھ زیادہ ہی طویل ہو گیا ہے لیکن موضوع پسندیدہ ہو تو بات چل نکلے تو پھر دور تک پہنچ جاتی ہے۔ ویسے نزہت شاعری کے حوالے سے ایک قصہ یاد آرہا ہے آپ کہیں تو سنا دوں!

پاکیزہ❖......جی ضرور سنائیں نگہت! ہمارے قارئین بھی لطف اندوز ہوں گے۔

نگہت سیما❖......ہوا کچھ یوں کہ بی ایڈ کے دوران ہاسٹل میں ایک روز دم دار ستارے اور آلو پکے ہوئے تھے۔ لڑکیوں نے مونگروں کو یہ نام یہ دے رکھا تھا جیسے مسور کی ثابت دال کو (کالی) موتیوں والی دال کہتی تھیں۔ میری سب روم میٹس کھانے کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ میری پسند کا کھانا نہیں ہوتا تھا تو میں کھانا نہیں کھاتی تھی میں نے یونہی قلم اٹھایا اور لکھنے لگی۔

صبح آلو، شام آلو، دن کو آلو رات آلو
ہر طرف آلو ہی آلو
ہوں نہ دبلی ہاسٹل کی لڑکیاں
کھائیں آلو اور بنیں زیبا شہناز

(معذرت کے ساتھ، حالانکہ آلو مجھے بہت پسند ہیں) ایک طویل نظم تین صفحات پر لکھ ڈالی۔ میری روم میٹس بہت محظوظ ہوئیں۔ روم میٹ رابعہ نے اپنی خوب صورت ہینڈ رائٹنگ میں اسے لکھا اور رات ایک بجے ہم نے نیچے جا کر ڈائننگ روم کے دروازوں پر چپکا دیا۔ صبح لڑکیاں دروازوں کے سامنے کھڑی پڑھ رہی تھیں قہقہے‘ شور، ہنگامہ سا تھا۔ وارڈن تک خبر پہنچی اور...... بہرحال معاملہ پرنسپل تک گیا لیکن خیر گزری اور اس نظم کا اثر یہ ہوا کہ مینیو میں تبدیلی کی گئی۔ ایسی شاعرانہ شرارتیں گھر میں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ ایک دفعہ بھائی نے ہمیں پورے ہفتے کا مینیو بنا کر دیا کہ ہر روز سوچنا نہیں پڑے گا کہ کیا پکانا ہے۔ شاہدہ نے وہ کاغذ کچن میں لگا دیا۔ شیریں ان دنوں سکس یا سیونتھ میں تھی۔ صبح ہم کچن میں گئے تو شاہدہ کے لگائے گئے مینیو کے مقابلے میں جوابی مینیو کے نام سے ایک طویل نظم لگی ہوئی تھی جو شیریں نے لکھ کر رات کو کسی وقت لگا دی تھی۔ وہ کچھ اس طرح تھی ٹھیک سے یاد نہیں کیونکہ۔۔اس طرح لکھی جانے والی چیزیں بھی محفوظ نہیں کی گئیں۔

ہر روز مغز پکایا کرو
کچھ روسٹ کھلاؤ تو بات بھی ہے
کیا بات ہے گر کچھ شامی ہوں

تو کالج اور گھر میں بھی اس طرح کی شرارتیں ہوتی رہتی تھیں۔ کئی واقعات ہیں۔ ایک زمانے میں مجھے انگلش پوئٹری کا بھی شوق چرایا تھا۔ یہاں اپنے کلام میں سے دو شعر حاضر ہیں۔

بھری بھری سی نگاہیں چھلک ہی جاتی ہیں
کسی کا چھیڑنا رونے کا اِک بہانہ ہوا

............

نہ جانے قلب و نظر میں سما گیا کیسے
وہ عام شخص ہے اور عام لوگوں جیسا ہے

پاکیزہ ✧......واہ بھئی آپ تو اچھی خاصی شاعرہ ہیں؟

نگہت سیما ❖......شکریہ! مجھے اپنی نظمیں چاہے وہ آزاد ہیں چاہے پابند زیادہ پسند ہیں" میں بنیادی طور پر کہانی نگار ہوں لیکن میرے اندر ایک شاعر ضرور چھپا ہے جو کبھی کبھار اس افسانہ نگار سے نظر بچا کر اِدھر اُدھر تاک جھانک کر لیتا ہے کبھی کسی نظم، غزل یا ہائیکو کی صورت......کبھی کوئی واقعہ بھی اثر انداز ہوتا ہے......مثلاً 2005ء کے زلزلے پر ایک نظم کہی تھی۔

ملبے کے اک ڈھیر کے پاس
آنکھوں میں آنسو لیے
چپ کھڑا سوچتا تھا
وہ پیارا سا بچہ
یہاں میرا کمرا تھا
یہاں میرے بابا کا

شاعری کے حوالے سے ایک واقعہ تھوڑا سا دلچسپ اگر اجازت ہو تو سناؤں۔

پاکیزہ ✧......جی نگہت ضرور سنائیں...... ہمارے قارئین یقیناً پسند کریں گے۔

نگہت سیما ❖......مجھے کالج کی طرف سے ایک مشاعرے میں شرکت کرنا تھی۔ نظم اور غزل دونوں کہہ ڈالیں۔ ایک اور لڑکی نے غزل کہی اور میڈم سے اصرار کیا کہ مجھے سلیکٹ کریں۔ انہیں غزل پسند نہ آئی تو اس لڑکی نے کہا کہ یہ نظم تو پڑھ ہی رہی ہے۔ اس کی غزل مجھے دے دیں میں پڑھ لوں گی اگر اس پر کوئی انعام ملا وہ انعام میں اسے دے دوں گی بہر حال میں نے میم کے کہنے پر غزل دے دی۔ میری نظم کو پہلا اور غزل کو دوسرا انعام ملا۔ کالج کے لیے ٹرافی تو جیتی ہی تھی انفرادی انعام میں اس لڑکی کو پروین شاکر کی خوشبو ملی لیکن انہوں نے تو ہمیں خوشبو ہاتھ میں لے کر دیکھنے کو بھی نہیں دی۔ حالانکہ میری روم میٹس ان سے کتاب کا مطالبہ کرتیں ہم نے فوراً غزل کو جنگ کے خواتین کے صفحے پر چھپوانے کے لیے بھجوا دیا کہ کہیں غزل پر بھی قبضہ نہ کرلیں۔ میں نے آج تک اس آس میں خوشبو ہی نہیں خریدی کہ شاید......(اگر وہ محترمہ یہ سطریں پڑھ رہی ہوں تو......)

پاکیزہ ✧......آپ کی کئی کہانیوں کے عنوان فارسی میں ہیں جیسے نے چراغے نے گلے، بہ نوک خاری رقصم وغیرہ کیا آپ نے فارسی زبان کا کورس کیا ہے؟ ویسے بہ نوک خاری رقصم کی کہانی کیا تھی؟

نگہت سیما ❖......مجھے فارسی زبان کی شاعری بہت پسند ہے۔ میں نے فارسی زبان کا کورس نہیں کیا ہمارے اردو لٹریچر کے نصاب میں تب فارسی کلام شامل تھا۔ حافظ، سعدی، عمر خیام وغیرہ کا......بہ نوک خاری رقصم کی کہانی میں نے 80ء کی دہائی میں لکھی تھی۔ اور یہ ایک ہندو لڑکی کے اسلام قبول کرنے کی سفر کی داستان تھی...... اس میں کچھ حقیقت بھی تھی کیونکہ پاکستان بننے سے کچھ پہلے مسلمان ہونے والی ایک ہندو لڑکی نے اسلام قبول کرنے کے بعد جن مصائب کا سامنا کیا میری خالہ اور امی نے ہمیں بتایا تھا......ان کا انتقال بھی میری نانی اماں کے گھر ہوا تھا......ان کی اسلام سے محبت، قرآن سے عشق، سب نے مجھے متاثر کیا......نے چراغ نے گلے کا موضوع وہی تھا۔ جو آپ کو معلوم ہے۔ اپنے غریب شوہر کا گھر چھوڑ کر پرنس کی دولت سے متاثر ہو کر اس کے پاس جانے والی مہر النساء اور اس کے حالات۔

پاکیزہ ✧......کچھ اپنی نیچر کے بارے میں بھی بتائیں کن لوگوں میں جلد گھل مل جاتی ہیں؟

نگہت سیما ❖......میں سمجھتی تھی کہ میں ہر طرح کے لوگوں میں ایڈجسٹ کرسکتی ہوں اور ایک عرصے تک

میں بچوں، بڑوں سب میں گھل مل جاتی تھی لیکن پھر یہ غلط فہمی دور ہوگئی۔ میتھس میرا فیورٹ مضمون تھا لیکن میں نے میتھس کو صرف اس لیے چھوڑ دیا کہ میتھس پڑھانے جو سر آتے تھے وہ اسٹوڈنٹ سے اس طرح مخاطب ہوتے تھے۔ اے بہن، او عینک والی باجی تو کھڑی ہوجا...... وغیرہ...... مجھے لگتا تھا جیسے کوئی انار کلی میں سوئیاں اور بٹن بیچ رہا ہو۔ دو پیریڈ گزارنا مجھے مشکل ہوجاتے تھے۔ شدید سر درد ہونے لگتا تھا۔ تب مجھ پر انکشاف ہوا کہ میں ہر طرح کے لوگوں کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں کرسکتی تو میں اپنے ہم ذوق لوگوں میں' سچے، مخلص اور کھرے لوگوں اور بچوں کے ساتھ جلدی گھل مل جاتی ہوں۔ منافق اور شو آف کرنے والے مجھے پسند نہیں ہیں۔ (ایسے لوگ کسی کو بھی پسند نہیں ہوتے نگہت)

میرے خیال میں کہانی لکھنے سے زیادہ اپنے متعلق لکھنا زیادہ مشکل ہے۔ میں اپنے رشتوں اور تعلق میں بہت مخلص ہوں۔ مجھے بددیانتی، جھوٹ اور منافقت پسند نہیں ہے۔ اپنے پروفیشن کے ساتھ بھی مخلص ہوں۔ مجھے فنون لطیفہ سے دلچسپی ہے۔ ہر کام کرنے کی کوشش کی ہے۔ پینٹنگ... میرے گھر میں لگی آئل پینٹنگ میرا ہی کارنامہ ہیں... فلاور میکنگ اکے بانا، پن ورک، سلائی کڑھائی، کوکنگ ،فوٹو گرافی ایک زمانے میں بانسری بجانے کا بھی شوق چرایا تھا۔ بازار سے خرید کر بھی لے آئی لیکن افسوس سیکھ نہ سکی۔ اسکول، کالج لائف میں بھی غیر نصابی سرگرمی میں حصہ لیا۔ ڈرامے، مباحثے، گیمز، فٹ بال کی جونیئر ٹیم کی کیپٹن رہی (اسکول میں) لانگ جمپ، ہائی جمپ، ڈسکس تھرو، سائیکلنگ غرض ہر جگہ ٹانگ اڑائی۔ مجھے سیر و سیاحت کا بہت شوق ہے۔ دل چاہتا ہے کہ پاکستان کا چپا، چپا دیکھوں اور پھر دوسرے ممالک بھی، بچپن میں سائیکل پر دنیا گھومنے کا پروگرام بنایا کرتی تھی۔ (واہ بھئی آپ تو ہر فن مولا ہیں)

تاریخی ناولوں نے اسپین دیکھنے کا شوق پیدا کیا۔

فوٹو گرافی بھی میرا ایک passion رہی ہے۔

بڑی خواہش تھی کہ میرا اپنا ایک اسٹوڈیو ہوتا...... میرے پاس ہمیشہ ایک اچھا کیمرا رہا۔ شیریں کی شادی کی سب تصویریں میں نے بنائیں۔ بچوں کی بے شمار تصاویر میں نے اکٹھی کر رکھی تھیں۔ (ماشاء اللہ یہ جوہر تو آج آشکار ہو رہے ہیں نگہت)

پاکیزہ ✧...... دوستی کس حد تک نبھاتی ہیں؟ بچپن اور لڑکپن کے دوستانے کیا آج بھی قائم ہیں؟

نگہت سیما ❖...... دوستی میں ایں در گرفتہ است و خوب گرفتہ است کی قائل ہوں...... میرے نزدیک دوست وہ ہے جو آپ کے غم میں ہی شریک نہ ہو خوشیوں کا بھی ساتھی ہو...... غموں میں تو اجنبی بھی شریک ہوجاتے ہیں لیکن جو خوشیوں میں شامل ہونے کا حوصلہ رکھتا ہو وہی سچا دوست...... ساری دنیا آپ کا ساتھ چھوڑ دے لیکن وہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑے...... ہمارا تو یہ حال ہے کہ

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز
دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

بچپن اور لڑکپن کی دوستوں میں سے ابھی تک چند ایک سے تعلق ہے...... ایک دوسرے کے غموں اور خوشیوں میں شریک ہوتے ہیں۔ سالوں بعد بھی ملیں تو اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ (بہت اچھے)

پاکیزہ ✧...... لوگوں سے کس حد تک توقعات وابستہ کرلیتی ہیں اگر نہ پوری ہوں تو کیا محسوس کرتی ہیں؟

نگہت سیما ❖...... میری دوسروں سے صرف اتنی توقعات ہوتی ہیں کہ جیسی میں ان سے مخلص ہوں وہ بھی میرے ساتھ اتنے ہی مخلص ہوں، جتنی محبت میں کرتی ہوں اتنی ہی وہ بھی کریں لیکن ایسا ہوتا نہیں ہے۔ اور جب توقعات ٹوٹتی ہیں تو بہت صدمہ ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ توقعات کبھی کسی سے نہیں رکھیں۔ اللہ ہی ہے جس سے سب توقعات ہیں اور وہی ہماری امیدوں اور توقعات کو پورا کرتا ہے۔ (بے شک)

پاکیزہ ✧...... لوگوں کے رویوں سے کس حد تک متاثر ہوتی ہیں؟

نگہت سیما ❖...... لوگوں کے مثبت اور منفی دونوں طرح کے رویے مجھ پر اثر انداز ہوتے ہیں......

پہلے تو منفی رویے بہت تکلیف دیتے تھے لیکن اب میں حیران ہوتی ہوں...... اور بار، بار حیران ہوتی ہوں...... لیکن کیا واقعی میں صرف حیران ہی ہوتی ہوں۔ مجھے دکھ نہیں ہوتا؟ اور یہ رویے اور آس پاس کے واقعات و حالات تحریر پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہجرت اور جنگِ عظیم کے بعد بڑی کہانیاں لکھی گئیں۔

پاکیزہ ✧......آپ کی اکثر کہانیوں کے عنوان بہت منفرد اور خوب صورت ہوتے ہیں کیا آپ پہلے عنوان سوچتی ہیں یا پہلے پلاٹ ذہن میں آتا ہے؟

نگہت سیما ❖......چونکہ میں نے ابتدا میں عنوان پہ ہی کہانی لکھی تھی اس لیے شروع، شروع میں تو پہلے عنوان ہی ذہن میں آتا تھا۔ جیسے مے ڈے، ٹیک کیئر، ڈیکوریشن پیس، فٹنس کلب وغیرہ فرینڈلی فائر کی کہانی نائن الیون کے گرد گھومتی ہے تو عنوان سوچنے کے بعد کہانی کا تانا بانا اس کے گرد بنتی تھی...... لیکن ہر کہانی میں ایسا نہیں ہے، کبھی پلاٹ ذہن میں آتا ہے کبھی کوئی خاص ایشو لکھنے پر مجبور کرتا ہے۔ کبھی کسی کی مسکراہٹ کسی کا کوئی ایک جملہ ایک لفظ بھی کہانی لکھنے کا سبب بن جاتا ہے۔ (واہ، بہت خوب)

پاکیزہ ✧......آپ کو اپنا کون سا ناول، افسانہ یا ناولٹ سب سے زیادہ پسند ہے۔

نگہت سیما ❖...... ناول...... پاکیزہ میں چھپنے والا ''دھوپ بارش اور سائے'' افسانے اور کہانیاں بہت ساری ہیں۔ یوں تو ہر تخلیق سے ہی محبت ہوتی ہے۔ لیکن آپ نے ایک افسانہ پوچھا ہے تو وہ ہے...... ''اب سفر کا استعارہ اور ہے'' کہانی ''فرینڈلی فائر'' اور ناولٹ...... ''زمین کے آنسو'' ...... ''پل صراط''۔

پاکیزہ ✧......آپ نے اپنے سینئرز سے کیا سیکھا؟ کیا ان کی تنقید اور نصیحت کو کھلے دل سے سنا؟

نگہت سیما ❖......کبھی کسی کی تنقید کا برا نہیں مانا اور لکھنے کا ہنر اپنے سینئر سے ہی سیکھا ظاہر ہے انہیں پڑھ کر۔

پاکیزہ ✧......نئی لکھنے والیوں کو کچھ گر بتائیں؟ کچھ ان کی رہنمائی کریں؟

نگہت سیما ❖......آج کی رائٹرز کو ہمارے مقابلے میں زیادہ سہولتیں حاصل ہیں، معلومات کے لیے زیادہ تگ و دو نہیں کرنا پڑتی بعض اوقات معلومات کا.... بیجا استعمال کھٹکتا ہے۔ ہندی کے الفاظ کا استعمال گراں گزرتا ہے۔ ہماری رائٹرز ایک لفظ استعمال کرتی ہیں اوپر والا ہمارے پاس کتنا خوب صورت نام ہے اللہ تو مجھے یہی کہنا ہے کہ اللہ لکھا کریں۔

پاکیزہ ✧......ایک سچویشن ہے کیسے ہینڈل کریں گی......؟ آپ گھر میں تنہا ہوں ...... کہانی لکھنے میں مصروف......عین کلائمیکس پر مہمان آجائیں، پہلا... ردِعمل کیا ہوگا......؟ پھر ان کے جانے کے فوراً بعد اپنی رائٹنگ ٹیبل پر واپس آجائیں گی یا خیالات منتشر ہو جائیں گے؟

نگہت سیما ❖......ایک لمحے کے لیے تو دھچکا لگتا ہے۔ کاش یہ لوگ کچھ دیر سے آتے اور میں کہانی مکمل کر لیتی لیکن پھر ان سے ملنے کی خوشی اس احساس پر غالب آجاتی ہے۔ فوراً بعد تو لکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ پہلے تو بخار چڑھنے کا خمار ہوتا ہے پھر اترنے کا......اور خیالات تو منتشر ہو ہی جاتے ہیں۔ سو بے شمار ادھوری کہانیاں پڑی ہیں، کئی ایک کہانیاں تو ایسی ہیں جن کے صرف آخری صفحات لکھنے ہیں۔ (وہ بھی جلدی لکھ ڈالیں)

پاکیزہ ✧......آپ کے اپنے موڈ کہانی کے موڈ پر کس حد تک اثر انداز ہوتے ہیں؟ مطلب کہانی خوشگوار چل رہی ہو مگر آپ سخت بیزار ہیں کیسے پھر لکھیں گی؟

نگہت سیما ❖......میرا اپنا موڈ کسی حد تک تو کہانی پر اثر انداز ہو سکتا ہے لیکن زیادہ نہیں......ویسے میں لکھتی ہی تب ہوں جب لکھنے کا موڈ ہوتا ہے۔

پاکیزہ ✧...... بھئی آپ پہلی دفعہ تو ہماری بزم میں آئی ہیں تو سوال بھی گھوم گھوم کر ہی پوچھے جائیں گے، آپ کو لطف تو آرہا ہے ناں......؟

نگہت سیما ❖...... بہت مزہ آرہا ہے۔ بہت اچھا لگ رہا ہے، اپنے ماضی میں جھانکنا اور خود اپنے آپ

سے ملاقات کرنا۔ (ہمارے قارئین کو بھی پڑھ کر اتنا ہی لطف آرہا ہے)

پاکیزہ✧......گھر داری، جاب، رشتے داریاں اور آپ کا یہ شوق...... کس طرح سب کرتی ہیں؟

نگہت سیما✧......سب آرام سے مینج ہوتا ہے البتہ کہیں جاتے ہوئے تھوڑا گھبراتی ہوں......تو بعض اوقات رشتے داریاں نبھانا مشکل ہو جاتا ہے کہ وقت پر جا نہیں پاتی مگر کبھی کبھی ہمیشہ نہیں۔

پاکیزہ✧......کچھ اپنی ذاتی پسند ناپسند بھی قارئین سے شیئر کریں...... پسندیدہ ڈش، خوشبو، رنگ، لباس، رشتہ، تفریحی مقام، وقت، پسندیدہ کتاب، کوئی یاد رہ جانے والا جملہ، کوئی شعر......؟

نگہت سیما✧......بچپن میں بہت نخرے ہوتے تھے' یہ نہیں کھانا وہ نہیں کھانا۔ اب سب کچھ کھا لیتی ہوں۔ دال، چاول، مٹن کا یخنی پلاؤ......چائنیز میں، چکن کارن سوپ اور امریکن چوپ سوئی اور باربی کیو ٹائپ چیزیں چکن تکہ وغیرہ پسند ہیں۔ خوشبو مدھم، مدھم پسند ہے تیز خوشبو سے سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ میک اپ میں کچھ استعمال نہیں کرتی سوائے خوشبو کے۔ خود سے خریدنے کا اتفاق بہت کم ہوتا ہے۔ بھائی، شیریں، بھتیجے وغیرہ جب بھی باہر سے آتے ہیں خوشبو ہی گفٹ کرتے ہیں، میں Hugo 5thavenue،givinche وغیرہ استعمال کرتی ہوں۔ رنگ سفید اور بلیک، لباس شلوار قمیص، سب سے خوب صورت رشتہ والدین کا۔ اس رشتے کا کوئی نعم البدل نہیں، جتنے تفریحی مقامات دیکھے ہیں ان میں سے وادیٔ کاغان، ناران اور وہاں لالہ زار جہاں انسان خود کو فطرت کے بہت قریب محسوس کرتا ہے۔ ویسے تو سارا ناردرن ایریا ہی خوب صورت ہے۔ وقت فجر کا، پسندیدہ کتابوں کی فہرست بھی طویل ہے۔ آپ بیتیاں اور سوانح عمریاں اور سفرنامے پسند ہیں۔ موویز، اپنی پوری زندگی میں سینما ہاؤس میں جا کر صرف چار موویز وہ بھی بچپن میں ایک انگلش اور تین اردو...... بھائیوں کے ساتھ جا کر دیکھیں۔ چند ایک انڈین موویز ٹی وی پر دیکھیں لیکن وہ زیادہ تر انگلش کا چربہ تھیں جیسے ایک کا نام یاد نہیں۔ دی گھوسٹ کا چربہ تھی۔ اسی طرح ایک بہت مشہور موی انڈین، ٹوٹلی بلیک کا چربہ تھی۔ غزلیں اور گیت ہمیشہ سے پسند ہیں۔ میرے پاس اب بھی بے شمار گانوں، غزلوں کی کیسٹیں پڑی ہیں۔ پرانے گیت اب بھی متوجہ کر لیتے ہیں۔ طنز و مزاح کی کتابوں میں کرنل محمد خان کی بسلامت روی اور وولے: بخیر گزشت اور خواتین مزاح نگاروں میں صرف اور صرف انجم انصار اور اس کے بعد اصیہ سلیم نے بھی متاثر کیا۔

پاکیزہ✧......ٹی وی چینلز صرف سرچ کرتی ہیں یا کوئی خاص لگا کر خاص پروگرام بھی دیکھتی ہیں؟

نگہت سیما✧......میں اب ٹی وی نہیں دیکھتی۔ جب صرف پی ٹی وی ہوتا تھا تو آٹھ بجے والے ڈرامے شوق سے دیکھے اور پھر سنڈے نائٹ اسپیشل موویز دیکھتی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے ٹاک شو دیکھ لیا کرتی تھی لیکن اب وہ بھی نہیں دیکھتی......ایک ترکی ڈراما فاطمہ گل دیکھا اور بہت متاثر ہوئی بہت نیچرل اداکاری تھی۔

پاکیزہ✧......اپنے وطن کے قومی دن، یوم آزادی، یوم پاکستان، قائداعظم ڈے وغیرہ کس طرح مناتی ہیں حالیہ جشنِ آزادی کے دن کیا کیا؟

نگہت سیما✧......مجھے اپنے وطن کے ہر قومی دن کو یاد رکھنا اور منانا پسند ہے۔ جب اسکول، کالج میں تھی تو ہر قومی دن پر تقاریر ہوتی تھیں۔ نظمیں بھی لکھی تھیں، حالیہ جشنِ آزادی پر سب بچوں کے ساتھ مل کر جھنڈیاں وغیرہ لگوائیں۔ یہ دن ضرور منانا چاہیے تاکہ ہماری نئی نسل کو ان کی اہمیت پتا چلے۔

پاکیزہ✧......اپنے وطن بلکہ ہم وطنوں کی سب سے اچھی اور سب سے بری بات......؟

نگہت سیما✧......مجھے اپنے وطن کی کوئی بات بری نہیں لگتی۔ میں سخت متعصب قسم کی پاکستانی ہوں۔ اتنی کہ میں انڈیا کی چیزیں استعمال کرنا پسند نہیں کرتی۔ میرے وطن جیسا کوئی ملک نہیں ہے وہ لوگ جو پاکستان کی برائی کرتے ہیں مجھے سخت زہر لگتے ہیں، یہ سچ ہے کہ

میرے ملک میں کرپشن ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اس ملک کو بیچ کھانے کا عہد کر رکھا ہے لیکن یہ ان سانپوں اور بچھوؤں کا ملک نہیں ہے۔ کرپشن کہاں نہیں ہے، اصل بات اس کی برائی کرنا نہیں اسے دور کرنا ہے۔ میرے لیے ملک کے عوام کی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ جب بھی کوئی مشکل وقت آتا ہے تو سب ایک ہو جاتے ہیں چاہے وہ 2005ء کا زلزلہ ہو یا کچھ اور...... (جی یہ تو ہے...... ہمارا وطن تو ہے ہی سب سے پیارا)

پاکیزہ✧...... اپنے پاکیزہ قارئین کے لیے کوئی خوشبو بھرا پیغام، کوئی آس کا جگنو، کوئی خوب صورت بات جو دل و دماغ کو وا کر دے...... دلچسپ بھی ہو؟

نگہت سیما✧...... قارئین کسی بھی لکھنے والے کا سرمایہ ہوتے ہیں، اگر کوئی کسی کے لکھے کو پڑھنے والا... سراہنے والا نہیں ہو تو سب کیا گیا بیکار...... مجھے اپنے قارئین سے بہت محبت ہے، میں ان کی رائے کو بہت اہمیت دیتی ہوں میں نے اپنی ایک کتاب "اپنے اور پرائے چاند" کا انتساب اپنے قارئین کی محبتوں کے نام کیا ہے۔ سب کے لیے بہت سی دعائیں اور نیک خواہشات...... (بھئی اس سے بڑھ کر قارئین سے محبت اور کیا ہوگی)

پاکیزہ✧...... ماہنامہ پاکیزہ کی مزید بہتری کے لیے کیا کہیں گی؟

نگہت سیما✧...... پاکیزہ کے سبھی سلسلے پسند ہیں، تبدیلیوں اور بہتری کی گنجائش تو ہمیشہ رہتی ہے۔ پاکیزہ ایوارڈ کا سلسلہ اچھا تھا۔ دوبارہ شروع کر دیا جائے تو اچھا ہے پاکیزہ کے سرورق کے حوالے سے ایک خواہش ہے کہ سرورق پر اگر عورت کی تصویر کے بجائے کچھ اور ہو کوئی منظر کوئی جیومیٹریکل ڈیزائن وغیرہ۔ (تجویز قابلِ غور ہے)

پاکیزہ✧...... اپنے وطن کی نئی نسل سے کس حد تک پُرامید ہیں؟

نگہت سیما✧...... بہت...... ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی...... بس بات صرف اچھی تربیت کی ہے۔ بچوں کا ذہن تو خالی سلیٹ کی طرح ہوتا ہے۔ ہم جو کچھ انہیں دیں گے وہ وہی لوٹائیں گے۔

پاکیزہ✧...... اپنے وطن کی خوشحالی، ترقی اور نیک نامی کے لیے کیا اقدام کرنا چاہتی ہیں اور کیا دیکھنا چاہتی ہیں؟

نگہت سیما✧...... میں پاکستان کو بہت بلندی اور عروج پر دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں ایک یوٹوپیا (خیالی دنیا) کے خواب دیکھتی ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میرا ملک دنیا کے صفِ اول کے ممالک میں ہو لیکن یہاں جو کچھ ہو رہا ہے وہ بہت تکلیف دہ ہے اور اس سے بڑھ کر یہ تکلیف دہ ہے کہ ہمیں اس کا احساس نہیں ہے۔ ہمارے دل پتھر ہو گئے ہیں...... اور احساسات مردہ، ہمارا ملک قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔ ان کے صحیح استعمال سے ملک میں خوشحالی لائی جا سکتی ہے۔ (جی بالکل) انفرادی طور پر ہم سب اپنے، اپنے دائرے میں ایمانداری سے کام کریں۔ خود کو ٹھیک کر لیں اور ایک ہمارا سیاست دان ٹھیک ہو جائے تو سب ٹھیک ہو سکتا ہے...... کاش میرا ملک غداروں اور ملک دشمنوں سے پاک ہو جائے۔ (الٰہی آمین)

پاکیزہ✧...... ڈائجسٹ میں چھپنے والی تحریریں کس حد تک ادبی کاوشیں کہلائی جا سکتی ہیں؟

نگہت سیما✧...... ادب اظہار کا نام ہے، جب نظریۂ اظہار قبول کر لیا جائے تو پھر پاپولر فکشن بھی ادب ہے۔ میں تو جاسوسی کہانیوں کو بھی ادب میں شمار کرتی ہوں لیکن ہمارے بڑے ادیبوں کا رویہ اس کے متعلق خاصا متعصب ہے۔ وہ ڈائجسٹوں کی تحریر کو ادب نہیں مانتے۔ حالانکہ ڈائجسٹوں میں کئی ایسی کہانیاں چھپتی ہیں جنہیں دنیا کے بہترین ادب کے مقابلے میں رکھا جا سکتا ہے۔ (جی کیوں نہیں)

پاکیزہ✧...... آخر میں آپ کی آمد کے شکریے کے ساتھ تھوڑی زحمت اور دیں گے کہ اپنے ناول اعتبارِ وفا پر بھی کچھ بات کریں وہ بھی مندرجہ ذیل سوالات اور اعتراضات کی روشنی میں کہ......

1۔ ثمر حیات کو کیوں مار دیا؟

2۔ اتنے گنجلک رشتے بالکل آخر میں آکر

کھولے......آدھے سے زیادہ ناول میں سسپنس تھا؟

3۔ شروع میں یہ بہت سست روی کا شکار تھا؟

4۔ برائی کا انجام تو برا ضرور دکھایا مگر کچھ قارئین کو تشنگی لگی؟

**نگہت سیما** ❖......جی نزہت ضرور......اب اعتبارِ وفا کی بات ہو جائے۔ اس ناول کا سارا کریڈٹ پاکیزہ کو جاتا ہے جب آمنہ حماد نے مجھے ناول لکھنے کے لیے کہا تو میرا کوئی ارادہ نہیں تھا ناول لکھنے کا بلکہ ان دنوں میں خاصی دلبرداشتہ ہو رہی تھی کہ اب چھوڑ ہی دوں لکھنا ایسے میں آمنہ کا اصرار۔ ایک پلاٹ تھا ذہن میں جسے پاکیزہ نے پسند کیا۔ یوں میں نے ناول لکھنا شروع کیا۔ مجھے نہیں لگا کہ ناول سست روی کا شکار ہے۔ میں نے تو کوشش کی تھی کہ کہانی تیزی سے آگے بڑھے۔ ثمر حیات کو کیوں مار دیا؟ ثمر حیات ایک اچھا انسان تھا لیکن آزمائش آئی تو کمزور پڑ گیا اور برائی کے رستے پر چل پڑا کہ یہ راستہ آسان تھا۔ میں نے پہلے سے کچھ نہیں سوچا ہوا تھا۔ کہانی خود بخود ایک منطقی اور نیچرل انجام کی طرف بڑھتی رہی، اگر غنڈا گردی اور اسمگلنگ جیسے جرائم کرنے کے باوجود وہ آخر میں ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگتا تو اچھا سبق نہ ملتا......لیکن وہ فطرتاً اچھا تھا اور حالات اسے اس زندگی میں لائے تھے۔ سو اسے میں نے ملک کے خلاف ایک بہت بڑی سازش بے نقاب کروا کے ہیرو بھی بنا دیا۔ یہاں مصلحت کے تحت زیادہ کھل کر نہیں لکھا تو شاید تشنگی محسوس ہوئی ہو......ثمر حیات کا اس سے زیادہ منطقی اور خوب صورت اور نیچرل انجام میری نظر میں نہیں ہو سکتا تھا۔ خانو دادا کا انجام میں نے دکھایا نہیں لیکن وہ واضح ہے......موت......جب میں نے لکھنا شروع کیا تو صرف پلاٹ تھا۔ میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ کیسے لکھنا ہے۔ اگر میں چندا اور مدثر سے کہانی شروع کرتی تو کہانی دو نسلوں پر پھیل جاتی تو میں ماضی اور حال کو ساتھ، ساتھ لے کر چلی تو اس طرح سسپنس رہا۔ شروع میں سنہری اور شاہجہان وغیرہ کا کردار مختصر سا تھا۔ لیکن جب میں نے لکھنا شروع کیا تو وہ خود بخود کچھ پھیل گیا۔ اور میں نے خود ہی اسے لکھتے ہوئے انجوائے کیا۔

اعتبارِ وفا جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس کا مرکزی خیال یہی تھا کہ اگر محبت میں اعتبار نہ ہو تو کتنی بھی شدید کیوں نہ ہو میاں بیوی کے رشتے میں ایک دراڑ پڑ جاتی ہے......بہر حال اپنے سب قارئین کا بے حد شکریہ جنہوں نے اعتبارِ وفا کو پڑھا اور تبصرہ کیا کہ رائٹر سینئر ہو یا جونیئر اس کے لیے حوصلہ افزائی ایک ٹانک کا کام کرتی ہے۔ (جی ہاں بے شک درست کہا) اور آخر میں پھر پاکیزہ انجم انصار، عذرا رسول اور نزہت آپ سب کا شکریہ کہ آپ نے مجھے اس بزم میں بات کرنے کا موقع دیا۔ آپ سب کے لیے نیک خواہشات اور دعائیں۔

☆☆☆

جی قارئین! شاید اب جا کر ہم کچھ، کچھ حق ادا کر پائے ہیں اپنی اس نہایت معتبر اور قابلِ فخر رائٹر کا کہ جن کی تحریریں ہمارا قیمتی سرمایہ ہیں۔ نگہت سے تفصیلی بات کر کے بہت لطف آیا۔

ہم نگہت سیما کے بے حد شکر گزار ہیں کہ انہوں نے بڑے تحمل سے ہمارے سوالات کے نہایت دلچسپ، تفصیلی، پُرلطف اور معلومات افزا جواب دیے۔ جس سے ہم سمیت ان کے ڈھیروں قارئین یقیناً لطف اندوز ہوئے ہوں گے۔ اللہ نگہت کے قلم کی روانی و سلاست کو سلامت رکھے کہ نگہت کہانیاں لکھنے کے ساتھ، ساتھ باتیں بھی بہت خوب صورت کرتی ہیں۔ قارئین ان صفحات پر اپنی رائے ضرور دیجیے گا......

اب ایک خوب صورت سے مختصر اور بامعنی دعائیہ جملے کے ساتھ اجازت کہ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے اور آپ بھی اپنے سے وابستہ تمام رشتوں کو اسی طرح خوش و خرم رکھنے میں معاون ثابت ہوں۔ الٰہی آمین!

جنوں کے راستے یوں تو کٹھن سے لگتے ہیں
مگر یہ راستے منزل تلک نکلتے ہیں
زمانہ ہر قدم پہ راہ روکنے والا
عزائم پختہ ہوں جن کے وہ کب بھٹکتے ہیں

☆☆☆



# بہنوں کی محفل

مدیرہ

☆عزیز از جان بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ......!

☆حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا...... اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور اپنے خزانۂ غیب سے وہ سب کچھ عطا فرمائے جو آپ کے حق میں بہتر ہو...... یاالٰہی دونوں جہاں میں ازل سے ابد تک سب کی خیر ہو اور تو ہم سے ہمیشہ راضی رہے...... الٰہی آمین۔

☆☆☆

☆پیاری بہنو! 2016ء کے آخری شمارے کے ساتھ حاضر ہوں...... وقت میں برکت ہی نہیں رہی ہے ابھی تو 2016ء شروع ہوا تھا...... اور لو اب دسمبر بھی آ گیا ہے وقت واقعی برق رفتاری سے قلانچیں بھر رہا ہے...... پہلے اتوار کتنی دیر سے آیا کرتا تھا...... اور اب تو لگتا ہے ہمارے دن ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر ہوا ہو رہے ہیں...... مگر پچھلے دسمبر سے بہت سے آنسو خشک ہونے کے باوجود دل پر گرتے رہتے ہیں...... پشاور میں اسکول کے بچوں پر ہونے والا بدترین حملہ بھلائے نہیں بھولتا...... وہ شہزادے سے معصوم لڑکے اور وہ شہزادیاں ہنستی مسکراتی ہوئی نظروں میں گھومتی رہتی ہیں...... پھول سے بچے لاہور میں پارک میں گھومنے گئے تھے کسی نے سوچا تک بھی نہیں ہوگا کہ یہ پھول اس طرح جھلس جائیں گے یہ سب سوچتی ہوں تو کلیجا منہ کو آتا ہے گزشتہ ماہ فرحانہ ناز ملک کی برسی تھی...... اور میں چاہنے کے باوجود ان کے گھر والوں سے رابطہ کرنے کی ہمت نہیں کر سکی...... کہ وہ بڑی، بڑی جھیل سی آنکھوں والی ہنستی مسکراتی سی فرحانہ کے بچے اب کون سی کلاسوں میں آ گئے ہیں اور فرحانہ کا افسانوی مجموعہ کب تک آ جائے گا...... کوئی مجھے بتائے تو۔

پیاری بہنو! وقت کے ساتھ، ساتھ لوگوں میں آپس میں بھائی چارہ جہاں ختم ہو رہا ہے، یہ کوئی کم دکھ کی بات ہے۔ وہاں انتہا پسندی بھی بڑھ رہی ہے۔ (شدید دکھ) شاید آپ کی نظر سے بھی یہ چھوٹی سی خبر گزری ہو...... کسی نے اپنا نوزائیدہ بچہ کسی اندھیرے میں قائم کوڑے گھر میں پھینک دیا...... وہاں موجود کتے نے اس بچے کو اپنے منہ میں دبایا اور قریبی اسپتال کی سیڑھیوں تک پہنچایا بچہ زندہ تھا اور ڈاکٹروں نے اس کی جان بچالی...... انسان اب درندگی کی طرف آ رہے ہیں تو کیا اسی لیے اب جانوروں نے انسانیت کا کام کرنا شروع کر دیا ہے......

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی سمجھ دے...... اور حیا دے...... اس ضمن میں ایک حدیث کا مفہوم کچھ اس طرح ہے جس میں حیا نہیں اس میں ایمان نہیں اور جب تک ہم مکمل ایمان کا چولا نہیں پہنیں گے شاید اسی طرح حیا کے چیتھڑے اڑتے رہیں گے۔ اللہ ہم سب کو معاف فرمائے...... اور دین کی سمجھ دے، آمین۔

پیاری بہنو...... سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے پہلے صرف ایک بار درود ابراہیمی پڑھتے ہیں جو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف تین بار آیت کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالم اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگیں۔

## مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆پاکیزہ کی مصنفہ اور تبصرہ نگار نجمی فردوس کا ناول کرب محبت بڑے اہتمام کے ساتھ سنگ میل پبلشرز لاہور نے شائع کیا ہے، انتساب عشق کے لازوال جذبے کے نام ہے، ایک محبت بھری کہانی خوب صورت لفظوں میں موتیوں کی طرح سمو کر ناول کی شکل دی گئی ہے، نجمی معاشرتی موضوعات پر بڑی خوب صورتی سے قلم اٹھاتی ہیں، اس ضخیم ناول کی قیمت بارہ سو روپے ہے۔ یہ ناول ہر بک اسٹال پر دستیاب ہے۔

☆ایک دلچسپ سفرنامہ ذرا سا گھوم لوں میں، عظمیٰ آفاق نے بڑے چلبلے انداز میں لکھا ہے، اپنی فیملی کے ساتھ تین ملکوں کا سفر انہوں نے کس، کس طرح کیا اسے پڑھتے ہوئے آپ یقیناً لطف اندوز ہوں گے...... کہ مزاح سے پُر واقعات نے اس سفرنامے کو مزید دلچسپ بنا دیا ہے۔ فلیپ پر محترمہ عذرا رسول، عامرہ شاہد اور دیگر کی رائے ہے۔ اس ضخیم کتاب کی

# پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

| | | | |
|---|---|---|---|
| عُمیرہ احمد | صائمہ اکرام | عُشنا کوثر سردار | اشفاق احمد |
| نمرہ احمد | سعدیہ عابد | نبیلہ عزیز | نسیم حجازی |
| فرحت اشتیاق | عفت سحر طاہر | فائزہ افتخار | عنایتُ اللّٰہ التمش |
| قُدسیہ بانو | تنزیلہ ریاض | نبیلہ ابر راجہ | ہاشم ندیم |
| نگہت سیما | فائزہ افتخار | آمنہ ریاض | مُمتاز مُفتی |
| نگہت عبدُاللّٰہ | سباس گُل | عنیزہ سید | مُستنصر حُسین |
| رضیہ بٹ | رُخسانہ نگار عدنان | اقراء صغیر احمد | علیمُ الحق |
| رفعت سراج | اُمِ مریم | نایاب جیلانی | ایماے راحت |

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

قیمت صرف تین سو روپے ہے، آپ یہ کتاب گھر بیٹھے بذریعہ وی پی حاصل کرنے کے لیے القریش پبلشرز لاہور سے اس نمبر پر رابطہ کیجیے۔ 03004183997

☆ مصنفہ عتیقہ محمد بیگ کی شادی ہوگئی ہے اور وہ سیالکوٹ سے رخصت ہوکر کراچی آگئی ہیں۔ (مبارکاں دعائیں)

☆ مصنفہ طلعت جبین، کراچی کے بیٹے کی شادی ہوگئی ہے۔ وہ اپنی بہو اسلام آباد سے لے کر آئی ہیں۔ ولیمہ کراچی میں ہوگا۔ (دعائیں)

☆ قانتہ رابعہ افسانہ نگاری میں اپنا منفرد مقام رکھتی ہیں، معاشرتی موضوعات پر ہلکے پھلکے انداز میں اس طرح لکھتی ہیں کہ اپنا پیغام پڑھنے والے کے دل میں اتار دیتی ہیں۔ ان کا نیا افسانوں کا مجموعہ آدم سے انسان تک شائع ہوگیا ہے جس میں ان کے چوبیس افسانے ہیں، صفحات دو سو سے زائد ہیں اور قیمت صرف تین سو روپے...... اس خوب صورت کتاب کو منگوانے کا ایڈریس یہ ہے۔ البدر پبلی کیشنز 23 راحت مارکیٹ، اردو بازار لاہور، فون نمبر 042.37225030

☆ پاکیزہ کی تبصرہ نگار مسرت رانی خلیل، کراچی اپنے شوہر کے ساتھ عمرے کی سعادت حاصل کرنے سعودی عرب گئی ہیں۔ (ماشاءاللہ)

☆ ایک یتیم اور معذور لڑکی سیما محمد عالم، کراچی کے لیے دعا کے لیے التماس ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ساری پریشانیاں دور فرمائے۔ (سیما آپ کے تفصیلی خط کا جواب میں آئندہ ماہ دوں گی۔ انشاءاللہ)

☆ مصنفہ ثمینہ لودھی گزشتہ دنوں شکاگو، امریکا سے کراچی آئیں...... دورانِ قیام اپنی بیٹی کا نکاح کیا اور اب وہ واپس شکاگو جاچکی ہیں۔ (دلی مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری ارم مشیر، ثمر خاں، غزل خاں اپنی والدہ آمنہ خاں اور والد مشیر الحسن طالب کے ہمراہ نیویارک سے سعودی عرب عمرے کی سعادت حاصل کرنے جارہی ہیں۔ (ماشاءاللہ)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری پروین یوسف، ہالینڈ کے ہاں نواسا ہوا ہے جس کا نام سفیان اشعر رکھا گیا ہے۔ (مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی مستقل قارئین بہنیں حنا، ثنا اور فرحین، امریکا کی بہن صبا کے ہاں ایک پیارا سا بیٹا تولد ہوا ہے۔ (مبارک باد)

☆ شاعرہ شگفتہ شفیق، کراچی ان دنوں اپنا نیا مجموعہ ترتیب دے رہی ہیں۔ (ماشاءاللہ)

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار سعدیہ سلیم، آسٹریلیا اپنے بھائی محمود کی شادی میں شرکت کرنے کے لیے اپنی بیٹی رابعہ سلیم کے ساتھ اسلام آباد آرہی ہیں۔ (خوش آمدید اور مبارکاں)

☆ مصنفہ نزہت اصغر زیارت کے لیے ان دنوں کربلا معلیٰ گئی ہوئی ہیں۔ (ماشاءاللہ)

☆ شاعرہ طیبہ عنصر مغل، راول پنڈی، شاعرہ فہمیدہ غوری، کراچی اپنی خوب صورت شاعری سے ریڈیو ایف ایم کے پروگرامز میں خوب دھوم مچارہی ہیں۔

## دعائے صحت کے لیے التماس ہے

☆ پاکیزہ کی مصنفہ صائمہ سید، کراچی کے والد سید اعجاز احمد کے دل کے تین وال بند ہیں، جسمانی کمزوری اور ضعیفی کی وجہ سے وہ بائی پاس بھی نہیں کرواسکتے۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری شہلا ظفر، کراچی کی طبیعت شدید خراب ہے۔

☆ پاکیزہ کی تبصرہ نگار ذکیہ ایوب، کراچی بسترِ علالت پر ہیں۔

☆ آپ سب کی لاڈلی تبصرہ نگار امینہ عندلیب کو اس ماہ کئی مرتبہ اسپتال جانا پڑا۔ ان دنوں ان کی طبیعت خاصی خراب ہے۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری غزل خاں، امریکا آپ سب کی دعاؤں کے طفیل بہت بہتر ہیں۔

☆ ہماری پیاری مصنفہ عنیزہ سید، سیالکوٹ کے والد ان دنوں بسترِ علالت پر ہیں۔

☆ شاعرہ فریدہ جاوید فری، لاہور کی طبیعت ناساز ہے۔

## انتقالِ پر ملال

☆ شاعرہ فصیحہ آصف خان، ملتان کے ماموں عزیز الرحمٰن کا گوجرانوالہ میں انتقال ہو گیا ہے۔
☆ پاکیزہ کی قاری عالیہ، کراچی کی اس ماہ برسی ہے۔

نوٹ: تمام مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کے ساتھ صرف تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کریں۔

☆☆☆

٭ شاہدہ ذاکر، راس الخیمہ، یو اے ای سے۔ ”پاکیزہ سے رشتہ تو بہت پرانا ہے لیکن تعلق دور کے رشتے داروں کا سا تھا۔ یعنی مل گیا تو پڑھ لیا نہیں تو نہ سہی...... پھر ایک مرتبہ اتفاق سے جلترنگ میں وہ تحریر پڑھی جس میں مہمانوں کی اچانک آمد کے موقع پر اہلِ خانہ گھر کی تمام گندگی اور بے ترتیبی کو ایک رضائی میں لپیٹ دیتے تھے اور پھر ایک مرتبہ ایک مہمان خاتون نے غلطی سے وہی رضائی کھول دی۔ آپ یقین نہیں کریں گی کہ اس دن سے آج تک میں نے کوئی شمارہ اور کوئی جلترنگ نہیں چھوڑا۔ آپ کی تحریر کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں...... نہایت ہی سادہ الفاظ اور دلکش انداز میں آپ روزمرہ کے واقعات اس خوبی سے بیان کرتی ہیں کہ دل میں گھر کر جاتے ہیں۔ اداریے میں آپ کی تحریر کا ایک الگ ہی رنگ نظر آتا ہے۔ مصنفین کی دلوں کو چھو جانے والی تحریریں مدتوں یاد رہتی ہیں، بہنوں کی محفل میں تمام مراسلہ نگار ایک فیملی بن چکے ہیں اور عام قاری کو بھی آپ اتنی اہمیت دیتی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے، آپ چونکہ نئے لکھاریوں کی بھی حوصلہ افزائی کرتی ہیں اس لیے ہمت کر کے ایک ادنیٰ سی تحریر روانہ کر رہی ہوں۔“ (اس محفل میں خوش آمدید...... ہماری اتنی زیادہ تعریف کر دی ہے کہ لگتا ہے آج دو تین پونڈ وزن تو بڑھ گیا ہوگا۔ پاکیزہ کو اب آپ اپنا قریبی رشتے دار سمجھیں۔ ہاں حوصلہ افزائی تو آپ کی ضرور ہوگی، کہانی اچھی ہے)

٭ ڈاکٹر ممتاز ضیا، کراچی سے۔ ”میں تبصرہ تو نہ کر سکی مگر تمام شمارے پڑھتی رہی مجموعی طور پر اچھے ہی رہے اب گزشتہ شماروں کو تو کیا زیرِ تبصرہ لائیں اکتوبر کے شمارے پر تبصرہ حاضر ہے۔ مجھے کچھ کہنا ہے میں تم ہمیشہ ہی بہت کچھ کہہ دیتی ہو اور خوب کہتی ہو اللہ اور رسول کی باتوں پر کوئی کیا تبصرہ کر سکتا ہے دلی سکون اور ایمان میں پختگی آتی ہے گم شدہ محبت میں تو ہم خود گم ہوئے جا رہے ہیں، اب یہ اور دلچسپ ہو گئی ہے۔ حارث کو اب شہلا کو اپنانا ہی چاہیے۔ محبت دوستاں سے لڑکیوں کو سبق سیکھنا چاہیے، نیلم احمد بشیر کی تحریر نے لرزا دیا... یہ کہاں بھیجیں کہ دل ہے سے کوئی دل بچ نہ پائے گا۔ دلچسپ تحریر ہے لگتا ہے خوب ہوگی۔ فرحین اظفر نے اچھا لکھا، عیزہ سید کی کہانی بھی دل کو چھو گئی آبنوس کی موت نے دکھی کر دیا۔ چلیں شکر ہے عشق کے نرالے کھیل انجام کو پہنچے۔ یہ کہانی جیسی بھی تھی پاکیزہ کے مزاج سے میل نہیں کھاتی تھی جیسا خوشگوار انجام انہوں نے بتایا ہے ایسا ہوتا نہیں ہے...... بیچ میں انہوں نے ہاتھ ذرا ہلکا کر دیا تھا مگر اس آخری قسط میں وہ بیڈروم کو ڈرائنگ روم میں لے آئیں...... مناب کا اقصم کو معاف کر دینا بالکل اچھا نہیں لگا، ولی کو ایک دم شیطان بنا دیا اس کے کردار کے بارے میں پہلے کیوں نہیں بتایا، مایوں میں تماشا بنانا ضروری تھا۔ عقیلہ حق نے بھی اچھا لکھا، سیما کی کہانی پر تبصرہ تکمیل کے بعد...... سمجھدار ایک عورت کے کمپرومائز پر مبنی ہے جو واقعی سمجھداری ہے۔ گھر بچانے کے لیے۔ عاشقہ مسعود نیا نام ہے مگر شادیٔ مرگ بہت پُراثر تحریر لکھی، بہت خوب...... دیگر کہانیاں بھی اچھی ہیں، واقعۂ محرم سے سب بخوبی آگاہ ہیں مگر جس انداز میں اختر بہن نے بیان کیا ہے اس نے اندر تک ہلا کر رکھ دیا نہ جانے یزید یہ سب کیسے کر پایا۔ ثمینہ عظمت علی سے ملاقات اچھی لگی تصویروں کی ہمیشہ کمی رہتی ہے، اب باری ہے اپنی محفل کی بہنوں سے مل کر ہمیشہ خوشی ہی ہوتی ہے۔ جعلی پیروں اور فقیروں سے کاش ہماری بہنیں نجات پائیں، آگاہی تو تم نے خوب دی ہے جو حقیقت پر مبنی ہے، جن بہنوں کو خوشیاں ملی ہیں انہیں بہت مبارک، شگفتہ کو نواسی مبارک اللہ تعالیٰ سب کو اپنی امان میں رکھے بیماروں کے لیے دعائے صحت نیلوفر کے انٹرویو کی دوسری قسط نے اداس کر دیا۔ ان کے دکھ پر دل عجیب کیفیت کا شکار ہو گیا۔ کچھ اسی طرح کے حالات میرے ساتھ بھی ہوئے جب میرے شوہر کو گھر جانے کی اجازت ملی وہ بارہ گھنٹے بعد وہ خالقِ حقیقی سے جا ملے، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ ہولناک خط نے ہولا دیا کاش

بہنیں عقل پکڑیں۔ عظمیٰ آفاق کہاں ہیں، بہت دن ہو گئے اب کچھ لکھیں اپنے مخصوص انداز ہیں...... دیگر سلسلے بھی تو بہت اچھے ہیں۔ جلترنگ کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہو گی مزہ آجاتا ہے۔ ایک پیاری سی خاتون ہوتی تھیں عذرا رسول لگتا ہے بیٹے کے پاس گئی ہوئی ہیں۔'' (تبصرے کا شکریہ...... عذرا یہیں پر ہیں اور عنقریب بیٹا اور بہو آنے والے ہیں، ماشاء اللہ)

٭ سمیرا حمید فاروق، کراچی سے۔ ''دِرِ دشمن بلال کا ناول شروع سے پڑھ رہی ہوں معذرت کے ساتھ کہوں گی کہ وہ مجھے خلاصہ سا لگتا ہے...... آپ کا ناول مجھے اس وجہ سے بھی زیادہ پسند آرہا ہے کہ وہ مختلف ماحول کا ہے اور مجھے دیورانیاں، جیٹھانیاں اس میں جگہ، جگہ نظر نہیں آرہی ہیں اور آپ کا تجربہ اس کے مکالموں میں نظر آرہا ہے جو پڑھنے والوں کو آگاہی دیتا ہے۔ رفعت سراج میری پسندیدہ رائٹر ہیں...... ابھی ناول شروع ہوا ہے...... یقیناً آگے ضرور کوئی دلچسپ صورتِ حال بھی ہوگی جو ہمیں اچھی لگے گی۔ باباؤں سے متعلقہ کہانیاں اچھی تھیں۔ جس پر دل ہلا دینے والے تبصرے پڑھے...... مگر پھر بھی میں یہ کہوں گی...... کہ ایسے جاہل باباؤں کے پاس ہمارا پڑھا لکھا طبقہ بھی جایا کرتا ہے۔ (ایسے لوگوں کو اللہ نیک توفیق دے اور وہ صحیح اور غلط کی تمیز کر سکیں) پاکیزہ کے تبصرے اچھے لگتے ہیں اس میں ڈاکٹر ممتاز ضیا اور سلمٰی غزل کے تبصرے اچھے لگتے ہیں...... معذرت کے ساتھ مجھے عنیزہ سید کا افسانہ اچھا نہیں لگا۔'' (پیاری سمیرا ہر شخص کی پسند ناپسند مختلف ہوتی ہے، ہماری بہت سی بہنوں کو عنیزہ کا افسانہ بے حد پسند آیا تھا۔ ہاں ڈاکٹر ممتاز ضیا اور سلمٰی غزل شکریہ کہہ رہی ہیں)

٭ ذکیہ ایوب، کراچی سے۔ ''آنکھوں کی تکلیف کے باوجود گم شدہ محبت کو سب سے پہلے پڑھا...... تم ہر قسط اس قدر سسپنس پر ختم کرتی ہو کہ ہمارا دل وہیں اٹکا رہ جاتا ہے۔ میری ایک آنکھ کی روشنی بالکل ختم ہو رہی ہے۔ بہنوں سے دعاؤں کے لیے کہتی ہوں...... دِرِ دشمن بلال کی تحریر اچھی لگی...... عنیزہ سید کو دیکھ کر خوشی ہوئی...... عنیزہ تم کتنی بھی معروف رہو مگر پاکیزہ میں تمہاری انٹری ضرور ہونی چاہیے۔ سیما رضا ردا کا ناول ابھی شروع ہوا ہے اس لیے اس بارے میں بعد میں رائے دوں گی۔ رفعت سراج اچھی رائٹر ہیں، وہ اچھا ہی لکھیں گی...... ابھی ابتدا ہے اس لیے رائے بعد میں... بھرپور دوں گی...... بہنوں کی محفل اس ماہ بھی اداس رہی...... عظمیٰ آفاق کی غیر حاضری بہت محسوس ہو رہی ہے اب انہیں جلد کوئی تحریر لے کر آجانا چاہیے۔'' (آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے)

٭ سعدیہ ملک، کراچی سے۔ ''خط لکھنے کا باعث سحر ساجد کا من جانباز م ہے۔ اس ناولٹ کا مرکزی خیال گو انہوں نے فوج سے عقیدت اور باپ سے والہانہ محبت رکھا ہے جو آگے چل کر شاید وطن سے محبت میں ڈھل جائے مگر چونکہ انہوں نے ایک جذباتی سی فضا قائم کرنے کی کوشش کی ہے تو میں معذرت کے ساتھ یہ پوچھنا چاہوں گی کہ کیا عورت کے لیے عورت ہونا کوئی قابلِ شرم بات یا گالی ہے کہ جب تک پروفیشن اختیار نہ کرے اس کی صلاحیتوں کا کوئی اعتبار نہیں...... کیا عورت کی معراج مرد بننے ہی میں ہے؟ کیا بحیثیت عورت وہ کوئی قابلِ قدر کام نہیں کر سکتی؟ عورتوں کو چادر اور چار دیواری کے تحفظ سے نکال کر ملک وقوم کی کون سی خدمت کی جا رہی ہے؟ کیا ہمارے ملک میں مردوں کا کال ہے یا پھر سب کے سب ملازمتوں پر لگے ہوئے ہیں جو ہمیں مجبوراً عورتوں کو بھرتی کرنا پڑ رہا ہے؟ بغیر کسی شدید قومی ضرورت کے یا بغیر کسی سخت ذاتی احتیاج کے، عورتوں کے اس طرح خود کو منوانے کے لیے سڑکوں پر نکلنے میں جو مضمرات ہیں ان سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ روز بروز معاشرے کی گرتی ہوئی اخلاقی اقدار اور اس سے پیدا ہونے والا انتشار کسی آنکھ سے اوجھل نہیں...... نپولین جیسا جنگجو بھی عورتوں کو فوج میں شمولیت کی دعوت نہیں دیتا بلکہ کہتا ہے کہ تم مجھے ایک اچھی ماں دو، میں تمہیں ایک اچھی قوم دوں گا۔'' (آپ کی تمام باتیں صحیح ہونے کے باوجود میں آپ سے یہ کہوں گی کہ عورت کا کام کرنا اس کے لیے گالی ہرگز نہیں ہے اور عورت کام کر کے کبھی مرد بھی نہیں بنا کرتی ہے مگر اس کی عظمت میں اضافہ ضرور ہوتا ہے جسے نہ مرد مانتے ہیں اور نہ آپ جیسی خواتین)

٭ ظلِ شاہین، رحیم یار خان سے۔ ''نیلم احمد بشیر مغربی معاشرے کی عکاسی کرتی نظر آئیں، رشتوں کی بے حرمتی، اخلاقی اقدار کی پامالی کیا واقعی یہ مغربی ماحول کا حصہ ہے۔ کیا سلطان، میشل کو اس دلدل سے نہیں نکال سکتا تھا۔ بحیثیت مسلمان؟ مگر وہ کہتے ہیں ناں کہ برے وقت میں تو اپنا سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ شمع ہدایت اس بار شہادت اور محرم الحرام کے حوالے سے بہترین معلوماتی تحریر تھی۔ مستقل سلسلوں میں روحانی اور ہومیو مشورے قابلِ تحسین ہوتے ہیں۔ پاکیزہ ڈائری میں امینہ عندلیب اور علیشاہ کی ڈائری اچھی لگی۔ بزم پاکیزہ کے سوال اس بار کچھ پسند نہیں آئے۔ جلترنگ میں آپ کی تحریر

اکثر گھروں میں پایا جاتا ہے۔ ہاون دستہ، ترازو، بڑے پتیلے، الیکٹرک کے اوزار یہ سب ہمارے اسٹور میں بھی پائے جاتے ہیں بلکہ پورے محلے کی ضروریات پورا کرتے ہیں۔ انجم باجی آپ کی عقل کی داد دینا پڑتی ہے کہ آپ گھریلو مسائل کو اس قدر باریک بینی سے مشاہدہ کر کے احاطۂ تحریر میں لاتی ہیں کہ ہم لوگ محظوظ ہو کر یہ سب پڑھتے ہیں۔ (شکریہ) ثمینہ عظمت کا انٹرویو سادہ، سچا اور کھرا لگا۔ بیشتر باتوں کے جوابات بغیر بناوٹ اور لگائی لپیٹ کے بغیر دیے اپنے ماضی کو جوانی کی باتوں کو پسند ناپسند کو سچائی سے بتایا۔'' (جی ہاں ثمینہ نے بہت سادہ انداز میں جواب دیے، آپ کی رائے پہنچائی جارہی ہے)

٭ فہمی فردوس، گوجرانوالہ سے۔'' آپ کی خدمت میں تیسرا ناول پیش کر رہی ہوں، پڑھ کے اپنی قیمتی رائے سے آگاہ کریں...... ابھی پرسوں آیا ہے سب سے پہلے آپ کو بھیج رہی ہوں۔ (شکریہ) اکتوبر کا پاکیزہ ہاتھ میں آیا تو سب سے پہلے متلاشی نظروں سے اپنا افسانہ ڈھونڈنے لگی...... کہیں نہ ملا تو دل کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ اگلے ماہ تو یقیناً لگ ہی جائے گا...... پھر بھاگم بھاگ بہنوں کی محفل میں پہنچی تو وہاں بھی میرا تبصرہ موجود نہ تھا۔ پھر تو بہت مایوسی ہوئی...... دل بجھ سا گیا، انجم آپی میں اتنے پیار سے تبصرہ لکھتی ہوں آپ کیسے اسے ردی کی ٹوکری میں پھینک سکتی ہیں، شاید آپ مجھ سے بیزار ہوگئی ہیں یا پھر انجانے میں آپ کی شان میں کوئی گستاخی ہوگئی ہو تو بتا دیں۔ میں معافی مانگنے کے لیے تیار ہوں، آپ اس بات کا یقین کریں کہ میں واقعی دل سے آپ کی عزت کرتی ہوں۔'' (گڑیا آپ کا یہ خط پڑھ کر فوراً میں نے آپ کو فون کیا آپ اپنی باجی سے ناراض مت ہوا کریں۔ آپ کا افسانہ جلد شاملِ اشاعت ہوگا)

✉ فرح ناز، کراچی۔ آپ کے افسانے کی فوٹو اسٹیٹ کاپی جگہ جگہ سے بے حد مدھم ہے میں آپ سمیت تمام مصنفات جن میں کچھ سینئرز بھی شامل ہیں۔ پلیز آپ لوگ فوٹو اسٹیٹ کاپی اپنے پاس رکھا کریں اور اوریجنل مسودہ ہمیں ارسال کیا کریں...... بہت ساری نئی پرانی بہنیں اپنے مسودے بغیر پن اپ کیے بھیج دیتی ہیں...... اور مسودہ میرے پاس آتے آتے اس کے کئی صفحات آپس میں مدغم ہو چکے ہوتے ہیں اور اگر صفحات پر نمبر نہ ڈالے ہوں یا غلط ڈالے ہوں تو پھر میری پریشانی بہت بڑھ جاتی ہے۔ پلیز اپنا مسودہ صاف ستھرا اور احتیاط سے بھیجا کریں۔

٭ تسنیم ماہ پارا۔'' پیاری انجم آپی نے یاد کیا اور ہم چلے آئے۔ ماشاء اللہ سفرِ امریکا بہت اچھا رہا خاص کر پیارے ابا کو دیکھنا، ان کی دعائیں لینا۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت وسلامتی کے ساتھ رکھے، آمین۔ گم شدہ محبت کیسے، کیسے رنگ بدلتی ہے دیکھتے ہیں۔ ہما بیگ نے دل چیر دیا، اف...... ہر بار عورت ہی کیوں...... سیڑھی، عزت دار، دل ناداں اور میری ماں، سب افسانے اچھے لگے۔ ہنسنا منع ہے نے بڑا گدگدایا، نگہت سیما نے محفل خوب سجائی۔ دوسرے حصے کا انتظار ہے۔ عظمیٰ نے شادی میں تو خوب گھمایا آپ نے بھی کوئی کسر نہ چھوڑی۔ جلترنگ میں پریشانیوں کی منظر کشائی ایک سے بڑھ کر ایک تھی...... روحانی مشورے بھی خوب رہے۔'' (تفصیلی تبصرے کا شکریہ)

٭ رابعہ خان، جھنگ سے۔'' پاکیزہ میں اپنی شرکت سے دلی خوشی ہوئی...... اس ماہ بھی سارے ناول اور سارے افسانے شاندار رہے۔ بہنوں کی محفل اور جلترنگ بار، بار پڑھا...... میری امی نے بھی بہنوں کی محفل پڑھی۔ باجی میں بہت جلد آپ کو اپنا اور اپنی سہیلیوں کا تعارف لکھ کر بھیجیں گی مگر آپ اسے خود ہی ٹھیک کر لیجیے گا۔'' (بیٹا تم مطمئن رہو، میں اسے خود سجا سنوار لوں گی)

٭ شاہینہ مبارک، ہالہ سے۔'' نومبر کا پاکیزہ بہت اچھا لگا۔ ہم لوگ سندھی ہیں اور عظمیٰ آفاق نے سندھی فیملی کی شادی کا احوال اتنے مزے کا لکھا ہے کہ پڑھ کر بہت لطف آیا۔ شیریں حیدر کی میری ماں پڑھ کر آنسو آگئے۔ قانتہ رابعہ نے بہت اچھا لکھا۔ رفعت سراج تو بہت بڑی رائٹر ہیں، ان کے ناول کی قسط اچھی لگی اور باجی آپ کی گم شدہ محبت تو ہمیں آپ کے کرداروں کے ساتھ، ساتھ لے کر چل رہی ہے۔ شہلا بہت اچھی ہے اور صبا کی کہانی میں آگے سسپنس سا نظر آرہا ہے اور ہمیں بہت بے چینی ہے کہ کیا ہوگا۔ نگہت سیما کا انٹرویو بہت اچھا لگا۔ عذرا رسول کا انٹرویو دوبارہ شائع کر دیں تا کہ جن بہنوں نے نہیں پڑھا، وہ بھی پڑھ سکیں۔'' (آپ کی رائے پہنچائی جارہی ہے)

پروین یوسف، ہالینڈ سے۔ ”اس ماہ نومبر کا شمارہ جلدی مل گیا...... سب سے پہلے آپ کا ناول گم شدہ محبت پڑھا۔ کہانی میں تیزی کے ساتھ دلچسپی بھی ہے اور لوگوں کے مختلف مزاجوں اور عادتوں کا بھی اندازہ ہو رہا ہے۔ رفعت سراج بھی میری پسندیدہ ناول نگار ہیں۔ ان کے ناول کا ابھی آغاز ہے مگر اچھا لگ رہا ہے، جلترنگ تو برسوں سے پڑھ رہی ہوں میرا خیال ہے کہ یہ سلسلہ 88ء سے چل رہا ہے (جی ہاں) مجھے ذکیہ بلگرامی کی تحریریں بھی بہت پسند آتی ہیں اور اختر شجاعت کی بھی...... آپ کی جب بھی ذکیہ بلگرامی سے بات ہو تو میرا اسلام ضرور پہنچائیں اور ہاں نومبر میں شائع ہونے والی تمام کہانیاں مجھے اچھی لگی ہیں۔“ (پسندیدگی کا شکریہ، آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے...... اور میں آپ کی یہ بات بھی اختر شجاعت کو بتا رہی ہوں کہ درس کی تقاریب میں آپ اختر شجاعت کے مضمون پڑھا کرتی ہیں۔ اور ہماری اختر اس کے لیے آپ کو جزاک اللہ کہہ رہی ہیں)

✉ کوثر فاروق، پرنسپل گورنمنٹ اسکول سلانوالی۔ آپ کی میں بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ ہماری مستقل تبصرہ نگار اور آپ کے اسکول کی معلمہ امینہ عندلیب کا بے حد خیال رکھتی ہیں اور ان کی شدید طبیعت خرابی میں انہیں آفس میں لٹا کر آپ ان کے پیپرز لیا کرتی ہیں، انسان دوست شخصیات ایسی ہی ہوا کرتی ہیں میرا سلیوٹ آپ کے لیے۔

✉ لائبہ خان، لاہور۔ آپ کی کہانی قابل اشاعت ہے۔

✉ سنبل، لاہور۔ پاکیزہ کا جنوری کا شمارہ سال نو نمبر، فروری کا محبت نمبر، مارچ کا بہار نمبر، اور اپریل و مئی کے شمارے سالگرہ نمبرز ہوں گے...... اور ان نمبرز کے حوالے سے آپ سمیت دیگر بہنیں بھی اپنے تمام مراسلات ہمیں ایک ساتھ بھی بھیج سکتی ہیں مگر ہر سلسلے کے لیے علیٰحدہ کاغذ استعمال کریں۔

✉ ناظمہ اعوان، واہ کینٹ۔ آپ اپنے مراسلات کے حوالے سے مجھ سے رابطہ کریں تا کہ میں آپ کو گائڈ کر سکوں...... میرا نمبر ہے۔ 021.36964779

سلمیٰ غزل، کراچی سے۔ ”آج کل میں آپ کا اداریہ بڑے شوق سے پڑھتی ہوں۔ کربلا سے متعلق آپ کی تحریر حقیقت سے پر تھی اس مرتبہ جلترنگ کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے، آپ نے تو سب کے دل کی کہہ دی۔ ہمارے تو بچے بھی اب بڑے ہو گئے لیکن یقین کیجیے رات ایک دو بجے گھر آ کر سونے کے بعد صبح اٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی پورے جسم میں درد پھر اتنی رات کو کھانا کھاؤ تو پیٹ میں گرانی الگ خدا کرے کہ یہ سندھ گورنمنٹ کے اعلامیہ پر عمل ہو جائے، شادی ہال دس بجے نہیں تو کم از کم گیارہ بجے تو بند ہو جائیں اور صبح دکانیں گیارہ بجے ہی کھل جائیں تو سبحان اللہ آج کل تو پورا کراچی دوپہر ڈیڑھ بجے تک کھلتا ہے۔ اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف...... گم شدہ محبت میں اچھا موڑ آ گیا ہے کہ شہلا کی مستقل مزاجی رنگ لے آئی۔ ثمینہ عظمت علی کی فیصلہ جو بہ ہونے سے بال، بال بچ گئی کیونکہ انہوں نے اینڈ مختلف کر دیا ورنہ بن روئے ڈرامے کی نقل کہلاتا افسانہ، قانتہ رابعہ بڑی اچھی رائٹر ہیں مگر عزت دار نے مزہ نہیں دیا کیونکہ اس موضوع پر پہلے بھی کافی کہانیاں پڑھی ہیں ہما بیگ کی کہانی اچھی تھی مگر عورتوں کی بے بسی بڑا دکھ دیتی ہے۔ مریم جہانگیر کی ٹائٹل آپی سمجھ میں نہیں آئی کیونکہ چڑ کی وجہ بھی تو ہوتی ہے جو اس کہانی میں سرے سے ندارد تھی۔ تسنیم منیر علوی کی کہانی پڑھتے ہی اینڈ سمجھ میں آ گیا تھا جو مردوں کی فطرت کے عین مطابق تھا کہ عورت تو ٹھہری وفا کی دیوی اور پھر ماں جو اپنی اولاد کے لیے پوری جوانی تیاگ دیتی ہے جس کی مثال میری اپنی رانی بھابی تھیں مگر مرد تو ٹھہرے ساٹھے پاٹھے...... شیریں حیدر بڑی رائٹر لکھتی بہت اچھا ہیں، الفاظ کا چناؤ بھی بہت خوب مگر بھئی ایسی ماں ہونا کافی مشکل بلکہ ناممکن ہے کیونکہ کہتے ہیں اولاد فتنہ ہوتی ہے اور ایمان خراب کرنے کا بھی سبب مائیں سارا دن باپ کی ڈانٹ سے بچانے کے لیے جھوٹ بولتی رہتی ہیں، برائیاں چھپاتی ہیں۔ (گو غلط ہے) مگر ماں جو ہوئیں...... کاش شیریں حیدر جیسی مائیں ہو جائیں تو معاشرہ سدھر جائے۔ ماہ وش طالب کی دل ناداں بہت خوب لگی البتہ نگہت سیما کا انٹرویو پڑھا اچھا لگا بالکل بناوٹ سے پاک سادہ سا رفیعہ ابدالی کا بلاوا آ گیا۔ بہت زبردست لگا۔“ (تفصیلی تبصرے کا شکریہ)

رفیعہ ابدالی، کراچی سے۔ ”نومبر کا پاکیزہ بہت پسند آیا۔ اس شمارے میں میرا عمرے کا احوال بھی شائع ہوا ہے۔ اس لیے بھی بہت اچھا لگا...... مگر میرے نام کے ہجے صحیح نہیں لکھے گئے۔ (آپ پریشان نہ ہوں سب کو پتا ہے اس محفل میں

رفیعہ ابدالی صرف آپ ہی ہیں، کوئی دوسری رفیعہ ابدالی نہیں ہیں) بہنوں کی محفل میں آپ نے ایک بہن کو نماز کی باقاعدگی کا ایک حل بتایا ہے مگر میرے پاس تو آپ سے زیادہ اچھا حل موجود ہے کہ وہ بہن سات دن تک پورے پانچوں وقت کی نماز ہر صورت میں ادا کریں۔ انشاء اللہ وہ آٹھویں دن خود ہی عادی ہو جائیں گی۔ (واقعی آپ نے بہت ہی اعلیٰ طریقہ بتایا ہے۔ اللہ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ جزاک اللہ) ناول سب اچھے لگے، افسانے بھی عمدہ تھے مگر جو بات عظمیٰ آفاق کی شادی کے احوال لکھنے کی تھی وہ سب سے جدا تھی۔ بے حد مزہ آیا...... اب عظمیٰ سے میری یہ فرمائش ہے کہ جب بھی اللہ نے میری شادی کی...... عظمیٰ بہن میری شادی کا احوال پاکیزہ کے لیے ضرور لکھیں گی۔'' (اللہ تعالیٰ وہ وقت جلدی لائے، آمین)

ثمینہ وحید، پنجاب سے۔ ''نگہت سیما کا انٹرویو ان ہی کی طرح سادہ اور میٹھا سا لگا اور باقی آئندہ نے موڈ خراب کر دیا۔ رفعت سراج کے ناول کی قسط پڑھی یہ یقیناً آئندہ اقساط میں مزید واضح ہوگی اور میں مکمل کر تبصرہ لکھ سکوں گی...... آپ کے ناول کا موضوع مختلف ہے اور یہ روایتی دیورانیوں، جیٹھانیوں اور ساس، نندوں کے گرد نہیں گھوم رہا...... اس لیے زیادہ اچھا لگ رہا ہے، ہاں فاختہ رابعہ کی میں فین ہوں اور ان کے افسانے جلدی، جلدی آنے چاہئیں (جی ضرور) باجی آپ کو ایک بات بتانی تھی یہ یقیناً ادارہ پاکیزہ اور آپ کو بھی اس کا ثواب ملے گا...... جب میں کسی درس کی محفل میں جاتی ہوں اور کوئی مجھ سے دعا کے لیے کہتا ہے تو آپ جو آخر میں دعائیہ جملے لکھتی ہیں وہ میں پڑھ دیتی ہوں۔ ایک کاغذ پر یہ سب لکھا ہوتا ہے۔''

(پیاری بہن اچھی بات کو آگے بڑھانا نیکی کے زمرے میں آتا ہے، میں بھی کوئی اچھی بات سنتی ہوں یا پڑھتی ہوں وہ میں پاکیزہ بہنوں کو بتانے کے لیے خواہاں رہتی ہوں۔ ہماری ایک اور تبصرہ نگار بہن سمیرا حمید فاروق نے بھی ہمیں یہ بتایا تھا کہ وہ پاکیزہ میں لکھی ہوئی دعا محفلوں میں پڑھا کرتی ہیں، پیاری بہن سیکھنے کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا...... اور ہر اچھی بات کو آگے بڑھانا، ہمارا فرض ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا وقت برے کاموں میں برباد کرنے کے بجائے اچھے کاموں میں خرچ کرنے کی توفیق دے، آمین...... ثم آمین)

فرحت احمد، کراچی سے۔ ''ستمبر کے شمارے کا سرورق، لدی پھندی دلہن اچھی لگی تمام قسط وار ناولوں کے ساتھ مکمل ناولٹ اور خاص کر چھوٹے، چھوٹے افسانے بہت اچھے لگے۔ محبت سے ہٹ کر موضوعات کو بڑی خوب صورتی سے اجاگر کیا گیا ہے۔ اس دفعہ مجھے پاکیزہ کے مہمان میں شگفتہ یاسمین اور ان کے شوہر ڈاکٹر محمد شاہد قادری کا انٹرویو بہت پسند آیا حالانکہ میں ان سے پہلی مرتبہ متعارف ہوئی ہوں...... شاید ایسے ہی لوگوں کے لیے کہا جاتا ہے کہ پہلی ہی نظر میں اچھے لگے۔ (ماشاء اللہ) بہرحال میری جانب سے ان دونوں کے لیے بہت، بہت دعائیں اللہ تعالیٰ ہمیشہ اسی طرح خوش وخرم اور ہنستا مسکراتا رکھے، آمین۔ اب آئیں اس شمارے کے the best کی جانب جی ہاں جنابہ نیلوفر عباسی صاحبہ ان کی باتیں پھولوں سے خوشبو نہ آئے ایسا تو ہو نہیں سکتا۔ نئی پرانی، اچھی کچھ، کچھ میٹھی اور کچھ دل بھر آنے والی باتوں نے اپنا اسیر بنا کر رکھا۔ پورے انٹرویوز میں بچ تمام ہی باتوں اور واقعات نے لطف دیا...... نیلوفر عباسی صاحبہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے، آمین۔'' (پسندیدگی کا شکریہ)

سنبل ملک اعوان، شاہدرہ سے۔ ''عظمیٰ کا سفرنامہ اردو بازار سے نہیں ملا بکس ملتی ہیں مگر میری سوئٹ آپی کا... سفرنامہ موجود نہیں، آنٹی جلدی بتایئے گا کہاں سے لوں کیونکہ میں نے دو ماہ کی بچت کی ہے بک خریدنے کے لیے۔ (بیٹا عظمیٰ کے سفرنامے کی قیمت صرف تین سو روپے ہے آپ القریش پبلشرز کو فون کر دیں۔ فون نمبر بہنوں کی محفل میں موجود ہے) پاکیزہ کا سارا اسٹاف پاکیزہ، پاکیزہ ہے، آنٹی انجم گھر کے اس ماحول کو سدا جوڑے رکھیں آنٹی عذرا رسول کو بھی بہت، بہت سلام اور پیار۔ (عذرا رسول بھی آپ کو سلام کہہ رہی ہیں) پتھر کا دیس، مدیحہ شاہد، مدیحہ جی آپ نے تو کمال کر دیا۔ شکر ہے کہ علیزے نے ہمت کی اور چاند احمد کے ساتھ مل کر رامین کی ساری جائداد اس کو دلا دی۔ اس کے علاوہ ڈیزائنر سوٹ پسند آیا۔ ہاجرہ ریحان کا سوال اور عذرا فردوس کا بھی افسانہ خوب صورت تھا۔'' (شکریہ)

تسنیم کوثر، کراچی سے۔ ''ثمن بلال کے ناول اے عشق ترے ہیں کھیل عجب کی آخری قسط پڑھی یہ ناول اسٹوری کے لحاظ سے شروع سے ہی بہت اسٹرانگ اور ہمیں پسند آ رہا تھا۔ لیکن بھئی اس ناول کے اینڈ میں ہمارے کرداروں ایشال اور ڈاکٹر عمر کا ذکر کیوں غائب ہو گیا انہیں بھی محبت اور شادی کے بندھن میں باندھ کر ناول کا اور زیادہ ہی اینڈ کرنا چاہیے تھا۔

(وہ پچھلی اقساط میں ہو گیا تھا) اس کے علاوہ گم شدہ محبت کی اسٹوری پاور فل نہیں ہے۔ خاص طور پر شہلا کا جو کردار ہے جسے اپنی عزتِ نفس کا کوئی خیال نہیں اپنی شادی کی باتیں کرنا مثلاً شادی، مہندی جوڑے یہ سب چیپ سا لگ رہا ہے۔ زبردستی حارث کے پیچھے پڑ جانا بالکل اچھا نہیں لگ رہا...... ایک لڑکی کو اتنا نہیں گر جانا چاہیے۔ ویسے اوور آل ناول اچھا ہے کیونکہ آپ جیسی مایہ ناز رائٹر تو ماشاء اللہ شاندار ہی لکھتی ہیں۔ سنگ سفر سائبان فرحین اظفر کا افسانہ اچھا تھا۔ عنیزہ سید کی تحریر آبنوس نہایت دل گداز اور بہترین لگی...... عقیلہ حق کی کہانی قربانی تو دینی ہی ہے دل کو چھو گئی۔ ہاجرہ ریحان کا بدصورت مختصر افسانہ تھا مگر پسند آیا۔ رفعت سراج کا... یہ کہاں بچیں کہ دل ہے، سوری یہ ناول تو ہمارے سر سے گزر رہا ہے۔ اسٹوری کم از کم ہماری سمجھ سے تو بالکل بالاتر ہے۔'' (رفعت کے ناول کی کہانی آہستہ آہستہ کھل رہی ہے، تبصرے کا شکریہ)

✿ حلیمہ، گوجرہ سے۔ ''پیاری آنٹی آپ کو خط لکھتے وقت یوں ہی لگتا ہے۔ اپنی امی سے باتیں کر رہی ہوں جو اس وقت دنیا میں نہیں ہیں۔ آنٹی آپ بہت اچھی ہیں، آپ نے میری حوصلہ افزائی کی۔ بہت شکریہ...... سلامت رہیں ہم سب پر آمین، ثم آمین...... اب آتی ہوں کہانیوں کی طرف تو سب سے پہلے تو گم شدہ محبت زبردست جا رہی ہے۔ مگر بہت زیادہ افسوس ہوتا ہے جب لڑکے اپنی غرض کے لیے چاہے وہ اپنی محبت کا جال بچھا کر یا کسی کی محبت کو اپنی غرض بنا کر استعمال کرتے ہیں۔ جیسے شہلا کو استعمال کیا جا رہا ہے۔ آنٹی اللہ نے لڑکیوں کے دلوں کو اتنا موم کیوں کیا ہے۔ وہ ذرا سی بات پر پگھل جاتی ہیں، وہ سمجھیں ان مردوں کو...... اللہ ہر لڑکی کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ (آمین) اب آتی ہوں اے عشق ترے ہیں کھیل عجب...... یہ کہانی اچھی اختتام پذیر ہو رہی ہے...... مگر ہر لڑکی ذویا سے دلنشیں نہیں بن سکتی۔ یہ تو کہانی تھی جس میں ذویا نے اپنے سب بدلے لیے مگر حقیقت میں کمزور انسان کبھی بدلہ نہیں لے سکتا...... ہاجرہ ریحان نے افسانہ سوال میں بے حد خوب صورتی کے ساتھ مردوں کی فطرت سے آگاہ کیا ہے...... ویل ڈن ہاجرہ دریا کو کوزے میں بند کیا ہے۔ پیام محبت لائی ہے عید...... بہت اچھی مگر کوئی بھی مرد کبھی برداشت نہیں کرتا کہ اس کی منگیتر ماڈل بن کر لوگوں کے ساتھ وقت گزار کر دوبارہ آ جاتی ہے اور وہ مرد اسے ویلکم کرے...... امپاسبل ہو ہی نہیں سکتا۔ رفعت سراج کا ہر ناول چھا جاتا ہے۔ اس ناول کی دوسری قسط نے ہی لوگوں کو گرویدہ بنا لیا ہے۔ بہت خوب صورت لکھتی ہیں۔ افسانہ دیر سے سمجھا۔ ہر دوسرے گھر کی کہانی ہے۔ مگر یہ سچ ہے کہ شوہروں کو اتنی جلدی احساس نہیں ہوتا۔ اگر ہو بھی جائے تو وہ اپنی ماں، بہن کے ڈر سے سچ کو سچ نہیں کہتے۔ اوپن میرٹ بہت زبردست اور بہت ہی سادگی کے ساتھ معاشرے کے ہر شعبے کی عکاسی کی ہے۔'' (بھرپور تبصرے کا شکریہ)

✿ عظمیٰ زہری، اوستہ محمد بلوچستان سے۔ ''اکتوبر کی ماڈل کی مہندی بہت اچھی لگی۔ مجھے کچھ کہنا ہے میں آپ کی کچھ باتیں ڈائریکٹ دل میں پیوست ہوئیں کہ جب ہم کسی کی خوشیوں میں اضافہ کر کے اپنی خوشی مناتے ہیں تو اس کی خوشی کا مزہ ہی علیحدہ ہوتا ہے۔ گم شدہ محبت تو ویسے ہی ہٹ جا رہا ہے بہت ہی مزے دار ناول ہے یہ آخر لکھا بھی تو آپ نے ہے ناں ویسے آپی کیا عامر، صبا کو مل پائے گا اگر ملے گا تو شادی سے پہلے یا بعد میں (آپ باقاعدگی سے پڑھیے...... آپ کو پتا چل جائے گا) ذرِ ثمن بلال کا اے عشق ترے ہیں کھیل عجب واہ، واہ کتنا پُرسکون ناول تھا کہیں کوئی گڑبڑ نہیں تھی اقصم نے آ کر بیچاری مناب کی شادی کا ستیاناس کر دیا، آپ نے اقصم نامی پتھر پھینک کر ناول میں ہلچل مچا دی۔ یہ بھی صحیح ہے اب اور مزہ آ رہا ہے۔ پڑھنے میں پر یہ کیا اگلے ماہ آخری قسط ابھی تو زارون اور دلنشین کی لو اسٹوری شروع ہوئی ہے۔ رفعت سراج آنٹی کا ناول پڑھنے میں تو اچھا لگ رہا ہے پر ابھی تک اچھی طرح سمجھ نہیں آیا۔ ویسے آنٹی کے ناول بہت گہرائی والے ہوتے ہیں۔ بہت ساری باتیں پانچ یا چھ اقساط کے بعد سمجھ آتی ہیں سو یہ ناول بھی پرت در پرت ہی کھلے گا۔ نایاب جیلانی جی ہمیشہ ہی دھماکے دار منی ناول کے ساتھ انٹری کرتی ہیں۔ میرے چارہ گر، عالیہ حرا کا ناولٹ سامنے آ گیا بھئی اِک نظر مجھ پر ڈالتے جائیں اسے پڑھا واہ تو جہاں ہی الگ تھا واقعی والدین بچوں کے لیے رول ماڈل ہوتے ہیں یا تو ایسے والدین کو بچوں کی پیدائش سے پہلے الگ ہو جانا چاہیے نہیں تو پھر بچوں کے لیے ایک دوسرے کو قبول کر لینا چاہیے۔ شائستہ زریں آپی کا سروے بہت اچھا لگا بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ وہ آئے بزم میں، ناہید سلطانہ اختر کو پڑھ کر خوب مزہ آیا۔ باقی سارے افسانے اور سلسلے بہترین تھے۔ تفصیلی تبصرے کا شکریہ۔ ہاں شائستہ عزیز کا آئینوں کے درمیان پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو گئے کیا یہ لوگ انسان کہلانے کے لائق ہیں یہ اللہ اور رسول کے نام کی آڑ میں کتنے گندے کام کرتے ہیں سیلوٹ کرتی ہوں میں آپ کو شائستہ آپی

کہ اس طرف آپ نے نظر کی اور قلم اٹھایا بہت اچھا درس ہے۔‘‘ (تفصیلی تبصرے کا شکریہ)

شہلا نواز، لاہور سے۔’’سرورق بس ٹھیک تھا گم شدہ محبت میں حارث نے شہلا کے سچے جذبوں کو پزیرائی بخشی بہت اچھا لگا۔ رفعت سراج کے ناول میں ہمیں تو لیڈی صوفیہ کا کردار بہت پسند ہے خاص طور پر ان کا میک اپ اور ڈریس اپ ہو کر رہنا اچھا لگتا ہے اور ایک ہم ہیں جوان جہان اور چھڑے چھانٹ ہو کر بھی گھر میں بھنگن بنے پھرتے ہیں کہیں باہر جائیں تو میک اپ کی اشیا کے بھاگ جاگتے ہیں۔ اُم طیفور کے افسانے نے طبیعت فریش کر دی۔ میری ماں میں صالحہ جیسی ماں کو سلیوٹ پیش کرتے ہیں اگر تمام مائیں صالحہ جیسی ہو جائیں تو معاشرہ سدھر جائے......ان کو عادت ہے بھول جانے کی شائستہ زریں کا سروے حسبِ سابق بہت ہی عمدہ رہا۔ شائستہ کے سروے کا خاصہ یہ ہے کہ عنوانات خاصے متنوع ہوتے ہیں اور سونے پر سہاگا جوابات پڑھ کر لطف دوبالا ہو جاتا ہے، ہمیں تو بہت ہی ہنسی آ رہی تھی دنیا کی ذہین اور قابل شخصیات کو اپنے ہی گھر اور گھر والوں کے اہم واقعات کی تواریخ و واقعات یاد نہیں اسے ہی کہتے ہیں چراغ تلے اندھیرا......رفیعہ ابدالی کا بلاوا پڑھ کر تو ہمارے آنسو بھی ٹپک پڑے اجازت ہو تو ہم بھی اس سفرِ مقدس کی روداد لکھ کر بھیجیں۔ (ضرور) محفل کافی مختصر تھی تشنگی رہ گئی جلترنگ بھی کم تھے عظمیٰ آفاق کے قلم سے شادی کی روداد پڑھ کر سواد آ گیا۔ نگہت سیما ہماری سینئر رائٹر بہت ہی اچھا لکھتی ہیں ان سے جلد ملاقات کرنے میں بھی مزہ آیا کافی سلجھی شخصیت کی مالک ہیں، پاکیزہ ڈائری کی تحاریر بھی کافی عمدہ تھیں، روحانی سلسلہ تو پہلے ہی بہت خوب...... پورے کا پورا پاکیزہ اس بار اے ون تھا۔‘‘ (پسندیدگی کا شکریہ)

انیس جبار خان، آزاد کشمیر سے۔’’زندگی کی خوب صورت ترین مصروفیات اور قیمتی لمحے جو قرآن کے ساتھ گزارے ان دنوں کا کوئی نعم البدل نہیں (بے شک) بس اتنی سی دعا ہے کہ جو پڑھا ہے اللہ پاک اسے عمل میں ڈال دے اور اس پر استقامت عطا فرمائے اور دوسروں تک پہنچانے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ جہاں بہت سی عادتیں بنی اور سنوریں ہیں پاکیزہ کو پڑھنے کی عادت ختم نہیں ہو پائی۔ سب سلسلے اچھے جا رہے ہیں، سب ہی کہانیاں الجھنوں کو سلجھاتی اور سبق آموز ہیں۔ اللہ آپ کو اور ادارے کو مزید کامیابیاں عطا فرمائے، آمین۔ قرآن اور حدیث کی روشنی میں ایک تحریر لکھی ہے، اس کے بارے میں ضرور رائے دیجیے گا۔‘‘ (میری نظر سے آپ کی تحریر نہیں گزری، پڑھ کر جلد رائے دوں گی)

شازیہ ہاشم، کھاریاں سے۔’’سب سے پہلے دُرِ ثمن بلال کا ناول اے عشق ترے ہیں کھیل عجب پڑھا ویلڈن آپی آپ سے میں نے بھی تو قعات وابستہ کی تھیں مناب اور اقصم کے ریلیشنز ٹھیک ہو جائیں۔ سیما رضا کا منی ناول ہم کو عبث بدنام کیا۔ ایکسائٹڈ ہو کر پڑھنا شروع کیا...... مگر یہ کیا باقی آئندہ یعنی جاری ہے تو مزہ کرکرا ہو گیا۔ چلو خیر ویسے ایک بات جو اچھی لگی وہ ہے ثمیرہ اور اس کے تایا ابو کا بے لوث پیار، باقی تبصرہ انشاء اللہ پورا ہونے پر کروں گی۔ اس کے بعد تھوڑا سا کام کیا پھر اس کے بعد تم جو مل گئے، نادیہ احمد کا پڑھا۔ جس میں ایشال کے پاپا کا رویہ شروع میں بے حد عجیب لگا...... اور ایک سخت، کٹھور اور جذبات سے عاری انسان لگا، جس نے ایشال کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیا۔ یہی رویے انسان کو کبھی اوجِ ثریا پر پہنچا دیتے ہیں۔ کبھی زمین کی پستیوں میں گرا دیتے ہیں۔‘‘ (شازیہ تبصرے کا شکریہ......آپ نے پاکیزہ ڈائری اور بزم پاکیزہ کے مراسلات اپنے خط کی کمر پر لکھ دیے اس وجہ سے وہ شامل نہیں ہو سکتے، ہر سلسلے کے لیے الگ کاغذ استعمال کیا کریں)

سنبل ملک اعوان، شاہدرہ سے۔’’پاکیزہ ہاتھ میں کیا آتا ہے میں تو اپنے اردگرد کا ہوش ہی کھو دیتی ہوں۔ دُرِ ثمن بلال کا ناول اختتام پزیر ہوا، اللہ آپ کے قلم کو ترقی دے۔ آپ دعا کریں، میری شادی ہو جائے تو میں اپنے بچوں میں سے ایک کا نام اقصم رکھوں گی۔ اور پاکیزہ میں موجود تمام کے تمام افسانے بڑے ہی مزے دار اور سبق آموز تھے۔ آنٹی جی کالے جادو والی بات درست اور ٹھیک ہے، بالکل ایسے ہی ہے کہ کالے جادو نے گھروں کو تباہ کر دیا ہے۔ اور سب سے زیادہ قصور خواتین کا ہوتا ہے۔ ان جعلی پیروں کو سر آنکھوں پر بٹھانے میں کیونکہ کمزور عقائد ہی ان جعلی پیروں کی روزی ہے۔ گھر میں جب حالات مشکلات کا شکار ہوں گے کہیں بھی خوشی مستقل نہیں رہتی اور نہ ہی غم ایک جگہ مستقل ڈیرا جماتے ہیں۔ مگر جب حالات تنگ پڑتے ہیں تو سارا عالم گھومتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔‘‘ (ہاں ایسا تو ہوتا ہے اور پیاری سنبل تمہارے لیے خوب ساری دعائیں)

کوثر خالد، جڑانوالہ سے۔’’ہم نے سنا ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے پانی شفایاب ہو جاتا ہے اور ہم نے آزمایا ہے ہر چیز الحمد کے ورد سے کھائیں لقمہ، لقمہ تو ہاضمہ اے ون رہتا ہے۔ اب تو ہم نے ساس کا معدہ بھی اے ون کروا لیا ہے۔ ماشاءاللہ

... باسی کھانا بھی دو گھنٹے میں ہضم کر لیتی ہیں۔ ہمارا مقابلہ انیس بیس کے فرق سے جاری ہے اور بچے ابھی بچے ہیں۔ یہاں تک لانے میں وقت لگے گا۔ حمد و نعت دل کا سکون ہوئی اور باقی سلسلے دل میں اتر گئے۔ بڑے شاعر مصطفیٰ زیدی کا ایک آخری شعر تو زبان زد عام ہے۔ بہار و خزاں بڑا زبردست رہا...... ملاقات ثمینہ عظمت علی تو بہ...... نام اور کام سے ہم انہیں بڑی عمر کا اور تجربے کار استاد کا درجہ دیتے تھے مگر یہ تو کم عمری بیٹی لگی۔ شوخ و چنچل، تحریر سے بالکل منفرد۔ اختر شجاعت نے داستانِ محرم کا خلاصہ بہترین الفاظ و انداز میں سنا کر نم دیدہ کر دیا...... اور ہم ندامت زدہ بھی ہوئے اور دعا گو بھی ہیں کہ اللہ ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ حرا قریشی، تمہیں پاکیزہ محفل میں دیکھ کر خوشی ہوئی آپی انجم کی بات مان کر سرخرو ہو جانا ہے کہ یہ ہماری بھی دلی خواہش ہے۔ عظمیٰ ہم بھی تمہارے سفر نامۂ عمرہ کے لیے آنکھیں بچھائے بیٹھے ہیں۔ امید ہے نئی اور منفرد جہتیں منظرِ عام پر لاؤ گی۔ اور کہانیاں، ناول بہترین عنوانات، بہترین مصنفات اور بہترین تاثرات...... ناول کا عنوان سپرہٹ ہے۔ یہ کہاں بچیں کہ دل ہے، پہلے بھی پوچھا جواب نہ ملا...... یہ تاریخی اور سچی کہانی ہے؟'' (یہ سچی کہانی ہے)

بھ فہمیدہ غوری، کراچی سے۔ ''آپ کی محبت و خلوص پر تو کوئی دو رائے ہی نہیں ہیں اور اس پر مہر لگے گی جب آپ نے مجھ ناچیز کا خط جو بہت اوٹ پٹانگ تھا شائع کیا اور اتنے پیارے سے جواب بھی دیے ہمت بڑھی تو آپ کو اپنے مضمون اور نظم بھیج رہی ہوں اگر قابلِ اشاعت ہوں تو شائع کر دیجیے گا۔ آپ سے پیار عقیدت تو برسوں کی ہے آپ یقین کیجیے۔ بہت سے لوگ میرے گھر آ کر ptcl سے آپ سے بات کرتے تھے اور ہماری اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ نمبر ہی ملا لیں۔ آپ کو خط لکھتی تھی اور سجا کر رکھ دیتی تھی اگر بھی کسی کے ہاتھ لگ جاتا تو وہ ریکارڈ لگتا کہ پوچھیں مت...... آج بس سنجیدہ باتیں ہوں گی...... سب سے پہلے پاکیزہ کے سلسلے سب سے پہلے تو کچھ کہنا ہے میں آپ نے سب کچھ کہہ دیا واقعی.... بہت سی باتیں جو ہمیں پتا ہے کہ ہمارے لیے فائدہ مند ہیں ہم ان پر عمل نہیں کرتے ہم تو سوچ رہے ہیں کہ منرل واٹر بھی ابال کر پئیں پتا نہیں منرل ہے بھی یا نہیں کہیں منکو سپیر کے تلکے کا نہ ہو۔ ویسی گاڑی چلانا تو وہ تو ہمیں آتی ہی نہیں سیکھنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ہمیں تو ایک ہی راستہ معلوم ہے جو ہماری اماں کے گھر کو جاتا ہے۔ سورۂ انعام کی پیاری، پیاری آیات سے روح دل کو منور کیا اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارک شاہد کے بارے میں بھی بہت قیمتی معلومات حاصل ہوئی۔ جزاک اللہ...... گم شدہ محبت کے بارے میں کیا کہوں...... مجھے تو بس یہ پڑھنا ہے کیونکہ یہ میری پیاری آپی نے لکھا ہے مجھے شہلا کا کریکٹر بہت اچھا لگ رہا ہے باقی ابھی آگے دیکھتے ہیں کہانی کھل کر سامنے آ جائے۔ افسانے میں نیلم احمد بشیر، صدف آصف، فرحین اظفر کے افسانے بہت پسند آئے۔ عنیزہ کا آبنوس بہت زبردست ہے۔ جلترنگ سے تو ہمارے دل میں جلترنگ بجنے لگتی ہے۔ نزہت اصغر بہت اچھے انٹرویو کر رہی ہے۔ ماشاء اللہ مستقل سلسلے سب بہت اچھے ہیں اور مزید اچھے لگیں گے جب اس میں ہمارا نام بھی بہار دکھائے گا۔ ڈشز تو ساری اچھی لگ رہی ہیں لیکن چاکلیٹ شفون سے تو ہمیں ہماری آپا نازو کی چاکلیٹی کلر کی شیفون جارجٹ کی ساڑی یاد آ گئی ہم ضرور بنائیں گے، شگفتہ شفیق کو نانی بننے کی بہت ساری مبارک باد...... باتیں تو بہت سی ہیں کم لکھے کو زیادہ سمجھیے گا اور آپ سڈنی گئیں اور ہمارے لیے کچھ نہیں لائیں، کوئی تحفہ، بھئی سفر تو سفر ہوتا ہے ناں چاہے وہ پوتی کی برتھ ڈے کا ہی کیوں ناں کچھ... سفر نامہ لکھیں گے بالکل آپ کی طرح سے اور وہ ہوگا دوڑ کر حیدر آباد...... کیوں کہ ہماری پہنچ بس یہیں تک ہے۔ ملا کی دوڑ مسجد تک کی۔'' (دلچسپ تبصرے کا شکریہ...... اب باقاعدگی سے آیا کرو)

بھ توقیر ہاشمی، منڈی بہاؤالدین سے۔ ''دس سال سے آپ سے رابطہ ٹوٹا ہوا تھا لیکن میں باخبر رہتی تھی۔ کچھ شادی شدہ زندگی کے بعد ماشاء اللہ ایسی مصروفیات ہوئیں کہ سر اٹھانے کا وقت ہی نہیں ملا۔ انشاء اللہ اب ضرور رابطہ رکھوں گی اور آپ بھی مجھے بھولی نہیں ہوں گی میں تو قیر ہاشمی ہوں ماشاء اللہ بچے اب کچھ بڑے ہو گئے ہیں اسکول جاتے ہیں تھوڑی مصروفیت کم ہوئی ہے۔ میری ایک بیٹی اور دو بیٹے ہیں، بیٹی ارسہ 8th میں بیٹا احتشام حفظ کر رہا ہے چھوٹا سجاد تو میں خیر...... (ماشاء اللہ چلو فرصت تو ملی تمہیں) اس ماہ سرورق جاذب نظر تھا، مجھے کچھ کہنا ہے آپ کی خوب صورت باتوں سے مستفید ہوئی، میں اکثر گنگناتی ہوں، پاکیزہ ڈائری، بہنوں کی محفل کے تو کیا کہنے سب سے پہلے اسے پڑھا۔ میری ہم عمر

بہت آگے نکل گئی ہیں۔ فریدہ جاوید فری، صائمہ اکرم، فائزہ افتخار جیت دا بہت ترقی کرلی ہے۔ سب کے لیے بیسٹ وشز...... ثمینہ عظمت علی کا انٹرویو ایک مکمل اور خوب صورت گفتگو سے بھرا ہوا تھا۔ ان کی کہانیوں کی طرح انٹرویو بھی کچھ نہ کچھ نصیحت آموز تھا۔ ان سے ملاقات بھرپور تھی۔ جلترنگ ہمیشہ کی طرح جلترنگ برساتا ہوا تھا۔ آئی ہوپ آپ مجھے پہلے کی طرح بھرپور ویلکم کریں گی کہ آپ کی محبتوں کی منتظر ہوں۔ (بالکل بیٹا) آئندہ ماہ سب کچھ پڑھ کر بھرپور تبصرہ کروں گی بس امی کی بیماری اور پھر ان کی ڈیتھ نے بہت اکیلا کردیا ہے سو اس لیے تھوڑا پریشان رہتی ہوں...... اب خوش کہ میرا اپنا دوبارہ مل گیا ہے خط لکھتے ہوئے اتنی ایکسائٹ منٹ تھی میرے ساتھ میری بیٹی بھی اتنی ہی تھی کہہ رہی تھی مماد یکھتے ہیں آپ کا خط کب چھپتا ہے۔ آپس کی بات ہے ضرور چھاپے گا..... کیونکہ مجھے اپنی بیٹی کو پاکیزہ ادب کا فین بنانا ہے۔ کیونکہ یہ میرا استاد ہے باقی میں آپ کو اور سب پاکیزہ بہنوں کو بہت مس کرتی تھی۔ عظمٰی اور اس کے بچوں کو پیار......" (پیاری بیٹی توقیر...... تم عرصہ دراز بعد آئی ہو...... میں تم کو خوش آمدید کہتی ہوں)

★ تہمینہ داؤد، خانقہ کھڑی شریف چیچاں سے۔ "پہلی بار آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔ میں پاکیزہ کی خاموش قاری ہوں، اسکول کے زمانے سے پڑھتی آئی ہوں، اپنے نام کی طرح پاکیزہ ہے پاکیزہ اور اس کی تحریروں نے مجھے بہت کچھ سکھایا۔ اک ماں کی کمی، اس کمی کو آپ کے اداریے اور بہنوں کی محفل نے پورا کیا ہے۔ میرا تعلق آزاد کشمیر کے صوفی بزرگ میاں محمد بخش جو کہ صوفی شاعر ہیں ان کے خاندان سے ہے۔ مجھے پڑھنے اور لکھنے دونوں کا شوق ہے۔ آپ یقین کریں جب شمارہ ہاتھ میں آتا ہے لگتا ہے جیسے کوئی ملنے آیا ہو۔ میاں محمد بخش رومی کشمیر کے خاندان سے تعلق ہونے کے ناتے مجھے پڑھنے کا بہت جنون ہے اور لکھنے کا بھی امید ہے آپ اس ناچیز کو اپنی محفل میں شامل کریں گی۔ عظمٰی آپی میری ہمیشہ سے فیورٹ رہی ہیں۔ صائمہ اکرم، حمیرا کو میں جب یہ ماہنامہ پھول میں بچوں کی نظمیں لکھتی تھی تب سے پڑھتی ہوں۔" (پیاری گڑیا اس محفل میں خوش آمدید، تمہارا پُرمحبت اور معصوم سا خط اچھا لگا۔ اب وعدہ کرو ہمیں اپنی تحریریں تبصرے سمیت بھیجا کرو گی)

پیاری بہنو! آئندہ شمارہ سال نو نمبر ہوگا...... آئیں 2016ء کو الوداع کہتے ہوئے پہلے درود پاک پڑھتے ہیں اور پھر وحدہ لاشریک کی بارگاہ میں دعا مانگتے ہیں، یا اللہ، یا رحمٰن، یا رحیم اے کریم یا اللہ...... ہمارے اور اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری امت کے سارے گناہوں کو معاف فرمادے اور ہمارے تمام گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے اور نیک کام کی توفیق، ہمت، طاقت اور مہلت ہم کو ضرور عطا کرنا۔ اے پاک پروردگار موت سے پہلے ہماری مغفرت فرما اور موت کے وقت ہم پر رحم فرما اور موت کے بعد ہمیں عذاب نہ دینا اور قیامت کے روز بغیر حساب کتاب لیے ہمارا نامۂ اعمال ہمارے داہنے ہاتھ میں دینا...... بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ، اے میرے معبود، اے عرشِ عظیم کے مالک، اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے تو آدمؑ سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر قیامت تک آنے والے سارے ایمان والے مردوں، عورتوں، انسانوں، جنوں سب کو ہی بخش دے۔ ہمارے تمام مسائل حل کردے، ہمیں بدنامی، ذلت اور جگ ہنسائی سے بچا۔ اے سلامتی دینے والے ہمیں ہر قسم کی پریشانی اور تمام قسم کے شرور سے بچا...... ارضی سماوی آفات سے بچا، ناری قوتوں سے بچا۔ لاعلاج بیماریوں اور جان لیوا پریشانیوں سے بچا۔ یا اللہ ہمیں خیر عطا فرما اور ہمیں ہمیشہ عافیت والی زندگی عطا فرما تا کہ ہم تیرے دین کو ساری دنیا میں پہنچا سکیں اور تو ہم سب سے ہمیشہ راضی رہے، آمین ثم آمین۔

یا مجیبُ، یا مجیبُ، یا مجیبُ...... (آخر میں ایک بار درودِ ابراہیمیؑ پڑھ لیں)

دعاگو

آپ کی اپنی باجی

انجم انصار

## پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ c.63 فیز III ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500

فون نمبر 021-35804200 , 021-35386783,021-35802552 EXT 107,118

# میرا شہزادہ میری دنیا

رضوانہ پرنس

بہت پیارے قارئین! آپ نے میرے بہت سے افسانے اور ناول پڑھے ہوں گے۔ ایک فسانہ ایک حقیقت بھی آپ لوگوں کا پسندیدہ سلسلہ رہا ہے لیکن میرے آج کے افسانے کی حقیقت اتنے آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی ہے جس کا دکھ شمار ہی نہیں۔ دوستو اپنی تحریروں کے طفیل میں ہمیشہ آپ لوگوں کے دلوں کے قریب رہی ہوں بس اسی لیے اپنا وہ شدید غم آپ سب سے شیئر کرنے چلی آئی ہوں جس کا مداوا کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔

آج ایک بہن اپنے لاڈلے شہزادے جیسے بھائی کی دائمی جدائی کی کہانی آپ کو سنانے آئی ہے۔ انجم انصار جی نے بہنوں کی محفل میں یہ خبر لگائی تھی جسے آپ سب نے پڑھا ہوگا۔ کچھ لمحوں کے لیے افسوس بھی کیا ہوگا لیکن پھر اپنی، اپنی مصروفیات میں گم ہوگئے ہوں گے۔ میں بھی جب بھی کسی کے بارے میں کوئی المناک خبر سنتی یا پڑھتی تھی تو دل بہت ملول ہوجاتا تھا لیکن پھر زندگی کی مصروفیات اپنی طرف کھینچ لیتی تھی، یہ حقیقت ہے کہ جس پر قیامت ٹوٹتی ہے بس وہی اپنے غم کی شدت اور درد کو محسوس کرسکتا ہے۔ ''صبر کرو...... اللہ کی یہی مرضی تھی'' جیسے جملے لوگوں کی زبان سے سنتا ہے اور بس بے بسی سے انہیں دیکھ کر رہ جاتا ہے۔ ظاہری سی بات ہے دلاسا دینے والے لوگ، بیچارے بھلا اس کے علاوہ اور کہہ بھی کیا سکتے ہیں کہ یہی وہ مقام ہے جہاں پر آکر انسان بالکل بے بس ہوجاتا ہے۔

میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ کبھی مجھے یہ جملے اپنے چاند جیسے بھائی سلیم کے لیے سننے پڑیں گے۔ بلکہ کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ سلیم کے لیے میں ایسی خبر سنوں گی۔ اب بھی یقین نہیں آتا کہ سلیم ہمیں چھوڑ کر چلا گیا ہے ہمیشہ کے لیے۔ سوچتی ہوں تو دل بیٹھنے لگتا ہے بھلا ایسے کیسے ممکن ہے، میرا سلیم بھلا کیسے مرسکتا ہے۔ میرا چھوٹا بھائی، میرا بیسٹ فرینڈ، میرا غم گسار، میری ہر کامیابی، میری ہر خوشی اور غم کو شیئر کرنے والا جس کے دم سے خاندان میں رونق اور خوشیاں تھیں وہ ایک دم سے سب کچھ چھوڑ کر کیسے جاسکتا ہے۔ وہ دکھی صبح میری زندگی میں کیوں آئی جب میں نے یہ خبر سنی...... انسان کتنا بے خبر ہوتا ہے۔ آنے والے لمحات اپنے دامن میں اس کے لیے کیا چھپا کر لا رہے ہیں، وہ سوچتا ہی نہیں۔ ایسا ہی کچھ میرے ساتھ بھی ہوا۔

اگست کے پہلے ہفتے میں میرا لندن جانے کا پروگرام تھا۔ تقریباً ہر روز ہی لندن کسی نہ کسی سے بات ہوتی رہتی۔ خوب پروگرام بنائے جاتے، ویسے بھی جب میں لندن جاتی تھی تو بقول سلیم اب گھر میں کوئی چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ ہر شام کوئی نہ کوئی پروگرام مجھے ضرور بنانا ہوتا تھا اور اس میں سب ہی کا شامل ہونا بھی لازمی تھا۔ رات کو کسی ایک کے گھر میں محفل جمنا بھی ضروری ہوتا جس میں ہم چاروں بہن، بھائی جیسے اپنے بچپن میں واپس لوٹ جاتے، کبھی انتاکشری کھیلا جارہا ہے یا پھر لوڈو کے بیچ میں لڑائی ہو رہی ہے۔ سلیم کے گھر جب ہم لوگ جمع ہوتے تو سب سے زیادہ مزہ آتا کیونکہ اس کے پاس بہت سی پرانی فیملی ویڈیوز تھیں۔ جسے دیکھ کر ہم سب خوب ہنستے، ایک دوسرے کا ریکارڈ لگایا جاتا۔ بچپن کے قصے دُہرائے جاتے۔ زندگی کتنی خوب صورت اور مکمل لگتی تھی۔ بھابیاں بھی ہماری ان معصوم سی خوشیوں میں ہمارے ساتھ شریک رہتیں اور اب یہ ہی دن دوبارہ میری زندگی میں آنے والے تھے۔ بیا اور امی کے چلے جانے کے بعد میں ہمیشہ اپنے اللہ سے دعا مانگتی تھی کہ میرے مالک میرا میکا میرے تینوں بھائیوں کے دم سے ہے، انہیں ہمیشہ سلامت رکھنا۔ کتنے فخر سے سب کو بتاتی تھی کہ میں تین بھائیوں کی اکلوتی اور لاڈلی بہن ہوں...... پر میں نہیں جانتی تھی کہ میرے اس جملے کو نظر لگ جائے گی۔ اگر مجھے پتا ہوتا تو میں اپنا یہ معصوم سا فخر اپنے میں دل میں چھپائے رکھتی۔ ہاں تو میں بتا رہی تھی کہ اگست میں میرے جانے کا پروگرام پکا تھا۔ آنے والے دنوں کا سوچ کر ہی دل میں پھول سے کھلنے لگتے۔ دو دن قبل سلیم کا فون آیا۔ ''کب آرہی ہو، سیٹ کنفرم ہوئی کہ نہیں؟'' ہاں بس کچھ ہی دنوں میں بکنگ کروالیں گے۔ اصل میں ڈیسائیڈ نہیں کر پا رہے کہ کون سی ائیر لائن

سے آئیں۔ ہمارے جواب پر وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔ ''یار اب بس جلدی سے آجاؤ۔ پورا ایک مہینہ ہوگیا ہے تمہیں پروگرام بناتے ہوئے۔'' اور وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ اس طرف اتفاق سے قریبی رشتے داروں میں دو تین شادیاں بھی نکل آئی تھیں جس میں ہماری شرکت ہر صورت ضروری تھی۔ بس اسی وجہ سے پروگرام ٹلتا گیا تھا۔ پھر ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس کی دلچسپ باتیں مجھے بے ساختہ ہنساتی رہیں۔ اس کا جب بھی فون آتا تھا ہم لوگ خوب دیر تک گپ شپ کرتے، وقت کا پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ لیزلی...... (بھابی) ہنسا کرتی کہ تم دونوں کی تو باتیں ختم ہی نہیں ہوتیں۔ لیزلی...... کہنے کو تو انگریز ہے لیکن اس نے اپنے آپ کو مکمل طور پر ہمارے ماحول میں ڈھال لیا تھا۔ پاکستانی کھانے اتنے مزے کے بناتی کہ بندہ حیران رہ جائے اردو ٹھیک، ٹھاک بول لیتی ہے لیکن مونث اور مذکر میں ہمیشہ گڑبڑ کردیتی مثلاً سلیم کو کھانا دیتا ہے وہ بھوکی ہے، سلیم بڑی بے بسی سے کہتا اس نے تو مجھے وہ بنا کر رکھ دیا ہے سب کے سامنے اور میں تو خاص طور پر اسے اس غلطی پر نہیں ٹوکتی تھی بلکہ بہت انجوائے کرتی تھی۔ اور اس دن جب میں سلیم سے خوب ڈھیر ساری باتیں کررہی تھی تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بس یہ ہماری آپس میں بالکل آخری بات چیت ہے۔ اب میں کبھی اپنے بھائی کی آواز نہیں سنوں گی۔ اس طرح اس کے ساتھ بے ساختہ نہیں ہنسوں گی۔ میرا یہ زندگی سے بھرپور جوان بھائی بس صرف ایک دن کا مہمان اور ہے۔ ارے مجھے ذرا سا بھی شک ہوجاتا تو میں اسی وقت لندن جاتی اور اپنے بھائی سے لپٹ جاتی شاید ملک الموت کو میرے آنسوؤں پر رحم آجاتا لیکن میرے تو کیا سلیم کے بھی وہم و گمان میں نہ ہوگا کہ وہ اس دنیا میں بس ایک دن ہی اور ہے۔ سلیم کو امجد صابری کے قتل کا بھی بے حد صدمہ تھا۔ اس کا جب بھی فون آتا وہ ان کا ذکر ضرور کرتا تھا۔ اس دن بھی اس نے کہا تھا کہ کتنا ظلم ہوا امجد صابری کے ساتھ اسے زندہ رہنا چاہیے تھا۔ اسے کچھ زیادہ ہی شاک لگا تھا۔ کیونکہ امجد صابری اس کے بہت فیورٹ قوال تھے۔ ہم دونوں امجد صابری کے بارے میں باتیں کرتے رہے اس بات سے انجان کہ کتنی بڑی قیامت ہماری منتظر ہے۔ اپنے فیورٹ قوال کی موت پر افسردہ ہونے والا خود ہمیشہ کے لیے سب کو چھوڑ کر جانے والا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ جب ہم لوگ چھوٹے، چھوٹے سے تھے تو امی، بیا کے ساتھ ایک بہت بڑی نمائش دیکھنے گئے۔ وہاں رش بہت زیادہ تھا اسی ہجوم میں سلیم کہیں کھو گیا۔ اس وقت وہ تقریباً چھ سال کا تھا۔ بیا دیوانوں کی طرح اسے ڈھونڈ رہے تھے۔ امی کا چہرہ زرد ہورہا تھا۔ مائک پر اعلان بھی کروادیا تھا لیکن سلیم کا کہیں پتا نہیں تھا۔ اسد پیدا نہیں ہوا تھا اور میں اور شاہین امی کے پاس کھڑے سلیم کے مل جانے کی دعا مانگ رہے تھے۔ بیا مایوسی سے امی کے پاس آئے اور ان سے کہا۔ سلیم کہیں نہیں مل رہا۔ بس یہ سننا تھا کہ میں نے چلاّ، چلاّ کر رونا شروع کردیا اور وہ بھی بین کے ساتھ...... ''ارے میرا بھائی، ارے میرا بھائی......'' ایک آٹھ سالہ بچی کو ایسے روتے دیکھ کر کافی خواتین وحضرات ہمارے گرد جمع ہوگئے۔ ایک عجیب سا سماں پیدا ہوگیا تھا۔ پھر نہ جانے کیا سوچ کر بیا کار پارک کی طرف بھاگے تو یہ دیکھ کر خوشی سے ششدر رہ گئے کہ سلیم کار کے اندر بیٹھا ہوا تھا۔ اتفاق سے کار لاک نہیں تھی کہ وہ زمانہ تھا بھی بہت سادہ اور پُرامن...... حیرانی اس بات پر سب کو تھی کہ اتنے سے بچے نے باہر آکر بے شمار کاروں میں سے اپنی کار ڈھونڈی کیسے...... بہر حال یہ قصہ بیا ہمیشہ سب کو سناتے اور میرے رونے والی بات کو خوب ہائی لائٹ کرتے۔ بیا اب آکر دیکھیے آج بالکل اسی طرح میں تڑپ، تڑپ کر اپنے لاڈلے بھائی کو پکار رہی ہوں۔ لیکن وہ مجھے نظر نہیں آرہا۔ اچھا ہوا امی، بیا کہ آپ لوگ یہ سانحہ دیکھنے سے پہلے چلے گئے۔ کتنی یادیں ہیں جو مجھے ہمہ وقت رلاتی رہتی ہیں۔ ابھی دو سال پہلے جب میں لندن گئی تھی تو ہم لوگ بیٹھے ٹی وی پر کوئی پروگرام دیکھ رہے تھے۔ تبھی سلیم نے مجھ سے پانی مانگا میں جو پروگرام دیکھنے میں محو تھی۔ فوراً ہی منع کردیا۔ ''بھئی سلیم تم خود پی لو۔'' تبھی فون کی گھنٹی بجی، فون کاریڈور میں رکھا ہوا تھا جس کے بالکل سامنے ہی کچن تھا۔ بیل کی آواز پر میں بے اختیار اٹھی اور جا کر فون اٹھایا۔ تو دوسری طرف سے سلیم کی آواز آئی۔

''اب تم کچن کے سامنے آہی گئی ہو تو پانی بھی لیتی آؤ۔'' وہ اپنے موبائل سے ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ مجھے غصے کے ساتھ، ساتھ ہنسی بھی آئی تھی۔ اور پھر پانی پیتے ہوئے اس نے ریکارڈ بھی خوب لگایا تھا۔ اب میں کہاں سے وہ دن واپس لے کر آؤں۔ سلیم کا جانا سہا نہیں جارہا۔ ہر بات پر اس کے پاس سے ایک لطیفہ حاضر ہوجاتا۔ نقلیں اتارنے میں اسے کمال حاصل تھا۔ ہم سب ہنس، ہنس کر دُہرے ہوجاتے۔ جادو کے کمالات بھی ایسے ایسے آتے تھے کہ ہم

سب حیرانی سے اسے دیکھا کرتے تھے۔ میرے خاندان کی رونق تھا وہ۔ اسے تھا لکھتے ہوئے دل ڈوب رہا ہے، سلیم تم کیسے جا سکتے ہو، ایک ہنستا بولتا شخص صرف ایک سیکنڈ میں کیسے ہمیشہ کے لیے سو سکتا ہے۔ آخری بار ہم نے کتنی باتیں کی تھیں۔ میں نے تم سے کہا۔ سلیم ہم نے لندن کے لیے شاپنگ شروع کر دی ہے۔ کل تم تینوں کے لیے شرٹس خرید کر لائے ہیں۔ تمہارے لیے برائٹ کلر کی شرٹ لی ہے۔ گورے جو اتنے ہو اور تم یہ سن کر خوش ہو کر بولے تھے۔

''ارے واہ پھر تو ہم تمہاری لائی ہوئی شرٹ پہن کر تمہارے ساتھ گھومنے چلیں گے۔'' بالکل بابا کی طرح سے ہمارا دل بڑھایا تھا تم نے۔ سلیم کے ساتھ اس آخری گفتگو کی ایک، ایک بات میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔

18 جولائی پیر کا دن جاتے ہوئے یہ ساری خوشیاں بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ خوشیاں اچانک کیسے غموں میں ڈھل جاتی ہیں، ہنسی کیسے آنسوؤں میں ایک دم بدل جاتی ہے؟ اس تلخ تجربے سے اللہ کسی دشمن کو بھی نہ گزارے۔

فون سن کر میرے ہوش و حواس بالکل معطل ہو چکے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میری دیورانی مسرت کس طرح مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئی۔ سارا خاندان میرے پاس اکٹھا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ سب ہی سلیم کی اس اچانک موت پر ششدر تھے، ہر شخص رو رہا تھا۔ مجھے گلے لگا کر تسلی دے رہا تھا اور میرا دل یہ سوچ کر بیٹھا جا رہا تھا کہ یہ سب لوگ سلیم کے لیے جمع ہوئے ہیں جو کل تک بالکل ٹھیک ٹھاک ہنستا بولتا سب کے درمیان تھا۔ لندن میں massive heart attack نے سلیم کو پل بھر میں ہمیشہ کے لیے سب سے جدا کر دیا تھا۔ وہاں پر ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ سلیم کتنی خاموشی سے ہم تینوں کے درمیان سے نکل کر کبھی واپس نہ آنے کے لیے جا چکا تھا۔

وہ میری زندگی کا سب سے بدترین سفر تھا جسے میں کبھی بھول ہی نہیں سکتی۔ لندن پہنچنے کے تصور سے ہی دل جس طرح سے سہا جا رہا تھا دوستو میں الفاظ میں آپ کو بتا ہی نہیں سکتی۔ ''پھولوں کا تاروں کا سب کا کہنا ہے۔ ایک ہزاروں میں میری بہنا ہے'' وہ ہمیشہ مجھ سے ملتے ہوئے بہت مزے سے گاتا اور میں ہنسا کرتی۔ میری سالگرہ پر بھی اس گانے پر کتنی خوب صورت ویڈیو بنائی تھی اس نے...... اب میں کبھی اس گانے کو نہیں سنوں گی۔ اس بار بھی میری سالگرہ پر اس نے میری ٹائم لائن پر بہن، بھائی کے پیار پر ایک بہت پیاری سی ویڈیو لگائی تھی۔ میرا دل پھٹا جا رہا تھا۔ میں نے شاہین اور اسد کو منع کر دیا تھا کہ کوئی مجھے ائرپورٹ لینے نہ آئے۔ بس میرا بیٹا علی مجھے ریسیو کرنے آیا تھا۔ یہ میری زندگی میں پہلی بار ہوا تھا ورنہ میں جب بھی آتی تھی ساری فیملی باہر میری منتظر کھڑی ہوتی تھی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ پہلے کس کے گلے لگوں اور آج لندن کا یہ جگمگاتا ائرپورٹ مجھے سائیں، سائیں کرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ میں کانپتے ہوئے قدموں سے باہر آئی تو سامنے کھڑے علی نے مجھے بے اختیار لپٹا لیا۔ ضبط کا وہ لمحہ کتنا اذیت ناک تھا یہ کوئی میرے دل سے پوچھے.....

ائرپورٹ سے سلیم کے گھر تک کا راستہ مجھے پل صراط کے مانند لگ رہا تھا اور جب کار سلیم کے گھر کے سامنے رکی تو پھر خود پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ شاہین اور اسد باہر آ گئے تھے، مجھے نہیں ہوش کہ میں ان سے کیسے ملی۔ لیزلی کا اجڑا ہوا اداس روپ کیسے دیکھا۔ سلیم کا گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن میرا سلیم اپنے ہی گھر میں مجھے کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ میرا دل جیسے بند ہوا جا رہا تھا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔ سلیم کے برٹش ایرویز کے لوگ اس کے لیے اس طرح رو رہے تھے جیسے آفس کا ساتھی نہیں ان کا کوئی بہت اپنا چلا گیا ہو۔ میرا بھائی بے حد محبت کرنے والا بہت پُرخلوص، سادہ دل معصوم انسان تھا۔ بچوں کا فیورٹ چاچا اور ماما، رشتے داروں، دوستوں اور اپنے کولیگز کا ہر دل عزیز سلیم سب سے بے نیاز آنکھیں بند کر کے ہمیشہ کی نیند سو گیا تھا۔ ہماری ذرا سی پریشانی اور تکلیف پر تڑپ اٹھنے والا میرا شہزادہ اب اپنے بیوی، بچوں، اپنے بہن، بھائیوں کی تڑپ ان کی آہ و زاریوں سے بے نیاز کتنے سکون سے سو رہا تھا۔ موت کو شاید اس پر بہت پیار آ گیا تھا تبھی تو وہ بہت چپکے سے بالکل اچانک بنا اسے ذرا سی بھی تکلیف دیے، بہت ہی آرام سے اپنی آغوش میں سمیٹ کر لے گئی۔ سلیم میرے لاڈلے چہیتے بھائی آ کر دیکھو تمہارے بنا تمہارا گھر کتنا سونا، سونا سا لگتا ہے۔ جب میں لندن سے واپس کراچی آ رہی تھی تو سب نے مجھے گلے سے لگا کر خدا حافظ کہا تھا بس ان میں تم نہیں تھے۔

میرے شہزادے، میرے بھائی، مجھے یوں لگا جیسے دنیا کا ایک حسین حصہ میری زندگی سے منہا ہو گیا ہے...... پیارے سلیم اللہ تمہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے...... اور یا الٰہی میرے میکے کو سلامت رکھنا اور میرے سائبان کو قائم رکھنا...... اور مجھے صبر عطا فرمانا...... اور میرے شہزادے کو جوار رحمت میں جگہ دینا، آمین!

☆☆☆



# پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفاق سعید

## حمدِ باری تعالیٰ

جو ملے حیاتِ خضر مجھے اور اسے میں صرفِ ثنا کروں
تیرا شکر پھر بھی ادا نہ ہو تیرا شکر کیسے ادا کروں
تیرے لطف کی کوئی حد نہیں گنوں کس طرح کہ عدد نہیں
نہیں کوئی تیرے سوا مرا کسے یاد تیرے سوا کروں
تیرے در پہ خم ہے یہ سر میرا تیری رحمتوں پہ گزر مرا
میں کہا کروں تو سنا کرے تو دیا کرے میں لیا کروں
مجھے خوشبوؤں کی کلاہ دے مجھے روشنی کی نگاہ دے
کبھی پھول بن کے مہک اٹھوں کبھی شمع بن کے جلا کروں
میں ایک عاجز و بے نوا تیرے آگے میری بساط کیا
کوئی بھول ہو تو معاف کر مجھے بخش دے جو خطا کروں
مرے ایک دامنِ عمر میں ہیں نہ جانے کتنی ندامتیں
مرا خاتمہ بھی بخیر ہو یہی رات دن میں دعا کروں

شاعر: مظفر وارثی

مرسلہ: نور افشاں، شکار پور

## نعتِ رسول مقبول ﷺ

ایسا کیا کام کروں مجھ سے خدا ہو راضی
اس کے محبوب کو چاہوں تو کوئی بات بنے
وہ میرے دل میں ہیں آباد کوئی کیا جانے
ان کو پلکوں میں چھپالوں تو کوئی بات بنے
نور لکھوں گی پڑھوں اور بسالوں دل میں
نور سے روح کو روشن کروں پھر بات بنے
نور ہی نور نظر آتا ہے ہر سو یارب
نور کو دل میں بسالوں تو کوئی بات بنے
تیرے قرآن کا ہر حرف ہے نوری یارب
صبح شام اس کو پڑھوں پھر تو کوئی بات بنے
عشق خالص ہے مرا تو نے ہی بخشا ہے مجھے
عشق میں نور چھپالوں تو کوئی بات بنے

خوف آتا ہے تیرے سامنے جانے سے مجھے
پردہ عیبوں پہ جو پڑ جائے تو کچھ بات بنے
کر خطا معاف مری میں ہوں خطاوار بہت
مغفرت ہو تیری رحمت سے تو کچھ بات بنے

کلام: ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی

## جنتی عورت

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو عورت پانچ وقت کی نماز پڑھتی ہو، ماہ رمضان کے روزے رکھتی ہو، اپنی ستر کی حفاظت کرتی ہو اور اپنے شوہر کی اطاعت کرتی ہو، اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہو، جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (مسند احمد بن حنبل)

مرسلہ: ارم کمال، فیصل آباد

## حدیث مبارکہ

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا۔ "کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ وہ شخص کون ہے جس پر آگ حرام ہوگی، دوزخ کی آگ حرام ہے ہر ایسے شخص پر جو لوگوں سے قریب ہونے والا نہایت نرم مزاج اور نرم طبیعت ہو۔" (ترمذی)

از: صدف نورین، لاہور کینٹ

## امیر کا کام

حضرت عمر فاروقؓ کسی کام سے جا رہے تھے۔ ایک سیاح کو پتا چلا کہ یہ مسلمانوں کے امیر ہیں تو وہ یہ دیکھ کر حیران ہوا۔ بھاگا، بھاگا آپ کے پاس پہنچا اور پوچھا۔
"آپ مسلمانوں کے امیر ہیں؟"
"میں ان کا امیر نہیں بلکہ ان کا محافظ ہوں۔" آپؓ نے جواب دیا۔

''آپ حفاظتی دستہ کیوں نہیں اپنے ساتھ رکھتے؟'' سیاح نے پوچھا۔

آپؒ نے فرمایا۔

''عوام کا کام نہیں کہ وہ میری حفاظت کریں، یہ تو میرا کام ہے کہ میں ان کی حفاظت کروں۔''

مرسلہ: لاریب، ماہ زیب، چونیاں

## دعا

یقین اور دعا نظر نہیں آتے مگر ناممکن کو ممکن بنا دیتے ہیں ان پر اعتماد در حقیقت اللہ پر اعتماد ہے اور کائنات کی ہر چیز اسی اعتماد کے حصار میں ہے۔ اس لیے ہمیشہ دعا مانگیں اپنے پروردگار سے پورے یقین کے ساتھ کیونکہ وہ آپ کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

مرسلہ: ناظمہ شاہین، واہ کینٹ

## دسمبر میں

نومبر میں کچھ حال تھا اچھا
پھر زخم لگا دسمبر میں
کچھ نہیں ہے کہنے کو
دل بھر گیا دسمبر میں
شب بھر جاگتے رہنے کی
یہ ہے سزا دسمبر میں
اس کو جب گنوا بیٹھا تھا
پھر کچھ نہیں پایا دسمبر میں
ہنس کر کیسے بات کروں میں
غم ہے سدا دسمبر میں
وہ پتا ملا پھر کہاں مجھ کو
جو شاخ سے گرا دسمبر میں
میں ہوں وہ آشنا ساغر
جو تم سے بچھڑا دسمبر میں

شاعر: ساغر صدیقی

مرسلہ: ثوبیہ جواد، ڈی آئی خان

## کفایت کی بات ہے

ایک مفلوک الحال پروڈیوسر ٹی وی کے لیے اپنا لانگ پلے مکمل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بجٹ کی تمام ترکیبیں آزمائی جا رہی تھیں۔ ایک روز کسی شخص سے ہیرو کی لڑائی کا منظر پکچرائز کرنا تھا۔ اس نے سوچا کسی دوسرے شخص کو کاسٹ کرنے کیا ضرورت ہے۔ اس نے ہیرو سے کہا۔

''وہ سامنے بس اسٹاپ پر جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ کھڑا ہے، کسی طرح جا کر اس سے جھگڑا کرنا شروع کردو۔ ہمارا کام ہو جائے گا...... بعد میں اس شخص سے معذرت کرلیں گے۔''

مرسلہ: از: فرخندہ جعفری، گجرات

## تم جب آنا

نئے سال تم جب بھی آنا
سب کے لیے بس خوشیاں لانا
ہر چہرے پر ہنسی سجانا
ہر آنگن میں پھول کھلانا
جو بچھڑے ہیں انہیں ملانا
جو روتے ہیں انہیں ہنسانا
جو سوئے ہیں انہیں جگانا
جو روٹھے ہیں انہیں منانا

شاعرہ: نیلماں سرور

مرسلہ: صائمہ سید، کراچی

## وعدہ

میں تمہیں بھول جاؤں گی
مگر اک شرط پر
وعدہ کرو
یاد کبھی نہ آؤ گے

☆☆☆

وہ موسم سے دور کب ہوا ہے
رات بھر
میری پلکوں پر
تارہ بن کر چمکا ہے

شاعرہ: سیما سراج

مرسلہ: عالیہ تصور رفیق، پنجاب

## وجہ

پڑوسن: ”بیٹا اپنی امی کا شکریہ ادا کر دینا کہ آئے دن ہمیں دودھ کا شربت بھیجتی رہتی ہیں۔“
پپو: ”آنٹی آپ شکریہ تو ہماری بلی کا ادا کریں جو آئے دن دودھ کی پتیلی میں اپنا منہ ڈال دیتی ہے۔“
از: منور شہزادی، گوجرانوالہ

## اوراق

بوسیدہ حالت میں رکھے
ڈائری کے اوراق پرانے
ادھورے اور مٹے، مٹے سے
ان دیکھے انجانے سے
کل شب میرے ہاتھ میں آئے
بیتی باتیں گزرے لمحے
درد میں ڈوبے سچے قصے
بچپن کے کچھ خواب ادھورے
جاگی آنکھوں کے کچھ سپنے
کچھ لوگوں کے اصلی چہرے
اپنوں کے کچھ سرد رویے
مستقبل کی گود میں بیٹھے
ڈرے، ڈرے سے کچھ اندیشے
ڈائری کے آخر میں لکھے
میرے بارے میں چند جملے
میرے جان سے پیارے بیٹے
پورے ہوں سب سپنے تیرے
جو غم سب ہیں میں نے جھیلے
تو نہ کبھی بھی ان کو جھیلے

شاعرہ: عالیہ ضیا، کراچی

## اداس دسمبر

دسمبر پھر اداس ہے اجنبی سی راہوں میں
دور تک نگاہوں میں بے رخی کا موسم ہے
آج پھر نگاہوں کو بیتے پل کی پیاس ہے
پھر رہی ہوں در بدر معجزے کی آس ہے
خاموشی کا پہرہ ہے زخم دل کا گہرا ہے
ایسا لگتا ہے جیسے دسمبر پھر اداس ہے
مرسلہ: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

## سلسلے خیالوں کے

ہواؤ! اس کی گلی سے گزرو تو میرا اس سے سلام کہنا
مجھے خبر ہے کہ میرے گھر سے گزرنے والی ہوا کا رستہ
تمہارے گھر تک نہیں گیا ہے
سلام میرا تمہارے کانوں سے نارسا ہے
میں جانتا ہوں یہ بچپنا ہے
مگر حقیقت کو جان کر بھی نہ جاننے میں عجب مزہ ہے
ہوا سے میں نے یہ پھر کہا ہے
گزر رہے ہیں تمہاری یادوں کے دم سے صبح شام کہنا
تمہارے گھر کا کسے پتا ہے
ہوا کے رخ کی کسے خبر ہے

شاعرہ: صائمہ اکرم
مرسلہ: امینہ عندلیب، سلانوالی

## اقوال زریں

☆ علم، خواب اور عمل اس کی تعبیر ہے۔
☆ محبت ایک پھول ہے، وفا اس کی خوشبو ہے۔
☆ زندگی ایک سپنا ہے، جو نہ جانے کب ٹوٹ جائے۔
☆ مرادِ من خلوص سے ملتی ہے۔
☆ پختہ عزم فلاح حیات ہے۔
☆ خواب دیکھنے والی آنکھ ویران ہو جاتی ہے۔
☆ مسکراہٹ انسان کا زیور ہے۔
☆ عشقِ مجازی عشقِ حقیقی تک پہنچنے کے لیے ایک زینہ ہے۔
مرسلہ: شازیہ ہاشم میوانی کھڈیاں خاص

## اعتماد

اعتماد ایک خوب صورت پودا ہے جو ہمیشہ دوسروں کے ذہنوں میں کاشت کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ پودا اپنے ابتدائی مرحلے میں ہی خود غرضی کی گرم ہوا میں جھلس جاتا ہے اگر اسے مسکراہٹوں کی محبت بھری ٹھنڈی ہوائیں ملتی رہیں تو یہ دیو قامت درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔
از: زرین زبیر کوٹھاری، کراچی



# جلترنگ

انجم انصار

## ڈائری کا ایک ورق

کس قدر واہیات دن گزرا آج کا...... سارا دن انتہائی بوریت ہوئی۔ حالانکہ آج ایک سالگرہ کی تقریب میں بھی شرکت کی مگر مسز رحمان کی آفت سازی نے دل پر چرکا سا لگا دیا۔ صبیحہ کے نئے ہیئر اسٹائل نے دل میں چٹکی سی لے لی۔ کم بخت کے بال بھی تو کتنے غضب کے ہیں حالانکہ اتنی بیمار پڑتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ اس کے بال جھڑ جائیں...... اور ایک چھٹکی سی چوٹی رہ جائے۔ مسز جواد کو دیکھو روز بروز خوب صورت ہوتی چلی جارہی ہیں۔ ماشاء اللہ جوان لڑکی ہے مگر مجال ہے کہ وہ اس کی ماں لگیں۔ ان کو دیکھ کر یوں لگ رہا تھا کہ وہ اس کی بڑی بہن ہوں۔ ان سے ملنے کو میرا دل قطعاً نہیں چاہا۔ ساری تقریب میں، میں جمیلہ بھابی کو ڈھونڈتی رہی۔ انتہائی موٹی سی جمیلہ بھابی اپنے لباس کے سلسلے میں انتہائی بے پروا ہیں، میک اپ تو دور کی بات، وہ تو کہیں جاتے وقت منہ دھونے کا تکلف بھی نہیں کرتیں مگر اس کے باوجود ہر تقریب میں ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان کے پاس بیٹھ کر ہر خاتون اپنے آپ کو خوب صورت اور معتبر سمجھنے لگتی ہے۔ وہ بڑی مشکلوں سے نظر آئیں، تقریباً آدھی درجن خواتین ان کے گھٹنے سے لگی ہوا کے دوش پر اُڑ رہی تھیں۔ تب میں بھی ان کی کمر سے لگ کر بیٹھ گئی۔ اس رنگ و بو کی محفل میں اسی لمحے مجھے احساس ہوا کہ اللہ! آج تو میں بہت پیاری لگ رہی ہوں۔ پس منظر میں جمیلہ بھابی کا ملگجا بلاؤز میری ساڑی کی افادیت بڑھا رہا تھا۔ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ جمیلہ بھابی کو نہ ہماری خوب صورت کا کوئی خوف تھا اور نہ ہی ہمارے لش، پش کرتے ملبوسات سے وہ متاثر تھیں۔ ان کی نظریں بعض مرتبہ تو مجھے ایسی لگتیں جیسے کوئی سرکس کے جوکروں کو دیکھ کر خوش ہو رہا ہو...... تو آج کا دن میرا کیسے اچھا گزرتا...... یہ آگہی تو جی کا زیاں کر دیا کرتی ہے۔

## ایسا ہی ہوتا ہے

اکثر لوگ بعض سچائیاں مان کر نہیں دیا کرتے۔ حالانکہ انہیں مان جانا چاہیے۔ ٹیلی فون کے ساتھ میں اس کے اسٹینڈ میں ہمیشہ پنسل باندھ کر رکھتی ہوں کہ اگر کوئی فون نمبر لکھنا ہو یا کوئی بات ہو تو بھاگنا دوڑنا نہ پڑے۔ مگر شاید یہ بھاگ دوڑ میری قسمت میں لکھ دی گئی ہے۔ ضرورت کے وقت مجال ہے کہ فون کی پنسل نظر آجائے۔

کسی کو کمر بند ڈالنا ہو تو وہی پنسل نظر آئے گی۔ بچوں کی پنسلیں گم ہو جائیں تو تلاش کرنے کے بجائے اسی پر دھاوا ماریں گے...... اور مجال ہے کہ ضرورت پوری ہونے کے بعد اسے واپس اپنی جگہ پر رکھ دیں۔

جس کے گھر میں چاروں بچے اسکول جانے والے ہوں، ہنگامی حالت میں کسی سے قلم یا پنسل مانگوں تو سب ایک دوسرے پر رکھ کر اپنی جان چھڑائیں گے۔

''امی، میرا جیومیٹری بکس نہیں مل رہا ہے، میری پنسل کی نوک ٹوٹ گئی، میری ڈبیا فلاں نے چھپا دی یا ابھی ڈھونڈ رہا ہوں۔''

تب میں ہنگامی حالت میں آئی برو پنسل یا لپ اسٹک کی نوک سے ٹیلی فون نمبر لکھتی ہوں...... کیا آپ بھی ایسا کرتی ہیں۔ یا یہ سب پریشانیاں چھوٹے بچے والیوں کی ہی ہوا کرتی ہیں۔ جن کا سلیقے سے دور، دور تک کا بھی کوئی واسطہ نہ ہو...... اور جو اکثر صفائی بھی

اس وجہ سے نہ کیا کرتی ہوں کہ کیا فائدہ...... ابھی دس منٹ میں بچے سب برابر کردیں گے۔ ایسا ہی ہوتا ہے ناں...... بچی......

## خوب صورت مقولہ

شگفتہ کی اپنی تیز طرار نند سے لڑائی ہوگئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس کی شکایت کس سے کرے تاکہ وہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرسکے۔

اپنے میکے فون کرکے اماں سے مشورہ لیا تو انہوں نے غصے میں کہا۔ ''اس عورت کے اسی وقت جھونٹے پکڑ کر دو چار ہاتھ لگاتیں تاکہ آئندہ اس کی ہمت نہ ہوتی تجھ سے بات کرنے کی۔''

''اماں جی وہ میری نند ہیں، میرے میاں بھی انہیں باجی کہتے ہیں۔ میں ان کے کیسے ہاتھ مارسکتی ہوں۔'' شگفتہ نے گھبرا کر کہا۔

''چل! اگر تیرا ہاتھ نہیں اٹھ رہا تو بچے کی کوئی ہاکی اس کی کمر پر مارتی یا منہ پر ریکٹ ایسا مارتی کہ جبڑا ٹوٹ جاتا۔''

''اماں، بچے میرے ہیں نہیں، میاں تاش کھیلنے کے سوا کوئی گیم نہیں جانتے۔ یہ بیٹ، یہ ریکٹ میرے گھر میں کہاں ہیں جن کو میں اپنے اوزار بھی بنا کر رکھوں۔''

''اری پگلو! تو پھر چیخ، چیخ کر دھواں دھار گالیاں ہی سنا دیتی تاکہ پاس پڑوس کے لوگوں کو کچھ تو پتا چلتا کہ تیرے ساتھ کیا کچھ نہیں ہو رہا۔''

اماں کی باتوں سے بور ہو کر شگفتہ نے سوچا کہ میاں جانی سے شکایت کرنی چاہیے۔ جس لڑاکا بہن کو وہ باجی، باجی کہہ کر پکارتے ہیں وہ اصل میں کتنی بدتمیز ہیں کہ بات کرنے کا کوئی ڈھنگ ہی نہیں آتا۔ تب جتنے مرچ مسالے وہ باتوں میں بھر سکتی تھیں بھرے...... جتنی آگ کی ضرورت تھی وہ بھی لگائی مگر میاں جی تو ایک دم ٹھس نکلے۔ مجال ہے کہ اپنی بہن کی کسی بات کا برا مانا ہو۔

''میری باجی دل کی بہت اچھی ہیں۔''

''زبان سے تو زہر اگلتی ہیں، دل کا مجھے کیا کرنا ہے۔'' شگفتہ نے تنگ کر کہا۔

''مری بہن کے بارے میں آئندہ کوئی بات کرنے کی ہمت نہیں کرنا۔ تمہیں معلوم ہے مجھے اپنی بہن سے کتنی محبت ہے۔''

''سمجھالیں اپنی بہن کو اگر آئندہ کوئی فضول بات کی تو اپنے گھر میں گھسنے نہیں دوں گی۔''

''یہ گھر تم اپنے جہیز میں تو نہیں لائی ہو۔'' وہ غصے سے بولے۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے، آپ کا گھر میرا گھر ہی تو ہے۔''

''نہیں، شوہر کا گھر صرف اس کا گھر ہوتا ہے۔ بیوی حقِ ملکیت کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔'' اللہ میاں جانی کے خیالات کتنے گھٹیا ہیں۔ ابھی تو نند کی زبان کا شکوہ تھا۔ اب میاں کی باتیں بھی سنگ باری کرنے لگیں۔ شگفتہ بھی جو دل میں یہ پروگرام بنائے بیٹھی تھیں کہ نند صاحبہ کی سسرال میں فون کرکے یہ کہیں گی کہ اپنی بدتمیز بہو کو سنبھال کر رکھیں۔ آپ لوگوں نے بہت ڈھیل دے رکھی ہے۔ اس پروگرام پر بھی عمل نہیں کرسکیں۔ میاں جانی کی باتیں تڑاتڑ ان کو لہولہان کررہی تھیں۔ پورے ہفتے وہ منہ پھلائے رہیں اور جب بات چیت شروع ہوئی تو انہوں نے ناراضی دکھاتے ہوئے کہا۔

''آپ بعض دفعہ ایسی، ایسی باتیں کر جاتے ہیں کہ میرا دل دکھ سے بھر جاتا ہے۔''

''اونہہ......! تم تو پاگل ہو، میاں کی باتیں بھی کوئی دل سے لگایا کرتا ہے۔ رات گئی، بات گئی کے مقولے پر یقین رکھا کرو، کبھی پریشانی نہیں ہوگی۔''

تب وہ زبردستی کی ہنسی ہنس دیں۔ کھی کھی کھی کھی۔ اور میاں کو خوش کرنے کے لیے بولیں......

''آج باجی بہت یاد آرہی ہیں چلیں آپ کی باجی کے ہاں چلتے ہیں۔''

☆☆☆




☆یاسمین کنول......پسرور

ہاں چلو جھوٹ سہی وعدے وفا ہو جاتے
یوں بچھڑتے کہ میرے لب کی دعا ہو جاتے
کیا ضرورت تھی زمانے کو خبر کرنے کی
گھر جلانا تھا تو چپکے سے دیا ہو جاتے

☆رفیعہ علی......میانوالی

زمانہ حسن کی تصویر بن گیا لیکن
تلاش جس کی تھی وہ صورت بشر نہ ملی

☆توقیر ہاشمی......منڈی بہاؤالدین

پتھر کے خدا پتھر کے صنم پتھر ہی کے انساں پائے ہیں
تم شہر محبت کہتے ہو ہم جان بچا کر آئے ہیں
ہم سوچ رہے ہیں مدت سے اب عمر گزاریں بھی تو کہاں
صحرا میں خوشی کے پھول نہیں شہروں میں غموں کے سائے ہیں

☆ناظمہ شاہین......واہ کینٹ

وہ مل گیا ہے تو کیا قصۂ فراق کہیں
خوشی کے لمحوں کو یوں بے مزہ نہیں کرتے

☆کرن شہزادی......گوجرانوالہ

جو بات کبھی نہ کہی تھی وہ بات منہ سے نکل گئی
جو لفظ تجھ سے کہنے تھے وہ دل کے گوشے میں رہ گئے
خواب، خواب تھی زندگی، خواب سی ہی ہر خوشی
میرے خواب مٹی کے گھر تھے جو پہلی بارش میں بہہ گئے

☆عروبہ ناز......کوٹلی

کوئی زنجیر نہیں پھر بھی گرفتار ہوں میں
کیا خبر تھی تجھے یہ ہنر بھی آتا ہو گا

☆ساجدہ ظفر......کمالیہ

میں فقیروں سے بھی کرتا ہوں تجارت اکثر
جو ایک پیسے میں لاکھوں کی دعا دیتے ہیں

☆جمنیٰ قندیل......ٹوبہ ٹیک سنگھ

اپنی افسردہ مزاجی کا برا ہو قتیل
واقعہ کوئی بھی ہو آنکھ کو بھر جاتا ہے

☆لائبہ کائنات......نیو کیمپس لاہور

میں سمجھا میری گھٹن مٹانے آیا تھا
وہ جھونکا تو دیا بجھانے آیا تھا

☆نیلو فرخان......بہارہ کہو

سنا ہے اپنے ہی ہیں گھر کو لوٹنے والے
اچھا ہوا میں نے یہ تماشا نہیں دیکھا
یہ شہرِ صداقت بھی عجب شہر ہے یارو
میں نے یہاں اِک شخص بھی سچا نہیں دیکھا

☆جبین نیاز......ملتان

وہ جن کو شکوہ تھا اوروں کے ظلم سہنے کا
خود ان کا اپنا بھی انداز جارحانہ تھا

☆کوثر خالد......جڑانوالہ

نزدیکیوں میں دور کا منظر تلاش کر
جو ہاتھ میں نہیں ہے وہ پتھر تلاش کر
کوشش بھی کر امید بھی رکھ، راستہ بھی چن
پھر اس کے بعد تھوڑا مقدر تلاش کر

☆خوشبو نور محمد......کراچی

ہجر لازم ہے تو پھر وصل کا وعدہ کیسا
یوں خزاں رُت میں بہاروں کا لبادہ کیسا
زخم دے کر تو نہ تم درد کی شدت پوچھو
درد تو درد ہے کم کیسا، زیادہ کیسا؟

☆لاریب......چونیاں

در پہ کوئی دستک نہ کوئی خواب نہ سایہ
یہ دن بھی تو گزری ہوئی راتوں کی طرح ہیں
سنتے ہیں کبھی لوگ سمجھتا نہیں کوئی
جذبے کسی معصوم کی باتوں کی طرح ہیں

☆سعیدہ بانو......کوہ مری
یہ کوئی غم ہے کہ آسائشِ دنیا کم ہے
بے نیازی میں مجھے حد سے سوا کر دیتا
ایک مدت سے یہ ہمراہ رہا کرتی ہیں
رنجشیں کوئی مرے دل سے جدا کر دیتا

☆پروین افضل شاہین......بہاول نگر
کوئی تو خبر لے میرے دشمن جاں کی
کچھ دن سے میرے صحن میں پتھر نہیں آتے
دل بھی کوئی آسیب کی نگری ہے کہ محسن
جو اس سے نکل جاتے ہیں مڑ کر نہیں آتے

☆کائنات عبدالحلیم......میر پور خاص
خوب ہوئی اے عشق تیری پزیرائی
تاحشر مقدر میں لکھ دی گئی رسوائی
اے دوست مجھے تو نے وہ چیز عطا کی ہے
سوغاتِ شبِ ہجراں اور عالمِ تنہائی

☆ماہ زیب......چونیاں
کل رات میں تنہا تھا میرے دھیان میں تم تھے
تحریر میں تم تھے میرے وجدان میں تم تھے
گو اجنبی دستک تھی مگر میں نے دروازہ
یہ سوچ کے کھولا تھا کہ امکان میں تم تھے

☆شبنم کنول......حافظ آباد
روگ عشق کا لگا ہے ایسا
نہ جی سکی نہ مر سکی
وہ تو خوش ہے آج غیروں میں
میں تو اپنوں میں بھی خوش رہ نہ سکی

☆سنبل ملک......شاہدرہ
جن کے دلوں میں زہر زباں میں مٹھاس ہے
ایسا ہی اِک ہجوم مرے آس پاس ہے

☆کرن کمال......کراچی
تمنا بجھ گئی ہو تو دعا مانگی نہیں جاتی
مروتوں کی بے ثباتی سے صبا مانگی نہیں جاتی
یہ اپنی بے بسی ہے یا کہ اب بے حسی کہہ لیں
بلا کا حبس ہے لیکن ہوا مانگی نہیں جاتی

☆ارم کمال......فیصل آباد
بہکا تو بہت بہکا سنبھلا تو ولی ٹھہرا
اس خاک کے پتلے کا ہر رنگ نرالا ہے

☆نسرین سیماب......قطر
ہزار رنج گوارا تیری خوشی کے لیے
ہزار غم تیری خاطر بھلا دیے ہم نے
جلا کے تیری تمنا کا دل میں ایک چراغ
کبھی چراغِ تمنا بجھا دیے ہم نے

☆پروین......بہاول نگر
بات تو کچھ بھی نہ تھی لیکن اس کا ایک دم
ہاتھ کو ہونٹوں پہ رکھ کر روکنا اچھا لگا
اس عدوئے جاں کو امجد میں برا کیسے کہوں
جب بھی آیا سامنے وہ بے وفا اچھا لگا

☆ماریہ مشتاق......منڈی بہاؤالدین
کچھ اپنے دوست بھی ترکش بدوش ملتے ہیں
کچھ اپنا دل بھی کشادہ ہے کیا، کیا جائے

☆امینہ مشیر......دبئی
تم تو اپنے ہو تمہیں دل سے نکالوں کیسے
ہم تو دشمن کو بھی بے گھر نہیں ہونے دیتے

☆فاطمہ حسن......اسلام آباد
دشمنِ جاں ہی سہی دوست سمجھتا ہوں اسے
بد دعا جس کی مجھے بن کے دعا لگتی ہے

☆نگینہ ضیا بنگش......کراچی
کیسے ممکن ہے بھول جاؤں تمہیں
کوئی قصہ نہیں، میری زیست کا حصہ ہو تم

☆ایمان چوہدری......فیصل آباد
منزل کی تمنا ہے تو کر جہدِ مسلسل
میراث میں تو چاند ستارے نہیں ملتے

☆عرشیہ جنید......کراچی
آتے نہیں وہ خوابوں میں خیالوں میں دلوں میں
پھر ہم سے یہ کہتے ہیں کہ ہم پردہ نشیں ہیں

☆☆☆

# منتخب غزلیں

دسمبر عظیم شاعر مرزا اسداللہ خان غالبؔ کا ماہِ پیدائش ہے اور یہی دسمبر معروف و مقبول شاعرہ پروین شاکر کا ماہِ وصال ہے۔ اسی کی مناسبت سے ان شعراء کا کلام نذرِ قارئین ہے۔

سادگی پر اس کی مرجانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

گرچہ ہے کس، کس برائی سے، ولے بااین ہمہ
ذکر میرا، مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

بس ہجومِ ناامیدی خاک میں مل جائے گی
یہ جو اک لذت، ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے

رنج رہ کیوں کھینچیے، واماندگی کو عشق ہے
اٹھ نہیں سکتا، ہمارا جو قدم منزل میں ہے

جلوہ زارِ آتشِ دوزخ، ہمارا دل سہی
فتنۂ شورِ قیامت کس کی آب و گل میں ہے

ہے دلِ شوریدہ غالبؔ طلسمِ پیچ و تاب
رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

کلام: مرزا اسداللہ غالبؔ

جب ہوا تک یہ کہے نیند کو رخصت جانو
ایسے موسم میں جو خواب آئیں غنیمت جانو

جب تک اس سادہ قبا کو نہیں چھونے پاتی
موجۂ رنگ کا پندار سلامت جانو

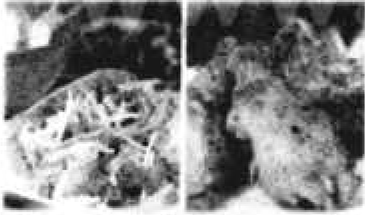
جس گھروندے میں ہوا آتے ہوئے کترائے
دھوپ آجائے تو یہ اس کی مروت جانو

دشتِ غربت میں جہاں کوئی شناسا بھی نہیں
ابر رک جائے ذرا دیر تو رحمت جانو

منہ پر چھڑکاؤ ہو، اندر سے جڑیں کاٹی جائیں
اس پہ اصرار، اسے عین محبت جانو

ورنہ یوں طنز کا لہجہ بھی کسے ملتا ہے
ان کا یہ طرزِ سخن خاص عنایت جانو

کلام: پروین شاکر



# خوش ذائقہ

## پاکیزہ بہنیں

### اسپائسی لیمن سوپ

اشیا: چکن بریسٹ، 200 گرام۔ مچھلی کے قتلے، 100 گرام۔ جھینگے، چھوٹے آٹھ عدد۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ پسا ہوا لہسن، ایک کھانے کا چمچ۔ ہری پیاز، دو عدد۔ کالی مرچ پسی ہوئی، آدھا چائے کا چمچ۔ سویا ساس، دو کھانے کے چمچ۔ چلی ساس، دو کھانے کے چمچ۔ ٹماٹو کیچپ، ایک کھانے کا چمچ۔ شملہ مرچ، ایک عدد۔ لیموں کا رس، آدھی پیالی۔ کارن فلار، تین کھانے کے چمچ۔ آئل، ایک کھانے کا چمچ۔

ترکیب: چکن، مچھلی اور جھینگوں کو صاف دھو کر چھوٹے ٹکڑے کر لیں۔ پین میں ایک کھانے کا چمچ آئل ڈال کر اس میں لہسن کو ہلکا سا فرائی کریں اور اس میں چکن، مچھلی اور جھینگے ڈال کر فرائی کریں۔ ہلکے سنہری ہونے پر مچھلی اور جھینگوں کو نکال لیں اور چکن میں پانچ سے چھ پیالی پانی ڈال کر درمیانی آنچ پر پکنے رکھ دیں۔ جب چکن گلنے پر آجائے اور پانی آدھا رہ جائے تو اس میں مچھلی ڈال دیں، تین سے چار منٹ پکا کر اس میں جھینگے شامل کر دیں۔ دو سے تین منٹ بعد اس یخنی کو چولھے سے اتار لیں۔ علیحدہ پین میں ایک کھانے کا چمچ آئل ڈال کر اس میں چھوٹی چوکور کٹی ہوئی ہری پیاز، ٹماٹو کیچپ، سویا ساس، چلی ساس اور کالی مرچ ڈال کر ملائیں اور اس میں یخنی ڈال کر چولھے سے اتار لیں۔ کارن فلار کو تین سے چار کھانے کے چمچ سادے پانی میں گھول لیں اور یخنی میں چمچ چلاتے ہوئے ملا لیں، چولھے پر رکھ کر گاڑھا ہونے تک پکائیں۔

مرسلہ: نفیسہ آرا، راس الخیمہ

### آلو، سویا کوفتے

اشیا: آلو، آدھا کلو۔ تازہ سویا، آدھی پیالی۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ ادرک، لہسن پسا ہوا، ایک چائے کا چمچ۔ پیاز، ایک عدد۔ ٹماٹر، ایک عدد۔ بیسن، آدھی پیالی۔ ڈبل روٹی کے سلائس، تین عدد۔ کالی مرچ پسی ہوئی، ایک چائے کا چمچ۔ لال مرچ پسی ہوئی، ایک چائے کا چمچ۔ ثابت دھنیا، ایک چائے کا چمچ۔ سفید زیرہ، ایک چائے کا چمچ۔ دہی، آدھی پیالی۔ ڈبل روٹی کا چورا، حسبِ ضرورت۔ انڈے، دو عدد۔ آئل، حسبِ ضرورت۔ ہرا دھنیا، آدھی گٹھی۔

ترکیب: آلوؤں کو ابال کر چھیل لیں اور کانٹے کی مدد سے میش کر لیں۔ سویا اور ہرا دھنیا باریک کاٹ کر رکھ لیں۔ سویا کو آلوؤں میں ملائیں اور ساتھ ہی نمک، کالی مرچ، ڈبل روٹی کے سلائس اور بیسن ڈال کر ملائیں اور اس کے چھوٹے، چھوٹے کوفتے بنا لیں۔ کڑاہی میں آئل ڈال کر درمیانی آنچ پر گرم کریں اور ان کوفتوں کو پھینٹتے ہوئے انڈے میں ڈبو کر ڈبل روٹی کے چورے میں رول کرتے ہوئے سنہرے فرائی کر لیں۔ علیحدہ پین میں تین سے چار کھانے کے چمچ آئل میں باریک کٹی ہوئی پیاز کو سنہری فرائی کریں۔ اس میں ادرک، لہسن اور ٹماٹر ڈال کر فرائی کریں۔ جب ٹماٹر گلنے پر آجائیں تو اس میں نمک، لال مرچ موٹا کٹا ہوا دھنیا اور زیرہ ڈالیں اور پھینٹی ہوئی دہی ڈال کر بھونیں۔ تیل علیحدہ ہونے پر احتیاط سے فرائی کیے ہوئے کوفتے ڈال کر دم پر رکھ دیں۔

مرسلہ: ماہ نور خان، بہارہ کہو

### فش فرائڈ رائس

اشیا: چاول، تین پیالی۔ مچھلی (بغیر ہڈی کی بوٹیاں) آدھا کلو۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ لہسن پسا ہوا، ایک چائے کا چمچ۔ ہری پیاز (باریک کٹی ہوئی) تین سے چار عدد۔ سرکہ، دو کھانے کے چمچ۔ سویا ساس، چار کھانے کے چمچ۔ سفید مرچ پسی ہوئی، ایک کھانے کا چمچ۔ چینی، ایک کھانے کا چمچ۔ چائنیز نمک، ایک چائے کا چمچ۔ انڈے، تین عدد۔ ہری مرچیں باریک، کٹی ہوئی، دو سے تین عدد۔ آئل، چار سے چھ کھانے کے چمچ۔

ترکیب: چاولوں کو ابال کر پانی نتھار لیں اور چار سے چھ گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ مچھلی کو صاف دھو لیں اور پسا ہوا لہسن، نمک اور ایک چائے کا چمچ سفید مرچ لگا کر دس سے پندرہ منٹ کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ کڑاہی میں درمیانی آنچ پر آئل کو دو سے تین منٹ گرم کریں اس میں مچھلی کی بوٹیاں ڈال کر تیز آنچ پر فرائی کر کے نکال لیں۔ اسی کڑاہی میں چاول ڈال دیں اور دو چمچ کی مدد سے اتنی دیر ملائیں کہ چاول اچھی طرح گرم ہو جائیں، ہری پیاز، نمک، چینی، سفید مرچ اور چائنیز نمک شامل کر کے اچھی طرح ملائیں۔ انڈوں میں نمک اور ذرا سی سفید مرچ ملا کر ہلکا سا پھینٹ کر ڈال دیں۔ آخر میں سرکہ، سویا ساس اور فرائی کی ہوئی مچھلی ڈال کر اچھی طرح ملا لیں۔

مرسلہ: انیقہ انا، چکوال



# بزمِ پاکیزہ — پاکیزہ بہنیں

## پہلا انعام یافتہ سوال

☆ ایمہ ...... کراچی

سوال: ہر شخص مجھے ستاتا ہے...... میرے گھر والے بھی اور میری سسرال کے لوگ بھی...... آخر کیوں...... کیوں......؟

جواب: جب ہر شخص میں صرف خامیاں نظر آنے لگیں تو کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ اپنا بھی جائزہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ کہیں ہم ہی تو... چڑچڑے سے نہیں ہو گئے۔

## دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ سعدیہ ہمایوں...... پنجاب

سوال: کہتے ہیں سارے شوہر ایک جیسے ہوتے ہیں بس شکلوں اور عمروں کا فرق ہوتا ہے، ہر شوہر اپنی ہی چلانا چاہتا ہے، کیا واقعی؟

جواب: پتا نہیں، ہر ایک کا تجربہ مختلف ہی ہوتا ہے مگر شوہروں سے خوش رہنے والی بیویوں کی تعداد کم ہی ہے۔

☆ نجمہ اصغر...... کراچی

سوال: آج سے پچیس سال پہلے عورتیں جب بوڑھی ہو جاتی تھیں تب وہ ساس بنا کرتی تھیں۔ آج کل تو جوان ساسیں نظر آتی ہیں، کیوں؟

جواب: پہلے خواتین ساس بننے کے بعد اپنا خیال رکھنا چھوڑ دیا کرتی تھیں، پہلے بھی جوان ساسیں ہوتی تھیں مگر وہ بوڑھوں کی طرح رہا کرتی تھیں۔

☆ مصباح رضا سعید...... فیصل آباد

سوال: دل تو بچہ ہے جی...... کیا واقعی میں......؟

جواب: آج کے بچے تو بڑوں کے بھی کان کاٹ رہے ہیں تو دل کہاں سے بچہ بن گیا۔

☆ شازیہ، شہناز...... پنجاب

سوال: روز کی یہ مصیبت ہے کہ آج کیا پکایا جائے؟

جواب: بیٹا یہ ہر روز کی سعادت ہے کہ جو دل چاہا وہ پکا لیا۔

☆ فاخرہ...... سندھ

سوال: آج کل لڑکے والے جہیز اس طرح مانگتے ہیں جیسے وہ...... جملہ مکمل کریں؟

جواب: فقیر بھی ہوں...... اور کسی خالی گھر میں بیٹھے ہوئے ہوں۔ بغیر کسی سامان کے۔

☆ ثمینہ وحید...... پنجاب

سوال: شعر مکمل کریں...... رات کھولے تھے کچھ پرانے خط......؟

جواب: پھر محبت دراز میں رکھ دی کہ کہیں میاں جی کو پتا نہ چل جائے۔

☆ منور شہزادی...... گوجرانوالہ

سوال: شادی کیا ہوتی ہے؟ یہ سمجھنے کے لیے ایک سائنس دان نے شادی کر لی...... اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ آپ بتائیں؟

جواب: شادی کے بعد اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا ہوگا کہ سائنس کیا ہوتی ہے اور لوگ پڑھتے ہی کیوں ہیں۔

☆ نرگس نسیم...... صابہ موہڑہ

سوال: بہت ہمت والی ہوتی ہیں وہ لڑکیاں...... جو لوگوں کو کھری، کھری سنانے کے بجائے خاموشی اختیار کر لیتی ہیں؟

جواب: اچھا کرتی ہیں، ورنہ کھری، کھری کا جواب بھی تو تڑی تڑی ہوتا ہے۔

☆ زرین زبیر......کراچی

سوال: کہتے ہیں کہ تنقید کے لیے دو چھٹانک کی زبان کافی ہوتی ہے کیوں بھئی؟

جواب: کیونکہ زبان کا کوڑا سیدھا دماغ پر لگا کرتا ہے۔

☆ ذکیہ خانم......اورنگی ٹاؤن

سوال: محبت کرنے والے اور محبت نبھانے والے لوگوں میں کیا فرق ہوتا ہے؟

جواب: کوئی فرق نہیں ہوتا، یہ دونوں خصوصیات ایک ہی ہوتی ہیں۔

☆ فریدہ ناز......لاہور

سوال: وہ مجھے ہر وقت پاگل کہہ کر کیوں پکارتا ہے؟

جواب: اگر وہ لاڈ سے کہتا ہے تو اتنا فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں اور اگر سنجیدگی سے کہتا ہے تو آپ اپنی ہی اداؤں پر ذرا غور کرلیں۔

☆ امینہ عندلیب......سلانوالی

سوال: پرانے کسی گیت کا مکھڑا موجودہ حالت کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس کا کیا مطلب ہوگا؟

جواب: آپ نے ایک خوب صورت گیت سنا ہوگا

گاڑی آگئی ٹیشن تے

وے پرے ہٹ بابو ساتوں ماہیا ویکھن دے

آج کے حالات میں ...... یہ بچہ پکڑنے والے گروہ کی طرف اشارہ ہے۔ اسٹیشن سے لڑکے اغوا ہوجاتے ہیں۔

☆ نگینہ ضیا بنگش......کراچی

سوال: سر میں درد کرنے والے مہمان اگر آئے دن گھیر اتنگ کرنے لگیں تو......؟

جواب: انہیں ٹی وی کے سامنے بٹھا کر اُن کے سامنے چائے کا پتیلا رکھ کر اپنے کمرے میں سونے چلی جاؤ۔

☆ ارم کمال......فیصل آباد

سوال: آئیڈیل شوہر میں کیا، کیا اوصاف ہونے چاہئیں؟

جواب: صرف ایک ہی وصف کافی ہے کہ وہ آپ کی آنکھ سے دیکھے اور آپ کی زبان پر یقین کرے۔

☆ ناظمہ شاہین اعوان......واہ کینٹ

سوال: پیار و محبت کے اوصاف کہاں پائے جاتے ہیں؟

جواب: بہت سے گھروں میں موجود ہیں...... الحمدللہ۔

☆ حسنیٰ قندیل......ٹوبہ ٹیک سنگھ

سوال: حقیقت کو نگاہیں آشکار کرتی ہیں اور ایسی نگاہوں کو پڑھنے کے لیے کیا پی ایچ ڈی کیا جائے؟

جواب: جی نہیں، نگاہیں پڑھنے کے لیے صرف سمجھدار ہونا کافی ہوتا ہے۔

☆ ایمن رانی......کمالیہ

سوال: صفائی اور دھلائی میں کیا فرق ہے؟

جواب: صفائی اور دھلائی تو قریبی رشتے دار ہیں، ہاں دھنائی میں قدرے فرق ہے۔

☆ رفعت محمد یونس خادم......ملتان

سوال: دل میں ہو تم آنکھوں میں ہو تم مگر... وہ آنکھوں کے سامنے کب آئیں گے؟

جواب: جب اُن کی اماں راضی ہوں گی۔

☆ نازیہ نزی......نوشہرہ کینٹ

سوال: کامیابی کا راز بتائیں؟

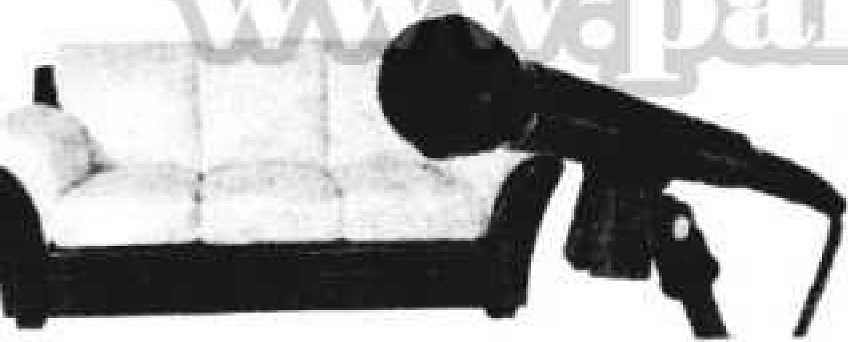
جواب: کس کی کامیابی...... جو مجھ سے سینئر ہیں، وہ مجھ سے زیادہ محنتی ہیں محنت ہی تو کامیابی کی کنجی ہے۔

☆ سیدہ غزالہ عالم......لانڈھی، کراچی

سوال: اگر پھولوں کے بجائے کانٹوں سے محبت کرنا پڑتی تو......؟

جواب: تو سب اپنے، اپنے کانٹوں کو لیے کانٹا بنے گھوم رہے ہوتے۔

☆☆☆



# پاکیزہ کے مہمان

شائستہ زریں









## دھیمے لہجے والی پروگرام..... "کراچی والے" کی شان اور رزورآور میزبان

## "حنا نقوی"

قارئین کرام!

السلام علیکم، شاعر نے تو جانے کس کے لیے کہا تھا کہ

اس کے لہجے کی نغمگی مت پوچھ

چلتے چلتے ٹھہر گئے ہیں لوگ......

لیکن ہماری آج کی "پاکیزہ کی مہمان" پر یہ شعر صادق آتا ہے۔ دھیمے لہجے میں ناظرین پر دیرپا اثرات مرتب کرنے والی یہ شخصیت "کراچی والے" کی "شان

اور زور آور میزبان‘‘ حنا نقوی ہیں۔ بچپن ہی سے علمی و ادبی ماحول میں پروان چڑھیں۔ زمانہ طالب علمی میں غیر نصابی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا۔ نمایاں رجحان بیت بازی مباحثوں، مضمون نگاری اور موسیقی کی جانب رہا۔ گلوکاری اور صداکاری بھی ہم رکاب رہی۔ شاعری بھی کی۔ گویا فنون لطیفہ کی مختلف شاخوں میں سفر کرتی رہیں۔ اس مسافت نے اس خوب صورت نام اور شخصیت رکھنے والی ہستی کو کبھی تھکایا نہیں‘ یہ ان کے مزاج اور کام کا جز بن گیا ہے۔ حتیٰ کہ آج بھی ان کے حوصلوں کو توانا اور ہنر کو شاداب رکھا ہوا ہے۔ حنا نقوی نے تدریس کے پیشے کو بھی بصد شوق و خلوص اپنایا۔۔۔۔ ان کا تخلیقی جوہر عملی زندگی میں خوب کام آ رہا ہے۔ یہ ٹی وی پروڈیوسر بھی رہ چکی ہیں اور جناب ان کے ہم سفر بھی ہم پیشہ ہیں۔ اور مزید جاننے کے لیے ملتے ہیں پاکیزہ کی مہمان سے۔

پاکیزہ ✧......آپ کا بچپن علمی و ادبی ماحول میں پروان چڑھا۔ اس کے اثرات آپ پر کیسے رونما ہوئے؟

حنا نقوی ❖......مثبت اور خوشگوار شروع ہی سے چیزیں سمجھ میں آنے لگی تھیں۔ لفظوں کے استعمال کا سلیقہ آ گیا۔ محض آداب گفتگو ہی نہیں دیگر آداب اور تہذیب قدرتی طور پر آتی چلی گئی۔ شعر نہ صرف سمجھنے لگی بلکہ کچھ طبع آزمائی بھی شروع کر دی۔

پاکیزہ ✧......کچھ یاد ہے پہلا شعر کون سا تھا اور اس کی تحریک کیسے ملی؟

حنا نقوی ❖......بخوبی یاد ہے اور میرے بہن بھائی بھولنے بھی نہیں دیتے (بے ساختہ ہنستے ہوئے) آج تک مذاق اڑاتے ہیں۔ وہ شعر تھا

ہمیں بھی آتا ہے ہر ظلم کا بدلہ لینا...
تم کیا سمجھتی ہو ہم تمہیں ایسے ہی چھوڑ دیں گے

پاکیزہ ✧......یہ بے وزن شعر کس ظلم کے نتیجے میں وارد ہوا؟

حنا نقوی ❖......میری کم عمری کا زمانہ تھا‘ بڑی بہن نے کسی غلطی پر سزا دی۔ تہذیب کا تقاضا تھا ان کے احترام میں منہ سے تو کچھ بول نہیں سکتی تھی لیکن دل کا غبار بھی نکالنا تھا سو شعر کی زبان میں احتجاج کیا۔ پہلا مصرعہ تو وزن میں تھا لیکن مصرعۂ ثانی ظلم کے خلاف شدید احتجاج کے طور پر بے وزن ہو گیا تھا۔

پاکیزہ ✧......گھریلو شاعری نے ترقی کی مسافت کیسے طے کی؟

حنا نقوی ❖......ارتقا کا یہ سفر کامیابی سے طے کیا اور تا حال جاری ہے۔ کالج اور یونیورسٹی کے زمانے میں شعر گوئی کے کئی مقابلوں میں نہ صرف حصہ لیا بلکہ کئی انعامات بھی حاصل کیے۔ کل پاکستان مقابلے میں بہترین شاعرہ کا اعزاز بھی حاصل کیا۔

پاکیزہ ✧......اس مشاعرے میں سب سے زیادہ داد کون سے شعر کو ملی تھی؟

حنا نقوی ❖......

تمہارے نام کی نسبت سے جو بھی ملتا ہے
مجھے وہ شخص بہت معتبر سا لگتا ہے

پاکیزہ ✧......واہ بہت خوب۔ ہمارے قارئین کو بتائیں کہ کتب بینی سے کتنا لگاؤ تھا؟

حنا نقوی ❖......بہت زیادہ...... لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے باوجود کتابی کیڑا نہیں تھی بہت سوشل تھی۔ لیکن چونکہ گھر کے ماحول کا اثر تھا اس لیے چھٹیوں کی دوپہریں اباجی کے کتب خانے کی کتابوں کے مطالعے میں گزر جاتی تھیں۔ کم عمری کے باعث بہت سی کتابیں سمجھ میں بھی نہیں آتی تھیں۔ بس شوق میں پڑھ لیتی تھی۔ بعد میں بڑی ہونے پر سمجھ میں آیا کہ منٹو نے کیا تحریر کیا تھا۔ عصمت چغتائی کیا لکھ رہی تھیں۔

پاکیزہ ✧......غیر نصابی سرگرمیوں میں کس، کس محاذ پر فتح کے جھنڈے گاڑے؟

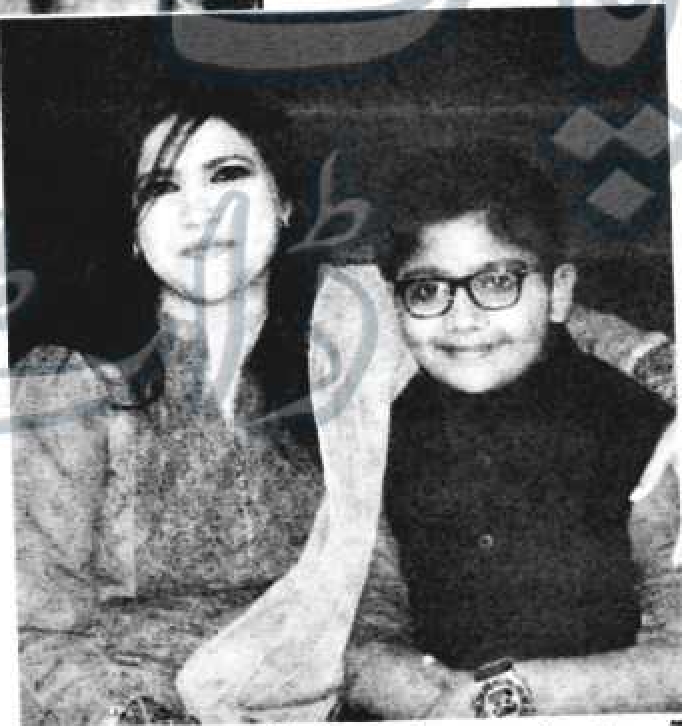
حنا نقوی ❖......کئی محاذوں پر لیکن بیت بازی، مقرری، گلوکاری اور مضمون نگاری کے مقابلوں میں زیادہ ذوق شوق اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی اور ان مقابلوں میں بہت سی کامیابیاں اور اعزازات بھی میرے حصے میں آئے۔ گلوکاری میں لاتعداد انعامات حاصل کیے خاص طور پر اسکول اور پھر کالج کی بہترین گلوکارہ کا اعزاز



بھی وصول کیا۔

پاکیزہ ✧......آج کل تو بے سُرے اور بے تالے بھی فخریہ گلوکاری کا تاج سر پر سجائے پھرتے ہیں، سند یافتہ ہونے کے باوجود آپ نے کیوں خود کو اس اعزاز سے محروم رکھا؟

حنا نقوی ✧......ہمارے معاشرے میں بہت سارے شعبے اب بھی ایسے ہیں جن میں خواتین اپنی معزز شناخت نہیں بنا پاتیں۔شاید یہی وجہ ہے کہ میں نے گلوکاری کو خیرباد کہہ دیا۔



پاکیزہ ✧......کیسے مباحثوں میں حصہ لے کر خود کو زیادہ پُراعتماد اور خوش محسوس کرتی تھیں؟

حنا نقوی ✧......فی البدیہہ مباحثوں میں حصہ لینا زیادہ اچھا لگتا تھا کہ ایک مقرر کا اصل ہنر اسی میں نمایاں نظر آتا ہے۔

پاکیزہ ✧......قائد ایوان بننے میں زیادہ لطف آتا تھا یا قائد حزب اختلاف؟

حنا نقوی ✧......یہ موضوع پر منحصر ہوتا تھا کہ کون سی سمت میں دلائل دیے جائیں۔لیکن قائد حزب اختلاف بننے میں اس لیے زیادہ مزہ آتا تھا کہ اس میں مضبوط دلائل کے ساتھ حاضرین کو قائل کرنا پڑتا ہے اور ان کے ذہنوں کو تبدیل کرنا ایک بہت بڑا چیلنجنگ کام ہوتا ہے۔

پاکیزہ ✧......آپ دھیمے لہجے میں بات کرنے کی عادی ہیں کیا ایک مقررہ کا جوش وخروش آواز اور لہجے سے عیاں ہوتا تھا؟

حنا نقوی ✧......تقریر کے تمام لوازمات کے ساتھ تقریر کرتی تھی۔کہیں شعلہ بیانی کا مظاہرہ کرتی تو کہیں دھیمے لہجے میں اپنا موقف منوالیتی تھی۔

پاکیزہ ✧......آپ صداکارہ بھی ہیں، اپنے اس سفر کے بارے میں بتائیں؟

حنا نقوی ✧......اللہ نے آواز بہتر دی تھی، شین قاف درست تھا، لہجہ بھی اچھا تھا اس لیے گلوکاری کے ساتھ، ساتھ صداکاری بھی کی۔ریڈیو پاکستان کراچی کے مقبول پروگرام بزم طلبا سے یہ سفر شروع ہوا جو مختلف ریڈیو چینلز پر تا حال قائم ہے۔جب پاکستان میں ایف

ایم چینلز کا آغاز ہوا تھا پہلے ایف ایم ۱۰۰ پر کام کیا۔ ایف ایم ۱۰۱ کراچی کا پہلا U N نمبر لائیو کالز کا پروگرام میں نے ہی کیا تھا جو میرے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے۔

پاکیزہ ✧...... ایف ایم پر عموماً کس نوعیت کے پروگرام کرتی ہیں؟

حنا نقوی ❖...... ایف ایم پر میں نے زیادہ تر معلوماتی اور انٹرویوز پر مبنی پروگرام کیے۔

پاکیزہ ✧...... پی ٹی وی سے کب ناتا جوڑا؟

حنا نقوی ❖...... اگر ناتا جڑنے کی بات کر رہی ہیں تو زمانہ طالب علمی ہی سے اور اگر آپ پیشہ ورانہ سطح پر معلوم کر رہی ہیں تو گزشتہ سترہ اٹھارہ سال سے وابستگی ہے۔ بحیثیت پرائیویٹ پروڈیوسر ۲۰۰۶ء تک کام کیا اور بحیثیت اینکر گاہے بگاہے کرتی رہتی ہوں۔

پاکیزہ ✧...... بحیثیت اینکر آپ کے کون سے شو نے بہت زیادہ مقبولیت حاصل کی؟

حنا نقوی ❖...... موسیقی کا شو تھا "میرا من گا رہا ہے" یہ عوام میں بہت مقبول ہوا۔ اس کے ڈائریکٹر میرے شوہر خاور نقوی تھے۔

پاکیزہ ✧...... "کراچی والے" آپ کا بہت کامیاب پروگرام ہے اس کا تجربہ کیسا رہا؟

حنا نقوی ❖...... بہت زبردست رہا۔ بہت سے لوگوں سے مل کر ان کے انٹرویوز کر کے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ کیونکہ جن نامور شخصیات کو دور سے دیکھ رہے ہوتے ہیں تو ایک الگ ہی تصور قائم کر لیتے ہیں اور قریب سے ان سے ملاقات کر کے یہ اندازہ ہوا کہ لوگوں کی شہرت جس انداز سے ہوتی ہے وہ بعض اوقات اس سے یکسر مختلف ثابت ہوتے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... دھیمے لہجے میں تیکھے سوال۔ بلاشبہ آپ ہی کا خاصہ ہے، یہ ہنر آپ میں کہاں سے آیا؟

حنا نقوی ❖...... انٹرویو کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ سامنے بیٹھی شخصیت قابلِ احترام ہے۔ لہٰذا جب گفتگو کرتی ہوں تو اس بات کا خیال رکھتی ہوں اگر کوئی چبھتا ہوا سوال ہے بھی تو اس کو نہایت نرم الفاظ اور دھیمے انداز میں کرتی ہوں، دوسرے لفظوں میں آپ یہ کہہ سکتی ہیں کہ تھوڑا شوگر کوٹڈ کر لیتی ہوں۔

پاکیزہ ✧...... ایک اچھی ٹی وی شو کی میزبان کے لیے کن صفات کا ہونا ضروری ہے؟

حنا نقوی ❖...... اس میں دو باتیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ اول یہ کہ اپنے شعبے میں مہارت رکھنا اور دوسرا تعلیم یافتہ ہونا۔ میرے خیال میں جس کے پاس جتنا زیادہ علم اور معلومات ہوتی ہے وہ اتنا ہی دوسرے کو بولنے کا موقع فراہم کرتا ہے اور پھر میزبان کا اولین فرض ہے کہ وہ مہمان کو زیادہ سے زیادہ بولنے کا موقع دے کہ انٹرویو اس کا ہو رہا ہے میزبان کا نہیں اور لوگ بھی مہمان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... ہمارے ٹی وی چینلز کے ٹاک شوز اور ان کے اینکر ملکی امن اور بقا کے استحکام میں اپنا کردار کس طرح ادا کر سکتے ہیں؟

حنا نقوی ❖...... جو بھی موضوع ہو اس کو مثبت انداز سے آگے بڑھا کر بحث کو منطقی انجام دیں، اس سے ٹاک شو دیکھنے والوں کی کثیر تعداد سے معاشرے میں بہت بہتری ہوگی۔

پاکیزہ ✧...... ہمارے ملک میں خواتین اور بچیوں کے ساتھ ہونے والے بدسلوکی کے واقعات کی جس طرح میڈیا تشہیر کرتا ہے اس طرزِ عمل سے خواتین اور بچیوں کی ناموس اور عزتِ نفس کی مزید دھجیاں بکھرتی ہیں یا ان کے وقار کو تحفظ ملتا ہے؟

حنا نقوی ❖...... ان واقعات کو ٹی وی پر دکھانے سے جرائم کی شرح بڑھ رہی ہے۔ برائی کو جتنا زیادہ دکھائیں گے اتنی ہی جلدی وہ اپنی طرف توجہ مبذول کر لیتی ہے۔ خواتین کے معاملات کی تشہیر سے خواتین کا دفاع ہونے کے بجائے ان کی تذلیل ہوتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ان واقعات کی روک تھام کے لیے ایسے مؤثر طریقے اختیار کیے جائیں کہ ستم رسیدہ خواتین کا پردہ بھی رہے اور معاشرے میں تیزی سے پنپنے والی اس برائی کا

خاتمہ بھی ہو جائے۔

پاکیزہ ✧......کیا اس کے مثبت نتائج سامنے آئیں گے؟

حنا نقوی ❖......ساری دنیا میں میڈیا کے لیے ضابطۂ اخلاق متعین ہوتا ہے اگر ہمارا میڈیا بھی اس کی پابندی کرے تو اس کے مثبت نتائج سامنے آئیں گے۔

پاکیزہ ✧......پی ٹی وی سے بحیثیت پروڈیوسر کافی عرصہ وابستہ رہیں۔ کنارہ کشی کیوں اختیار کرلی؟

حنا نقوی ❖......پالیسی کا مسئلہ بہت ہو رہا تھا۔ پھر یہ کہ ہمارے اپنے پرائیویٹ پروڈکشن ہاؤس اور ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں کام بہت بڑھ گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہاں میری زیادہ ضرورت ہے سو میں نے اپنی صلاحیتوں کا رخ اس جانب موڑ لیا۔

پاکیزہ ✧......اپنے پروڈکشن ہاؤس اور ایڈورٹائزنگ کمپنی کے بارے میں بتائیں؟

حنا نقوی ❖......پچیس سال سے زائد عرصے سے ہمارے دونوں ادارے کام کر رہے ہیں۔ پروڈکشن ہاؤس میں زیادہ تر ہم کمرشل فلمز بناتے ہیں۔ جنھیں خاور ڈائریکٹ کرتے ہیں۔ تخلیقی کام میری ذمے داری ہے۔ اب تک ہم مل کر سو سے زائد کمرشل فلمیں بنا چکے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف اسپیچ شوز، ہیلتھ پروگرام، میوزک چارٹ کیے۔ اور یہ تمام کام ہم مختلف ٹی وی چینلز کے لیے کرتے ہیں۔ ایڈورٹائزنگ کمپنی میں، ہم پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا دونوں کے لیے کام کرتے ہیں اور اپنے کلائنٹس کی تشہیر کی ذمے داری ایڈورٹائزنگ کمپنی کے ذریعے ادا کرتے ہیں۔ اور ان دونوں اداروں کے فنانس ڈیپارٹمنٹ بھی میری ذمے داری ہے۔

پاکیزہ ✧......اس کی وجہ کہیں یہ تو نہیں کہ خاتونِ خانہ گھر کی مملکت کی بہترین وزیرِ خزانہ ہوتی ہیں؟

حنا نقوی ❖......(بے ساختہ ہنستے ہوئے) کہہ سکتی ہیں۔ در اصل خاور کے مزاج میں حساب کتاب نہیں ہے جبکہ اکاؤنٹس اور فنانس میں، میں بہت ماہر ہوں سو اسی مہارت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خاور نے یہ



ذمے داری مجھے سونپ دی۔

پاکیزہ ✧......غیر جانبداری سے بتائیں کہ آپ نے خاور صاحب کو کیسا ڈائریکٹر پایا؟

حنا نقوی ❖......بڑے سخت ڈائریکٹر ہیں۔ جب تک کام پورا نہیں ہو جاتا کوئی سانس نہیں لے سکتا اور ساتھ کام کرنے والوں کی کیا کہیے کام کے معاملے میں خود اپنے ساتھ بھی ان کا یہی رویہ ہے۔ کوئی رعایت کسی کے لیے نہیں لیکن اس کے ساتھ، ساتھ پوری ٹیم کا خیال بھی بہت رکھتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......شعبۂ ابلاغ عامہ سے بحیثیت استاد وابستگی کب اور کیسے ہوئی؟

حنا نقوی ❖......۲۰۱۲ء میں جوائن کیا تھا۔ شعبے میں آمد و رفت رہتی تھی۔ میری دلچسپی دیکھتے ہوئے میرے اساتذہ نے اس جانب مجھے مائل کیا۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ آج میں جس مقام پر ہوں اس میں ان کا کردار بہت اہم ہے۔ میری خواہش تھی جس تعلیمی ادارے کی میں مقروض ہوں اس کا قرض بھی ادا کروں اور کر رہی ہوں۔

پاکیزہ ❖......جس درس گاہ سے پڑھا وہاں پڑھانا کیسا لگتا ہے؟

حنا نقوی ❖......بہت بڑا اعزاز لگتا ہے کہ جس ادارے سے پڑھا، جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ اب ان کے ساتھ پڑھا رہی ہوں۔

پاکیزہ ❖......شعبۂ ابلاغ عامہ جامعہ کراچی میں جدید تقاضوں کے پیشِ نظر تعلیم دی جاتی ہے؟ یا ایسی کوئی کمی محسوس کرتی ہیں جس کے دور ہونے سے مستقبل کے صحافیوں کی زیادہ بہتر عملی تربیت کی جاسکتی ہے؟

حنا نقوی ❖......یوں تو کراچی یونیورسٹی، کراچی کی سب سے بڑی یونیورسٹی ہے۔ لیکن یہاں بہت زبوں حالی ہے۔ جدید سہولیات میسر نہیں۔ حکومت اس مد میں گرانٹ کے وعدے تو کرلیتی ہے لیکن وفا نہیں کرتی۔ بے بس نہیں ہیں۔ ایڈوانس ٹیکنالوجی مہیا نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے شعبے کے طالب علم مکمل مہارت حاصل نہیں کرپاتے اور مجبوراً غیر سرکاری اداروں میں جاکر انٹرنشپ کے ذریعے وہ تمام چیزیں سیکھتے ہیں جو شعبے میں سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے ہم انہیں نہیں سمجھا سکتے۔ جو ہمیں ان کو سمجھانا اور سکھانا چاہیے۔

پاکیزہ ❖......شعبے کا ایف ایم چینل کس سطح پر طالب علموں کی رہنمائی کرتا اور ان کے لیے موٴثر ثابت ہوتا ہے؟

حنا نقوی ❖......شعبے کے طالب علموں کو متعلقہ نالج اور علم دے رہا ہے۔ ہم ان ہاؤس کام کرکے کافی حد تک بچوں کو آگہی دے رہے ہیں۔

پاکیزہ ❖......اچھا اب کچھ باتیں آپ کی نجی زندگی کے حوالے سے (بالکل ہوجائیں حنا نے ہنستے ہوئے کہا۔) ایک علمی و ادبی گھرانے کی فرد ہونے کے باوجود جہاں اولین اہمیت تعلیم کو دی جاتی ہے انٹر کی طالبہ کی شادی کیوں کردی گئی جبکہ آپ کا تعلیمی ریکارڈ بھی اچھا تھا؟

حنا نقوی ❖......میرے سسر بہت بیمار تھے۔ منگنی میری ہوچکی تھی۔ خاور گھر میں سب سے چھوٹے تھے۔ میرے سسر کی خواہش تھی کہ ان کی زندگی میں شادی ہوجائے۔

پاکیزہ ❖......آپ بخوشی رضامند ہوگئی تھیں؟

حنا نقوی ❖......بہت خوش تھی۔ سچ تو یہی ہے کہ اس وقت عقل اتنی ہی تھی کہ شادی ہوگی تو بہت سارے کپڑے، جیولری اور تحائف ملیں گے۔ یہی ایکسائٹمنٹ زیادہ تھی۔

پاکیزہ ❖......شادی کے بعد تواتر سے تعلیمی سلسلہ جاری رہا یا گاہے گاہے شوق پورا کرتی رہیں؟

حنا نقوی ❖...... الحمد للہ تواتر سے جاری رہا۔ پری انجینئرنگ میں انٹر کیا تھا۔ شادی کے بعد جامعہ کراچی کے شعبۂ ابلاغ عامہ سے ایم اے آنرز کیا۔

پاکیزہ ❖......ماشاء اللہ! لیکن انجینئرنگ اور ابلاغ عامہ دو بالکل مختلف تعلیمی میدان ہیں۔ ابلاغ عامہ کی تعلیم کا خیال یکایک آیا یا کسی نے رہنمائی کی؟

حنا نقوی ❖......ادبی رجحان شروع ہی سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیقی ذہن عطا کیا۔ جب شعبۂ صحافت وسعت پاکر شعبۂ ابلاغ عامہ میں تبدیل ہوگیا تو وہاں الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی دی جانے والی جدید تعلیم نے مجھے اس جانب مائل کیا۔ اور وقت نے ثابت کردیا کہ میرا فیصلہ بروقت اور درست تھا۔

پاکیزہ ❖......شادی کے بعد ریگولر طالبہ کی حیثیت سے تعلیم جاری رکھنا وہ بھی سیمسٹر سسٹم کے تحت جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ یہ جنگ کیسے جیتی؟

حنا نقوی ❖......صرف اور صرف خاور کے بھرپور ساتھ کی وجہ سے جیت لی۔ میری شادی کے بعد ساری تعلیم کا کریڈٹ خاور کو جاتا ہے۔ گھریلو ذمے داریوں کی تکمیل میں بھی خاور نے بہت تعاون کیا۔ یوں یہ معرکہ خوش اسلوبی اور کامیابی سے سر کرلیا۔

پاکیزہ ❖......آپ کے کتنے بچے ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟

حنا نقوی ❖......دو بچے ہیں، بیٹی بڑی ہے۔ حال ہی میں اس نے سوفٹ ویر انجینئرنگ میں داخلہ لیا ہے۔ بیٹا ابھی چھٹی کلاس میں ہے۔

پاکیزہ ❖......والدین کی وراثت کے اثرات کس

میں زیادہ نظر آتے ہیں۔؟

حنا نقوی ❖...... دونوں ہی میں لیکن تخلیقی کام کے حوالے سے بیٹی بہت آگے ہے۔اور عادتوں میں بیٹا مجھ پر زیادہ گیا ہے۔

پاکیزہ ✧...... ہم سفر ہم پیشہ ہو تو اس صورت میں آسانیاں زیادہ ہوتی ہیں یا مشکلات؟

حنا نقوی ❖...... بہت زیادہ آسانیاں ہوتی ہیں۔ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ باہمی اعتماد و اعتبار بڑھتا ہے۔چونکہ ایک دوسرے کے کام کی نوعیت، پیشہ ورانہ مصروفیت اور مسائل جانتے ہیں اس لیے گھر میں مسئلہ نہیں ہوتا۔کام کی باریکیوں سے واقف ہوتے ہیں۔کام کے حوالے سے بہترین مشورے دے سکتے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... دفتر میں آپ محض شریکِ کار ہوتی ہیں یا شریکِ حیات ہونے کے سبب خاور صاحب کچھ رعایت دے دیتے ہیں؟

حنا نقوی ❖...... دفتر میں تو خاور صرف باس ہوتے ہیں اس لیے رعایت بالکل بھی نہیں دیتے، ہاں گھر کی باس میں ہوں۔

پاکیزہ ✧...... گھر کی باس آپ کیسی ہیں؟

حنا نقوی ❖...... گھر میں میں اپنے تمام گھر والوں کی باس ہوں اور اپنے ماتحتوں کے بہت لاڈ اٹھاتی ہوں۔ان کے مسائل حل کرتی ہوں۔روایتی باس نہیں ہوں۔

پاکیزہ ✧...... کچن میں خاور صاحب ہاتھ بٹاتے ہیں یا کام زیادہ بڑھاتے ہیں؟

حنا نقوی ❖...... عام طور پر کچن میں نہیں جاتے۔ ہاں جب صبح مجھے چائے پلانے کا موڈ ہوتا ہے تو صبح کی چائے بناتے ہیں اور بہت عمدہ بناتے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... غصہ پی لیتی ہیں یا بھڑاس نکال کر ہی پُرسکون ہوتی ہیں؟

حنا نقوی ❖...... یہ تو منحصر ہے کہ کس پر غصہ آرہا ہے کوئی عمر میں بڑا ہے تو پینا ہی پڑتا ہے چھوٹا ہو تو اتار لیتی ہوں۔

پاکیزہ ✧...... کسی سے ناراضی کا دورانیہ کتنا ہوتا ہے؟

حنا نقوی ❖...... اپنے قریبی رشتوں سے میں زیادہ دیر ناراض نہیں رہتی۔البتہ جنہیں چھوڑنے کا فیصلہ کر لیتی ہوں پھر مڑ کر نہیں دیکھتی۔

پاکیزہ ✧...... کیا محبت اظہار سے نمو پاتی ہے؟

حنا نقوی ❖...... صد فی صد۔بغیر اظہار کے کیا پتا چلے گا کہ جذبے میں شدت ہے، کمی ہے۔اظہار تو اپنی محبت کا ہم اللہ سے بھی کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... وہ ایک پل جب آپ کو خود اپنے آپ پر رشک آیا؟

حنا نقوی ❖...... ایک پل نہیں، ہر لمحہ مجھے خود پر رشک آیا کہ اللہ نے مجھے کتنی اچھی فیملی، بہت اچھا شوہر اور بچے دیے۔اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا بھرپور موقع دیا۔

پاکیزہ ✧...... وہ ایک پل جب خود کو بہت.... بے بس محسوس کیا؟

حنا نقوی ❖...... جب میرے والد صاحب کا انتقال ہوا۔

پاکیزہ ✧...... آپ کا پسندیدہ رشتہ، شخصیت، کتاب، رنگ، خوشبو، موسم، وقت، ٹی وی پروگرام، فلم، ڈش، تفریحی مقام، مشغلہ؟

حنا نقوی ❖...... جس رشتے میں دوستی کا عنصر ہو۔ میرے والد سید قدرت نقوی مرحوم، نہج البلاغہ، سفید، موتیا کے پھولوں کی، سردی اور برسات کے موسم، جب بہترین ساتھ ہو تو ہر وقت ہی اچھا ہے، موسیقی کا جو بھی معیاری پروگرام ہو، دل والے دلہنیا لے جائیں گے۔ جو شدید بھوک کے عالم میں بغیر محنت کے تیار مل جائے، تمام پہاڑی مقامات، اپنی فیملی کے ساتھ گپ شپ لگانا۔

پاکیزہ ✧...... پاکیزہ بہنوں کے لیے کیا پیغام دیں گی؟

حنا نقوی ❖...... آپ خود کو کمزور کبھی نہ سمجھیں۔سختیوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور طاقت خود میں لے کر آئیں۔اگر ترقی کرنا چاہتی ہیں تو آپ کو خود کو مضبوط بنانا ہوگا۔جب ہی آپ معاشرے میں اپنا مقام منوا سکیں گی۔





# روحانی مشورے

ادارہ

## آپ کے ہاں پیاری سی بیٹی ہو

بعض شادی شدہ جوڑے بیٹی کی خواہش رکھتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ پارہ نمبر 13 کی سورۂ رعد کی آیت نمبر 8 پڑھ کر بیوی پر پھونکیں یا بیوی خود پڑھ کر اپنے اوپر اول و آخر درود ابراہیمی کے ساتھ دم کرے۔ عمل کی مدت پانچ ماہ ہے۔ انشاء اللہ پیاری سی بیٹی تولد ہوگی۔

## ہمیشہ تندرست رہیے

جو شخص یہ چاہے کہ مرتے دم تک اس کے تمام اعضا درست رہیں اور وہ تندرست اور توانا رہے تو روزانہ تین دفعہ اپنے اوپر پڑھ کر پھونکیں۔ پارہ 21 آیت نمبر 30 سورۂ روم کم سے کم تین ماہ تک پڑھنی ہے۔ اور سورۂ فاتحہ روزانہ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرنا چاہیے۔ کم از کم سات مرتبہ تو ہر شخص کو دم کرنا چاہیے۔

## دین و دنیا میں مالا مال

اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہو کہ دنیا میں بھی وہ ہر نعمت سے نوازا جائے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کو کسی نعمت سے محروم نہ کرے تو ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ سورۂ محمد کو صبح شام پڑھے جو پارہ نمبر 26 میں ہے۔

## یرقان اور ہیپاٹائٹس کا علاج

اگر کسی شخص کو مذکورہ بالا بیماریاں لاحق ہوگئی ہیں تو اسے پہلے سورۂ فاتحہ ایک بار، سورۂ حشر سات بار پھر ایک بار سورۂ قریش پڑھ کر پانی پر دم کر کے اس وقت تک پلائیں جب تک فائدہ نہ ہو۔ مریض کے کمرے میں ہر وقت سورۂ رحمان کا کیسٹ لگا رہے۔

## پاؤں سو جانے کا علاج

جب کسی شخص کا پاؤں سو جائے تو اپنے سب سے زیادہ محبوب شخص کو یاد کرے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یاد کریں کیونکہ تمام مخلوق میں آپؐ سب سے زیادہ محبوب ہیں اور آپؐ کی محبت ہمارے ایمان کا لازمی جز ہے۔

## حج پر جانے کے لیے

اگر کسی شخص کو حج پر جانے کی طلب ہو اور کوئی وسیلہ جانے کا نہ ہو تو کثرت سے پارہ نمبر 18 کی سورۂ نور کی آیت نمبر 35 پڑھیں اور اس وقت تک پڑھیں جب تک امید بر نہ آجائے۔

باآواز بلند بسم اللہ پڑھ کر حج کی نیت کرے۔ اب پورا کرنا اللہ کا کام ہے۔

## شادی کیوں کر ہو......؟

آج کل ہر دوسرے گھر میں یہ مسئلہ سر اٹھائے ہوئے ہے کہ لڑکیوں کے رشتے نہیں آتے۔ جو آتے ہیں، دیکھتے ہیں، پسند بھی کر لیتے ہیں مگر دوبارہ پلٹ کر نہیں آتے۔

بعض گھرانوں میں ان کی حیثیت کے حساب سے رشتے نہیں آتے۔ غرض شادی آج کے دور میں جتنا مسئلہ بنی ہوئی ہے اتنی شاید کبھی نہیں تھی۔ ہم بہت سے آزمودہ وظائف اور دعائیں آپ کو بتا رہے ہیں جو بے حد موثر ہیں۔

## اچھی جگہ شادی کے لیے

روزانہ تین بار سورۂ رحمان پڑھیں۔ دو نفل حاجت کے پڑھ کر سجدہ ریز ہو کر اچھی جگہ شادی کے لیے دعا کریں۔ عمل کی مدت چار ماہ ہے۔

## جلد شادی کے لیے

بعد نمازِ مغرب 313 مرتبہ یا لطیف لڑکی یا لڑکی

کے والدین میں سے کوئی بھی پڑھے انشاء اللہ جلد مناسب بر آجائے گا۔ اول آخر درود ابراہیمی تین، تین بار لازمی پڑھیں۔ جب تک شادی نہ ہو پڑھتے رہیں۔

## نیک شوہر کے لیے

ہر نماز کے بعد درود شریف کے ساتھ یہ دعا بھی مانگنی چاہیے۔ یا وھاب ھب لی زوجا صالحا۔ (اے بہت عطا کرنے والے مجھے نیک شوہر عطا فرما) جب تک شادی نہ ہو جائے۔ یہ دعا مانگتی رہیں۔

## اپنا آئیڈیل حاصل کرنے کے لیے

وہ تمام لوگ جو یہ چاہتے ہیں کہ ان کی زندگی کا ساتھی آئیڈیل ہو، اس کے ساتھ ان کی زندگی ہمیشہ خوش و خرم گزرے...... اس کے لیے آپ کو نماز کی باقاعدگی کرنی ہوگی۔ ہر کام بسم اللہ پڑھ کر کرنا ہوگا۔ روزانہ دو رکعت شکرانے کے ادا کرنے ہوں گے۔ بزرگوں سے دعائیں لیجیے، ہر سائل کی مدد اپنی استطاعت کے حساب سے کریں اور ہر نماز کے بعد صرف ایک تسبیح یاحی یاقیوم پڑھنی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے آئیڈیل سے ضرور نوازے گا۔

## شادی کے لیے ایک مجرب ٹوٹکا

یہ ایک مجرب ٹوٹکا ہے، جس کو ہزاروں لوگوں نے کیا اور مستفید ہوئے۔ اور ہم بارہا بتا بھی چکے ہیں یہ بے حد آسان ہے، اس کے لیے آپ مٹی کی ایک ہانڈی لے لیں۔ اور ایک نیا تالا......

ہانڈی میں تالا کسی سے بند کروا کے رکھوا دیں۔ جس کی شادی ہو چکی ہو اور ہانڈی کو پانی سے بھر لیں کہ تالا اس میں ڈوب جائے۔

آپ روزانہ دو رکعت نماز حاجت برائے شادی کے ادا کرنے کے بعد وہ ہانڈی اپنے سامنے رکھیں اور صرف ایک بار یٰسین شریف پڑھ کر اس پانی پر دم کر دیں اور دعا مانگیں۔ اے پاک پروردگار...... تو ہی ہر کام پر قادر ہے۔ جس طرح یٰسین شریف دلوں کے قفل کھولتی ہے۔ اسی یٰسین شریف کی برکت سے اگر میری شادی پر قفل پڑ گیا ہے تو اس کو کھول دے۔ چالیس دن تک اسی طرح یٰسین شریف پڑھ کر دعا مانگتی رہے۔ ناغے کے دن نکال کر بعد میں چالیس دن کا کوٹا پورا کریں۔ اکتالیسویں دن تالا باہر نکالیں۔ چابی جو آپ کے پاس باہر موجود ہے۔ اس چابی سے یہ تالا لڑکی کھولے جس کی شادی نہیں ہو رہی ہے۔ تالا کھولنے کے بعد وہ چابی تالا ہانڈی سمیت کسی بہتے ہوئے پانی میں بہا دیں۔ مگر یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی ہے کہ نہ تالا کچھ کرامت دکھا رہا ہے اور نہ ہی ہانڈی......

یہ سب یٰسین شریف کی برکت سے ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی آپ کی حاجتوں کو پورا کرنے والا ہے۔ مٹی کی ہانڈی عموماً ٹپکنے والی ہوتی ہیں اس لیے دیکھ بھال کر کے بلکہ چیک کر کے لیں۔ مٹی کی ہانڈی پانی پی لیتی ہے۔ اس لیے جب اس میں پانی کم ہو جائے تو مزید پانی ڈال سکتی ہیں۔ تالا پانی میں پڑے، پڑے زنگ آلود بھی ہو جاتا ہے جو چابی سے نہیں کھل پاتا۔ اس کو آپ بتا ما کر بھی کھول سکتی ہے۔

## شادی میں بندش ختم کرنے کے لیے

سورۂ طٰہٰ دن میں ایک مرتبہ لازمی پڑھیں۔ خصوصاً وہ لڑکیاں جن کے رشتوں پر بندش ہے۔ یا کسی قسم کا بھی جادو ہو انشاء اللہ ان کی شادی اچھی جگہ اور جلد ہو گی۔

## ایک ضروری بات

اگر آپ کی بیٹیوں کے رشتے نہیں ہو رہے تو آپ ان پر لعن طعن نہ کریں اور نہ ہی ان سے ایسی باتیں کریں کہ وہ احساس کمتری کا شکار ہو جائیں یا وہ ذہنی مریضہ بن جائیں۔ اپنی چہیتی بیٹیوں کے ساتھ ہرگز ایسا سلوک نہ کریں جن سے انہیں اپنی توہین محسوس ہو۔ ہماری بیٹیاں ہمارے پاس مہمان ہیں ان سے ایسا سلوک ہرگز نہیں کریں جن سے ان کو صدمہ ہو بیٹیاں خود کثرت سے یالطیف کا ورد کیا کریں۔







# شوابے
## ہومیو کلینک

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

### قد بڑھانا ہے

**عامرہ...... کراچی**

میری عمر 19 سال ہے اور وزن 11 پونڈ ہے۔ میرا قد 5 فٹ 2 انچ ہے۔ کئی سالوں سے میرا قد نہیں بڑھ رہا ہے۔ برائے کرم قد بڑھانے کی کوئی دوا تجویز کریں۔



جواب:۔ عامرہ بی بی، قد 17 سال بعد کم ہی بڑھتا ہے۔ اور خاندانی اثرات بھی ہوتے ہیں۔ ایک کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ اچھی متوازن غذا استعمال کریں۔ متوازن غذا سے مراد انڈا، دودھ، مکھن، گھی، گوشت (گائے، بکرا، مچھلی) دالیں، پھل و سبزیاں لیں۔ صبح سویرے ورزش کا اہتمام کریں خصوصاً لٹکنے والی ورزش آپ کے لیے مفید ہے۔ اس کے علاوہ اگر مزاج میں تیزی ہو، غصہ جلد آتا ہو تو Thyroidinum 30 صبح و شام کھایئے اور Baryta Carb 30 دوپہر اور رات کھانے کے بعد پانچ پانچ قطرے استعمال کیجیے اور اپنے احوال سے بھی آگاہ کرتی رہیں۔

### چہرے پر دانے

**شمع...... فیصل آباد**

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے چہرے پر دانے نکل

رہے ہیں جو کہ سرخ رنگ کے ہوتے ہیں۔ خود نکلتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں۔ مگر بعض اوقات اتنے نکلتے ہیں کہ چہرہ عجیب سا لگتا ہے۔ برائے مہربانی کوئی دوا تجویز فرمائیں۔ میری عمر 20 سال ہے۔

جواب:۔ شمع صاحبہ! آپ اپنے کھانے میں موسمی پھلوں اور سبزیوں کا اضافہ کیجیے۔ منہ پر کسی قسم کی کوئی کریم استعمال نہ کریں' دن میں پانچ سے چھ مرتبہ پانی سے دھویا کریں۔ صبح سویرے کی دھوپ یا شام کو سورج غروب ہونے سے پہلے کی دھوپ میں 15 منٹ تک روزانہ بیٹھیں۔ Juglans Regia 30 روزانہ ایک خوراک یا Gun Powder 3X دن میں تین مرتبہ لیں۔

## سر کے بال گر رہے ہیں

### رانا...... اسلام آباد

میری تکلیف یہ ہے کہ کافی عرصے سے میرے سر کے بال گر رہے ہیں اور سر میں خشکی اور کائی بھی ہے۔ مختلف قسم کے تیل اور شیمپو استعمال کیے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آپ کوئی اچھا سا نسخہ تجویز فرما دیں۔

جواب: اپنے بالوں کی صفائی کا خیال رکھیں۔ اچھی اور متوازن غذا کا استعمال کریں۔ خوشبو والے صابن اور تیل کا استعمال ترک کر دیں۔ صبح ناشتے کے بعد Acid Flour 30 دوپہر کو کھانے کے بعد Vinca Minor 30' Acid PhosQ کے پانچ قطرے ایک گلاس پانی میں رات کو سوتے وقت استعمال کریں اور ایک مہینے بعد اپنے حال سے آگاہ کریں۔

## موٹاپا

### ناصر چوہان...... لاہور

میری عمر 20 سال ہے لیکن میرا وزن 65 کلو گرام ہے۔ سینہ 34 انچ اور پیٹ 36 انچ چوڑا ہے میں بہت موٹا ہوں۔ دودھ، انڈے اور میٹھی چیزوں سے مجھے رغبت ہے اور ورزش سے مجھے چڑ ہے۔ مٹاپے کی وجہ سے گھٹنے میں درد رہتا ہے اور سر میں بھی ہلکا سا درد رہتا ہے۔ سر کو گھمانے سے چکر آتے ہیں۔ اس موٹاپے کی وجہ سے میں مناسب طور پر کپڑے بھی نہیں پہن سکتا اور دوسرے لوگ میرا مذاق اُڑاتے ہیں۔




جواب: سب سے پہلے آپ اپنی غذا کی طرف توجہ دیں۔ دن میں بھوسی والی ایک روٹی کھائیں، ہر کھانے میں ایک پیالہ سوپ پئیں۔ سبزیوں میں گاجر، ٹماٹر، سلاد اُبال کر یا کچی بھی استعمال کریں۔ پھلوں میں موسمی پھل اور سیب استعمال کریں۔ کیلا، آلو اور مرغن غذاؤں سے پرہیز کریں، ورزش ضرور کیا کریں۔ کم از کم ایک گھنٹا پیدل چلیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی روزانہ ایک خوراک 5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں Calc Carb 200 کے روز صبح کو لیں اور Phytolacca e Baccis کے 7 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔ رات سونے پہلے Nux vomica30 کی ایک خوراک یعنی 7 قطرے ایک گھونٹ پانی میں لیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

## طالب علم کی یادداشت

### ثمینہ......چیچہ وطنی

میری یادداشت بہت کمزور ہے۔ ایک سوال کو میں ایک دن میں یاد کروں وہ میں دوسرے دن بھول جاتی ہوں۔ دوسرے یہ کہ مجھے یاد بھی دیر سے ہوتا ہے۔ جب پڑھنے بیٹھتی ہوں تو مختلف خیالات ذہن کو پریشان کرتے ہیں اور جب خالی پیٹ ہوتی ہوں تو معاملہ اور خراب ہو جاتا ہے اسی وجہ سے نیٹ امتحان میں بار بار فیل ہو جاتی ہوں۔ برائے مہربانی کوئی ایسی دوا تجویز فرمائیں کہ میری یادداشت تیز ہو جائے۔

جواب:۔ دن میں تین مرتبہ Anacardium 30 ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی تھوڑے سے پانی میں 10 قطرے اور Avena Sativa Q Acid Phos Q کے 5,5 قطرے گرم پانی میں استعمال کریں۔ پوری توجہ سے یکسو ہو کر پڑھا کریں۔ جس چیز کو




یاد کرنا ہو اس کو پہلے اچھی طرح پڑھیں پھر اس کو تین یا چار بار لکھا کریں۔ اس طرح اچھا یاد ہو جائے گا۔

## کھانے کے بعد اجابت

### عزیز...... بھیم پورہ

میں جب کوئی چیز کھاؤں یا کھانا کھاؤں تو مجھے اُس کے فوراً بعد اجابت ہو جاتی ہے۔ برائے مہربانی اس کا کوئی علاج تجویز کر دیں کیونکہ اس وجہ سے میں کسی دعوت میں شرکت کرنے سے گھبراتا ہوں۔ مجھے میٹھی چیزیں بہت زیادہ پسند ہیں۔

جواب:۔ چربیلی غذاؤں سے پرہیز کریں۔ تین حصے کھانا اور ایک حصہ خالی چھوڑ کر کھانا کھائیں تاکہ ہضم ہو سکے۔ بار بار کھانے پینے سے پرہیز کریں۔ تیز مرچ مصالحے اور گائے کے گوشت سے پرہیز کریں۔ کھچڑی، چاول کھائیں، موسم کے پھل بھی استعمال کریں، انار کے دانے کھائیں۔ اس کے علاوہ دن میں چار مرتبہ Argentum Nitricum 30 پندرہ دن استعمال کریں پھر آگاہ کریں۔

## موٹا ہونا چاہتا ہوں

### مہندر کمار...... ٹنڈو آدم

میری عمر 24 سال ہے اور میرا وزن 45 کلوگرام ہے۔ میں تقریباً ہڈیوں کا ڈھانچا نظر آتا ہوں۔ مناسب کھاتا پیتا ہوں مگر پھر بھی موٹا نہیں ہوتا۔ چار مہینے بعد میری شادی ہونے والی ہے۔ برائے مہربانی کوئی ایسی دوا تجویز کریں کہ میں موٹا ہو جاؤں۔

جواب:۔ آپ تفصیل سے اپنا حال لکھیں جس میں اپنے جسم کی ساخت اور مزاج کے بارے میں بھی لکھیں۔ Alfalfa Q ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کے 11 قطرے ہر کھانے سے ایک گھنٹا پہلے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر لیں۔ Calc Carb 30 کے 5 قطرے دن میں تین مرتبہ آدھا گلاس پانی میں ڈال کر لیں۔ ناشتے میں، دودھ، مکھن، دہی، بالائی، پراٹھا استعمال کریں۔ نشاستے دار غذائیں، کھجور، کیلا اور آلو کھائیں۔ ہلکی ورزش کیا کریں۔

## صحت ٹھیک نہیں رہتی

### ن۔م...... کراچی

(برائے مہربانی سوال شائع نہ کریں)

جواب:۔ اچھے ماحول اور بزرگوں کی صحبت کو اپنائیں۔ بری صحبت سے بچیں۔ دینی کتابیں پڑھیں، اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں تاکہ آپ کا کردار بلند ہو، نماز کی پابندی کریں، ورزش کیا کریں اور اپنے آپ کو مصروف رکھا کریں۔ مرغن اشیا گوشت، مچھلی، انڈا، خشک میوے سے مکمل پرہیز کریں، سبزیوں کا استعمال زیادہ کریں۔ دن میں چار مرتبہ Staphysagria 30 ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی لیں۔ Conium 30 رات کو لیں۔ Acid Phos Q اور Avena Sativa Q کے 5، 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔

## پیشاب کی زیادتی

### رقیہ...... فیصل آباد

میں ایک اسٹوڈنٹ ہوں۔ مجھے دو سال سے یہ مسئلہ ہے کہ پیشاب بہت زیادہ آتا ہے۔ اور قطرہ قطرہ آتا ہے۔ دن میں 20 سے پچاس مرتبہ پیشاب کرتی ہوں جس کی وجہ سے بہت زیادہ کمزور ہو گئی ہوں۔ جسم ہڈیوں کا ڈھانچا سا بن گیا ہے۔ میں نے بہت سے ٹیسٹ کروائے ہیں۔ ڈاکٹرز نہ تو شوگر کا مسئلہ بتاتے ہیں اور نہ ہی کچھ اور۔ صرف یہ کہتے ہیں کہ کمزوری ہے۔ میری خوراک بالکل ٹھیک ہے دو سال سے میڈیسن اور دیسی ٹوٹکے کر کر کے تھک چکی ہوں۔ میں بہت زیادہ پریشان ہوں، میری پڑھائی بہت ڈسٹرب ہو گئی ہے۔ یادداشت بہت زیادہ کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ مہربانی ہوگی اس کا کوئی بہتر علاج بتائیں اور دماغ کے لیے بھی۔

جواب :- آپ کی علامات نا کافی ہیں۔ صحیح تشخیص کے لیے Urine D/R,Thyroid Profile, U/S Pelvis,HbA1C کروا کر رپورٹس بھیجیں۔ ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Anacardium 30، Gelsemium 30، Iodium 30، Merc.cor 30 کے 5، 5 قطرے آدھا کپ پانی میں تین مرتبہ استعمال کریں۔

## خارش اور ناک کی ہڈی

### فخر النساء...... راولپنڈی

میری ناک کی ہڈی بڑھی ہوئی ہے۔ اکثر نزلہ زکام رہتا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جسم پر اکثر خارش رہتی ہے۔ پسینا آنے پر یا پانی لگنے پر جلن ہوتی ہے۔ دانوں میں پیپ نہیں ہوتی۔ مگر جلن اور خارش کی وجہ سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ ہومیو پیتھک کا کافی علاج کروایا۔ وقتی طور پر خارش میں افاقہ ہوتا ہے مگر کچھ عرصے بعد پھر خارش شروع ہو جاتی ہے۔ برائے مہربانی دونوں مسئلوں کے لیے دوائی تجویز کریں۔

جواب :- ٹھنڈی کھٹی چیزوں سے پرہیز کریں۔ گرم کے بعد ٹھنڈا یا ٹھنڈے کے بعد گرم استعمال نہ کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ صبح نہار منہ Sulphur 200 کی ایک خوراک یعنی 7 قطرے آدھا کپ پانی میں لیں۔ اس کے ایک دن بعد Belladona 30، Calc.fluour 30، Kalim.mur 30 کے 5،5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔

## تلووں میں جلن

### علی خان...... وزیر آباد

مجھے گزشتہ 3 سال سے پاؤں کے تلووں میں جلن ہو رہی ہے۔ ہر قسم کے میڈیکل علاج، ہومیو پیتھک علاج اور دیسی علاج کروا چکا ہوں لیکن کوئی بھی فائدہ نہیں ہوا۔




میرا یورک ایسڈ پہلے بڑھا ہوا تھا اب دواؤں سے کنٹرول ہے۔ کیلشیم ٹھیک ہے۔ شوگر 115 ہے۔ بائیں پاؤں میں بہت شدید جلن ہو رہی ہے۔ بند جوتے پہننا میرے لیے بہت مشکل ہو گیا ہے۔ میرے سر کے بال بھی بہت تیزی سے سفید ہو رہے ہیں۔ یادداشت بھی بہت کمزور ہو گئی ہے۔ ان سب کے لیے کوئی دوائی تجویز کریں۔

جواب :- سبزیوں اور پھلوں کا استعمال بڑھا دیں اور ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ صبح نہار منہ صرف ایک دفعہ 2 قطرے آدھا کپ پانی میں Sulphur 200 کے۔ ایک دن کے بعد Iodium 30 اور Acid Phos 30 کے 5، 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ۔ HbA1C کا ٹیسٹ کرا کر ..... ایک ماہ کے بعد اپنی طبیعت سے مطلع کریں۔

## نسوانی مسائل

### فوزیہ...... خوشاب

مجھے دو سال سے لیکوریا کا مسئلہ ہے۔ کبھی زیادہ ہو جاتا ہے تو کبھی کم۔ میں بہت کمزور ہوں مجھے بھوک بہت کم لگتی ہے، کچھ کھانے کو دل نہیں چاہتا اور پیٹ میں کبھی کبھی درد بھی ہوتا ہے۔ میرے جسم میں خون کی کمی ہے جس کی وجہ سے پورے جسم میں درد رہتا ہے۔ ڈاکٹر کو چیک کروایا تو انہوں نے بس کمزوری بتائی باقی سب کچھ نارمل ہے۔ میں دودھ بھی پیتی ہوں اور فروٹ بھی کھاتی ہوں لیکن پھر بھی بہت کمزور ہوں۔ ہڈیاں نظر آتی ہیں۔ صحت روز بروز گرتی جا رہی ہے۔ نسوانی حسن کی بھی بہت کمی ہے۔ پلیز آپ کوئی ایسی دوا تجویز کریں جس سے مجھے بھوک لگے اور غذا جزو بدن بنے اور جگر خون پیدا کرے تا کہ جسم میں خون کی کمی پوری ہو جائے۔ میری آنکھوں کے گرد حلقے بھی ہیں اور رنگ بھی سیاہی مائل ہو رہا ہے۔ پلیز ان سب مسائل کے لیے بہترین دوائیں تجویز کریں۔ اللہ تعالیٰ

آپ کو اس کا اجر دیں گے۔ (آمین)

جواب :۔ خون کی کمی کا کوئی ٹیسٹ کروایا ہے؟ اس کے بغیر آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ خون کی کمی ہے اور خون نہیں بن رہا۔ CBC اور Thyroid Profile کرا کر رپورٹ بھیجیں اور ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Ferum Met 30، Bovista 30، Iodium 30 کے 5،5 قطرے آدھا کپ پانی میں تین مرتبہ استعمال کریں۔

## وزن کی کمی

### رضا علی...... حیدر آباد

میری عمر 41 سال ہے۔ پچھلے دو سال سے وزن کافی کم ہو چکا ہے۔ اندرونی کمزوری بہت زیادہ ہے۔ اب کندھوں میں درد ہوتا ہے کام نہیں کر سکتا کیونکہ تھکاوٹ ہو جاتی ہے۔ معدہ خراب رہتا ہے، اجابت کرتے ہوئے جلن ہوتی ہے، ذرا کوئی طاقت والی چیز کھالوں یا مرچ والی چیز کھالوں تو پیٹ خراب ہو جاتا ہے۔ کافی علاج کرایا اور پرہیز بھی کیا ہے لیکن دوائیوں سے اتنا فرق نہیں پڑا۔ اگر معدہ ٹھیک ہو تو پیشاب کے بعد قطرے نہیں آتے۔ پانی دس سے بارہ گلاس پیتا ہوں۔ وزن اُٹھالوں تو سر میں درد ہوتا ہے۔ 76 kg وزن تھا اب 58 kg رہ گیا ہے۔ برائے مہربانی کوئی اچھی دوا بتائیں۔

جواب :۔ تازہ فروٹ اور سبزیاں استعمال کریں۔ برے ماحول اور برے لوگوں سے بچیں۔ ذہن کو پراگندہ نہ ہونے دیں۔ نماز کی پابندی کریں۔ شادی کرلیں۔ اس کے اچھے اثرات ہوں گے۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں ایک ماہ تک۔ Staphisagria 200 روزانہ صبح 7 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر لیں۔ Selenium 30 روزانہ دوپہر اور رات کو استعمال کریں Alfalfa Q کے 10 قطرے ایک کپ پانی ڈال کر ہر کھانے کے بعد استعمال کریں۔

## فسچولا

### احمد...... کوٹ ادو

میں اپنا مسئلہ لے کر حاضر ہو رہا ہوں، اُمید ہے آپ کا بورڈ رہنمائی کرے گا۔ میں کافی عرصے سے Fistula کا شکار ہوں، میں نے کوئی دھیان نہ دیا، طرح طرح کے مرہم، کریم لگاتا رہا مگر بے سود۔ پھر سرجن کو دکھایا تو کہا اس کا آپریشن ہوگا۔ لوگوں سے مشورہ کیا اور کئی جگہ پڑھا بھی کہ یہ پھر پانچ یا چھ ماہ بعد ہو جاتا ہے۔ جب یہ دانہ بنا کافی خون نکلا مگر دانے میں نہ کوئی جلن ہے نہ درد۔ نہ اجابت کرتے میں کوئی تکلیف یا خون، نہ پیشاب میں جلن۔ پھر کسی نے کہا ہومیو علاج کرواؤ۔ میں نے تین ماہ دوائی کھائی مگر دانہ ختم نہ ہوا۔ پہلے سے مواد بننا کم ہو گیا ہے۔ مہینے بعد تقریباً پھٹتا ہے اور مواد بھی کم ہوتا ہے۔ مگر دانہ اپنی جگہ قائم ہے۔ ویسے چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ بڑا گوشت، انڈا، مچھلی، تلی ہوئی چیزیں، بیکری آئٹم سب بند کر دیے ہیں۔ بادی چیزوں سے بھی پرہیز کرتا ہوں۔ آپ کا بڑا احسان ہوگا کہ اس کا حل تجویز کر دیں۔ اللہ آپ کو اس کی جزا دے گا۔ آمین۔

جواب :۔ تیز مرچ مصالحوں کے سوا سب کچھ کھائیں۔ قبض نہ ہونے دیں۔ تازہ پھل اور سبزیاں زیادہ سے زیادہ کھائیں۔ Sulphur 200 کی ایک خوراک صبح نہار منہ لیں پھر ایک دن بعد ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Peonia 30 دن میں تین بار پانچ قطرے لیں اور پندرہ دن بعد دوبارہ حالت بتائیں۔